

# انتخابِ بخاری شریف

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

عربی شرح: علامہ ترمذی و تشریح: علامہ ترمذی  
 ترمذی: ۱۰۰۰ھ، ترمذی: ۱۰۰۰ھ، ترمذی: ۱۰۰۰ھ  
 ترمذی: ۱۰۰۰ھ، ترمذی: ۱۰۰۰ھ، ترمذی: ۱۰۰۰ھ

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث

امام بخاری رحمہ اللہ و ترمذی رحمہ اللہ

جلد دوم

ادارۃ اسلامیات، ۱۹، انارکلی، لاہور

www.toobaa-elibrary.blogspot.com

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ اور بے مثل تشریح

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ

# اِتِّخَابُ بَخَارِي شَرِيف

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث

امام بکھاری قدس اللہ سرہ العزیز ۲۵۶ھ

ترجمہ گرامی  
محکم دلائل و اشرف علی تصانیف  
۱۳۶۲ھ

شہداء و شہر کی فائدہ  
حضرت مولانا غفر احمد عثمانی  
۱۳۹۵ھ

عربی شرح  
علامہ ابن ابی حبر و مالکی اندلسی  
۶۹۹ھ

جلد ۱۱۶م

احادیث شریف سے مسائل سلوک و تصورات، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے  
استنباط پر وہ گرافیک کتاب جو ہر دور میں علماء، صوفیاء اور دیندار حضرات کی توجہ کا  
مستحقہ طور پر مرکوز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شائع

ناشر

ادارۃ اسلامیات ۱۹ انارکلی ۰ لاہور



متعدد کتابوں پر تحریر کئے گئے  
تبصروں کا مجموعہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

مولانا محمد عقیف غلام

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)

مکتبہ معارف القرآن کراچی

## انتخاب بخاری شریف

تالیف: علامہ ابن ابی جریر اندلسی۔ اردو ترجمہ و تخریجی فوائد: حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی۔ ناشر: ادارہ اسلامیات ۱۹۰-۱۹۱ کنگلی، لاہور۔ ۲۳۵۳۶  
 سائز کے ۶۵۶ صفحات۔ کتابت و طباعت متوسط، جلد نہیں، قیمت مجلد ڈاکئی دار: ۲۸ روپے

علامہ محمد بن ابی جریر رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری میں اندلس کے معروف علماء اور شیعہ سنت صوفیاء میں سے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری کی ایک شرح "تہجدہ السطور" کے نام سے لکھی ہے جو بالکل اچھوتے اور نرالیے انداز میں لکھی گئی ہے، اس شرح میں علامہ موصوف نے احادیث سے تصوف و احسان کے مسائل کا بڑے لطیف جوابے میں استنباط کیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف شریعت سے الگ چیز نہیں، بلکہ دین کا اہم جزو ہے، اور اس کا اصل ماخذ قرآن و سنت



ہی ہیں۔ علامہ ابنی جمرہ رحمہ اللہ کی اس کتاب میں احادیث کے جو اسرار، معارف، لطیف علمی نکات اور خاص طور پر سائیک طریق کو جو ہدایات ملتی ہیں وہ اس قدر عظیم الشان اور گراں قدر ہیں کہ بعض اوقات ان پر روج و جد کرتی ہے۔ اور لفظ یہ ہے کہ عام طور پر ان معارف و نکات میں تکلف اور آلودہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ بڑے بڑے سائنس اور بے تکلف انداز میں احادیث سے مستحکم کئے گئے ہیں۔

عظیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دین کے تمام شعبوں، خاص طور پر تصوف و طریقی کی تجدید کا کام لیا ہے، آپ کو علامہ ابنی جمرہ کی یہ کتاب ان خصوصیات کی بناء پر بہت پسند تھی، چنانچہ آپ کی خواہش تھی کہ اس کا اردو ترجمہ ہو جائے، آپ کی خواہش کی تکمیل کی سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا عظیم احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کے حصے میں آگئی تھی، چنانچہ آپ نے "زخنة الفلوس" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ فرمایا اور ترجمے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی جادہ فائدہ کا اضافہ فرمایا، جو علمی اور تربیتی اعتبار سے بڑے گراں قدر مباحث پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا عظیم احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کو علم و فضل کا جو مقام بخشا تھا، اس دور میں اس کی نظیر ملتی مشکل ہے، اور یہ کتاب حضرت موصوفہؒ کے اسی مقام کی آئینہ دار ہے۔

بندہ مستحکم میں ایک مرتبہ چھپنے کے بعد اب یہ کتاب نایاب ہو چکی تھی، اب ادارہ اسلامیات لاہور نے اس کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کر کے علمی حلقوں کے لئے والوں پر بڑا احسان کیا ہے، امید ہے کہ اللہ اعلیٰ علم اور اعلیٰ طریق اس کی قدر دانی کریں گے۔  
(رہب المرباب (۱۴۱۷ھ))

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)

# فہرست

درجۃ القدوس (انتخاب بخاری) جلد دوم

پہلی بار شکی جامعہ \_\_\_\_\_ جنوری ۱۹۸۱ء

انتظام \_\_\_\_\_ شہرت محلہ ۱۰۰۰

ناشر \_\_\_\_\_ لائسنس نمبر ۲۰۱۱

جامعہ \_\_\_\_\_ دفاع پریس - ۱۰۰۰

قیمت نمبر ڈال دے \_\_\_\_\_

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۲۹	تراویح سنت ہے بدعت نہیں	
۳۰	بسن و فہرست مندرجہ فہرست	
۳۱	بجائے بڑے وقت دنیا حاصل کرنا جائز ہے	۱۵
۳۲	مات کا اشتہار ہی افضل ہے	۱۶
	درجۃ القدوس (انتخاب بخاری) جلد دوم	
	۱۰- تلامذہ کی حدیث کی طرف توجہ	۱۸
	۱۱- تلامذہ کی حدیث کی طرف توجہ	۱۹
۳۳	شوق کا زہر ہوتا ہے مہارت ہے	۲۰
۳۴	سوانح طریقی کو محنت سے آوارہ کیا	۲۱
۳۵	کام سے پہلے اس کا اہتمام	۲۲
۳۶	بدعتوں سے بچ کر کوڑا دینا	۲۳
۳۷	دعوتی اور دہلیز کا کھجور	۲۴
	درجۃ القدوس (انتخاب بخاری) جلد دوم	
	۲۵- اصل حدیث بخاری	۲۶
	۲۷- اصل حدیث بخاری	۲۷
	۲۸- اصل حدیث بخاری	۲۸
	۲۹- اصل حدیث بخاری	۲۹
	۳۰- اصل حدیث بخاری	۳۰
	۳۱- اصل حدیث بخاری	۳۱
	۳۲- اصل حدیث بخاری	۳۲
	۳۳- اصل حدیث بخاری	۳۳
	۳۴- اصل حدیث بخاری	۳۴
	۳۵- اصل حدیث بخاری	۳۵
	۳۶- اصل حدیث بخاری	۳۶
	۳۷- اصل حدیث بخاری	۳۷
	۳۸- اصل حدیث بخاری	۳۸
	۳۹- اصل حدیث بخاری	۳۹
	۴۰- اصل حدیث بخاری	۴۰

## ملنے کے پتے

دہلی: ۱۰۰ - ۱۱۰ - ۱۲۰ - ۱۳۰

دہلی: ۱۴۰ - ۱۵۰ - ۱۶۰ - ۱۷۰

دہلی: ۱۸۰ - ۱۹۰ - ۲۰۰ - ۲۱۰

دہلی: ۲۲۰ - ۲۳۰ - ۲۴۰ - ۲۵۰

دہلی: ۲۶۰ - ۲۷۰ - ۲۸۰ - ۲۹۰

دہلی: ۳۰۰ - ۳۱۰ - ۳۲۰ - ۳۳۰

[illegible]

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۴	ساہیوالہ کے لیے ایک سبق	۱۶۴	علاقہ بنی کا دروازہ بند نہیں
۱۶۵	میں نے سارا جہاد کے بعد بھی نہیں نہ چڑھا	۱۶۵	سیدہ عائشہؓ کی ایک نئی تعبیر اور ان کا رد
۱۶۶	علاء الدین کا شکایت	۱۶۶	شیخ اور ماہرین کی نگہداشت
	(۵۶) حدیث، غزوہ بدر، بحرِ غطفہ	۱۶۸	کسی شخص کے لیے اسلام کا منقطع کرنا
۱۶۹	فہرست دہشت گرد غزوہ خندق		(۵۷) حدیث، تعداد رسول اللہ ﷺ و سلم
۱۷۱	سورہ ایلین کا ایک بڑا سبب نکالتے ہیں	۱۷۱	امام شافعیؒ کے دوران گفتگو
۱۷۲	شرعیات میں خصوصیت کے لیے ان کی تصدیق	۱۷۱	غلو یا بدعت کی کجی نہ تھی
۱۷۳	سیاحات پر دیکھ کر ان کے لیے ایک نئی	۱۷۱	تخلیل بلاد میں لگن ہونا کافی
۱۷۵	حدیث میں کئی کتاب	۱۷۲	شیعہ کی عقلیت کے مسائل حل ہوتے ہیں
۱۷۷	مستشرقین کا بغیر دانش کے ہے	۱۷۵	میں نے کئی کتابیں کے طلبہ پر لکھی
۱۷۸	چلنے والوں میں کیا کیا کافر تھے	۱۷۶	ایک بزرگ مذہب کی حکایت
۱۸۰	غنی کاموں پر آج کی بات ہے	۱۷۸	مکرم القسم کو نہ سچ انسان ہونا ہے
۱۸۰	دہشت گردی کی زبانتوں سے کیا ہے	۱۷۹	بہت سے علماء اور ان کی شہادت
	(۵۸) حدیث، اللہ کی قوم سے اللہ تعالیٰ	۱۸۱	وفا کی کتاب نکالت
۱۸۲	ان کے لیے ایک کتاب نکالتے ہیں		(۵۹) صلوات اللہ علیہ اجمعین و بعدہا
۱۸۳	چلنے والوں میں کیا کیا کافر تھے	۱۸۳	عقلمندانہ رائے نہیں سے ڈرتے ہیں
۱۸۴	ان کے لیے ایک کتاب نکالتے ہیں	۱۸۳	میں نے کئی کتابیں پر خود بھی لکھی
	(۵۹) حدیث، اللہ کی قوم سے اللہ تعالیٰ	۱۸۴	غلو یا بدعت کی کجی نہ تھی
۱۸۶	ان کے لیے ایک کتاب نکالتے ہیں	۱۸۸	میں نے کئی کتابیں پر خود بھی لکھی
۱۸۸	ان کے لیے ایک کتاب نکالتے ہیں	۱۹۰	میں نے کئی کتابیں پر خود بھی لکھی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۸	(۶۱۵) حدیث: اِنَّ النَّفْسَ عَلِيْقًا	۱۸۸	عیدین کا نکلنا عید اور عید
۱۹۱	حَقَّاقٌ لَا حَالَةَ عَلَيْهِ حَقًّا	۱۹۱	ایام شریف و مبارک اور عید کے دن
۲۲۳	تینوں کے نزدیک پر حکم نہ لگے	۱۹۲	کہ تمام شریف میں ہر سال اہل بیت ہے ؟
۲۲۶	وہ دیکھو کہ تینوں کے عین سے باہر ہیں	۱۹۳	بہار اور برپا نہ کی تفسیر
۲۲۸	مہارت میں (تینوں کی تہمت)	۱۹۵	ہر روز یہ ایک کی طرف سے ہر روز کرنا خود ہے
۲۳۱	امی اور بیٹی مغموم	۱۹۶	اعمال فیس کے لیے مہارت سرور میں ہیں
۲۳۵	سہمت میں مطلب ہیں		
	(۶۱۶) حدیث: اَلَا تَعْلَمُوْنَ		(۶۱۷) حدیث: جَزَاءُ التَّائِبِ عَنِ الذَّنْبِ فِي السَّفَرِ
۱۹۸	وہ تینوں کی تفسیر		
۱۹۸	وہ تینوں کی تفسیر		
۱۹۸	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۰۱	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۰۵	وہ تینوں کی تفسیر		
	(۶۱۸) حدیث: مَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَبَيْنَهُ		
۲۴۱	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۴۲	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۴۲	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۴۴	وہ تینوں کی تفسیر		
	(۶۱۹) حدیث: اَلَا تَعْلَمُوْنَ		
۲۴۶	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۴۸	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۵۱	وہ تینوں کی تفسیر		
۲۵۲	وہ تینوں کی تفسیر		

[illegible]



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۵۸	شیخہ کی خدمت	۵۵۹	فضل عمل المید	۵۶۰	ہباب ساش کے اشتہار کے عین حکمت
۵۶۰	۸۸ حدیث، توفیق السجود	۵۶۱	مفتی درویش کے عین ساش	۵۶۲	کرامت کی دو قسمیں
۵۶۱	۸۹ حدیث، توفیق السجود	۵۶۳	باقی اعتراف کا پتہ	۵۶۴	کعبہ میں اور مکتبہ میں تشریف لے کر ضرورت
۵۶۲	۹۰ حدیث، توفیق السجود	۵۶۵	۹۱ حدیث، توفیق السجود	۵۶۶	۹۲ حدیث، توفیق السجود
۵۶۳	۹۱ حدیث، توفیق السجود	۵۶۷	۹۳ حدیث، توفیق السجود	۵۶۸	۹۴ حدیث، توفیق السجود
۵۶۴	۹۲ حدیث، توفیق السجود	۵۶۹	۹۵ حدیث، توفیق السجود	۵۷۰	۹۶ حدیث، توفیق السجود
۵۶۵	۹۳ حدیث، توفیق السجود	۵۷۱	۹۷ حدیث، توفیق السجود	۵۷۲	۹۸ حدیث، توفیق السجود
۵۶۶	۹۴ حدیث، توفیق السجود	۵۷۳	۹۹ حدیث، توفیق السجود	۵۷۴	۱۰۰ حدیث، توفیق السجود
۵۶۷	۹۵ حدیث، توفیق السجود	۵۷۵	۱۰۱ حدیث، توفیق السجود	۵۷۶	۱۰۲ حدیث، توفیق السجود
۵۶۸	۹۶ حدیث، توفیق السجود	۵۷۷	۱۰۳ حدیث، توفیق السجود	۵۷۸	۱۰۴ حدیث، توفیق السجود
۵۶۹	۹۷ حدیث، توفیق السجود	۵۷۹	۱۰۵ حدیث، توفیق السجود	۵۸۰	۱۰۶ حدیث، توفیق السجود
۵۷۰	۹۸ حدیث، توفیق السجود	۵۸۱	۱۰۷ حدیث، توفیق السجود	۵۸۲	۱۰۸ حدیث، توفیق السجود
۵۷۱	۹۹ حدیث، توفیق السجود	۵۸۳	۱۰۹ حدیث، توفیق السجود	۵۸۴	۱۱۰ حدیث، توفیق السجود
۵۷۲	۱۰۰ حدیث، توفیق السجود	۵۸۵	۱۱۱ حدیث، توفیق السجود	۵۸۶	۱۱۲ حدیث، توفیق السجود
۵۷۳	۱۰۱ حدیث، توفیق السجود	۵۸۷	۱۱۳ حدیث، توفیق السجود	۵۸۸	۱۱۴ حدیث، توفیق السجود
۵۷۴	۱۰۲ حدیث، توفیق السجود	۵۸۹	۱۱۵ حدیث، توفیق السجود	۵۹۰	۱۱۶ حدیث، توفیق السجود
۵۷۵	۱۰۳ حدیث، توفیق السجود	۵۹۱	۱۱۷ حدیث، توفیق السجود	۵۹۲	۱۱۸ حدیث، توفیق السجود
۵۷۶	۱۰۴ حدیث، توفیق السجود	۵۹۳	۱۱۹ حدیث، توفیق السجود	۵۹۴	۱۲۰ حدیث، توفیق السجود
۵۷۷	۱۰۵ حدیث، توفیق السجود	۵۹۵	۱۲۱ حدیث، توفیق السجود	۵۹۶	۱۲۲ حدیث، توفیق السجود
۵۷۸	۱۰۶ حدیث، توفیق السجود	۵۹۷	۱۲۳ حدیث، توفیق السجود	۵۹۸	۱۲۴ حدیث، توفیق السجود
۵۷۹	۱۰۷ حدیث، توفیق السجود	۵۹۹	۱۲۵ حدیث، توفیق السجود	۶۰۰	۱۲۶ حدیث، توفیق السجود
۵۸۰	۱۰۸ حدیث، توفیق السجود	۶۰۱	۱۲۷ حدیث، توفیق السجود	۶۰۲	۱۲۸ حدیث، توفیق السجود
۵۸۱	۱۰۹ حدیث، توفیق السجود	۶۰۳	۱۲۹ حدیث، توفیق السجود	۶۰۴	۱۳۰ حدیث، توفیق السجود
۵۸۲	۱۱۰ حدیث، توفیق السجود	۶۰۵	۱۳۱ حدیث، توفیق السجود	۶۰۶	۱۳۲ حدیث، توفیق السجود
۵۸۳	۱۱۱ حدیث، توفیق السجود	۶۰۷	۱۳۳ حدیث، توفیق السجود	۶۰۸	۱۳۴ حدیث، توفیق السجود
۵۸۴	۱۱۲ حدیث، توفیق السجود	۶۰۹	۱۳۵ حدیث، توفیق السجود	۶۱۰	۱۳۶ حدیث، توفیق السجود
۵۸۵	۱۱۳ حدیث، توفیق السجود	۶۱۱	۱۳۷ حدیث، توفیق السجود	۶۱۲	۱۳۸ حدیث، توفیق السجود
۵۸۶	۱۱۴ حدیث، توفیق السجود	۶۱۳	۱۳۹ حدیث، توفیق السجود	۶۱۴	۱۴۰ حدیث، توفیق السجود
۵۸۷	۱۱۵ حدیث، توفیق السجود	۶۱۵	۱۴۱ حدیث، توفیق السجود	۶۱۶	۱۴۲ حدیث، توفیق السجود
۵۸۸	۱۱۶ حدیث، توفیق السجود	۶۱۷	۱۴۳ حدیث، توفیق السجود	۶۱۸	۱۴۴ حدیث، توفیق السجود
۵۸۹	۱۱۷ حدیث، توفیق السجود	۶۱۹	۱۴۵ حدیث، توفیق السجود	۶۲۰	۱۴۶ حدیث، توفیق السجود
۵۹۰	۱۱۸ حدیث، توفیق السجود	۶۲۱	۱۴۷ حدیث، توفیق السجود	۶۲۲	۱۴۸ حدیث، توفیق السجود
۵۹۱	۱۱۹ حدیث، توفیق السجود	۶۲۳	۱۴۹ حدیث، توفیق السجود	۶۲۴	۱۵۰ حدیث، توفیق السجود
۵۹۲	۱۲۰ حدیث، توفیق السجود	۶۲۵	۱۵۱ حدیث، توفیق السجود	۶۲۶	۱۵۲ حدیث، توفیق السجود
۵۹۳	۱۲۱ حدیث، توفیق السجود	۶۲۷	۱۵۳ حدیث، توفیق السجود	۶۲۸	۱۵۴ حدیث، توفیق السجود
۵۹۴	۱۲۲ حدیث، توفیق السجود	۶۲۹	۱۵۵ حدیث، توفیق السجود	۶۳۰	۱۵۶ حدیث، توفیق السجود
۵۹۵	۱۲۳ حدیث، توفیق السجود	۶۳۱	۱۵۷ حدیث، توفیق السجود	۶۳۲	۱۵۸ حدیث، توفیق السجود
۵۹۶	۱۲۴ حدیث، توفیق السجود	۶۳۳	۱۵۹ حدیث، توفیق السجود		

تفسیر حدیث، فقہ، تصوف، سیرت، تاریخ،  
سوانح، عملیات اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر  
مستند کتابوں کے حصول کے لیے ہمیشہ رجوع فرمائیں  
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

## حدیث

### تَخْفِيفُ الصَّلَاةِ



اس بن ملک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کبھی  
امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کمزور  
نہیادہ کامل ہوئے یعنی وہ نماز کے پیکر کے رونے کا آواز سن لیتے تو نماز کو بھی کر دیتے مبادا اس  
کی عمر پریشانی میں نہ پڑ جائے۔

تاکہ حدیث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تکمیل کے ساتھ تخفیف  
فرماتے تھے اور کہ آپ فریقین کی عمارت سے بھی نماز میں تخفیف کرتے تھے  
اس پر چندہ جو ہے کام ہے۔

(۱۵۱) درجہ کمال میں اکمل حالات کا اتباع کرنا چاہیے اور ادنیٰ درجہ

میں مفسر صحت پر اکتفا نہ کیا جائے۔ حدیث میں اختلاف، اصحاب کے اجتہاد  
اور اتباع کی دین ہے کہ وہ درجہ کمال

میں تو اکمل حالات کا اتباع کرتے تھے اور درجہ صحت میں ادنیٰ پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ

کچھ زیادتی کرتے تھے تاکہ درجہ کمال تک پہنچ سکیں نہ جاسکے (اور لوگوں پر بار نہ ہو جائے) اور ادنیٰ درجہ

میں کمزوریت کا حتمی یقینی طے پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کو کوئی شریعی  
نیابت نہ کی جائے بشرطیکہ بدعت شرعیہ منع نہ ہو جیسے وضو میں چار دفعہ انشاء کو دھونا





کا یہ کہ آواز کو سنا اور اس کے سبب میں غم نہ کرنا یہی ہے کہ طرف استغاثت قرار دیا  
سے خارج ہے (مگر اس کا تعلق غلو سے تھا، اس لیے اس کی غلط استغاثت قرار دیا گیا)  
مگر یہ دستور فرمودے کہ استغاثت مطلق ہو یا جو حصہ نماز کے ارکان وغیرہ میں غفلت  
نہ آئے کیونکہ دونوں اندیشے اندر یہ دوسرے نماز میں حالت میں بھی سب سے  
کامل تر تھی مگر یہ استغاثت آپ کو نماز سے مشغول کر دیتی تو آپ نماز کو کامل فرما  
پڑھنا کر سکتے۔

”قوله الوجه الشافى به وسيل على ان التكرار الى قوله ما انما“

## (۱۵۲) حکم شرعی میں غور کرنا بھی منافی خشوع نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت نماز کے بعد یا کسی اور عبادت میں  
مشغول ہوتے ہوئے حکم شرعی میں غور کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ عبادت کو باقی رکھ کر  
اس کے وجوہات کو یاد کر سکتے ہوئے ایسا کرنا ممکن ہو و مطلب یہ کہ سرسری طور پر غور  
کرنا جس سے نماز کے ارکان و وجوہات میں غفلت نہ آئے پائے جائز ہے نہ نہیں کہ نماز میں  
باید اور بنیادی کے اشکالات کو حل کرنے کے واسطے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
حدیث سے علم پر کئے رہنے کا، تاہم اس کے نماز کو مختصر کر دیتے تھے حالانکہ اصل مشروع  
کونے کے وقت تحلیل کا ارادہ تھا اور نماز کو مختصر کرنا بھی ایک عمل ہے جو حکم میں  
غور کرنے کا نتیجہ تھا پس یہاں چھ باتیں جمع ہو گئیں۔

۱۔ ایک اور دفعہ کی طرف استغاثت

۲۔ دوسرے حکم شرعی میں غور کرنا

۳۔ تیسرے وہ عمل کرنا جو نماز میں ممکن تھا (یعنی نماز کو مختصر کر دینا)

۴۔ چوتھے حقیقی غلبہ و تہیہ پر اور اس کی ماں کے حق کی رعایت

۵۔ پانچویں حد و زیغ (کا اتمام) یعنی جس چیز کو فتنہ کا، متصل بھی ہو سکے

یقین نہ ہو کہ چلتی ہے تو رکھ قائم کیونکہ یہ کہہ رہے تھے اس کی ماں

کا پریشانی ہونا لازم نہیں لیکن یہ کہ پریشانی پریشانی نہ آئے مگر ضرور اصل مسئلہ یہ کہ  
نئے مسائل فتنہ کا بھی لانا فتنہ کا ایک انتہی حد تک اس کا مقصد ہے اور اس کا کام اس سے  
ہے جو اس میں شیعہ میں سے بڑی حد تک ہے

چنے ہوئے کو کہ انکسار میں تعدیت نہ کر دینا چاہیے کہ وہ تو کسی کام میں سادہ سادہ  
ہوں۔ اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

سير و سیر لعلک کو چنے ہوئے کو کہ چاہیے چاہیے کرو۔

قوله الوجه الشافى به وسيل على حوار النظر في حكم من التحدث  
الى قوله سير و سیر لعلک

(۱۵۳) خیر میں توسط ہی سنت ہے اس میں امت کے حال پر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ امت و شفقت پر ہی دلالت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا  
ہے کہ بعض دفعہ تخفیف و اختصار پر عمل کیا، تو سوسنہ حد تک کہنے والا تو

سنت کے اعتبار کا پورا حصہ لے لیا اور کمزور مسکین بھی انتہائی سنت سے محروم  
نہ ہوئے گا وہ بھی کچھ حصہ لے لیا اور تطہیر و انتہار کے درمیان بہت وسعت

ہے اور غیر میں توسط (دو درمیان وسط اختیار کرنا) ہی سنت ہے۔

قوله الوجه الشافى به وسيل على حصاره عيبه اسلام باعنه الى

قوله وتوسط في التغير السقي هي السنة

## (۱۵۴) دلداری اور دلجوئی تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے

اس میں سوائے یہ کہ ہی وسیل سے جو دلداری اور دلجوئی کے بہت قائل ہیں  
اور وہ ان کے متروک نما احوال سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ اصل سنت

صلوات اللہ علیہ وسلم ہے کہ یہاں کی اور وہ بہت پریشانی کی رعایت فرمائی اور اس  
کے لئے نماز کو مختصر کیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دلجوئی ہی عبادت ہے جس

ایک جو وہ اپنے وقت کا فطیب اور عالم و جو کا تاج و کواوہیہ انکارا فضل ہے وہ جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں انھوں نے اپنے فضل سے ہر کچھ وہ دولت و طاقت فرمائی ہیں جن کو اپنے خاصان سے عطا فرماتا ہے۔

قولہ اوسعہ الخاری عسرسہ دہل لاھل انصوحہ سدر بن بقوی

بھیر انقبوب الی قوادھن اللہ بیضلہ علیہا منیا من بہ علیہا سربینہ

نعم الحمد للہ کہ عبادت کا ہر منتظر کو ان شاء اللہ قریب سے دیکھ کر وہ حضرت نور علیہ السلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے محبت تکمیل حاصل دہم پر ہم کے باب و جو دعویٰ اور صاحب احوال رفیعہ کوئے کے بعد جبریل متبع سنت سے اور یہاں وہ کسی دن کا وہ کامل ہے جسکی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی اور اسی وجہ سے ان وقت لوگ ہوتے ہیں کہ یہ حضرت توحید علیہ السلام میں کوئی کون کلام کے نزدیک دعویٰ ہے جو مغلوب ہی ہو جو دعویٰ متبع سنت مغلوب ہی نہیں ہوتا بلکہ غالب علی الاطلاق ہے وہ حالات میں اتباع سنت سے ایک قدم شگوارہ نہیں کرتا۔ اسی نے یہ حضرات اپنے وقت کے قلب الارشاد اور جوہر ہمارے

ہم کے ہاں شریعت پر کلمہ سنت مروجہ کے خاتمہ جاوہر سننا دیکھنا

ہم اللہ تعالیٰ معصلہ علیہا منیا من بہ علیہا سربینہ

نماز کی تکفیف اور تطویل کی تحقیق کو نہ کر کے سوئی ہے اور کبھی تمام کلام میں اعتقاد کر کے ہوتی ہے بشرطیکہ ایسا اعتقاد نہ ہو جس سے امکان میں حل فائدہ ہوئے وہ نماز ہی نہ ہوگی یا ناقص ہوگی اور حد میں نہ رہے وہ نماز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یا جو تکفیف کے کامل و اکمل دعویٰ تھی اس کو بھی کسی صاحب اباحت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صہبائے کرام علیہم السلام کی تکفیف سے روک کر ان کی تکفیف پر قیاس نہ کیا چاہے کیونکر حضرت صہبہ اور سلمانہ رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رکعت شروع کرتے تو آدمی

کے لئے نہ کوئی تکرار کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس میں ایک چیز ہے جس کو بزرگوں میں سے اس میں کوئی جانتے ہیں وہ یہ کہ وہ راوی اور بولنی اس کی حالت کو کم نہ کرے جو اس کے راوی اللہ تعالیٰ کے درمیان بہترین و سرفراز کی جو تہذیب کی مجدانت میں اپنی شرفیوں کو برپا نہ کرے۔ خاصہ یہ کہ انھوں نے کی دوسری راوی بولنی میں اتنا ساتھ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہ کرے کہ وقت کا نہ ملے روقت لوگوں کی خاطر ملت میں ہی رہے کہ ایک وقت اس باجی ہو چاہے جس میں جو راوی اللہ تعالیٰ کے کسی چوتھوں سے اس کی کاپیل حدیث کا یہ لفظ ہے ولا اتعزکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ کامل تر نماز کسی کی تھی کیونکہ انتصار کے بعد وہ رکعت میں سے بھی آپ کی عبادت ناقص نہ ہوتی تھی۔ اسی نے ایک جنگ کا ارشاد ہے کہ دعویٰ متبع سنت ہی نہ رہا نہ ہے۔

صوفی متبع سنت عبادات میں ہے  
صوفی دعویٰ متبع سنت ثابت  
حالات مختلفہ و رد ہوتا ہے۔ کبھی کبھی حقا صابر ہے کبھی کبھی صفت جمالیہ ہے اور جب ایک قسم کی جہی ہوتے ہیں تو ظہری کا ہوتا ہے اس وقت دیگر صفات کا تھی پوری طرح ہوا نہیں ہوتا اگر اس وقت یہ شخص اس بات سے متبع ہے اور تمام صفات کا حق اور اگر اس سے تو دعویٰ چاہے کہ اس میں غلو کر کے نماز کی حالت کا قتل نہ ہو کہ ان کے سوا کسی چوتھوں اور دعوت کا مقتضا ہے کہ مقتضیوں کی پریشانی کا کوئی حال نہیں ہو سکتا۔ اس دعوت میں کوئی دعویٰ مغلوب حال اماما ہو تو وہ مختصر نماز کا تھی اور اگر یہ مقتضیوں کے حال پر اوقات نہ کرے گا اور زائد خشک اماما ہو تو نماز میں ایسا اعتقاد کہ جس سے واجبیت میں ہی غلطی نہ ہوگی اور دعویٰ متبع سنت اماما ہو تو وہ کوئی کامل طور سے لو کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی شہرہ بھی متوجہ ہے کہ اگر مقتضیوں کی دعوت سے نہ ہوگی مگر اگر اس کا اور دونوں قسم کے حقوق کی نگہبانی آسان کام نہیں اس لئے دعویٰ متبع سنت جو ابہت عجیب ہے اور جو دعویٰ

میں عالم ناما آواز مقتدر تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں بعض ارکان کے واجبات بھی پوری طور پر نہ کرتے تھے۔

وَلَا تَلْبِسْ رَجُلًا مِّنْهُمْ

انوکس علم ہی شایع ہو گیا اور اس کی خفیہیت بھی تا سید ہو گئی عمل ہی برباد ہو گیا اور اس کی تکمیل بھی جاتی رہی اسی لئے مدینہ منورہ میں نہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو مکروہات میں اس بات سے مستحکم ہے کہ انہوں نے الفاظ مستشرکہ کو ان معنی پر محمول کر لیا جو پہلے نہ تھے میں معروف نہ تھے۔ چنانچہ کسی کی ہم نماز میں تخفیف کرتے ہیں تو خود جواز ہی سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ہماری لمبی نماز ادا دینی دوسرے زیادہ نہیں ہوتی تو جب اس میں بھی کمی کی جائے گی تو ادا دینے والے جو اسے نکل جائیں گے۔ لیکن ان کی تکمیل اور تخفیف کے مصلو کو وہاں سب سے سخت ہے جس کی نظر سے اسے حادثہ پر ہوا اور حضرت فدا رہی اللہ علیہ السلام کے کتب فقہ میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس کو جب اسے سنت کا شوق ہو اس کو کتب فقہ واجبات و فروع و سنن و مستحبات سمیت معلوم کر لینا چاہیے تاکہ تخفیف کے وقت سنن و مستحبات میں اختصار کیا جیسے واجبات و فروع میں خلل نہ ڈالا جائے۔

وَهَذَا حَاضِرٌ عَلَى الْعُلَمَاءِ وَهَذَا الَّذِي أَوْحَى إِلَيَّ

وَأَنَا مَطْلُوعٌ

فہم یہاں سے ان کو فروع کی عقلی ہی واضح ہو گئی جو ہر حالت میں پنے معمول ہی پر رہے۔ جتنے میں بھی حال میں اس کی ترک نہیں کرتے سفر میں بھی نماز کی کرتے ہیں خواہ قاصدہ چلنے والا ہو یا ریل چھوٹ دلی ہو اور مقتدی وقت کی تنگی سے پریشان ہو مگر امام صاحب ہیں کہ طویل مصلو کو نہیں چھوڑا کرتے اور نماز کے بعد وادی کو بھی

شیخ تک جا کر ماہیں بھی جھانکنا اور آب پانی رکعت میں نہ لگتے تھے اور صدق اکبر رس اللہ سے منقول ہے کہ وہ کچھ کی نماز میں بعض دفعہ سو بخود رکعت میں پڑھتے تھے اور بعض ہی سے مراد ہے کہ وہ نے سورہ بقرہ صحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ کیا وہ کچھ کو وہ اکثر کچھ کی نماز میں اس کو پڑھتے تھے اور غوطہ امام مالک میں امام الفضل بنت عمار سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ بقرہ سے نسخہ کو فرمایا چاہا کرتے یہ سورت پڑھ کر آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یا دعا کی کچھ کہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے نماز میں سنی تھی اس کے بعد میں نے خود کی قرأت نہیں سنی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام کی عادت نماز میں طویل قرأت تھی اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کیونکہ یہ سورت زیادہ متبع سنت کون ہو سکتا ہے مگر اس طویل کو وہ تخفیف فرماتے ہیں کیونکہ حضرت صحابہ کرام عصر قرآن کے عاشق تھے ان کو طویل قرأت گراں نہ تھی استہرگ کوئی ماض پیش آگیا۔ مثلاً پھر رونے لگا اور کوئی موٹا۔ پس آجاتا تو اس عادت مستر ہو چکا کہ قرأت میں تخفیف کر دی جاتی تھی پس تنفیذ بندہ کا مصل یہ ہو کہ توجہ الی وقت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر حالت اطمینان اور سکون کی ہو تو قرأت طویل کی جائے اور اس میں بھی مقتدیوں کی عادت کی رعایت کی جائے کہ اتنی طویل نہ ہو جو غباروں پر گراں گرنے اور اگر حالت ہے اطمینانی اور پریشانی کی ہو تو اس حالت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر کسی حالت میں بھی واجبات میں خلل نہ ڈالا جیسے۔ دین کے سبکوں میں قاصدہ یہی ہے کہ مسلسل کو درجہ کمال پر آگیا جائے۔ اور اگر جب یہ مصلو کسی عذر کے کفایت نہ کی جائے اور دینی درجہ پر کفایت کرنے میں بھی واجبات میں منسل نہ ڈالا جائے۔

حضرت معتمد فرماتے ہیں کہ میرے ایک شیخ کو دیکھا جو اپنے وقت

باب پھیل دیا جائے

حدیث

(اصل صلوة التزاور)

معلوم ہو چکا کریں گے۔ ان کو سمجھ دینا چاہیے کہ ایسا غلو شریعت میں  
نا پسندیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ سفر میں قسطنطنیہ  
ہرربہ الطلق اور قسطنطنیہ ہرربہ ساس سے صبح کی نماز پڑھائی ہے  
جائے نماز میں آپ کی حالت تطویل قریب کی تھی مگر آپ نے ہمیشہ  
موقع اور وقت کے مناسب عمل کیا ہے جس سے کسی پر گزری۔ جو  
خوب سمجھو۔



ذہن ثابت رہیں اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
دمعان کے عین میں مسجد کے اندر ایک حجرہ بنا لیا جو غازیہ کا تھا جس میں  
اپنے پیروؤں میں نماز پڑھی تو آپ کی ہانکے ساتھ کچھ لوگوں نے صحابہ میں سے نماز  
پڑھ کر جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا ہے: بیٹھے گئے وہی اس وقت نماز پڑھنا  
میں آج پڑھا ہے اس کے پاس شریف لائے اور فرمایا کہ میں نے جو کچھ تم کو کہتے دیکھ  
میں اس کو سمجھ گیا ہوں کہ تم کو میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، سو بے گناہ اپنے  
گھروں میں نماز پڑھا کر وہ کو انسان کی شکل نماز ہی ہے جو گھر میں ہو سونے کے تختہ  
وہی فرض نماز ہے۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ نفل نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے اور افضل یہ ہے  
شرح کو نفل نماز گھر میں پڑھے، اس پر پندرہ جوتے لکھے ہیں

(۱۵۶) اسباب دلجمی کا استہام اگر ناچاہیے اس سے معلوم ہوا کہ  
مسجد میں حجرہ بنائیں  
جائز ہے مگر دشمنان یہ کہہ کر عمارت کے طے کرنے پر نااہلی کر رہے ہیں کہ مسجد  
کو بنادو وہاں ہوسکی وکیل حدیث کا یہ لفظ ہے کہ آپ نے بوجہ کا حجرہ بنوایا تھا  
کیونکہ قسود تھوڑے میں مسجد کی تعمیر تھی اور مسجد وقف ہے اس کی تعمیر جائز









بابِ حَسْبِ وَرِغْمِ

## حدیث

## جوانر المشى فى الصلاة

ابو بکرؓ کی شہرہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز میں اس وقت پہنچے جب آپؐ کو راعیہ تھے تو انہوں نے ہمیں صفے سے پہلے ہی کو بل کر دیا۔ پھر آپؐ نے کہہ کر ہمیں جا بے نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو بیان کیا تو آپؐ فرمایا اللہ تم کو زیادہ ثواب سے ہمراہ کرے گا۔

شرح  
ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں تھوڑا سا چٹا جائے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۱) شوق کا زیادہ ہونا معین عبادت، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مراد لے اللہ صحرارہ کا تقدس میں رہائی کے لئے زیادہ عرصہ و شوق کی وجہ سے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو اپنی عبادت کی طلب میں گوشش کا زیادہ ثواب دے کیونکہ اگر وہ ایسا جو نفاذ پڑھ لیتے جہاں نیت باندھی تھی تو نواز دست ہو جاتی مگر صرف خدا کا وجہ سے بعد نہ ہے اور اس میں بھی وہ جگر جو رولت ہے اللہ کی طرف سے زیادہ قریب ہو، زیادہ نفس ہے تو قبول کے تمام صلوں سے غفلت صلوں اور اس میں جس سے زیادہ انش جلیس صحابی اس سے ہے علی

سے تعلق رکھتا ہے۔ غرض اجمال ہی سے ایمان میں زیادتی اور کمی کوئی ہے اور ایمان کی زیادتی بہت بڑی حالت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کا انقطاع فضل ہے تو جو تغیر ہے کہ کافی وہ درست ہے چونکہ حالات کا اختصار ہی مکمل ہے اور بعض بڑے لوگ کا رشتہ ہے کہ اپنے دل کو امر اور لایہ کوئی کا خزانہ بناؤ شہادت کا خزانہ بناؤ یعنی، جسکی تغیر سے ولی میں گمراہی اور شک و ہلاکت اور ایمان ان کے ماضی جوہ اور کچھ کم ہو دود و ملت عطا فرمائی جس سے ان پر فضل ہوا ہے نامتکے سوا کوئی رب نہیں ممان کے سوا کسی کے امید کا جاسکتی ہے روی فضل فرمایا جسکے تمام ہے حق، بقول محمد انصاف عشرہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل قوله لا ربا الا الله ولا معبود الا بالہ

فہم اہل مشرفین کے سوا یہ تمام اعمال بد اعمال کے استقامت پر مبنی ہیں اور جہنم کے اظہار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو یہ کسی مصلحت سے ناکار کے ساتھ ان اعمال کو انجام دیتے ہیں، ان کا تباہی کر دینا، اور سعادت و نجات کے امتیاز کے لئے جوئے کی ضرورت ہوگی۔

ہوئے قندہ کی خواہاں حال اس وجہ سے کہ وہ عیرونی کے ہمارے  
 وافر فیاد اور کوششیں زیادہ کرتے ہیں جس کی اعلا فرشتوں کو بھی شبہ ہو کہ وہ اپنے  
 غم دہانے کو کوششیں کر رہا ہے اس لئے انھیں اس کو اندر سے شام ملے۔

وَلَدِكُمُ اللَّهُ أَكْبَرُ ۖ حَتَّىٰ



مسند معلوم ہوا کہ ثوق کا ذیادہ ہونا ہی عامہ است پر ہر گھنٹہ کرتا ہے اور یہ سب سے صوفیہ کی بڑی نیت  
**مروان طریق کو ہمت ہی آمادہ کیا ہے** ہیں کہ مردوں کو ہمت ہی  
 نے، جمال پر آمادہ کیا ہے۔ ابدان سے اور جسمانی قوت سے آمادہ نہیں کیا۔

قوله التوحید الشافی قوله علی اللہ عسے وسلم راوٹ اللہ عسے  
 ولا تقدای قوله انما جعلت الرجال المہکلا لا عیدان  
 فے اس ہمت کا یہ کام، آخر یہ کہ گمراہوں کے لئے ہیں جو بڑے بڑے اور بڑے  
 کہتے ہیں جن کا اللہ ان کے پاس سے ہے عزت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 (۱۶۲) کہتے ہیں اس کا اہم کام ہے کہ اشداد کا تدارک پیدا کرنا، کامیابی ہے کہ ہجر نماز میں اتنا دیر نہ کرنا کہ نصف اول تک  
 پہنچنے کے لئے نماز میں پہنچنے کی ضرورت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبیل عمل کے  
 لئے مستحب یہ ہے کہ کام شروع کرے۔ پتا اس کا اہم کام کیا جائے شل  
 مشورہ فعل اللہ ہی سرائے السجاد تیرا نڈی سے پتے تیروں کے پر  
 جگہ مان

قوله ولا تقدای لا بعد طشاحسرا فی قوله فی التوحید است لست  
 سرائے السجاد

حدیث میں یہ  
 (۱۶۳) بدین طلب کے بھی کسی کو دعا دینا جائز ہے۔ یہ ہے کہ کسی کو  
 دعا دینا اگرچہ اس نے دعا مست بھی نہ کی ہو نہ ہے کہ وہ دعا کاں ہو کیونکہ  
 است اس کام میں، ہاتھ بڑی جس میں وہ دعا ہے چنانچہ سیدنا زبیرؓ  
 نے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو دعا دی، ان ہی انہوں نے درخواست کی  
 کافی کہ نہ پہنچنے کے لئے، یہاں غیر عمل حفظ فرماتے ہیں آپ نے ان کو ایسی ہی

وہ جو سراسر خیریت کی خدمت کو ایک اجمال کا زیادہ ثوق ہے یہ نہیں دیتا کہ خدا کرے  
 تم دوبارہ ایسا کرنا کہ حضور کی طرف مستجاب ہے، قاس دعا میں یہ بھی نہ دیتا  
 کہ کہہ سکتا ہے دعا بجا کرتا ہے وہ پائی، اس پر یہ لازم ہے کہ مرتب ہوا کہ کسی کو  
 کوئی دعا اپنے واسطے کہہ دے دے اس وقت تک کہ نہ پائیے جب تک یقین  
 کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مر مر خیر ہی جریہ ہے۔

قوله التوحید لعلی یوحی منہ الدعاء لعلی فی قوله مولانا کان  
 لنفسه اولی

۱۶۴) دلجوئی اور دلداری کا ثبوت  
 جو جبریت تو یہ ہے کہ دل میں رہتی  
 دلاری خلق اور دلجوئی کو عبادت سمجھتے ہیں کہ کوئی دعا سے کسی شریف کو سمجھنے ان  
 حمال کو دعا دیں کہ ان کے نزدیک ہے کہ وہ خود سے دعا کرے۔ اس سے اصل اللہ  
 علیہ وسلم کو۔ مادی عرض دل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھا کہ صبا کا  
 دل اس جیسے کہ اس نے چاہا کہ اس نے پھر سے سرور معلوم کے کہ عمل کر سب  
 شکستہ ہو جائے، اس سے تو سب سے کہ اس کے دل کو چڑھایا۔

قوله التوحید انما صوبہ دلیل لا صراہة فی قوله لا دعا ولا دعا  
 حکم اللہ علیہ

فے حضرت صوفیہ کو عمل شروع نہ کر سکتے ہیں، اس کا یہ اندازہ اس کا ہونا  
 ظاہر ہے اسی طرح ان کی یہ بات ہے کہ اپنے دوستوں سے جس کو دل پہنچنے  
 میں دعاؤں سے فائدہ دیتے ہیں گو وہ درخواست بھی کرتی ورنہ شکستہ دلوں کا  
 جو نہ تو ان کا خاص حصہ ہے، ہرگز

دست نہ ہوگی اس پر چند وجوہ سے کہا ہے۔

(۱۶۵) عمل کا بباد تکرار کرنا بظن تکمیل عمل کے بیکار ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک عمل کو اسی طرح نہ کیا جائے بہرہ و مراد نہ ہوگا نہ یہ تکرار کیونکہ اس شخص نے تین مرتبہ تکرار کو دہرایا اور ہر دفعہ حضور نے یہ فرمایا کہ وہ پس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

قوله الوجه السابق فيه دليل على ان تكرار العمل اي قوله لا تقل ثلاثا۔

نہ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واقع ہو گئی ہو غفلتیں تو بہت مرتبہ ہیں مگر نماز میں بہت جلدی کرتے ہیں ارکان کو اچھینا سے اور بسیں کرتے ارکان کو اچھینا سے اور کرنا محصور علماء کے نزدیک فرض ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے ۱۶۵

(۱۶۶) جب تک سوال نہ کیا جائے مسئلہ بتلانا واجب نہیں

اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہم کے ذمہ مسئلہ بتلانا اس وقت تک واجب نہیں جب تک اس سے سوال نہ کیا جائے کیونکہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا اس کو نہیں بتلایا جب تک اس نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بتا دیجئے۔

قوله الوجه السابق فيه دليل على ان قوله حق تارة فحق تارة یعنی حضرت عوایب کا معلوم یہی ہے کہ جب تک ان سے دریافت نہ کیا جائے اس وقت تک غور و فکر نہیں بتلاتے۔ یہ حدیث ان کی عیبت ہے

حدیث سے معلوم ہوا (۱۶۷) شخص احتیال کی بنا پر حکم نہ لگانا چاہیے کہ اگر شخص پر کوئی حکم

باب چہل و ششم

حدیث

وجوب توفیۃ (ارکان الصلۃ)

۱۔ ہر روز صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح میں شریف بنے تو ایک شخص صبح میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور دیکھ کر صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا یہی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا دایں جاؤ پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر نماز پڑھی پھر آیا اور دیکھ کر صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے فرمایا دایں جاؤ پھر نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار اسی طرح ہوا تو اسے عرض کیا تم اس بات کی جس سے آپ کوئی حاجت نہ ہو کر بیٹھو اس سے پھر نماز پڑھنا نہیں چاہتا مجھے آپ بتا دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے کھڑے ہو تو اللہ کی سب سے بڑی چیز کو جسے خدا فرماتا ہے اس میں سے جتنا آسان ہو پڑھو پھر دیکھو کہ وہاں تک کہ کدو میں اچھینا سے بچنے۔ جو پھر سر اٹھا دیاں تک کہ سب سے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کر دیاں تک کہ اچھینا سے سجدہ میں نہ ہو پھر سر اٹھا دیاں تک کہ اچھینا سے بچنے جاؤ پھر سجدہ کر دیاں تک کہ اچھینا سے سجدہ میں نہ ہو پھر نماز میں اسی طرح کہتے ہو۔

ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کدو سے کدو وغیرہ کو پوری طرح بچانے کو جب کہ کہے اور جو ایسا کہے اس کی نماز

رکھا، یہ جو اس کی نگاہ کے تحت میں اس کو جس کے متعلق سے باز پرس ہوگی  
اسی لئے مختصر عرض اس شخص سے ہے جس کو حکم کے نام ایک خدمتیں لکھا تھا  
ان اہل احوال کے عہد کی اہل فطرت کے تہمتوں میں سے زیادہ نمایاں  
کر ہے، کہ تم اس کی پھانسی پائے کرنے میں ہاں نہیں دینا،

فے کسی معتبر کتاب میں میں نے دیکھا ہے جس کا نام ایسا ہے جو عبادت گزاروں  
میں دیکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ دینت فریاد میں جب  
معتبران شغلوں کو کوئی عہد دیتا ہوں تو کسی ایک کو فے کہ عہد دیتے ہیں یا  
کی اہمیت یا فے دیا ہے وہ امانت کی تحفہ گریوں پر مینا سبکدوش ہوں یا  
جے عہد دیتے کے بعد اس کے کام کی تحقیق بھی کرنا چاہئے کہ کیا مسرور امانت  
وہ دیا ہے ثابت ہوا اس کے متعلق میرا امانت غلط نکلا۔ فے جواب دیا کہ  
عہد دیتے سے پہلے ہی عہد صورت تحقیق کر لینا کافی ہے اس کے بعد سب  
سبکدوش ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ یہ جو صحیح نہیں بلکہ فے اس کے کام کی تحقیق بھی  
کرنا چاہئے کہ کیا مسرور امانت فے اس سے اسی طرح کام لاتی اور ایک یا میل امانت  
اس کے متعلق غلط ثابت ہوا بدین اس کے میں سبکدوش نہ ہوں گا۔ تحقیق یہ فے  
کا بھی یہ خیال ہے کہ اس کو کوئی خدمت سیر کی جیلے اس کے اہل کار کی جان بھی  
کرنا چاہئے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا اپنی امانت ہو یا نہیں۔  
اس حدیث سے صحابہ کی فضیلت

(۱۶۹) صحابہ میں نکلت اور نقص نہ تھا۔ وان کہ یہ تکلف بھی معلوم ہوئی  
کہ ان میں نہایت نقص نہ تھا کہ کوئی نہ تھا چنانچہ ان میں نہایت تکلف نہ تھا۔ لا

والسبب علی باقی ما حسن عیروہ دہلی قسم اس کی جس نے آپ کوئی کے  
ساتھ عیروہ میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا آپ جے جگا دیکھتے، اس نے  
قاضی سے کہا یا اور حضرت اس پر میں کیا بلکہ قسم سے کام کو جو تکلیف اور علم

نہ تھا، جلسہ جب تک اس کی محبت نہ معلوم ہو جائے جن چند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
میں سے اس شخص پر نہ کوئی تنقید نہ اس کو کوئی مشکل میں ہی فرمایا کہ  
دہیں نہ پھر یہاں نہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی کیونکہ احتمال تھا کہ اس نے  
پوری طرح نماز کے اہل کار کی لئے اذان کیا ہو کہ دن کی پریشانی اور مفتی کی وجہ  
سے وہ دن کو بھی اپنا جمل کی وجہ سے دیا ہو جو بعد میں اس نے نہ کر سکا  
مغرض احتمال کی وجہ سے آپ نے اس سے زیادہ فکر نہیں فرمایا کہ اس کے عیروہ  
نہ ہونے کی اس کو اطلاع کر دی۔

قوله الوجه السام بعد من هذا ان لا يحكم فتى لم يهمل اي وقت له  
بعد رده عليه السلام عن الامام بعد رده راجعاً له راجعاً  
فے اس ادب کی رعایت کو فیسہ ملائین ہی کہتے ہیں نہ نہایت طویل سے اس  
ی پر حکم لگاتے ہیں۔

(۱۶۸) عبادت میں مشغول ہونے کو دیکھنا جائز ہے بھی معلوم ہوا  
کہ جب دست میں مشغول ہوئے کی طرف دیکھنا جائز ہے اس لئے اس کے ساتھ جتنا  
موقوفہ دیکھ کر کوئی آگے پیچھے والا اگر سامنے سے دیکھے کہ اس سے عبادت کرنے  
ولے کو سوسپش ہوگی اس کا دل بے غم، جس نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اور یہ بھی  
فرمایا ہے کہ اس حالت میں اس کی طرف سے منہ پھرے غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جاسٹ لکھو یہ ہے فرمایا کہ دہیں جاؤ پھر یہاں نہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی  
سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا حضور اس کو دیکھتے تھے مگر ایسا  
نہ ہوا تو آپ کو اس کی نماز کا حال معلوم نہ ہو سکتا۔

ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت لوگوں کے اعمال کی نگہداشت کرنا چاہئے  
اس پر یہ بھی مسئلہ مرتب ہوا کہ عمر ان کو ان لوگوں کی دینی حالت پر نظر

لے اتر جہالت خود کو غمِ ناقصِ حق میسر شود و نصیرہ نہ رہے  
 سارا تو سنگ بودی در حراش آلود ایک ذلّتِ خاکسپاش  
 وہ پہاڑ کے شود سرسبز سنگ خاکِ شومِ اہلِ ہر وہ دنگ رنگ  
 ہر کیا بچے دو، آج ببار د مرکا دھسے شفا آج ببار د  
 ہر کیا پستی ستا پ آج ببار د  
 ہر کیا مشکل جواب آج ببار د



نے فرمایا ہے کہ جانبِ ہم سے دو درجنوں سے قریب رہنا ہے یا پھر کی وجہ سے  
 شرم کی وجہ سے کیونکہ دین میں بیکراں شرم کا نام نہیں نہ حق بلکہ گنہگار  
 اس کے ساتھ میں نہ معلوم کہنے میں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا  
 نصیر اللہ رب ما نہ نصیر ربہ یہ اظہارِ ایمان و تقویٰ فی الدین  
 انصاف کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں ان کو کمال دین کے دیانت  
 کہنے میں کیا دشمن مانع نہیں ہوتی۔  
 قوہ الوجہ الشانِ عشر فیہ دلیل علی فضل النصیبة اور  
 قولہ ان تقویٰ فی الدین۔

(۱۰) نفس کشی کا ثبوت اور اس کا مطلب دلیل ہے جو کہتے ہیں  
 کہ نفس کو مارتا چاہیے کیونکہ نفس کے عیوب ظاہر کر کے اسی کو روکنا بھی موت  
 ہے اور نفس کی موت ہی اسکی حیات ہے۔

موتِ بقویٰ حیاتِ تھا موتِ احسانِ حیاتِ بقویٰ  
 نفسوں کا مارتا ہی ان کی زندگی ہے جو زندہ رہنا چاہے اسے پہلے مرنا  
 چاہیے۔ مولانا صاحبِ عشقِ ربہ و صل کا ہنِ انوارِ اہلِ قوہ  
 موتِ احسانِ حیاتِ بقویٰ

نفسِ کاملانِ نفس کشی تقویٰ کا معیار میں بیکراں، دعویٰ، غیبتِ پندار  
 خودی و خود بینی۔ ان کے لئے ہے جب تک کہ یہ نفس کے اندر موجود  
 ہیں وہ زندہ ہے جس دن اس سے پاکہ ہو جائے مگر اس موت کے بعد اسکو  
 دوسری حیات عطا ہوتی ہے جو روحانی حیات ہے اور ان کے حیات ہے۔  
 ہرگز نبردِ آخر و نفسِ خند و شوقِ تبت سے ہر جریہٴ کلامِ دوام  
 بولا اور وہی فرماتے ہیں۔

آزادِ مقل برا نہ بیس  
 ای دلی نقہ

بھارتی و آزاد سازم خویش را

## حدیث

### فدالمامو علی الامام بالحمد فی الرفق

حضرت زبیر مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز میں اللہ کے نام سے اللہ کے حمد کہنے کو تم اللہ کے حمد کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قوس سے مل جائے گا اس کے پیچھے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

شرح: ہر حدیث یہ ہے کہ امام کے جمع ہونے پر حمد کہنے کے وقت جس کی تحمید ملے گی اس کے قوس سے مل جائے گا، اس کی مغفرت ہو جائے گی اس پر حسد و جھوٹ کا کام ہے۔

(۱۶) جماعت کی نماز میں سب نمازوں سے افضل ہے کیونکہ یہ ہے کہ جب تک نماز کو دوسری نمازوں پر فضیلت ہے کہ جو کہ مذکورہ نماز پڑھنے والے کے سامنے ہر آدمی کے لیے ہے یا محکم نہیں کہے بلکہ حضرت امام کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں کہ جب وہ جمع اللہ میں حمد کہتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں اور اس مقام پر گفت کلام کا بدلہ یہ ہے کہ اس وقت اللہ ربنا وہ کہنے کی ہمتی کرنا چاہئے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا کہ یہی نماز ہے جو ہر آدمی کے لیے ہے کہ اس سے غفلت نہ کرے اور اس کا پورا خیال رکھو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے دو مستحقان ہر نماز کو پڑھنے والے کے لیے ہیں اس دن کے سوا کسی کے متعلق یہ نہیں آیا کہ نماز کو اس میں کسی کی کیا تلافی ہوگی اس کے شریک ہوتے ہیں اور سوائے حمد کے حق پر بھی واجب آیا کہ اس میں کسی کے لیے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے اس سورۃ کی بھی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ ہم تلافی کے علاوہ اور کسی سورۃ کی قرأت کے لئے یہ نہیں آیا کہ کسی کے لیے گناہ معاف ہوتے ہیں ہر حال امام کے جمع ہونے پر حمد کہنے پر ہر آدمی کا حق ہے کہ اس کی غفلت نہ کرے اور اس کا پورا خیال رکھو

قوله في الرفق على الامام بالحمد في الرفق

قوله في الرفق على الامام بالحمد في الرفق

یہاں ایک مونیہ لکھی ہے (۱۶۲) ترک خطوط بعد احوال سے افضل ہے بھی ہے کیونکہ ان حضرات نے جب یہ دیکھا کہ امام جمع اللہ میں حمد کہتے ہیں نمازوں کے ساتھ اس لئے شریک ہوتے ہیں کہ گور میں نہ کہ حضرت اپنے رب کی تعظیم کا حکم ہے قرأت اور دعا و قرائت کی اجازت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی نوافل اور شاد فرمایا ہے کہ جس کو میرا ذکر ہو گھر میں جائے اور دعا کہے وہ کہے ہیں، اس کو ماننے والوں سے بھی زیادہ دین ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کو جو پر جب کہ نماز اپنے رب کی تعظیم کے سوا اللہ سے اس کی تلافی و برکت سکھائی کہ فرشتے بھی ان کے ساتھ امام رب ملک حمد کہتے ہیں شریک ہوتے ہیں اور جس کا قول ان کے قول سے مل جائے



















اللہ ولی الدین، آمو مجر جھرمس، العظماء الذی انزلہ علی سبطہ اہی خشک کے ہیں۔  
لا الہ الا اللہ، لیس بعدہ دون اللہ، حب وادع، عظماء اور یہاں سے معصوم ہو کر آیا  
کئی بڑی دھڑکتے مسلمانوں کا اس وقت کی قدر کرنا اور اس کی حفاظت میں جوش کر  
پانے کا جیسا اس وقت چرٹا کہ ڈلنے والے بھی بہت پیدا ہو رہے ہیں

(۱۸) حوصلہ و طبع انسان کی جبلت ہے  
جس کا ہر ایک مضمون کہ وہ شخص معروض  
پھر کے گاہے وہ بے جنت کے دردناک پسینے جھپٹے حق تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو نے جہنم  
میں شائق نہ تھا کہ وہ کچھ نہ مانگوں گا، سنا ہے کہ اس کا طبع وحشی واقعہ پہلے چنا چنے  
جسٹ جاتے سپاہیاں گیب اور دانت کا مسافر دیکھنے لگا تو اس سے جبر کر کے ایک نوحہ طبع اسی کی طبع  
ہے۔ اب خدہ طبع کی درجہ وہ ساتھ جہنم اور دانت کے ٹوک پہنچے گی دوسرے  
کہنے لگے جو کہ جنت کا درد وہ ہے کہ شہید ہاں یہیں نصیب ہو سکتا۔

ناقص نے نقصان ہی کے موافق مانا کرتے ہیں  
فیریلو سے معنی ہوا کہ خلیفہ اپنے  
کر ہے پناہ پر شعلے نے فوٹا یہ دوست کی کہ جسم کے قریب سے کہہ دیا ہے اور جہنم جو  
دوست اس نے کہا ہذا میں اس کی جہنم کے کچھ کچھ دے دے کہ اس سے زیادہ کا مال پر رحمت تھا  
اور گاہے دیکھ سکتا کہ اس کس سے ملے گا ہوں تو پتہ ہی وہ وہ ملے گا جو انہیں ہیں حکم کیا  
ہا میری کے وقت نفس خلوٹے پر بھی قحط کر لیا ہے معلوم ہوا کہ  
نامیہ کے وقت نفس خلوٹے پر بھی قحط کر لیا ہے چنا چہ اس شخص نے اپنے مل نہیں  
کی وجہ سے وہ فتنہ خست میں چلنے کی طبع طبع کی معنی تھا امیر کی کہ جہنم سے سپاہ پاچے  
کی کو اس سے زیادہ کہ اس کو بار بار حق تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا ہے کہ نفس کو مباحات سے باہر  
مذک و دغا و دھوکہ ہوں یا نہیں ضروری کسی طرح تم اس کی ساتھ جہنم ضرورت مراد  
پر صلح کر کے مینا اور حب باہر روک دینے کے بعد ضروری ہی جہنم، حق کو یہی بات ہے کہ وہ

خوش بھی ہو جائیگا مثلاً چند بات کہنے کے گمان سے ایک شخص کہہ دیا کہ تو میرا نہ  
میں پر اس سے صلح کر کے کہنے کے کمر سیجا لیکن جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا ہے کہ ان آدم کو زندہ رکھے گا ہی پس کی کر کو سیدھا کر دینا حسب است  
اور نصیحت بقول صلہ اور اگر کسی اسی طبع پر قائم رہا اور جہنم کے اس کو نہ دیا گیا  
تو وہ ساری دنیا کی سب سے تباہ کر دے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
لو ان لا یب اور وہاں سے صوفی صوفی لا یبھی لہما سائسا۔ اگر بن آدم کے  
پس جس کے جہنم کے جہنم کے جہنم ہی ہوں تو وہ ان کے ساتھ تیسے کی طلب کرے اور اہل توفیق  
نے دیا ہے۔

من لمرض بالیسر فہو اسیر

جو قوی ہے وہ بھی نہ جودہ و دشمن کا، قیدی ہے

قوله فی الوجه است فی الزمر یعنی قوله سکت ماشر افانہ است یکس ای  
قوله فی الوجه الزمر العشر یعنی من لمرض بالیسر فہو اسیر

یہاں طریق لا بہلات ہم ہے جس  
نے عارف طالب دنیا نہیں بتا  
اور جب تک بنائے طرف طالب دنیا نہیں ہو گا طالب آسمانی ہوتا ہے وہ بقدر ضرورت کس  
دنیا کے خلاف نہیں بلکہ مامور ہے اور بلا ٹھیکے زیادہ مل جائے تو اس کا کہہ سیدھا بھی دہ  
کے نفوس میں کیوں کو صوفی پس جی افغانا۔ جس سے حق کے پاس نہ دیتے زیادہ مال ظاہر کرنا  
طالب دنیا سے تو اس کے خلاف دنیا کو انہوں سے اس کو بڑوں کی دیا اور مصداق جہنم میں ٹکری  
صاحبکار فلعلہ صحت ایسہ علیہ السلام ورجل امیر فہو جہنم جہنم  
عبدال یحیوی فی ثوبہ وصال ہر سہ امم اہل صوفی صوفی ہذا قتال صوفی صوفی  
وہیں لا شفی فی صوفی برکتی واللہ تعالیٰ اعلم و ضروری طالع من ضروری نقصان  
نہادہ کے چار اہلکار جو صوفیہ نے بیان فرمائے ہیں  
فہو طالب انکار

تخلیل عام

۳۔ تقطیل ونا

۴۔ تقبیل کلام

تفصيل اختصار مع الامام

ان میں سے نبریل و ریم اہل تقیم میں متروک ہیں کیونکہ گوکہ قوی خود ہی ضعیف  
ہو گیا، سو نہ کم کرنے سے مضرت نہ ہو جائے، اور دسان کا گھر ہو جاتا ہے جس کا کہے  
میں اتنا پیڑیں ہے کہ کھڑی سی دیبک و گدگد کا کیا کہے پوری حیرت شکم میر۔ جو کہ کہے  
اشدا اگرای کی کہ کیا کہے۔ نہ نہ کے شوق، تا جاہد کا پیڑے کہ کچھ کھٹ سے نہ داند نہ سجا کرے  
سے کہ کہی کرنا دماغ کو مضرت۔

ابست تقبیل کا آؤ یقیناً خلا کو اسی زمان میں پہلے سے بھی زیادہ مزید سے ہی گئے  
تحقیق طریقہ ان دونوں پادریوں پر مکمل فائدہ دے دیتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ سے آنکسے  
ہاں سے ہوتے ہیں وہ ان کا بھی طریقہ ہے کہ نہ عورت یا پتہ کی جائے اور ہے، ایک مرد والے  
خاصیت کو گن سے نہ ملاتے۔

(۱۸۵) اللہ تعالیٰ کے کمالِ لطف کا بیان  
 چوتھی حالت ہے کہ وہ بخیر و برکت  
 کے ساتھ کسی قدر مرزا کا معاملہ فرماتے اور اس کے بعد اس کو کیا قبول فرماتے ہے کیونکہ وہ اس کے  
 منفع کو دیکھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے حسبِ ذیل اور بعد قبول فرمائے  
 اس کی ایک درخواست پوری بھی کر دی علامہ کہ وہ حسبِ حاجت کے کچھ منافع جنت و اس  
 کی راحت کو دے تاکہ وہ جبر و کفر کے کاموں اور بے نیابتی سے خلاص ہو سکے اور پھر اس کے دوسرے  
 اور بعد قبول فرمائے ہے اس کی نظر حق تعالیٰ کا یہ فرما دے

وهو يرى قبل التوبة عن عبادة ومعطو هي السيئات وبعد ما تقم

دی ہے بچا پنے بندوں کی قرب مستبول کرنا اور ان کے گناہوں سے دامن نہ کرنا ہے اور  
وہ جانتا ہے جو کہ تم کوڑے گئے .

نہی تو یہ کی خبر دینے کے بعد وہ بعد ازاں مطلوب بڑھانے میں ایک دفعہ تکتا ہے

[illegible]

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱

وگر خشم گیرد بجز جادوشت  
چو باز آیدی مایهها در لولشت

باز آواز آید هر چه هستی باز آ  
گر کاره مغرب است چو سی بان

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 المؤمنون يتقوا الله في كل صغيرة وكبيرة فلا خوف الا  
 خوفه من كل شيء الا ما جاء به القرآن من غير خوف ولا  
 حيرة ولا تردد في نفس من كان لله تعالى ولا يتردد في  
 شيء من أمره ولا يتردد في شيء من أمره ولا يتردد في شيء من أمره



جن دفعہ شک کی تھا زہد و عہد کو توڑا تھا، عمر وہی اپنی کجبات پر مرکب ہے  
جو پہلے نہا رہا ہے، نہ نائی میں نہیں کی اور نہ ہی نہیں کی وہی کجبات کو سب لا جوابی  
ایسی حاضرت خدا دنیا اپنی حشر کو میں سب بارہ وقت لے کر نہا، کیونکہ جب یہ  
اس سے پہلے کہ تو لکھ کر گناہ صدمہ رہا، پھر اور جو کچھ اس نے گناہ عظام کی کہ درجہ سے مت  
میرا تو وہی ہے، پر چارہ اور چارہ سے متاثر، اور وہی ہے، ہفت مرتبہ  
ہفت جہل میں نہ، میں کو کسی مدعا سے واسطہ ہی پاس کو گئے ہیں تو اس  
شخص نے اس کی کج حاصل نہت کی کی اگر نہا میں اس پر عمل کر لیتے تو اس کی کسی  
فکر کی ضرورت ہی واقع نہ ہوتی۔

قولہ الفصحہ السابع والاربعین میقول اللہ وحدثنا ابن ابی نعیم قال سمعنا

(۱۸۸) کسی شخص کی کسی وقت تک موصوف کیا جائے جب تک

اور قرآن میں ہی تعالیٰ کا ہے، عالمی صورت سے نکلتا  
کم از کم تین بار اس کا ظہور ہو، قرآن میں آتا ہے کہ کسی شخص کی طرف کسی وقت  
کی نسبت اس وقت تک کہ جب تک اس سے باہر اس کا ظہور نہ ہو، اور اگر اس کا کم از کم  
حد تین ہے، جس کے بعد کسی وقت کی نسبت اس کی طرف ہو سکتا ہے، کیونکہ جو پہلے اور  
دوسری بار میں یہ حال ہو سکتا ہے کہ غلطی اور ہوں، جس کو تو ایک بار غلطی ہوئی ہو دو بار  
بارہویں کرک ہوئی ہو اور تیسرا بار غلطی ہوئی ہو، اس وقت یہ بات ممکن ہوگی کہ  
اس سے پہلے میں قصہ خود تھا غلامی صالح کا قصہ ہو یا اور کچھ کیونکہ توئی خدا نے اس شخص  
کو تیکڑا دل سے پہلے غلامی فرمایا

قرآن کا وہ اس شخص سے متعلق ہے اور اس شخص میں جو ایک دفعہ کے بعد سے

میں نسبت نہ کرے ۴

یہاں ایک لطیف اشارہ ہے، وہ یہ کہ کئی تالیف میں

نقد انسان کی جبلت ہے، وہ میں جو اس کا بن آدم کہ کر کھٹا رہا ہو،

وحدثنا ابن ابی نعیم قال سمعنا

قولہ الفصحہ السابع والاربعین فیہ وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

أدھر اسی قولہ میں بدل پڑا الخبۃ

(۱۸۹) انسان اپنی بھلائی کے لئے ہر ممکن سے ممکن حیلہ کو کام میں

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس پر بعد اُن کے دانت کیے کیے میں کرتا ہے نہ پر  
لا تا ہے، شخص نے اس کو تو دروغ ست کہ کہ حشر کے دور کر دیا، اس کے ساتھ اس طرح  
کہ تھوڑا سا آگ ایک بنان کے ساتھ حاصل ہو جائے، جب یہ درخواست پڑا ہو تو اس کے  
پیشا، یہ تو خدا نے عظیم و عظیم کے ساتھ انسان کا وفاق حیلہ کے دوسروں کے ساتھ اس کا کیا  
مان ہو گا اس لئے تو یہ درخواست پر دوسروں کے لئے اس کے لئے یہ کہ نہ تالی  
جہنم پڑینگے۔

ہر شخص کی جتنی عقل و تدبیر دنیا میں ہے، وہ آخرت میں بھی باقی ہے گی

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی جتنی عقل اور تدبیر دنیا میں ہوگی وہ آخرت  
میں بھی باقی ہے گی کیونکہ اس کی حالت میں، غیبا سے گا جو یہ اس کی حاضرت میں کی ویل  
یہ کیفیت حیلہ ہے، جو اس شخص سے حصار ہوگا، نیز جہنم میں جو راز و منس کا منہ تو سر کر  
سہ زد ہوگی اس کی دلیل ہے، وہ اس کے سوا اور بھی بہت لحاظ میں اس کا باطنی وارد ہیں۔  
قولہ الفصحہ السامع والاربعین فیہ وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو

قولہ فی الفصحہ السامع والاربعین، وحدثنا علی بن عیسیٰ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبد اللہ بن عمرو



چاہی کہ ان سے سوال نہ ہو کہ کیا ایسا ممکن کیا؟

اور اس کے شان کو اپنی ساتھ دیکھتا ہوں اور اس کے گرد اپنے ساتھ رکھو  
 ہی حاصل دیکھیں ان کی حالت ہے کہ کچھ اشد فقر میں  
 لا یتوب عن سروج اهلہ الا فقر و الحاح فروعہ

حاکم کے لئے ان لوگوں کے ساتھ ایسا کہ ان کے پاس نہیں تھا

پانچویں شخص میں ہیں کہ تصدیق میں ہے یہ غفلت و غبار تھی ان کی حالت ہے ہر حال میں یہ  
 حتیٰ اس حد تک کہ پوری سنت اور ایمانی عامل کو کئی کر سنت میں بیچ دیں اور تالیف کو بھی یہ  
 نعمت بے شکست کے حفظ فرمادیں وہی کارنامہ ہیں اور نایق محمد و پیر دنیا لیا کہ ان کے تالیف

اخیسوں کی بات پر میں پڑنے کے سوا اور تالیف کا سبب سامنے آئے کہ شہ کے مشاہیر ہیں  
 میں کا مشافعت و اضطراب ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دیکھ کر یا کسی بات کو سن کر طبیعت کئی  
 ہو کر اور شہ کے لئے بیابان ہوتا ہے کہ اس میں اس معاملہ کی طرف اشارہ ہے یہی دینا ہوتا

سے ہنسنے کے طور پر صادر ہوتا ہے کہ جس کی بات سے وہ ہنستے ہیں اس میں بہت اسباب ہوتے  
 ہیں اور تالیف میں اسے پاک ہیں کہ ان کی صفات و عفویت کی صفات کے مشاہیر ہیں مگر ہم سے  
 اسی طرح طلب کیا گیا ہے جیسا کہ یہ ہوتی ہے اور ان کی بنا پر ہم ہوتے اور سمجھتے ہیں اور جو

فریاد کئی تالیف میں ہے فرمایا کہ گئے مانگ کیا مانگتا ہے تو وہ اپنی قن بیان کرے گا میں  
 کہہ کہ اس کی تالیف میں ختم ہو جائیگی، سو تو فرماؤ کہ وہ کہہ کہ ایک سال میں اس کو طبع کا تمنا  
 کیا کہ ہوگا جس سے بڑی عیسے کہ کئی ہفتہ کو کسی آٹھ ماہ تک یہ ہے اور یہ ہوا ہوتا ہے کہ اس

سے کچھ دھار کا مانگ کیا مانگتا ہے، غرض ان اور بہت کچھ ہے اس کے بعد حق تعالیٰ فرمایا  
 کہ کہ تجھ کو یہ بھی دیا اور اتنا ہی اور یہی تمنا سے وہ چاہتا تھا اور اسے عفویت و عفویت  
 کا طاعت میں ہے، لا یتوب عن سروج اهلہ الا فقر و الحاح فروعہ اور اس کا دین گناہ اور یہ کہ

اس کے کم کی شان میں ہوا کئی مشاہیر ہیں اس میں عفویت ہے اس کے فضل سے ہے اور یہی بھی  
 اس کے فضل سے ہے مگر جو اصل میں عفویت میں ہوا کئی کو دھار میں گیا ہے جو عفویت یا

منعم علیہ کو ان کی حقیقت اور عظمت سے خبردار کرنے تاکہ اس کو قدری مستزاد و رفت  
 عامل جو الا یصلحون خلق و دھو لطیف الحبس کیا میں نے پیدا کیا ہے وہ بھی  
 (بہت باری) نہ چلے گا وہ نہ چلے گا بلکہ میں اور پڑا بہت سی طرے بیان بہت اشد تالیف  
 سے اس نثری طریق پر اپنے فضل سے یہ تالیف کرنا چاہا کہ غفلت کے گھر میں ہنستے ہیں، اس کو  
 پہلی طرح تو پتے اس کو بہت دھار کیا اور اس سے انکار کر دیا کہ وہ جتنا طلب ہے اس کی طبیعت میں  
 بھی غریبے اور باتوں میں بھی دنیا میں بھی غباری ہے ہم ایسا تھا اور ہنستے ہیں اس سے  
 باز نہ آیا وہ فوراً جگہ کر کے اپنے ساتھ نہ لے جا جب اس نے اپنی خطا کا ذکر کیا تو عرض فرست  
 سے ہنستے ہیں بیچ دیا میں سے اس کو بے انتہا خوشی اور چند دینہ نہ لیتے تھے کچھ

قرآن فی الجہۃ الباقی والا رہیں و کوہہ عن رجل من اہلہ ما اہلہ مالک الی

قرآن فی الجہۃ الباقی والا رہیں و کوہہ عن رجل من اہلہ ما اہلہ مالک الی  
 فت یہی و زید یا گپ کر کر کے انکار اور قول جنت یعنی فضل سے جو اس کا یہ مطلب نہیں  
 کہ اس کے لئے انکار اور کوشش کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث کے لئے انکار و کوشش کے بعد بھی  
 میں کو یہ دولت حاصل ہوا ہے وہ اس کو اپنی کوشش کا ثمرہ سمجھے بلکہ ان تالیف کا فضل سمجھے  
 جس کو ان تالیف اس دولت کے لئے ملنے کی توقع تھی وہ اس کو ان تالیف میں پر ہوا اصل کو کہتے  
 ہیں و نہ ان کا نفس و ہوا کی طرف رجوع ہے،

حدیث سے معلوم ہوا کہ  
 (۱۸۹) انہر تالیف کے فضل کی حرص کرنا چاہیے اور تالیف بل جلا کے فضل  
 کی امید و تمنا نہ کرنا چاہیے کیونکہ تالیف میں اس کی ہر نعمت و رحمت کا مرتبہ پاؤں دیا  
 کہ وہ اس کے لئے ہر کوئی کو مدد فرمائی ہے اور اپنے فضل میں اس پر چاہا کہ اس کے لئے اور جو  
 کہ سوچا میں سے دیکھ کر دیکھ کر، جس میں بھی اس کو فضل کو کئی تالیف میں کی دیکھ کر اپنے ساتھ  
 رکھو اور کسی وقت اس سے نظر قطع نہ کرو تاکہ یہ نہ ہو کہ میں کو معلوم ہو جائے کہ کئی تالیف  
 میں اس کے فضل سے ہے ہر گاہ کہ اس کو کچھ ایسا کہ سبب ہوتا ہے یا عفویت و عفویت  
 سے اور یہی ہوتا ہے، یہ سبب اس کی توقع میں ہے یہی وہ کرنا چاہیے اور جس طرح

## حدیث

### جواز الداء فی الصلوة

چھ کوئی عابت دیکھے حالانکہ بہت معلوم ہے کہ ان کو دعاؤں کی حقیرت اس قدر تھی کہ صحابہ میں وہ مسخروں کو نہ تھی ایک تھا جس نے کہ وہ نصیحت سے نہ سنے وہ چیراں کا ایدان قوی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں نہ رہنے کے لئے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عظیمہ کلم کی نکتہ نہ دہیسی پامی اس لئے حضور سے دعا سنائی کہ آپ مجھ کو نہ بھلا دیجئے بلکہ سوال کو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ کوئی دعا ایسی بتا دیجئے جو نمازیں کیا کر دے، اتفاق کیسے دراصل اس کیوں ہو سکتی کہ ایسا ہو جائے کہ شایع عیدالساہک نے ان میں دعا کرنے کی خاص طہ پر توفیق دی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷ ارشاد ہے۔

اَضْرِبْ مَا يَكُونُ الصَّبْرُ مِنَ اللّٰهِ اِذَا كَانَ غَبَ الصَّلَاةِ  
واَضْرِبْ مَا يَكُونُ فِي الصَّلَاةِ اِذَا كَانَ سَلْبًا وَاَبْطَهَ جَانِحُ  
تَاخَّرَتْ وَاَضْبَحَ الْمَدَامُ فَمِنْ اَنْ يَسْبِيحَ لِحُمْرِ هُوَ حَقِيقُ  
بِذَلِكَ اَللّٰهُ تَعَالٰی عَصَادَةً قَسْرًا وَتَحْتِ جِبْرِ نَازِلًا مِّنْ جِهَادِ نَازِلًا مِّنْ  
نَّيَا وَتَقَرَّبَ اِسْ وَتَحْتِ جِبْرِ نَازِلًا مِّنْ جِهَادِ نَازِلًا مِّنْ جِهَادِ نَازِلًا مِّنْ  
پس تم صبر میں دعا نہ دے کہ وہ اس کا حق نہ کہ قبول کر لے، اس لئے یہ بکر حدیث  
تھی فرمایا کہ مجھے ایسی دعا بتا دیجئے جو نمازیں کیا کر دے  
قوله الوحیہ الاولیٰ حدیث التعلیم میں الصالح الی قولہ فی حقیق

فی حدیث کا یہ فرقہ دہیض ہوا ہے جو یہ کہ اس کی تعلیم کہ دین ہے کہ ذکر دہیض کے لئے یہ  
وقت کو نہ کرنا چاہئے بلکہ پست فعل ہو یعنی نہ توست ہراسی ہو کہ سستی پیدا نہ آتا تھا بلکہ  
جو کہ ہے یہ باب ہو یہی حدیث میں شائع ہے کہ اسے کہ اسے مقدم کر کے اس کے چکر  
در حدیث سے یہ علی مسئلہ

(۱۹۲) عبادت میں اعلیٰ درجہ پر نظر کرنا چاہئے معلوم ہو کہ انسان کو عبادت  
میں درجہ ملے جو نہ کہ اس کا مقام و شعور کے مطابق اس کے استقامت حاصل کرنے کی کوشش  
کرنا چاہئے چنانچہ سید ابوبکر حدیث رضی اللہ عنہ نے دعا کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی کوشش  
کہ اگرچہ ایک حدیث میں اس پر گندہ کیا ہے کہ دعا میں یہ بھی نہ ہے کہ اپنی حاجت ہی نہ

حضرت ابوبکر حدیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
میں دعا کی کوئی دعا نہ بتا دیجئے جس سے نماز میں دعا کیا کر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
میں دعا کی کوئی دعا نہ بتا دیجئے

اَصْحَابُ الْاَعْلَامِ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ تَعْلَمُ  
وَالْمَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ مَعْلُومَاتُ  
لے اللہ میں سے اعلیٰ مال پر بہت اعلیٰ کیسے اور کچھ سوا انہوں کو کوئی نہیں  
کمن سنن توجہ اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے اور کچھ ہدم فرما دیں کیونکہ  
آپ ہی حضور رحیم ہیں۔

ظاہر ہے کہ دعا میں دعا کا جواز ہو کہ اس دعا کا اصل ہوا معلوم ہو کہ  
شروع اس پر چند ہوا ہے ۱۷ ہے۔

(۱۹۱) بزرگوں سے تعلیم کی طلب کرنا چاہئے گو طالب صاحب معرفت بھی ہو  
حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی تعلیم کی درخواست کرنا چاہئے اگرچہ طالب کو ایک گروہ معرفت  
پہلے حاصل ہو کہ ابوبکر حدیث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ



میں پھر بھی ان کی نیکوئی اور اعلیٰ قدرت سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو سب سے  
سب سے کم تر و خوار سمجھتا ہوں۔ یہی حالت کا طریقہ معلوم ہوا اور اسی کے ساتھ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے۔

نعمت صولات اور عبادت اللہ علی عبادہ خاص بہ نام  
یعنی تعریف خاص عنہن نسبتاً استحضار بقول خداوند تعالیٰ

حاصل لہ یومنا لقیمۃ عبد اللہ ان صدقہ العتہ

پانچ نمائندہ ائمہ تعالیٰ نے اپنے مذہب پیغمبر کی ہیں جو ان کے واسطے یہ بھی لایا کہ  
ان میں سے کوئی شخص کی ان کے حق کو جگہ اور قدر پر مجبور نہ کرے اور تعالیٰ کی امت کے حق میں اس  
کے لئے اس بات کا عہدہ اور ذمہ داری ہے کہ اس کو جنت میں داخل کروں گے اور یہ  
حشد نہ ہو جس میں میرے ساتھ وہاں سے کوئی نہ ہو اس میں کوئی جنت کا سبب حق فضل کو  
بتوایا گیا ہے اور اس میں اعمال کو تکیلا کیا ہے سو ان دونوں چیزوں میں تطبیق اس  
طرح ہے کہ اعمال پر جنت کا وعدہ تمام اعمال کے لحاظ سے ہے اور یہ بھی وعدہ ہے جس  
کو ان کے لئے پورا کیا جائیگا چنانچہ ارشاد ہے۔ ومن ادنی بعد جہنم اللہ فاستشروا  
پیغمبر کا الہی یا تعترہ اور جو قوم میں سے ہے جس کے بعد کو اس سے مراد ہے کہ  
پورا کرے تو تم کو اس واسطے سے خوش بنایا جیتے جو تم سے نہ کیا تھا یہاں اور نہ بھی  
بظاہر عمل کو باقی رکھنے اور اس کی پابندی کرنے سے اعمال کے موافق ہوئی ہوگی علیہ کہ حد  
کے سبب اور فضیلت کے لحاظ سے متعلق ہے یہ خاص کا منف ہے جسے سیدنا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام خاص میں انھیں تخصیص میں اس قدر بزرگوں کی قیادت  
کے لحاظ سے کیا تھا آپ کی پیروی کرنا ہوا ہے اور اب جو عقیدہ دینی عقیدہ بھی خواص میں

یعنی ان دونوں بات میں عمل نہیں ہوا اور بھی طرح سے کوئی لایا ۱۲

عہ اور اگر دل میں تو اس کی لذت و حیرت ہے مگر ہمیں سستی سے نماز میں نہیں ملتا ہے  
تو اس پر یہ کی گئی فاقہ سے بڑی کر دی جائیگی

سے یہ ادب کیوں نہ ہوں بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے کہ  
ابو جبریم چنیدہ مازندران کہ درجہ و تہمت میں ملے کہ جگہ اس میں نہ کی و جہت و تہمت  
لے گئے یہ جان کے دل میں بھی ہوئی تیرہ دین ایمان و صفات کاملہ اور میں مقتدر انہیں  
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد کا قیادہ تمام کا منہا تھا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم اس حد کے ضمن میں ان سے فرماتے ہیں کہ تم ان کو گور میں پھینک دو یا نہ نکالو  
اس کو کہنے طلب کیا ہے مگر تم کو تم سے دیکھ کر کیا حق جواب دہ ہے کہ جو کہ خواص کا  
مخالف ہے جو شریعت اور حد نیست وہ کوئی کہتے ہیں تو شریعت کا مقتضایہ ہے کہ  
اعمال اور حد کو فریق نہ پڑے کہ حد کے لئے اس کو کجائے کا سبب ہو جائیگا اور حد کے  
سے کہ یہ زمانہ ان کا تمام جیروں کو حق تعالیٰ پر تو سبب ہو گا کہ حد کے سبب نہ ہو  
یہی ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ حد کے لئے اس کو کجائے کا سبب ہو جائیگا اور حد کے  
ہا کہ حد کے لئے اس کو کجائے کا سبب ہو جائیگا اور حد کے لئے اس کو کجائے کا سبب ہو جائیگا  
ارشاد اللہ اس عملی مدار لہر لکھ کا ان کے دین پر رکھا کرو۔  
یہ ارشاد عام ہے۔ گفتگو اور سوال و جواب کو سمجھا دے اور ان کو بھی

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے فقیر صریح کو یہ تعلیم دی کہ آپ نے فقیر کا مولیٰ عزوجل  
کے پاس سے طلب کیا ہے کیونکہ جبکہ اللہ عزوجل کے پاس سے حد واسطہ جس کے کہ عمل  
تقصیر ہے طلب کیا جائیگا تو تہمت کامل ہوگا۔ پھر یہ درخواست کو وہ بزرگ نہیں یہ  
غلوڑ دیکھ کے کہ یہ کہہ کر کیا بھی جن میں سے ایک کا فقیر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے  
جب سوال کیا جاتا ہے وہ دعا فرماتے ہیں اور اس دعا میں بھی یہی درخواست ہے کہ  
اپنے پاس سے مغفرت و رحمت دعا فرمیں تو مطلب کہ تم میں یہ دعوت نہ ہو کہ  
ہے اور دوسرے ہم کا تقصیر و مغفرت سے اور اس کی مغفرت کوئی اس پر رحمت کوئی وہ  
جس پر رحمت کوئی اس کی مغفرت بھی ہو گا۔

نیز یہ بیان ایک اور امتحان بھی ہے وہ یہ کہ دعا قبول ہونے میں یہ یہ یہ یہ  
ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بل ایاء تہرب فیکشف حالہ عن اللہ یبشیر

فصل ہوا اور درخواست کے اندر بیکاریت تک جیسے وہیہ دوست ان اشرا کی صحبت سے حاصل ہوئے ہے۔ فقہی ملکہ ذلیلت نفس الہذا فسوف

(۱۴) نفس ہر شرکرا مفعول ہے پس ہر حال میں اپنے کو خطا وار سمجھو

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ تفسیر صریح کا وہ میں یہ کہ تفسیر نفس طلب حکمرا کہ میں معافی جان پر بہت ظلم کہ ہے احمیت پر جو ہے یا ہماز پر اگر مجاہدے تو یہ بات حال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سبب مغفرت کی تفسیر کرتے ہوئے ہمار کا استعمال کریں اور ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام طلب مغفرت میں امتداد کی کو مجاز سے خطاب نہیں کر سکتے پس اس کے سوا اور کوئی عورت نہیں کہ اس کو حقیقت پر قبول کیا جاسکے۔ اب اگر یہ حقیقت ہے تو وہ کون سا مان ہے کہ کبھی سنا گئے ہیں جو کچھ تھا اس پر تو ماننا نہیں اور اس کا سبب کے معواذ اور تیس میں عقدا میں تیس یہ علم کرتے ہیں اس کے متعلق کیا گیا ہے تفسیر نفس طلب مغفرت اس کا جواب وہ ہے جو پہلے ایک حدیث میں آیا ہے اور کہ اشرا میں گندہ چاہے کہ انسان کی اہل طبیعت حالت میں نہ ہو نہ ہے۔ یہی پہلے نہ ذلیلت، مگر جس کو اشرا سے مغفرت کر کے تھے میں وہ اشرا تشریح جو تیس پر ہم کو ملاحظہ ہا جو ہے وہ بعض اشرا بل ہمار کے فضل سے خواہ اس طرح کہ ایسے عمل کی ہم کو دعوت کی جن کو حکمت انیسے معذایر کا سبب نہ پائے زبردت کا کہ ہے یا بعض غرض و فضل سے ہر ان کسی شخص و فرد کے سبب کے دادیہ تو اہل کا ذلیلت ہے، جس کے اس قول کا تاہم اللہ تعالیٰ کے اس اشرا سے ہوئی ہے کہ ما بعدہ میں غمزدہ نفس اللہ تمہارے پاس ہو غمت کی ہے وہ متک طرف ہے ولولا فضل اللہ علیہ صعدہ صرحہ ما نکتی منہم من احد ابدا اور اگر تم پر ہر تکرار نقل و دہشت نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا نیز انشاء ہے

ان النفس لا مامن الا ما بعدہ ولولا فضل اللہ علیہ صعدہ صرحہ ما نکتی منہم من احد ابدا

بکہ تم اندر کی کو چاہتے ہو پھر وہ اگر چاہتے ہیں اس مصیبت کو دہر کر دیتے ہیں جس کے لئے شرک کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے اجابت کی دعا کی عید دانی سے تفسیر و دعا نہیں کیا اور بعض کے بعد میں ارشاد ہے ۱ من عجیب المضطر اذا دعاہ دیاہہ ہر شرک جو مضطر کے دعا قبول کرتا ہے جب وہ سے کہتا ہے یا اللہ تعالیٰ نہ سے فضل سے مشرک دعا کا قبول کرنا ہے ذمہ وہ جس سے ہم کو کہتے اور اللہ تعالیٰ سے ہر کہ کہہ دے کو کون کوننا کو مانے ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر صریح کہہ کی تفسیر سے کہ جو خوشدعا کے دین سے غمزدہ حالت مضطر کی طرف مستحق گویا ہمیں اجابت کا ذمہ لیا ہے اور اضطرار کی حقیقت اس غلطے سے ظاہر ہوتی ہے ظلمت نفسی ظلمت اشرا از میں ہے اس جان پر بہت ظلم کہ ہے یعنی میرے پاس اس ظلم کے رد کرنے کا کوئی حیل نہیں اور یہ غامض، احتیاج کی حالت ہے دیر زیاں ہے ولولا بغیر الذنوب الاذانت اور ایک سوا انسان کی مغفرت کوئی نہیں کر سکتا یہ ثابت اضطرار کی حالت ہے کیونکہ جو شخص ان سبب پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو جو ان لوگوں کی مغفرت کر سکیں وہ اور اضطرار ہے کہ اگر کسی کے پاس ہر سے گناہوں اور ان کے ساتھ ہی میسر ہی بہت ہوں جو گناہ کا کما کر جو سبب تو وہیں نہیں کیا کرتا اخضر کی مغفرت میں خدا دل کھلے اپنے پاس سے مغفرت دیا کیسے کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو مغفرت کا سبب بن سکے، تو نہ دو منظور کے ضمن میں تشریح بعض راہ اضطرار حقیقی کی حقیقت متفق ہو گئی۔ ولی میں

۱ الخ هنا بحث الی قولہ اما اللہ علیہنا صحت ہر کا تھا مینہ  
فی یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا میں غایت حسیہ یا دعا و غایت اضطرار کی حالت اختیار نہ کرنا چاہئے کہ تفسیر صریح میں ہوا تھا بھی اشتراک اضطرار کے مناسب

کہنویا ہے مگر جس پر اللہ کا رحم ہو جائے۔

قوی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کو متنبہ فرمایا کہ اصل کار اذکار کریں جس سے آپ نفس کو فطرت بنایا گیا ہے اس کا امتزاج کریں یہی سچی نیت ہے اور اس کے بعد غیب رونما ہو جو فطرت و رحمت کے اصل حقیقی سے بنی غلو و رجم سے طلب کریں راہی کسی شے کو مغرور نہ دیکھتے کہ سب سے بہتر ہے بلکہ بعض اہل غیر نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں جس چیز کو سچی ہو سکتی ہے خواہ ظاہر یا باطن یا بحر نفس نکندہ الہی حقیقت و معرفت کے تعجب کبھی بڑا نہیں ہو سکتا بلکہ جس قدر انسان کی محسوسات بڑھتے جاتے نفس کی ذلت و عقائد کی ننگی نظر میں جاتی جاتی ہے یہ حقیقت اس قدر افسانہ کی کہ محبت کو جو محبوبہ نفس جو محبت و تصدیق کے ساتھ پہنچا کر محبت پر پہنچا رہا ہے اس انتہا کے بعد بھی اتنے بڑے اعتدال کی طرف دھکیلا گیا ہے جس سے ابھی بیان کیا تھا کہ ظہریں نفس کی کچھ بھی قدر باقی نہ رہی ہوگی صاف غرض گزرتھیں۔ پس میں کو خلاصی، مداخلی کی طلب جو اس کو ان کے واسطے بڑھاتا اور نفس کو مٹانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جو ہم کو بھی اپنے فضل سے ان کے سلسلہ میں داخل فرمادے آمین



نکلتے تھے، تاکہ نہ کوئی مستغیّب وقت نہ ہو سب کچھ کو جو نماز کے بعد ذکر کرنے کی نصیحت  
 دے ہے۔ غرض یہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لئے بدی سمجھتے تھے جیسے اور بدی کی وجہ سے  
 باوجود بلند ذکر کرنے کے بھی کچھ سمجھتے، بہرہ گزشتہ ذکر کرتے تو ممکن ہے کہ وہ اس سے  
 بات کو سمجھتے اور اس کو باتوں میں مشغول کر کے ذکر سے غور کر دے اور حضرات معبود  
 میں سے سب سے قربت کی پوری پابندی کرتے تھے اس پر ہر ایک کی وجہ سے ہی مسجد کے باہر نہ  
 آواز دے کر ذکر کرتے تھے، تاہم اس علت کی وجہ سے تھک جاتے تو اس وقت جہرا افضل ہوگا  
 مطلقاً نہ ہوگا گوئی نفس ذکر خفی نفس ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھک جاتے  
 تھے کہ ذکر خفی ذکر خفی ہے، ستر و دعا افضل ہے، یہاں اس وقت ہے، جیو دونوں علت سے  
 نکلے ہیں کیونکہ جہر میں بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے جو جاتی ہے، لیکن اگر اس موضع سے پرہیز جائے  
 کہ جہر نہ کیا جائے تو ذکر بالکل ہی فوٹ ہو جائیگا تو اس وقت جہر نفس ہوگا، اور ممکن ہے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر خفی کی فضیلت اس لئے بیان فرمائی ہو کہ لوگ  
 جہر پر دوام نہ کریں جیسا رادی حدیث سے بیان کیجئے، اور جہر پر عیش و دوام نہیں ہو سکتا  
 بعض دفعہ جہر سے دوسرے کو تشویش ہو جائے یا غیروں کو تکلیف دے دے، اور ممکن ہے یہ جہر  
 کہ زیادہ دیر لوگ جہر جوامی ابھی، سہما لگاتے ہیں کہ جو جہر منع نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ذکر  
 سے غافل کر دیا جائے کہ بہت ان کے دل میں لگاؤ نہ ہو، اور وہ دعا اور دوسروں کو افضل کی خبر  
 دے دی گئی تاکہ جہر نہ ہو، لیکن جہر افضل پر عمل کریں اور بعض کے جہر پر سکوت کیا گیا تاکہ  
 جہر پر دوام نہ ہو جائے۔ غرض اس میں بہت بڑا مصلحت و نفع ہے کہ کوئی ایک نمونہ ہے  
 پس وہیں آسان ہے۔

وہاں اس ذکر کی کیفیت میں گفتگو، سو میں چند احتمالات ہیں، ایک یہ جو ابھی بیان  
 جاری کیا گیا کہ بہرہ انشا پر تھا کہ نماز کے بعد جو ذکر مانور دے وہ نیت ہو جائے، یعنی  
 سہما یا سہما انشاء سہما یا سہما، انشاء کہ اور تو پورا کرنے کے لئے ایک بار  
 لا اہلہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا اہلہ الا اللہ وحده لا شریک لہ، وہو علی کل شیء قدیر  
 اور یہی احتمال ہے کہ طرہ وہ ذکر جو جو مسجد سے نکلے کے وقت مانور دے کہ مسجد سے

نکلتے تھے، ان کے جہر انشا بھی نیت صالحہ تھی،  
 اور اس سے پہلے مسجد میں معلوم ہو کر اس سے پہلے نیت دوست کر جائیے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: *خیر العمل ما اعتد متعالیہ بہترین عمل*  
 وہ ہے جس سے پہلے نیت خیر الہ ہو۔

اور اگر کسی عمل میں  
**ایک عمل میں چند نیتیں جمع کرنے کی تحقیق** میری کہ بہت سی

اور خوب اس وقت منور ہوتے اور نہ کہ صلاحت پاتے ہیں، اور سلف کے گھر بھی قدام سے کچھ ہوا چنے جوتے تھے تو گھر میں سے بھی دھڑکی کاوازنی ہوتی تھی گھر میں رہتے والے اس وقت بیدار ہوجتے اور کسی مذہبی وجہ سے گھر میں مقید ہوجتے تھے آج گھروں کے دھڑکی کاواز گھروں میں سے اس لئے سنائی نہیں دے سکتی کہ گھر میں بندیاں اور لوگوں پر چہ نہ اور خلعت کا اندب ہے، پس عبدالرشید عباسی رضی اللہ عنہما کا اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت بھی بلند آواز سے دھڑکنا دھڑکنا شغف سے معقول اور کمتر ہے کیونکہ یہ کئی ماسہ میں کیا ہوا تو اس وقت رات اور گھر پر ہے وہ فوج میں کچھ فرقی نہیں راو گھر میں بلند آواز سے دھڑکنا دھڑکنا کئی کے برابر ہے کہ اس میں کیا کا اندیشہ نہیں،

نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا ضرور ہے کہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونا محکمہ اور قوی سے اس میں درایت کرنا چاہیے کیونکہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونے سے رزق میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ رزق طالع فرب سے طوع شمس تک کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت کسی بد وقت میں مشغول ہے نہ تو اس کا رزق بہت وسیع ہوگا جیسا حدیث میں آیا ہے، اور اس واسیل پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ جو طاعت یا عبادت رزق کا سبب ہو اس میں مشغول ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے دنیا فائز ہوگی خیر حاصل ہوگی، اس کے متعلق بہت سے آثار وارد ہیں، اور اس سے اہل صفحہ طہیبت رزق کا استقامت بہت کم کستے تھے کیونکہ ان کا اس حدیث پر اور اس کے اثرات پر پورا یقین تھا تو وہ دونوں جہان میں دوجہ کا میل پٹے، مگر یہاں ایک شرط ہے کہ طاعت میں خاص اللہ کے واسطے مشغول ہوجائے رزق کے واسطے مشغول نہ ہوجائے کیونکہ اگر رزق کے واسطے طاعت میں مشغول ہوگی تو نہ دنیا سے گی نہ آخرت

نہیں جمع ہو سکیں تو سب کو جمع کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے ثواب جمع ہوجائے مگر شرط یہ ہے کہ وہ عمل واجب فرض نہ ہو کیونکہ اگر وہ واجب ہوا اور اس کی نیت کے ساتھ کسی اور عمل کی نیت بھی ملا دی گئی تو اس صورت میں عمل کا اختلاف ہے کہ فرض اور حاکم یا نہیں یا دونوں ہوا جو بائیں کے بیان میں سے ادنیٰ اور اوجہا یا اعلیٰ یہ چار قول ہیں مگر قرآن مجید و عروہ کی صورت مستثنیٰ ہے کہ وہ ایک عمل کا دونوں کے لئے کافی ہو جائے اتفاق علیہ ہے (یعنی ایک ہی احرام دونوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے) بشرطیکہ بعد میں ادا نہ ہو جیسا کہ روایتی حدیث میں مذکور ہے، جیسا کہ کتب فروع میں مذکور ہے۔

پس فرض میں نہ ہونے کی نیت کی جائے کہ کسی اور عمل کی نیت اس کے ساتھ ساتھ نہ کی جائے، بلکہ خاص سے خروج ہوجائے اور فرض دوسرے ربا یقین، ادا ہوجائے اور یہی احتمال ہے کہ حدیث میں فرض نماز سے مراد خاص ہی جمع کی نماز ہو اس احتمال کی تائید کہ یہ حدیث نماز جمع کے ساتھ مخصوص ہے اس سے ہوتی ہے کہ جب ایک نفل کو اطلاق اور تنقید کے ساتھ ذکر کیا جائے تو مطلق کو متعین پر محمول کر لیا جاتا ہے ورنہ اس کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے اور دوسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کی نماز سے فدا ہو کر حضرت عمار کی طرف متوجہ ہوتے اور دریافت فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا بیان کرنا اور آپ جو کہہ اندیشہ چاہا اس کے جواب میں فرماتے اور طلوع شمس تک صبر سے باتیں کرتے رہتے تھے اور آپ کی باتیں نہ کر ہی ہوتی تھیں، اگر حدیث کا مضمون یہ ہے تو اس وقت سے لے کر آج تک عمل ایسی پر ہے کیونکہ یہی عمومی نماز سے فدا ہو کر جب مسجد سے نکلتے ہیں تو لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ اسی وقت دستانہ میں غلوت ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے جو نماز پڑھ کر نکلتے ہیں دستانوں میں کوئی نہیں ہوتا اور نمازی بھی ایک دم سے نہیں نکلتے بلکہ متفرق طور پر مسجد سے نکلتے ہیں

جسے چنانچہ ائمہ اہل علم مذکور تھے اس لئے ایک دوسرے کے بعد بڑے شہ صاحب ہی خط فرماتے اور یہ لڑائی کچھ عجب معاملہ ہے سب کچھ چھوٹے سے لے کر ان کے عمل پر ۱۲۰ کا

اسی معنی میں کہا گیا ہے

اب الخیر بالطاعت منوط و صاحبہ بالذکرکات موصوف

والخاص صاحبہ بمعنوت و داراہ بالبدایہ محفوظان

طریقہ طاعت کے ساتھ بندگی ہوئی ہے اور صاحبہ طاعت برکت کے موصوفہ  
اور گناہ و امانت و غضب میں مبتلا ہے اور اسکی دنیا و آخرت دونوں کی مددوں  
بلاؤں سے گھری ہوئی ہیں۔  
نسیب کہا گیا ہے۔

دارالافتاء طاعت حرم جنتان و انوار السوء بمعروف

تیسرے دونوں گرونیاد آشتی طاعت ہی سے نفع مند ہوں گے اور طاعات  
کے ذریعہ معیشت کے پتلا رسب کی معلوم ہے یہ بحث تو اس وقت ہے جبکہ  
ذکر سے مراد وہ جو جو مسجد سے نیکے ہوئے مشروع ہے اور گناہوں سے مراد  
نماز سے غافل ہونا ہے مسجد سے نکلنا مرنہیں، تو اس وقت یہ گفتگو نہ ہوگی  
بلکہ دوسری تاویل ہوگی تو آگے آئی ہے۔ ابن بطال رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں  
اس حدیث پر لکھا کہ کہتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ نمازوں کے بعد  
یہ ذکر جہر دشمن کے شر میں پڑ جائے اور جہاد کی حالت میں ہو تو اگر حدیث کا یہ عمل  
تو اب بھی عمل اسی کے موافق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ عبادین نماز کے فانی ہو  
کہ پانچوں وقت بلند آواز سے ذکر (یعنی تکبیر) کہا کریں تاکہ دشمن کے دلوں پر  
دعوت غالب ہو جائے اور اگر اس پر عمل نہیں تو یہ حدیث بانا جہاد منسوخ ہے  
اور اجماع کے لئے کسی حجت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ مستقل حجت ہے،  
قولہ اوجبہ اللہ ان اهل الصفة الخ قولہ و از جماع لا یجوز

فہے اس تمام تقریر کا ماسل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد معاذ ذکر جہر بدعت ہے  
جیسا بعض محدثین کا معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد یا غیر و عمر کے بعد تین بار لا ا کہ  
والا الترمذی و جہر کے ساتھ کہتے اور تین بار حق حق کہتے ہیں اور بدعت بن گیا

کی یہ حدیث ان کی حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں جن  
کا ذکر گند چکا اور اگر اس کو ظاہر یہ لکھا جائے تو وہ اجماع سے منسوخ ہے۔  
فتیائے اہل صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے کہ نمازوں کے بعد جہر جہاد وغیرہ  
یا تکبیرات ایما تشریف کے ذکر جہر مشروع نہیں۔ والہ تعالیٰ ہمہ الخ و معلوب  
فتیہ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو دعاغت و ذکر دنیوی مقاصد کے لئے پڑھے  
جالت میں ان میں ثواب نہیں جبکہ مقصود دنیا و ثواب اس وقت ہے جب بعض  
طاعت و رضاعت کے لئے ان کو کبھی لائے پھر دوسری مقاصد اس کے خدا  
ہو کر خود ہی آجاتے ہیں ان کو مقصود بن چاہئے۔

باب چہارم دیکھ

## حدیث

### عکرم راع وکلکم مسئول عن عقیقہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے، اور اس سے اسکی رعیت کے متعلق باز پرس کی جائیگی مگر ہمیں نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اسکی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا اور اگر اپنے گھروں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے ان کے متعلق باز پرس کی جائے گی عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا، خادم اپنے آفاکے ماں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا، راوی نے کہا کچھ گمان ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا غرض تم میں سے ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی۔

غلام حسرت یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی اس پر چند وجوہ سے

کلام ہے۔

(۱۹۶) یہ ذمہ داری ان ہی امور میں منحصر ہے جس کا ذکر حدیث میں ہے یا دیگر احادیث کی طرف بھی مندرجہ ہے، اگرچہ علمت سمجھنے کے قابل ہوں تو جن علمت موجود پائیں گے علم کو متدبر کر دیں گے اور حدیث میں ہن چیزوں کا خاص طور پر ذکر ہے اس کو قلیل سے کثیر پر تبدیل کرنے کے باب سے بھی جائیگا کیونکہ علمت سب بزرگ اہانت اور نگہبان سے اور قواعد شریعت اس بارہ میں بہت ہیں جو اس (تعمید) پر مبنی ہیں یا ضعیف و ثابت کہتے ہیں، پس بیان حدیث کا تاویل یہ ہے کہ ان امور پر تنبیہ کیا جائے جن کا ذکر نہیں ہے کہ یہ نہ ایک مقول نام ہے کیونکہ لوگ نام طوط پر مبنی راوی اور ذمہ دار مندرجہ علیہ اور سلطان ہی کو سمجھتے ہیں اس کو سوا ہن کو کوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ذمہ دار نہیں سمجھتے چنانچہ مرنے والے کے کمرے کے گھروں کے میز و سطح باغ میں ہیں میسر و پران کا کچھ حتی نہیں بجز نفقہ (روٹی نمک) وغیرہ کے جو عا ذمہ دار کے ذمہ ہوتا ہے اور اس سے مندرجہ نفقہ کے متعلق باز پرس ہوگی، یہ نہیں سوچنا کہ اس کے ذمہ اس سے زیادہ بھی کچھ حق ہے اسی طرح ہر شاکس کے کمرے کے باغ کا مال میرا مان ہے کچھ پر راسکی باز پرس کیا ہے بلکہ وہی میسر و پران کا کچھ (جو کچھ باز پرس ہوگی) ہوگی، یہی ہی یہی کہتی ہے غلام بھی یہی سمجھتا ہے اور اس جانب کے درمیان حقوق مبالغہ ہوتا ہے جن میں باز پرس ہوگی مگر وہ ان حقوق کو غفلت میں برباد کر دے ہیں، پس اس پر تنبیہ کر دی گئی تاکہ ان لوگوں کی پوری خبر ہو جائے جو کسی ذمہ دار کے تحت ہیں جن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ذمہ دار سے زیادہ اپنے ذمہ داری کو ادا کرنا ہے (اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی) بقیہ امانت اور ذمہ داری پر یہی مثالیں ولایت کر دی ہیں ان ہی پر سب کو قیاس کیا جائیگا، چنانچہ سب بڑی ذمہ داری تو اس کے ہے جس کے لئے امانت و انقیاد کی بیعت کی جاتی ہے (مراغہ فیہ اور سلطان ہے) اس پر تو حدیث عبادہ بن الصامت میں غلو کر دی ہے اس کے بعد جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق اس وقت کچھ بیان کیا گیا

جنتا انتہائی مسرت و مبہر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

والرجل راعی اہله و مسئول عہد و عیت

مرد اپنے گھروں کا نگہبان، اور عہد و عیت کے اس سے اس عیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

یہاں اہل کا غلط فہم ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ کہ جو ان کا، طلاق کبھی نہ کرے، تاہم جب اس امر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ اٹک میں کہا تھا

اھلک بما رسول اللہ لا اھلک الا خیرا

یہ رسول اللہ آپ کی بی بی میں تو بھلائی کے سوا ان کے بدہ میں کچھ نہیں جاتا۔ (مرد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عقیں)

لہذا یہ بھی احتمال ہے کہ اہل سے مراد وہ ہوں جن کا نفقہ مرد کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے جیسا فقہ حلیہ اسلام نے فرمایا ہے۔ ان ابنی من اھلی کریم! یہاں بھی میکہ میں یہ راصل ہے اور جیسا اللہ تعالیٰ شانہ نے ایوب علیہ السلام کے قصص میں فرمایا ہے۔ وھذا الھ وھذا الھ وھذا معھرم نے ایوب علیہ السلام کو ان کے گھروں کے حاکم قرار دیا۔ اور ان کے مثل ہی ان کے ساتھ یہاں اہل سے مراد بیوی بچے سب ہیں۔ نیز غلام بھی، اہل میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی محمد و عیت کے ہے جسکی وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہو من اھل البیت کردہ اہل بیت میں سے ہے حال کردہ غلام آزاد شدہ، غلام، نیز غلام کھلے اپنی سیدہ کی رینٹ (ظاہر و جہد کنین) کی طفرہ نہ کرنا مباح ہے جیسا امام کے سے مباح ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ او ما ملحت ایمان

حدیث میں دو قول احتمال ہیں کہ اہل سے حضرت بیوی مراد ہے یا سب گھر والے (بچہ)

محکم ظاہر ہے کہ اس کو علوم پر رکھا جائے کیونکہ نادرہ اس صورت میں ماکانام ہو جائیز اس لئے بھی محرم پر رکھنا اہل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے اخیر

میں فرمایا ہے والرجل راعی فی ما لہ ابیہ کہ آدمی اپنے ہاتھ کا مال کا بھی نگہبان اور ذمہ دار ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ باپ اپنے بیٹے کے مال کا نگہبان و ذمہ دار ہے کیونکہ بیٹہ اہل میں داخل ہو چکا ہے اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ آدمی اپنے غلام اور بیوی کا نگہبان ہے اور ذمہ دہ ہے کیونکہ غلام اور بیوی بھی اہل میں آچکے ہیں بیٹے اور غلام اور بیوی کی ذمہ داری کو اپنے بیان فرمایا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ جس طرح گھر کے مالک سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی ان سے بھی بقدر نصیحت و توفیق کے باز پرس ہوگی جیسا آگے بتلایا جائیگا۔

پس مرد کے ذمہ بیوی بچوں اور غلاموں کے جو حقوق واجب ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو سب لوگوں کو خواہ عالم ہوں یا جاہل معلوم ہیں جیسے نفقہ کثیر اور کثیر کا گھر اس میں تو کچھ غلط نہیں، مگر یہ کلی میں سے بعض ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اس کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ ان کے دین کی حفاظت کرے ان کو دین پر بڑبڑاتا ہے فقہ پر بھی مستحبات پر بھی ہر ایک پر اس کے وجہ کے موافق توفیق دے اور یہ حق نفقہ اور لباس سے بھی زیادہ ہوگا کہ کہو کہ نفقہ اور لباس تو تنگدستی کی حالت میں ساقط بھی ہو جاتا ہے اور دین کی طفرہ دہری اور کسی کی تسلیم کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جو حق بھی ساقط ہو وہ اس حق سے زیادہ ہوگا اور ضرور ہے جو کسی وقت ساقط ہو جائے۔

مگر چونکہ وہ کوئی نہ کوئی مال و نفقہ اور کپڑا اور دیگر امور و دنیویہ ہی کے متعلق فیصد کرتے دیکھا ہے ان کے سوا کسی اور بابت کو ذمہ دار کے اور پر لازم کہتے ہوئے نہیں دیکھا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ حق میں حق واجب وہی ہے جس کو حکام اپنے فیصلوں میں لازم کرتے ہیں اس کے سوا کچھ واجب نہیں۔

اور جو لوگ اہل علم اور اہل خیر سمجھے جاتے ہیں ان کی جلی دھڑیہ ہے کہ

کیونکہ عمل تو کسی سے کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ فوں کو ثواب ہوگا یہی قرآن مجید سے جس کی پیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حج و عمرہ میں ایک عورت نے اپنے ہرج میں سے ایک کچھ کو نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کچھ کو سوتا ہے، پہلے فرمایا ہاں اور پھر ثواب ملے گا (مترجم کتاب) کہ اس حدیث سے وہ سرے قول کی توفیق ہوگئی مگر پہلے قول کی نفی نہیں جہتی بلکہ ظہر اس کی تائید اور تیسرے قول کی تائید اس میں نہیں۔

دو دفعوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بنگلہ نما کرے اس کو مزائے تازیانہ دو چہر زنا کہے تو مزائے تازیانہ وہ اگر تیسری یا چوتھی دفعہ چہر زنا کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ ایک ہی دھاک کے عوض بھی۔ اسی کے مثل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ ان کی زمین میں ان کے پاس ہی جیتے تھے، ایک دن حضرت عائشہ نے اسی زمین میں ان خطوہ کے نشان بنائے دیکھے جن پر جو کھر کھلی جاتی تھ تو اپنے ان لوگوں کے اخراج کا حکم دے دیا مگر اس حرکت سے باز نہ آئیں۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی چیز ایسے شخص کو کرنا یہ پر دیتا جو نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس میں کوئی حرام کام کرے گا۔ اسکی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الْبَغَاةِ

کہ اپنی پاندیوں کو نہ بنا پر مجبور نہ کرو (دراں کے ذمہ اتنا خرچ نہ لگاؤ جس کے ادا کرنے کے لئے وہ نہ بنا پر مجبور ہوں)

تو جیسے یہ حرام ہے کہ باندیوں کو زنا کے لئے کرایہ پر دیا جائے اور اس کی اجرت لینا حرام ہے، اسی طرح دوسرے ماں کو بھی حرام کام کے لئے کرایہ پر دینا اور اس کرایہ کو لینے کا کام میں نہ آتا۔ شراب پینے والے کو، نئی دکان کرایہ پر دینا یا اپنے مکان کو اجاد کھیلنے کے لئے یا مندر بنانے کیلئے کرایہ پر دینا وغیرہ، ہذا القیاس

نفع و لباس کے مددہ و حقوق دینے میں وہ مستحب کی قسم ہے جس اگر ان کو ادا کریں تو شاید نہ کریں تو گنہگار نہ ہوں گے مگر ان پر بھی جہل غفلت ہے اور بالکل غلط ہے کہ کتب سنت و احوال آئمہ میں اس کے غلط ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کتب کی حالات کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ مَا لَهُ إِيْمَانٌ وَلَوْ أَنَّهُ كُفِّرُوا كُفْرًا وَلَئِنَّكُمْ كُفْرًا

نفس و انفس تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَأَنْفُسُكُمْ بِالْمَعْلُومَةِ وَأَصْطَبِرْ عَلَيْهَا

اپنے گھروں کو نماز کا حکم کر اور خود بھی اسکی پابندی کرو

یہی حدیث، سورہ اہانت میں وارد ہے کہ جس شخص کی اولاد بالغ ہو جائے اور وہ اس کے نکاح و خیر کے بارے میں کوتاہی کرے یہاں تک کہ وہ اس کو تاج کی وجہ سے کسی محذور گزہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اس پر ہوگا۔ نیز نماز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مروهم بذا السبع وأهله بوجهم عليها لعشر

ہر کوئی کو نہ لگا حکم کر جب سامنے اس کے ہوں اور نماز کے ترک پر

ان کو مائدہ جب دس سال کے ہوں۔

اور یہ حکم مشرک نماز یا کسی واسطے نہیں بلکہ نماز کا ذکر ملا ہے، اولیٰ پوزیشن کیلئے ہے لہذا قول ان کو تو اب ان کی ذمہ اپنے دس سال و فریضہ میں بیان کیا ہے کہ بچوں کو نماز کے لئے مائدہ جائے جب دس کے ہوں جیسا کہ پیش میں آیا ہے اسبطر دوسرے وجوہات و قرائن میں بھی کوتاہی کریں تو مزاد کیا جاتے۔

علاوہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ ولی اپنے ماتحت نابالغ بچوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے اور نہ پر مجبور کرے تو ان اعمال کا ثواب کس کو ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ ثواب ولی کو ملے گا دوسرا یہ کہ ثواب بچہ کیلئے

حزقِ ظہار اس وقت تک نماز شروع نہ کرتے جب تک وہ لوگ اطلاع نہ دیتے کہ عیض برابر ہو گئی ہیں، اس کے متعلق پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ غرض اعمالِ مستحبہ میں بھی ابنِ وحید سے مسامتہ نہ کرنا چاہیے۔

ابہم تم کو بتاتے ہیں کہ حکامِ مفسرِ فقہ اور کبرا و فیسوہی میں فیصلہ کیوں کہتے ہیں جس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ میں یہی چیزیں مرویہ کے ذمہ لازم ہیں۔ دین کی ادباً توں میں فیصلہ کیوں نہیں کرتے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام ان ہی حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کی طرف مرقعہ کی حالت اور جن حقوق کا مرقعہ نہ کیا ہے گان کا فیصلہ نہ کریں گے، گھنچو اگر کسی شخص کے مقابل میں تمہارے پاس عین یا چارعت ہیں ہوں، پھر تم ایک ہی جہت سے اس پر مطالبہ (قائم ہو تو حاکم ایک جہت ہی سے تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ بقیہ جہتوں سے جن کو تم نے ظاہر نہیں کیا نہ ان کا مطالبہ کیا تمہارے لئے فیصلہ کا اسی طرح یہاں سمجھو کہ رعیت کے کچھ حقوق دینی بھی داعی کے ذمہ ہوتے ہیں جن کو وہ ادباً نہیں کوٹا رہا مثلاً نماز کی پابندی کرانا، زکوٰۃ اور زہ کی تاکید کرنا، ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا اہتمام کرنا، مگر ان حقوق کا ادوارہ کرنا رعیت کی خواہش نفس کے موافق ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہے کہ داعی نے ان حقوق کو ادائیں کیا تو وہ حکام کے سامنے بھی ان حقوق کا ذکر نہیں کرتے یہ اس لئے کہ رعیت کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ مہارے کچھ دینی حقوق بھی ہیں یا علم تو ہے مگر وہ اس سے خوش ہے کہ داعی نے ان حقوق کو ادائیں کیا اور اس سے اعمالِ شرعیہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ بعض دفعہ ایسے داعی سے محبت کی جاتی ہے کہ وہ خود ان نفس کے موافق ہے اور دوسرے حقوق جو حظِ دنیا کی قبیل سے داعی

ہوئے اس قول کی توثیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو اپنے اپنے حال و حکام کے نام لکھا تھا

ان اھم امور کمر عدی الصلوٰۃ من حفظھا وحافظ  
عیسھا حفظ دینھ و من ضیعھا فیلو لھا ماواھا اضع  
لجے تمہارے سب کاموں میں زیادہ نگرمانا کہ ہے جو شخص نماز کی حفاظت کرے اور اس کی پابندی کرے وہ اپنے دین کو محفوظ کرے گا اور جو نہ رکھو نہ رکھتا ہے وہ اس کے سوا دوسرے کاموں کو زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔

ان سب نحو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر اپنے اہل و عیال کا مفسرِ فقہ ہی واجب نہیں بلکہ ان کے دین کی حفاظت ہی لازم ہے، اس بات میں یہ خیال ان حقوق کے بارے میں جو مرقعہ پر اپنے اہل و عیال کے متعلق واجب ہیں تو غور کیجئے کہ جو اعمال خود مرقعہ پر واجب ہیں ان پر اپنے اہل و عیال کو عامل بنانا بھی واجب ہے مگر وہ بالغ ہوں تب تو وجہ اپنی حقیقت پر ہے مگر ان اعمال کے جو شریعت نے ان سے سوا کافر کر دیے ہیں جیسے جمعہ عورتوں اور غلاموں سے سناٹ ہے، چنانچہ کتبِ فقہ میں وکیلِ شری کے ساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے اور اگر بالغ نہ ہوں تو وجہ حقیقی نہیں بلکہ بغیر ہے یعنی نابالغوں کا احکام ضروری کی تعلیم دینا اور عادت ڈالنا واجب ہے گو پند بنانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور جو عامل خود مرقعہ پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں ان کا اہل و عیال کو عامل بنانا بھی مستحب ہے مگر ان کو یہ بھی مسئلہ دین چاہئے کہ یہ اعمال مستحب ہیں جیسا اخلاص، راشدین رضی اللہ عنہم کا ملہ میں صفوں کے برابر کرنے کے متعلق معمول تھا کہ دلِ خطبہ میں بیان کر دیتے تھے کہ صفوں کا برابر کرنا واجب نہیں ہے نہیں بلکہ گناہِ معلومہ ہے اور سنت ہے، پھر کچھ آدمیوں کو عیض برابر کرنے پر مقرر کرتے جو لوگوں کو اس پر مجبور کرتے تھے اور

اذہب غالب (جاؤ کھیلو) لکھا جئے، میں تو ایسا نہ کروں گا اور اگر وہ خود  
کہنے لگے گا تو اس کو منع بھی نہ کروں گا کیونکہ بچوں کے لئے بقدر ضرورت  
ہو و لوب کی اجازت ہے۔ سو دیکھو سلف کے یہاں تربیت کا کیا طریقہ  
تھا اور نادر اعمال میں اپنی باتوں کے درجہ ہونے پر وہ کیسی استیلاط  
کرتے تھے۔

یہ تو ان امور کے متعلق کلام تھا جو دین میں مشروع ہیں اور جو امور  
فحش تھے لئے مباح کر دیئے گئے ہیں تو ان کو اہل و عیال کی خاطر چھوڑ  
دینا مستحب مندرج ہے جب تک دین میں کوئی مقصد نہ پیدا ہو۔  
اسی طرح جو معاملات دین میں میل ملاپ کی قسم سے، ان کے درمیان  
یا ہم ہوا کرتے ہیں۔ ان میں بھی مستحب یہ ہے کہ ان معاملات کی ترویج  
دی جائے مگر سختی نہ کی جائے تاکہ ان کو مکارم اخلاق کی عادت ہو کر یہی  
سنت ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت  
کاتمہ مکام الاخلاق۔

جہاں سے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اہل و عیال کے واسطے اپنے حفظ  
فحش کو چھوڑ دینا مرد کے حق میں مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا ہے

المؤمن یسأل بشہوۃ عیالہ

مومن اپنے گھروالوں کی خواہش سے کھانا پکارتا ہے

یعنی جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے وہ کھا پکارتا ہے اپنی خواہش کے  
موافق و فرائض نہیں کرتا چنانچہ کسی وقت اس کو اشتہات ہو مگر گھروالوں کی  
خاطر سے کچھ کھا لیتا ہے تاکہ اس کے کھانے سے وہ بھی کھانا نہ چھوڑ دین  
تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کی خاطر اپنی خواہش  
کے چھوڑ دینے کو کمال ایمان کی علامت بتایا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے خواہش

کے ذمہ ہیں جیسے کھانا پکڑا وغیرہ ان کا چھوڑنا رعیت کو گوارا نہیں وہ  
راہی سے ان حقوق کو طلب کرتی ہے واجبہ طلب کے بعد بھی تو جسہ  
نہیں کرنا تو حکام کی طرف مراءض کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ جب بحیثیت  
ان حقوق کا مطلب اور مراءض ہونے لگا تو ان حقوق کا راہی کے ذمہ  
واجب ہونا مشہورہ معلوم ہو گیا اور دوسرے حقوق یعنی حقوق وغیرہ  
کے طالب بھی کم ہیں ان کے ادا کرنے والے بھی کم ہیں جاننے والے بھی  
کم ہیں تو وہ ایسے ادب سے جو گئے کہ گویا ان کا بیان کرنے والا اور بتلانے  
والا دین میں کوئی بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ غنائہ وانا الیہ راجعون دین  
میں کیسا مذہب پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے نشانات ہی بدل گئے اس پر عمل  
کرنے والے ہی جانتے رہے، معاصر بیان تک حد سے بڑھ گیا کہ جب کسی  
کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے گھروالوں کو واجبات دین کا امر کر رہا یا دین کے معاملہ  
میں ان پر سختی کر رہے تو اس کو دھمکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ میں  
جانے بھی دو ایسی توبہ پھر ہے جب تمہاری عمر پر آدھے کا خود عمل کرے گا۔  
اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین دو ہیں، ایک بچوں کا دین، ایک بڑوں کا دین  
اللہ تعالیٰ سلف پر دم فرمائے۔ ان کا یہ طرز تھا ان کے یہاں بچوں اور بڑوں  
کا سب کا ایک ہی دین تھا۔

میسر ایک شہر نے اپنے ایک شیخ کا واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے  
شاگرد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا چھوٹا بچہ مکتب سے آیا اور کہتے  
لگا کہ میں نے اپنی شوقی یاد کرنی ہے اب میں بیٹھا رہوں یا کھیل کو چلا  
جاؤں؟ شیخ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا بچہ نے بار بار اپنے سوال کا اعادہ  
کیا، مگر وہ خاموش ہی رہے، شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بچہ سے کون نہیں  
کہہ دیتے کہ جاؤ کھیلو، کیا بچوں کے لئے مکمل مشروع نہیں؟ یہ تو ان کی محنت  
لگنے کے مفید ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ چاہئے ہو کہ میسر نامہ راہی میں



واجب ہے۔ جیسا اوپر گذر چکا نیسے بیوی کے ماننے پٹنے کی بھی اجازت  
دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰہِ تَعَالٰی تَعَالٰی لَہٗۤ اَمْرٌۢ فِیْ ہٰذَا اَشَدُّۤ اَمْرًا  
فِی الْمَضَاجِعِ وَاَمْرٌ لَّہٗۤ اَمْرٌۢ فَاِنْ اَطَعْتُمْ فَلَا تَبْغُوْا  
عَلٰیہٗ۔ سبیل

(ترجمہ) اور بن عورتوں کی طرف سے تم کو نفوذ (نافذی) کا  
خطرہ جو راول، ان کو نصیحت کرو اور یہ ان کو خواب گاہ  
میں الگ کر دو اور اس پر بھی باز نہ آئیں تو ان کو بزنائے قریب  
دو احوال کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت نہ کریں تو رحم بھی ان  
کے مافیہ ہو جائے اور خواہ مخواہ سناٹے کے لئے ان پر راستہ  
نہ ڈھونڈو۔

اس باب میں حدیثیں بھی بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع  
کے بارہ میں مرد کو اپنا حق بیوی سے پوری طرح وصول کر لینا جائز  
ہے (خواہ اس کو رغبت ہو یا نہ ہو) کیونکہ ایسا نہ کرنے میں اس کے دین پر  
بڑے فساد کا خطرہ ہے تو یہاں بھی پہلی صورت کے مقابلہ میں اعلیٰ سے لافنی  
پر تنبیہ کی گئی ہے۔ تم شریعت کے اس عجیب نظام کو دیکھو جب تم اس میں  
خطرہ کرو گے (جیسے تم میں رہاؤ گے، کہ اگر دین میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو  
شریعت نے مسلمانوں کو اپنے حفاظت کے چھوڑنے کی کیسی ترغیب دی ہے  
کہ کھانے تک میں اپنی رغبت کو اہل و عیال کی رغبت کے تابع کرنے کا  
حکم دیا، اور اگر کسی رغبت کے چھوڑنے سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو  
تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے بلکہ ضروری اور واجب ہو جائے کیونکہ  
جس چیز سے روکنا واجب کو ساقط کر دیتا ہو (جیسے یہاں بیوی کا شوہر  
تو جماع سے روکنا نفقہ واجبہ کو ساقط کر دیتا ہے، تو اس کا حاصل کرنا

بے کھایا کرے جب بھی ایمان سے توفیق نہ ہوگا کہ یہی فی نعم  
مباح ہے اور جس کام کا کرنا ایمان سے خارج نہ کرے اس کا چھوڑنا  
کمال ایمان ہوگا اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اعلیٰ سے اذنی پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی  
محنت سے اس بدن کی حیات موقوف رکھی ہے وہ ذات دن میں ہمیشہ ضرور  
بھی ہوتا ہے اور اپنی خواہش و رغبت کے ساتھ کھانا اظہار کے قول پر  
مصلح بدن کے لئے زیادہ مفید بھی ہے اور سنت نبوی سے بھی رعایت  
طلب کو بھڑکایا ہے حتیٰ کہ اظہار قین نے فرمایا ہے کہ جو کھانا بعض  
اوقات بدن کو مضر ہوتا ہے وہ بھی اگر سچی رغبت سے کھالیا جائے  
تو نقصان نہیں کرتا باس بحمدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال  
کی خاطر اپنے مطلب کھانے کو چھوڑ دینا ایمان کا مکمل کی علامت قرار دیا ہے  
کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے دین کی صلاح کو صلاح بدن پر ترجیح دیتا  
ہے تو یہی باب سے ہے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں اعلیٰ  
اذنی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم کھانے میں جو دنیا کی نعمتوں  
میں سب سے اعلیٰ ہے اہل و عیال کی رغبت کو مقدم کرتا ہے تو معمولی  
باتوں میں تو ضرور اس کا لحاظ کرے گا۔

اور یہ جو ہم نے شرط رکھی ہے کہ یہ رعایت اس وقت کی جائز  
ہے جبکہ اس سے دین کا ضرر نہ ہو اس کی مثال جماع ہے کہ اگر مرد کو  
جماع کی خواہش ہو اور اس کے ترک سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو  
تو اگرچہ بیوی کو اس وقت رغبت نہ ہو پھر بھی مرد کو اپنی رغبت کو  
مقدم کرنا چاہئے۔ بیوی کی رغبت کا اعتناء نہ کرے اس لئے شریعت  
نے نشوونما کے وقت جبکہ وہ اپنے بلاغ و رشد کی جگہ سے انکار  
کر کے نفقہ پسند کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ نفقہ شوہر کے ذمہ

کہتا اس کو خوشی نہ ہوتی، اسی وقت کوئی غیبی صاحب تشریف لے گئے  
 (انہوں نے یہ واقعہ سنا تو) کہنے لگے کیا واسیات ہے تم نے جھوٹ بول  
 کر اس کا دل خوش کیا یہ تو جان نہ تھا۔ تم نے جس بیگی کا قصد کیا اس سے  
 بزرگستہ میں مبتلا ہو گئے۔

کسی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ بہت لاؤ کیا یہ دونوں بیوی بزرگ  
 صوفی ادا ان سے بغض رکھتے والا مسلمان نہیں ہیں، کہا بیشک مسلمان  
 ہیں اس نے کہا پھر جب ایک مسلمان دوسرے سے ناسحق بغض کے اندر  
 جس سے بغض کیا جاوے، لمبہ وہ سچا مسلمان ہے تو کیا اس کو اپنے بھائی  
 مسلمان کی اس حالت سے رنج نہ ہوگا کہ ناسحق بغض کی وجہ سے اس کا

ایمان ناقص ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ان کو اپنے بھائی مسلمان کی ہر اس حالت  
 سے تکلیف پہنچتی ہے جو خود اس کو پیش آتی تو تکلیف ہوتی تو جیسا اس کو  
 اپنے ایمان کے ناقص ہونے سے تشویش ہوتی ہے ایسے ہی اپنے بھائی  
 کے نقص ایمان سے تکلیف ہوتی ہے پس جب یہ بات مجھ میں آگئی  
 تو اب اس جواب میں کذب کہاں ہوا، بلکہ اس بزرگ نے اپنی حالت

اور غلطی کی حالت کے موافق سچا جواب دیا ہے۔ یہ سب جو انوں سے  
 جواب بہتر ہے محاسن کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو علم حال اور علم دلی  
 دونوں سے حصہ ملا ہو ورنہ ایک میں مقلد ہوگا اور غایہ کا مقلد ہو یا  
 صوفی کا جو غیہ کا مقلد ہوگا صوفی کو برا کہے گا جو صوفی کا مقلد ہوگا غیہ  
 کو برا کہے گا اور جس کو فقط ظاہر اور فقہ حال دونوں سے حصہ ملا ہوگا

وہ کسی کا مقلد نہ ہوگا بلکہ محقق ہوگا اور کسی کو برا نہ کہے گا۔  
 ہمارے اس قول کی کہ اصل مقصد دین ہے اس کے سوا جو کچھ ہے  
 تبعاً مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارے سے بھی  
 تائید ہوتی ہے کہ

واجب ہے ادا اگر اس کے حاصل کرنے کے لئے ممنوع کو بھی جائز کر دیا جائے  
 تو اس کی تحصیل اور زیادہ مؤکد ہو جائے (جیسا بیان یہی مختصر ہے)  
 کیونکہ مرد کا اپنی بیوی کو مارنا بدن نشوونے ممنوع ہے مگر نشوونے  
 بعد مارنا جائز ہے تو رغبت جماع کو پورا کرنا بہت بڑی عبادت جو کوئی  
 اسی پر درستی کے تمام نظام کو قیاس کر لو۔

اس گفتگو سے یہ علمی مسئلہ بطور نتیجہ کے معلوم ہوا کہ دین اور صلاح  
 دین اصل مقصود ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تبعاً مقصود ہے بشرطیکہ  
 اس سے دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا مآل ایسے مباح کی طرف  
 بھگتا نہ ہو جس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے کیونکہ مباح کسی درجہ میں

مقصود نہیں، نہ اصداً نہ تبعاً، اور یہ دلیل ہے طریق موخر کے ترجیح  
 کی کیونکہ ان کے طریق کی بنا پر ترک حلو ظ نفس اور تحمل اذیت اور ترک اذیت  
 (مسلم) اور (مسلمانوں کا دل خوش کرنے پر ہے) اور ان امور کا عبادت جوتا  
 ظاہر ہے طرق مو فیہ نہ مباحات میں تخیل کرتے ہیں ذایسے افعال کے پاس

جستے ہیں جن سے دین میں خلل کا اندیشہ ہوا ہے، اپنے نفس کے ساتھ  
 تو ان کا معاملہ یہ ہے کہ اسکی خواہشوں کو پورا نہیں کرتے اور اس کو خوش  
 کرنے کے لئے کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے اور دوسروں کے ساتھ معاملہ  
 یہ ہے کہ ان کی اذیت کا تحمل کرتے اور یہ مسلمان کا دل خوش کرنا چاہتے

ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوفی کے متعلق متفق ہوئے کہ ان سے ایک شخص  
 ملا اور دریافت کرنے لگا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ مشوکش  
 اور پریشان ہوں یا اور کوئی لفظ اسی کے معنی میں فرمایا۔ جب وہ چلا  
 گیا تو چند ام نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہ بات کیوں کہی؟ ورنہ بظاہر تو آپ  
 پریشان معلوم نہیں ہوتے، فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کو مجھے بعض  
 ہے تو میں نے اس کا دل خوش کرنا چاہا (اگر میں اپنی راحت کا اظہار

لہٰذا یوحنا بعد ولد و خیر لہ من ان یتصدق

بصاع من طعار

کوئی شخص اپنی اولاد کو تادیب کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ صدقہ کرے۔

کیونکہ اولاد کے ساتھ قلبی تعلق جو تباہ ہے جیسا حدیث میں وارد ہے اسولہ مضلہ و مجتہد اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے یعنی ان دو مذموم خصصتوں کے بڑھنے میں اولاد بڑا سبب ہے کیونکہ اس کی محبت مال کے خرچ کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا میرے مال کا زیادہ مستحق ہے پھر غریب و یتیم کیوں صدقہ کروں اور جب بھلا میں جاتا ہے تو دل اولاد میں رکھتا ہے اور واپسی کا مشاق ہوتا ہے جس سے بزدلی اور جاکے کی خاموش پیدا ہوتی ہے غالب حالت یہی ہے اور حدیث میں لوگوں کی غالب حالت ہی کو بتلایا گیا ہے رشاد و نور ایسے شخص ہی ہوتے ہیں جو اولاد کو امیر کے حوالہ کر کے میدان جہلو میں بے فکر ہو کر جاتے ہیں جیسا حضرات صحابہ و تابعین کی حالت تاریخ سے معلوم ہو چکی ہے اور ماں سے بھی قلب کو تعلق ہوتا ہے مگر اولاد کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا ہے اور اس بات سے اولاد کو تکلیف ہوتی ہے اس سے باپ کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لئے اولاد کی تادیب اور تنبیہ جس سے اس کے دل کو نصیحت پہنچتی ہے ایک صاع صدقہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے (صدقہ اتنا شاق نہیں) بیان شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ایک صاع کی شدید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صاع سے زیادہ صدقہ کرے تو وہ تادیب اولاد سے کمتر ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔

اگر کوئی اپنی اولاد کو تادیب و تنبیہ نہ کرے بلکہ دوسرا غرض نہیں کر دیا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نیک مقدار بڑھا کر تادیب اولاد کو کم کر سکتا ہے بلکہ مقصود تفاضل اعمال کا بیان ہے کہ اولاد کی ادنیٰ تنبیہ و تادیب صدقہ کی ادنیٰ مقدار سے بڑھ کر کم ہے کیونکہ بچوں کو شرعی منزلت و طریقہ سے ہونی ہے جیسے ایک تازیانہ یا کان من دینا یا ایک مل کچھ اور کمالات مشروعی کی ادنیٰ مقدار ایک صاع چنانچہ حدیث میں ہے مد نکل مسکین پس رحل یہ ہو اگر و لا کی تادیب تنبیہ کا ادنیٰ درجہ صدقہ مشروعی کے ادنیٰ درجے سے بڑھا ہوا ہے اور شریعت نے صدقہ کی ادنیٰ مقدار جو عمر کر کے س سے انسان کو پوری طحت حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ اتنی مقدار ہے جس سے عام طور پر شخص کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جب انسان کا پیٹ بھر جائے تو اس کی تمام خواہشیں اور ساری منفعتیں اور سبب قوتیں جمع ہوجاتی ہیں اب وہ پوری طرح اپنے مقاصد کے حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو گویا کسی کا پیٹ بھر دینا یا سب کو زندہ کر دینا ہے اور درمت ہوئے آدمی کو زندہ کرنا یا بیعتی کام ہے شرعاً معلوم ہے پس شریعت نے اس ادنیٰ نصیحت کو جو اولاد کی تادیب شدنی سے باپ کے دل کو ہوتی ہے۔ سب سے بڑھ کر مل یعنی احیاء نفس سے بھی بلند قرار دیا ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے صدقہ میں اس قدر تکلیف دل کو نہیں پہنچتی جتنی ایسی اولاد کو سزا دینے میں پہنچتی ہے اس تقریر سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ علوم میں سب سے افضل انعام الہی میں اسوار حکمت کو سمجھنا ہے کیونکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس سے نفس کے مقاب

عہ مد صاع کا جو جاتی ہے اور کمالات کی ادنیٰ مقدار ایک مدھون مانیکہ مد صاع

میں مدد ملتی ہے اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

ومن احسن من اللہ حکما فتقرہموتھون

اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ان لوگوں کے لئے جو عین رکتے ہیں۔

کیونکہ غالب احوال میں عین منصف نظر اور فہم اور تدبیر سے حال ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقین حاصل کرو کہ جو کوئی میں جی اس کو حاصل کرتا ہوں۔

نیز باپ پر واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے ان کو باپ کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں مدد ملے جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز ہسک متی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بہرہ پر گواہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان سے پوچھا۔ اس بیٹے کے سوا تمہارے اور بھی اولاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس سب کو بھی اس کے برابر دیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے سب برابر رہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم بھی ان کے درمیان بڑبڑی کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ میں غور کرو

اتحب ان ینکونوا کفی البویعوا

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب برابر رہیں؟

اس جہد میں اس امر پر توجہ دینی ہے کہ تمہارا فضل خاص مطلوب کا مقامی ہے جب تم اولاد سے خدمت گزاری میں مساوات کے طالب ہو تو خود مساوات کیوں نہیں کر سکتے تم کو بھی ان کے ساتھ مساوات عمل کا پتہ دیا گیا ہے، غرض اس حدیث میں باپ کو تو غیب دی گئی ہے کہ اولاد کی

ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے ان کو خدمت گزاری میں مدد ملے اس کی خدمت کا جذبہ بانی کے دل میں پیدا ہوا۔

اسی کی نظیر یہ واقعہ بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے کہ حضور نے آپ کا اندراج نے دریافت فرمایا کہ آپ ہم میں سے کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا اس سوال کا جواب دوسرے وقت دیا جائے گا پھر آپ نے ہر ایک بی بی کو دوسروں سے چھپا کر ایک ایک سے یاد دیا اور ہر ایک کو تاکہ کر دی کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ ہونے پائے۔ پھر دوسرے وقت آپ سے وہی سوال کیا گیا کہ آپ کو سب بیبیوں میں کون سی زیادہ محبوب ہے تو فرمایا دیندہ والی زیادہ محبوب ہے، تو یہ دو حضرات سب کو خوش کر دیا اور کسی کے دل میں ذرا بھی ملال اور پریشانی کا اثر نہ ہوا کیونکہ ہر بی بی کا خیال تھا کہ دینار والی ہی میں جوں اور کوئی نہیں۔ پس ہر مرد کو اپنی چند بیبیوں کے ساتھ ایسا ہی پتہ دیا کہ انہیں ہر ایک سے بھی کچھ سے زیادہ محبت ہے۔

کیونکہ اس سے حسن معاشرت میں مدد ملتی ہے اور حسن معاشرت بیبیوں کا حق ہے کہ ان کی بہتری اسی میں ہے۔ اگر بیبیوں کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ نہ ہو تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔ یہ تو اولاد و ازواج کے متعلق حسن معاشرت کا حکم تھا ہے غلامان کے ساتھ تعدل اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا برتوئے حقار بعض دفعہ آپ غلام کے ساتھ آنا پیتے تھا اور فرماتے تھے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا خادم کانا لیکر آئے تو اس کو اپنے ساتھ کھلاؤ اور اگر اپنے ساتھ نہ کھلاؤ تو اس کو اپنے خاص کھانے میں سے ایک کدہ قہر ہی دے دو۔ اس کے متعلق مفصل کلام اپنے موقع پر آئے گا۔ کیونکہ اس طرح برتاؤ کرنے سے غلام کا غنا کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو گا اور اس کے مال کو پناہ مالی ہو جائے گی اس کی حفاظت کرے گا۔

کا ارشاد ہے۔

وَلَكُمْ عِبْرَةٌ فِي الَّذِي كُنْتُمْ فِيهِ تُعْتَدُونَ

فَرَحَكُمْ فِي غَيْرِ الْاِثْمِ الَّذِي كُنْتُمْ فِيهِ تُعْتَدُونَ

تمہاری موتوں کے ذمہ ہے کہ تمہارے گنہوں میں کسی کو بدوں تمہاری اجازت کے داخل نہ ہونے دیں اور تمہارے سستروں میں بدیہی اجازت کے کسی کو قدم نہ رکھنے دیں۔

نیز آپ کا ارشاد ہے

تَحْفَظُ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي ثَمَنَيْنِ

عَمَلٍ وَشَوْهَرٍ عَمَلٌ فِي حُرْمَتِ زَوْجِهَا وَشَوْهَرٌ فِي حُرْمَتِ زَوْجِهَا

اور اس کے مال میں بھی۔

یعنی اپنی عصمت و کبر کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال کو فضول کاروں

میں نہ ڈالے۔ یہ تو اس کے ذمہ واجب اور مستحب بیان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے۔

جِهَادُ الْمَرْأَةِ حَسَنُ التَّعَلُّقِ

عَمَلُهَا فِي جِهَادِ شَوْهَرٍ وَارِي كَيْ تَحْفَظَ

یعنی شوہر واری کے حق کو اچھی طرح ادا کرنا اور جہاد و قسم پر ہے واجب

اور مستحب، اسی طرح شوہر واری کی خوبی و قسم پر ہے اس کا جو حصہ اپنی ذات

کی حفاظت اور شوہر کے مال کی نگہبانی وغیرہ سے متعلق ہے وہ تو واجب ہے

اور جو حصہ اپنی زینت و آرائش سے شوہر کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی

ذات و کبر و زیادہ مجاہدشت وغیرہ سے متعلق ہے وہ مستحب ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وَالْحَاذِرُ رَاغِي فِي مَالِ سَيِّدَةٍ

اَوْ غُلَامِ اَيْتَةِ اَقَاكِ مَالًا كَالْغَنَانِ (ذمہ دار ہے۔

اسی کی نظیر و قد ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے

منقول ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات کچھ کہہ رہے تھے بعض

دہ باری بھی آئے پاس تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا، اس نے کہا کہ باقی قنا

آپ کا خدام اس وقت سو گیا تھا۔ ایک درباری نے عرض کیا کہ خاں کو بج دیا

جائے تاکہ چراغ میں تیل ڈال دے فرمایا نہیں وہ ابھی سو رہا ہے کئی منبر

میں جاگ رہے تھے اس کو تکلیف ہوئی اس کے بعد آپ خود اٹھے اور چراغ میں

تیل ڈالا اور اپنی جگہ واپس آکر پھر کہنے لگے اور فرمایا کہ جب میں تیل ڈالنے

کو اٹھا تھا اس وقت بھی عمر قنا سو کر آیا تو اب بھی عری ہوں راتیں ڈالنے

کے لئے اٹھنے سے میں کچھ بدل نہیں گیا، اگر ہم اس قسم کے واقعات کا سلف

صالحین کی تاریخ میں متبع کریں تو بہت واقعات ملیں گے مگر سمجھنے

والے کے لئے یہ مقرر بھی بہت ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وَالْمَرْأَةُ رَاغِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَصَلْوَةٌ عَنْ رَوْحِهَا

عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس سے

اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اس نصیحت و اہواز کلام میں تو غور کرو کیسا واضح اور مقصود کو پوری طرح

ادا کرنے والا ہے کیونکہ گھروں کو شوہر کے ان ہی حالات و معاملات سے

ساتھ رہنا ہے جو گھر کے اندر ہوتے ہیں تو اس کو گھر سے باہر کے حالات کا

ملکف نہیں کیا گیا کیونکہ ان ملک کی پوری و دسترس نہیں ہوتی۔ اس جملہ

میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت کو گھر کے اندر پردہ میں رہنا چاہئے اگر

عورتوں کے لئے مردوں کی طرح بے پردہ باہر بھڑانا نہ ہوتا تو ان کی ذمہ داری

کو گھر کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا، اور گھر کے اندر جو امور عورت کے ذمہ واجب

ہیں ان کی تفصیل دوسری حدیثوں میں مذکور ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حفاظت کرے اور بدن اجازت کے اس میں سے کچھ نلے اس عجیب شبیہ پر غور کرو کیونکہ بیٹے کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ باپ کا مال تو ایک فن میں ہے یہی پس آج والا ہے تو اس کے بدلہ میں میرا اور وہ مرث کا کچھ کچھ نہیں ہے بلکہ مجھے باپ کے مال میں تصرف کا حق ہے تو شارع علیہ السلام نے شبیہ فرمایا کہ اس وقت یعنی جب تک باپ زندہ ہے وہ بیٹوں ہی کے مثل ہے اس بواسطہ طرح تصرف جائز ہے جس طرح خسیوں کو جائز ہے کہ بلا اجازت کچھ نہیں لے سکتا اگرچہ یہ مال بعد میں بیٹے ہی کا ہو جائے گا مگر بعد کی خبر دیکھئے ہے کیا عجیب ہے کہ بیٹا ہی باپ کے سامنے فوت ہو جاتا اور اسی لئے اگر بیٹا باپ کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا گا محرمین کو تفصیل مذکور ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور باپ اگر بیٹے کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کسی حال میں نہ کاٹا جائیگا کیونکہ بیٹے کا بیٹے مال میں اس وقت کچھ حق نہیں ہے مگر مقدار فقہ کے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے بشرطیکہ باپ کے ذمہ اس کا تصرف اس وقت واجب ہو ورنہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ و جنتیں مگر یہ کہ وہ اپنا پچھوٹا کا قائل نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور مال کا لفظ تمام اموال کو شامل ہے جن کو عرفاً مال سمجھا جاتا ہے۔ نقد اور چاندی سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں اولاد کو باپ کے تمام اموال کی حفاظت لازم ہے۔ کسی مال میں بھی بدن اجازت کے تصرف نہ کرنا چاہیے اور ان سب کے لئے بیٹے اور غلام اور زوجہ کے لئے مستحب ہے کہ ان کاوں کے اندر بھی جو نہ کے ذمہ لازم نہیں ہے کی مدد کریں اسکی راحت کا اہتمام کریں اور جو مصالح ان کو معلوم ہوں ان پر واجب اور تمیز کے ساتھ اس کو متنبہ کریں کیونکہ غالب حالت یہ ہے کہ گھر کی چیزوں کو زیادہ تر یہی برتتے اور اس میں کستے ہیں تو ان جزئیات کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں ان کو ہی زیادہ علم ہو سکتا ہے اور ان پر

اس ترتیب عجیب میں بھی غور کرو چونکہ غلام کے دستور عام کے مطابق مال کے ہوا اور کسی چیز سے میں تصرف کا مالک نہیں نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ سٹوار سکتا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس سے متعلق مال کے باز پرس ہوگی کیونکہ غالب یہ ہے کہ مال غلام کی امانت و حفاظت میں رکھا جاتا ہے اگر اس کے ہوا کوئی اور چیز بھی اس کی ذمہ داری میں دی گئی ہو تو اس میں بھی حق امانت ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ لوگوں کی عام عادت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح بیوی کے بچے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر شوہر نے اولاد کا ذمہ داری کے علاوہ کسی اور تصرف کا بھی اس کو مالک کر دیا ہو تو اس کے ذمہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے کہ پوری طرح حق امانت و اکر سے بیان ہو سکے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کے ذمہ لازم ہے کہ شوہر کو گھر کی ہر بڑا دھکی سے باخبر رکھتی ہے کیونکہ شوہر سے شریعت کا مطالبہ ہے کہ گھر والوں کی اچھی طرح نگہداشت کرے تو جب عورت اس کو تمام کلیات و جزئیات سے خبردار رکھتی ہے تو اسی کے موافق اس کی حضنت سے نگہداشت ہوگی جس کا نفع عیب کو پہنچے گا اور اس طرح شوہر کو ان کے حقوق کی ادائیگی میں آسانی دے گی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

والرجل راع فی مال ابیہ

اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے

رجل یعنی مرد کا اطلاق بالغ پر ہی ہوتا ہے نابالغ پر نہیں ہوتا اور یہیں بھی بالغ ہی ملتا ہے کیونکہ بالغ ہی اس کا مکلف ہوتا ہے اسی وقت اس سے سوال اور باز پرس کا موقع ہوتا ہے نابالغ سے باز پرس نہیں ہوتی کیونکہ مکلف نہیں وہ مسکروہ خود ہی مال کی پھر داری اور ذمہ داری میں ہوتا ہے یا جس کے حوالہ باپ نہ کر دیا ہو تو اس وقت وہ مرث سے اس کے متعلق نہ باز پرس ہوگی۔ بہر حال بالغ لڑکے پر واجب ہے کہ اپنے بچے مال کی

کائناتوں اور بارگستا ہے اسی کے دکوۃ ادبی میں روپ نہ ختم کرتے جسے جان نکلتی ہے اگر دل میں یہ بات ابھی طرح لاسخ ہو جائے کہ دل و متاع کو کچھ ہمارے پاس ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے ہم عباد و امین بنائے گئے ہیں تاکہ حکم الہی کے موافق اس کو خرچ کریں تو واجبات شرعیہ میں مال خرچ کرتے ہوئے دل میں تنگی کے بجائے بشارت و فرحت پیدا ہوگی اور مخلوق نفس میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا کہ نہ معلوم یہ خرچ مالک کو پسند ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک حکم کو تو کامیاب ہو جاؤ ان کا رعب بہت تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اسکی تفصیل دریافت کریں کئی دن تک بار بار وہاں سیلت کو دہراتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ یہاں تک کہ ایک نے جرات کر کے دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے؟ فرمایا بندہ کے طریق میں داخل ہجاؤ جس کو سب سے بڑی کھالیں حاصل ہو جائیں گی کہا گیا بندگی کو حقیقت کیلئے؟ فرمایا دلوں اور اعراض کو ترک کر دینا اور پوری خرچ حکم کو تسلیم کرنا اور بجا لانا، واقعاً انہوں نے بہت اچھی تعلیم دی مگر صرف غلوں میں بہت بڑا علم نظر کرنا اللہ تعالیٰ پر کہ کبھی اپنا سچا بندہ نہ ملے۔ بعد ازاں سب سوہ قول فی وجہ التائید والرجل راع فی المرسول عن رعبہ علی قولی ابوبائی مس جعلت اللہ عید الاستعاذۃ لایب سواہ۔

فے اس حدیث کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر حسن معاشرت ہی دین کا بڑا فرق ہے جس کی طرف اس حدیث میں متوجہ کیا گیا ہے افسوس ہے کہ اس کی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے عام طور پر حسن معاشرت کو دین سے غافل سمجھا جائے اور تصرفات کو اس کا کچھ تعلق ہی نہیں ممانا جاتا چنانچہ اگلوں سے معنی اس کو سمجھا جاتا ہے جس کو نہ پوری سے تعلق ہو نہ بچوں سے نہ اسیحاں کی پرہیزگارۃ القاصد کی مگر حدیث میں ہر شخص کو خدا و روئے عجائب قرآن و احادیث سے جس کے ذمہ

جو مصالح مرتب ہوتی ہیں ان کو بھی یہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا مخاطب یہ ہے کہ اگر مگر کو اپنا گھر سمجھیں جس طرح اپنے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر ہوتی ہے اسی طرح باپ اور شوہر اور مالک کے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر کرنا چاہیے کیونکہ انسانی کی حقیقت یہی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حتی یحبب لہ الخبہ المؤمن ما عیب لہ قسم کوئی شخص مومن نہ ہو گا جب تک اپنے جانی مسلمان نہ کہے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

معلوم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واجبہ کے متعلق ہے تو یہاں پر بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ہیں۔

اس بگو ایک موفیادہ گفتگو بھی ہے، وہ یہ کہ بندے سے کبھی حقیقت میں امانت و ادر میں اور مال سے بڑے مولیٰ حق تعالیٰ شاذ کا ہے۔ پس اپنے نفس کی نگہداشت نہ کر کہ وہی نہ کہنے پائے اور امانت کو پورا طرح ادا کرتا ہے، بندگی کے اوصاف سے متصف ہو رہا ہو بیت کے اوصاف سے متصف نہ ہو کہ نرے دعوے سے اپنی ملک ثابت کرنے لگو مالا کھر در حقیقت

مالک ہر شے حشر است این امانت چند روزہ ز مدت پس حقیقت کو فراموش کر کے ملک جہازی پر غرور ہونا اور دوسرے ملک سے تجرمیں مبتلا ہونا غلامی کا نام نہیں۔ یہی ہے سعید بن ابی جو سعید بن ابی اور بد بخت بنایا ہے جو بد بخت بننا جنہوں سے امرو کو مالک سمجھا رہا ہے تو امین وہ سعید ہو گئے اور جنہوں نے خدا کی ملکیت کو ذہن سے نکال دیا اپنے کو مالک سمجھ بیٹھے وہ بد بخت ہو گئے، ان کا بڑا سبب یہی ہے کہ انسان مال کو اپنا ہموک اور خدا کے احکام کو ایک قسم

باب پنجم و دوم

## حدیث

## التكبير والتبريد بالصلوة

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب سخت گرمی ہوتی رہمولا علی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو ادا فرماتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو اس نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔ ہر روز جمعہ کی نماز ہے۔

نظارہ حدیث تو یہ ہے کہ مری کی نماز میں بعد ازاں ظہر کی نماز  
اول وقت پڑھنا چاہیے اور گرمی کے زمانہ میں دسمبر سے پھینکا  
چاہیے۔ اس پر چند وجوہ سے کام ہے۔

۱۹۷۱ء استبا تشویش کو زائل کرنا چاہیے۔ اس غماز کو

ہم نے متعلقین کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے اور ان حقوق کی نگہداشت ہی حقیقت میں اصل تصور ہے کیونکہ سب حقوق اللہ تعالیٰ کے حق رکھے ہوئے ہیں اور اللہ کے حقوق کا ادا کرنا ہی تعویض ہے خدا کا حق منظر عبادات ہی پر منحصر نہیں بلکہ انسان کے تمام احوال و متعلقات پر حاوی ہے اگر کوئی شخص عبادت اور خدا کا حق ادا کرے اور ان حقوق کو ادا نہ کرے جو یوں کہیں باپ مال بھائی بہنوں اور قرابت داروں پر ہو تو وہ اللہ کے حق سے کوتاہی ہے تو یقیناً اس کو صوفی نہ کہ باغی کہے گا اگر کسی کو ان حقوق کے ادا کی محنت نہ ہو جسے نکاح نہ کرنا چاہیے، بستی میں رہنا بھی نہ چاہیے، سب لنگہ کسی پہاڑ یا جنگل میں رہنا چاہیے بشرطیکہ والدین اسی طرح دوسرے قرابت داروں میں سے کسی کو نفقاس کے ذمہ نہ لگا دیا جائے ہو یا واجب ہو اور اس نے ان کو بعد نفقہ جاریہ و غیرہ دیدی ہو یا انہوں نے اپنے حق سے اس کو سبکدوش کر دیا ہو کیونکہ عزت و ولعت بھی شخص کو جائز نہیں حضرت اسی کو نہ کہ جس کے ذمہ ان حقوق کے حقوق واجب ہیں خوب سمجھ لو۔



قوله في الوجه الثاني ما بحث وهو ما الحكمة في التبرع بها  
الى قوله في الوجه الثالث لا يصل احدكم وهو يافع الاخشين

۱۹۸، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جملہ امور میں

کیا جائے عبادات میں بھی عبادات میں بھی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں  
اپنی رائے اور فہم سے بھی بعض امور مشروع کرتے تھے اور اس پر بھی امت  
کو اسی طرح عمل کرنا واجب تھا ویسا ہی ظاہر ہے یہ اس سے سمجھا گیا کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کو مقدم تکبیر سے کبھی مؤخر اور  
یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے فتی نازل ہونے کی وجہ سے کیا کیا ہے حالانکہ  
ہر جب کوئی کام یا کوئی امر دینی سے کہتے تھے تو پہلے اس کی خبر دے دیتے  
تھے کہ خبر پر اس معاملہ میں یہ فتی نازل ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کی  
وسیلہ سے جو قول خداوندی حکم بین الناس مہذا کہ اللہ کی تفسیر میں  
فرماتے ہیں کہ رہا انکا اللہ کے علوم میں وہ تمام امور مردوں جو آپ کے  
دل میں بطور خاطر کے آئے یا آپ ان کو مصطفیٰ سمجھتے۔ اگرچہ ان کے متعلق  
فتی نازل نہ ہوئی کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے طور پر جو کچھ  
جی کہتے تھے وہ سب وحی کے قبیل سے ہے خواہ بواسطہ ہو کہ طرشتہ  
اس حکم کو لے کر آیا ہو یا وحی الہام کے ذریعہ بلا واسطہ ہو۔

اس لئے اہل  
اتباع سنت ہی افضل اعمال ہے توفیق و اہل  
تحقیق کاس پر اتفاق ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت افضل اعمال ہے اور  
یہی تفسیر خداوندی کا بڑا ذبیحہ ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس

کو یمنین کے لئے مبرا رحمت بنا کر بھیجے چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا  
ارشاد ہے۔ بالو یمنین رؤف رحیم کہ آپ کو یمنین پر بہت شفقت  
کھینے والے ہرے ہرمان ہیں تو جس چیز میں مسلمانوں کو ذلت اور  
تشریف ریزی تھی آپ اس کو نافی کر دیا کہتے تھے چونکہ سخت مردی سے ان  
کو تکلیف ہوتی تھی خصوصاً انھیں صف کو کیونکہ ان کی اور ان کے سوا دوسرے  
صحابہ میں سے بھی بعض کی غائبالت یہ تھی کہ ان کے پاس کپڑے کم تھے تو  
آپ جھوٹے رنگ کی نماز سویرے پڑھتے تھے کہ دوسرے پڑھنے میں ان کو ہرگز  
سے تکلیف ہوتی تھی اور سنی کا غرور بہت سخت ہے جیسا دوسرے کی گرمی کا  
غور بھی سخت ہے اسی لئے گرمی میں آپ اس نماز کو دیر سے پڑھتے تھے،  
کیونکہ گرمی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس  
چیز سے انسان کو نماز میں تشویش و پریشانی ہو اس کو نازل کر دینا چاہیے  
کہ اس سے نماز بھی طریقت ادا ہوتی ہے۔ تشویش کے ساتھ یہ مشغول ہو سکتا  
ہے نہ حضور قلب۔

عبدت میں خشوع اور حضور قلب سب سے بڑا مطلوب ہے

اور نماز میں نمازی سے جن امور کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں یہی  
دو چیزیں سب سے بڑی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا ہے۔

لا یصلی احدکم وهو مدافع الاخشیان

کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ  
کو دبا دیتا ہو۔

کیونکہ اس حالت میں خشوع اور حضور قلب نصیب نہ ہو گا۔ ساری  
توجہ پیشاب یا پاخانہ کے دبانے میں مشغول ہوگی۔

ہی کافی ہو جاتا ہے اور بڑا اتباع سنت کے بڑے بڑے جامدے ہی بیکار ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لو۔

ہم نے اپنے کام کو دیکھ کر بعض کو انہوں نے مشورہ تیسیر کی تعلیم دی بعض کو مشورہ دو سو بار لا الہ الا اللہ اور دوزخ اور رب اللہ اللہ کی تعلیم دی بعض کو مشورہ پانچ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر بتایا اور محمد اللہ اسی عمل خلیل سے یہ لوگ کامیاب اور جلد نسبت مع اللہ کی دوست سے ملنا حاصل ہو گئے کیونکہ ذکر کے ساتھ ان کو اتباع سنت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ خود اور استفادہ و نماز کے تمام آداب سنت کے موافق پکالائیں نشست و برخاست بیداری اور نیند میں اور غیر ماثورہ کی پابندی کریں جو اوقات فقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مسلمانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں ہر مسلمان کی عزت و حقیقت کو اپنی عزت و حرمت سے زیادہ سمجھیں دل آزاری اور دل شکنی سے پرہیز کریں جملہ اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور اوجانہ ہو سکیں ان سے معافی طلب کریں نماز روزہ وغیرہ اور جو واجبات و فرائض قضا ہو گئے ہیں ان کو ادا کریں کسی کا فرض ادا نہ کیا جو اس کو جلد ادا کریں وغیرہ وغیرہ نماز یا جماعت ادا کریں اس کا ہنگام کریں کہ بیکر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے، اگر کبھی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ جاسکیں تو گھر پر گھر والوں کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھیں اسی طرح جملہ اعمال میں اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اتباع سنت کے اہتمام کی وجہ سے اس شخص کو دوام ذکر کی توفیق ہو جاتی ہے وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں نازہ دستی اور بھی دامن رہتی ہے کس وقت اور اس حالت کے متعلق آپ کی سنت کیا ہے، جب اس طرح ذکر و رسول دل پر غالب ہو جائی تو محبت رسول کا بھی دل پر غلبہ ہوتا ہے، اور ثبت رسول کا وسیلہ محبت و مشورت الیہ ہو ناظر ہے، اس کے بعد فتوٰی اس کا ذکر

امداد سے موقوف ہے۔

قتل ان کنتہم تعجبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ،  
وفا دیکنے کے لئے لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت الہی کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریں گے۔

اس میں مصداق اتباع کا حکم ہے یہ نہیں کہا گیا کہ جن امور کے متعلق مراحتہ دی نازل ہوئی ہو ان میں ہی میرا اتباع کرو پس حضور کی سنت کا اتباع ہر حال میں موجب قسرت اور سبب عبودیت ہے خواہ آپ کے بعد عمل کیا ہو یا اپنی رائے سے عمل کیا ہو کیونکہ آپ کی رائے ہی اللہ تعالیٰ کی تقریر کے بعد وحی میں داخل ہے۔

قوله الفیہ انما میں فیہ دلیل علی ان سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم یشرع منہ الامور فی الدین الی قولہ قتل ان کنتہم تعجبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ

فہم کسی نے ہمارے کار میں ایک بزرگ سے بن کا نام یاد نہیں دیا سوال کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں ذکرین شاغیین کو جلدی کامیابی کیوں ہوتی ہے۔ دو ذکر سلسلہ دونوں کو اتنی جلدی کامیابی نہیں ہوتی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور اتباع سنت کا خاصہ ہے کہ اس سے جذبہ لہی جلد ہوتا ہے ۱۷ کیونکہ تتبع سنت محبوبیت بن جاتا ہے جیسا ارشاد ہے قتل ان کنتہم تعجبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ اور محبت کے لئے جذب لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس کو جنم کیا جاتا ہے اور نسبت باطن اس قدر جلد حاصل ہوتی ہے جس قدر جلد جذب غیبی عطا ہو جائے اور یہ دولت اتباع سنت سے جلدی حاصل ہوتی ہے اتباع سنت کے ساتھ عمل قلیل

لے ایمان والا؟ تم نماز کے قسب مت جاؤ اس حالت میں  
کہ تم نشتر سے مست ہو۔

اہل توفیق نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے سکاڑی منہ حب دنیا  
کو حب دنیا کے نشتر سے مست ہو کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ اس  
نشر کو دور کر کے نماز شروع کرو۔

علم اعتبار اور تفسیر بالرائے میں فرق اور یہ تفسیر بلو  
جس کا محل یہ ہے کہ تشریح کے مدلول حقیقی کے ساتھ بخود تلباس  
کے دوسری چیز کو بھی شامل کیجاتا ہے چنانچہ یہاں مدلول حقیقی تو یہ ہے  
کہ شراب کے نشتر کی حالت میں نماز نہ پڑھنا چاہیے اہل توفیق نے حب  
دنیا کے نشتر کو بھی مدلول حقیقی کے ساتھ قیاساً شامل کر دیا کیونکہ یہ نشتر  
بھی نماز میں حضور و قلم سے مانع ہے جیسا شراب کا نشتر مانع ہے پس  
حرف کا علم اعتبار زیادہ اور بالظنی کی تفسیر بالرائے سے بالکل جدا ہے  
کیونکہ وہ لوگ تو قرآن کے مدلول حقیقی کی نفی کر کے دو ملامد مدلول پائی طرف  
سے بیان کرتے ہیں اور یہ سراسر قرآن کی تحقیر ہے جو حرام اور قریب بکفر  
ہے اور وہی مدلول حقیقی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کو باقی رکھ کر  
دوسرا اشارہ کرتے ہیں اس کے ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا فقہاء  
سے اصل قرآنی کے ساتھ بہت سی فروع کو ملحق کیا کرتے ہیں۔ خوب  
سمجھ لو۔

قوله العبد السادس فيه دليل على ان المصطفى الصلوة

بغلاء العبد بالی قوله سکاڑی منہ حب الدنيا

۱۰۰) تشویش قلیل کی پرواہ نہ کی جائے ہمیشہ یہ  
بھی معدوم ہوا کہ

نفی اثبات اور کراہت ذات بھی حصول نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہو جاتا  
ہے جس کے ساتھ کسی ذکر یا اس خاص کا اضافہ بھی کر لیا جاتا ہے۔ کبھی ذکر  
نفی نہ دیا جاتا ہے کبھی کوئی مرقبہ حسب حال تجویز کر دیا جاتا ہے زیادہ  
عبادت دیا منات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۱۹۹) نماز میں فراغ قلب مطلوب بھی دلیل ہے کہ  
نماز میں دل کا یکسو ہونا اس کی ضرورت ہے کیونکہ وہ اللہ عزوجل کا گھر  
ہے۔ یہ اند فتنہ دنیا میں ہے جیسا کہ بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ ورنہ  
اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ زمین کا دل اللہ کے افکار و  
تجلیات کا محل ہے۔ یہ اس سے مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سودی اور گرمی کی شدت کا لحاظ فرماتے تھے جو قیہا دل تک بھی پہنچتی  
اور اس میں تشویش پیدا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اس میں مشغول  
ہو کر اس کام سے رہ جاتا ہے جس کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جو  
چیز بھی مشغول اور مشغوش کرنے والی ہو خواہ کسی تھم کی ہو اسکی  
ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے۔

دنیا سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں

اسی لئے اہل توفیق تو دنیا ہی سے الگ ہو گئے تھیوتو اتے

نیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے انہوں نے نفسانی  
خواہشوں اور مناصب حکومت کی قلب کو بھی بالائے طاق رکھ دیا کیونکہ  
یہ بھی بڑی تشویش کا باعث ہیں۔

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا تفرحوا بالصلاة وانتم سکاڑی

## (۱۰۱) مصلحت عامہ کی رعایت مصلحت خاصہ مفت ہے

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی نیکو کار ہو اور اس کی رعایت نہ کی جائے تو اس کی نیکو کاری برباد ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ کی رعایت نہ کرنے سے مصلحت خاصہ برباد ہو جاتی ہے۔

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی نیکو کار ہو اور اس کی رعایت نہ کی جائے تو اس کی نیکو کاری برباد ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ کی رعایت نہ کرنے سے مصلحت خاصہ برباد ہو جاتی ہے۔

تشریف فرما ہو تو اس کی پرواہ نہ کی جائیگی کیونکہ اس سے بجز خواہی کے کوئی بچا ہوا ہے اور خواہی نہ ہو تو بے بی بی۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ کی رعایت نہ کرنے سے مصلحت خاصہ برباد ہو جاتی ہے۔

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی نیکو کار ہو اور اس کی رعایت نہ کی جائے تو اس کی نیکو کاری برباد ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ کی رعایت نہ کرنے سے مصلحت خاصہ برباد ہو جاتی ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على انه اذا كان

التشويق بسمر لا يبالى به الى قوله فالصلاة جائزة

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو ذکر و شغل کے لئے دل کی پوری یکسوئی کے طالب نہ ہوتے ہیں اور جب تک پوری یکسوئی حاصل نہ ہو تو ذکر و شغل ہی کو ترک کر کے بیٹے میں ان کو سمجھایا جائے کہ پوری یکسوئی بجز خواہی کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مثنوی بہت پریشانی پر شخص کو دلا گئی ہے اس کے دفع کا انتظار کرنا اور اس انتظار میں کام کو موقوف رکھنا عموماً کوئی نیک و بابر نہ کرنا ہے بلکہ فراخ قلب کا صمیم راستہ یہ ہے کہ پریشانی کی حالت ہی میں ذکر اور اعمال و طاعات میں مشغول ہو جائے اس کی برکت ہی سے جلد فراخ قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں

گر گریزی براسید راجت

ہم از ان جا پیشت آید آختہ

یہ کہنے دو وہ دہانت

جو بخت و اقبال نیست

والسین جاہد و افینا لنہد ینہم سبلنا  
اور جو لوگ ہم سے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواہی کی رعایت نہیں کی بلکہ عام لوگوں کی رعایت کے سب کو ایک ہی طریق پر چلا یا اور بعض کا ثواب اس لئے کم کر دیا کہ وہ سڑک کی نماز ہی اس تشویش کی وجہ سے نہ ہوتی جو گری یا تسری کی شدت سے ان کو پہنچتی تھی ان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا جو بہت سی نمازوں کی جماعت میں آتے سے منع ہو جاتا مگر مصلحت عامہ کی رعایت میں یہ شرط ہے کہ دو ذریعہ میں سے ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے ذریعہ کے دین میں غلط واقع نہ ہو چنانچہ یہاں ایسا ہی ہے کہ ایک ذریعہ کے زیادہ ثواب کو اس وقت کم کیا گیا جبکہ اس کا فرض پوری طرح ادا ہو گیا۔ ایک کی

میت سے دو حصے کے فرض کو ناقص نہیں کیا گیا۔

قوله الوجه التام فيه دليل على الامريانظر

للمحكمة العامة اني قوله بعد ما حصل له وجه

فتعبد برداشت کرنا مطلقاً عبادہ نہیں بلکہ اس

میں تفصیل ہے حضرت شارح کے کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا

ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً تعبد برداشت کرنا

عبادہ اور موجب زیادت ہے مگر حقیقت کے نزدیک یہ حکم مطلق نہیں

بلکہ مقادیر کے ساتھ مخصوص ہے قالہ سیری حکیم الالہات داخلہ

طرق ووسائل میں بلا ضرورت قصد تعبد برداشت کرنا عبادہ ہے نہ

موجب اور مثلاً گواہ نزدیک ہے اور دوسرے کنویں کے پانی سے

وضو کرنے میں تعبد نہیں اور دیا پر جا کر وضو کرنے میں تعبد ہے

کنویں کو چھوڑ کر دیر پا چانا عبادہ اور موجب ثواب نہ ہوگا۔ ہاں اگر

کنویں کی پانی یا پانی پر شہ ہو تو اس وقت سے شکہ دیا سے وضو کرنے

میں زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ اس صورت میں محل تعبد بلا وجہ نہیں بلکہ

معتوق وجہ سے ہے اسی طرح اگر مسجد کے حمام میں سڑی کے زمانہ

میں گرم پانی موجود ہو اور حوض میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے تو گرم پانی

چھوڑ کر حوض سے وضو کرنا عبادہ اور ثواب نہیں کی بلکہ وجہ نفس کو

تکلیف دینا ہے، ابستہ اگر گرم پانی موجود نہ ہو یا استقامت کرنے سے حاصل

ہو سکتا ہے مگر اس استقامت میں نماز جماعت کے وقت ہونے کا اندیشہ

ہے تو اس حالت میں ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنا عبادہ ہے

جس سے ثواب زیادہ ملے گا بشرطیکہ ٹھنڈے پانی سے عبادہ پڑ جائے

کا اندیشہ نہ ہو یہ تو وسائل اور طرق میں تعبد برداشت کرنے کا

حکم تھا اور مقاصد میں تعبد برداشت کرنا مطلقاً موجب ثواب ہے مثلاً

غذا کو طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود سے ادا کرنا حوا میں عبادہ

اور باعث ثواب ہے جبکہ تنہا نماز پڑھ دلم ہو کیونکہ جنت میں امام کو

تخفیف صلوة کا حکم ہے۔ اسی طرح فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا

عبادہ اور موجب اجر ہے جو جماعت سے ادا کرنے میں تعبد ہوتا ہو

بشرطیکہ تعبد تحمل سے زیادہ نہ ہو اور دوسری پر پریشانی کا سبب

بھی نہ ہو کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے ہیں طرق و وسائل میں سے

نہیں۔ اب سمجھو کہ حنفیہ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنا عبادہ

میں سے نہیں بلکہ مباحات میں سے ہے پس نفس تعبد میں جانے

کے لئے گرمی کے موسم میں اول وقت ظہر کی نماز ادا کرنا ہیرو یا موجب ہے۔

نہ ہوگا کہ بلا وجہ تعبد برداشت کرنے کا علم عبادہ نہیں ابستہ بن علما

کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے جیسا شافعیہ

کا مذہب مشہور ہے ان کے نزدیک گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کا اول

وقت میں ادا کرنا عبادہ ہوگا پس اگر ماکہ کا مذہب اس باب میں شافعیہ

کے موافق ہے جب تو شارح کا کلام اہل تحقیق کے موافق ہے اور، حرم کا

مذہب اس باب میں حنفیہ کے موافق ہے تو یہ کلام اہل تحقیق کے خلاف

ہے اور جب حنفیہ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت

پڑھنا ہی افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو مؤخر کر کے

کسی کا ثواب کم نہیں کیا بلکہ سب کے ثواب کو زیادہ ہی کیا ہے کیونکہ اس

صورت میں اگر کوئی اپنے نفس کو تعبد میں ڈالنے کے لئے ظہر کی نماز اول وقت

میں پڑھنا چاہے تو حنفیہ اس کے فعل کو عبادہ میں داخل نہ کریں گے

زیادت ثواب کا سبب کبھی نہیں گے فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح بعض متعبدین کا گھر کے زمانہ میں گھر کے اندر اور سڑی

میں کھلی چمت پھانز پڑھنا بھی جائز ہے موجب ثواب نہیں کیونکہ وسائل میں  
بلا ضرورت تقسیم برداشت کرنا عبادہ نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں  
نے بطور مدارج کے ایسا کیا ہوگا ثواب کی نسبت سے نہ کیا ہوگا۔

(۱۰۲) مستحبات کا اسی قدر اہتمام کیا جائے جس سے  
دوسروں کے فرض میں خلل واقع نہ ہو یہ بھی  
معلوم ہوا کہ عبادت میں قدم واجبہ زائد مستحبات وغیرہ کو اس وقت  
اختیار کیا جائے جبکہ اس سے دوسروں کے فرض میں نقصان نہ لگے  
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تقریر کے موافق بعض حضرات  
کو زیادہ ثواب اسی وجہ سے محروم کیا تھا کہ سخت گرمی میں نماز پڑھنے  
سے دوسروں کے فرض میں نقصان آتا تھا۔

قوله الوجه التوسع فيه دليل على انه لا يؤخذ  
حاراً على الواجب الى قوله الا من احل نقص فرض العبر  
فيه. بعض لوگ اپنے مہولات و ذلالت کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ نماز  
کی پریشانی کی بھی پروا نہیں کرتے مثلاً سفر میں رہنے کے وقت کبھی بھی  
عبادت نہیں کرتے۔ یہی چھوٹے ماملے وہ ہیں وغیرہ پورا کئے نہیں  
دیتے تو اگر ایسا شخص تنہا سفر کر رہا ہو اس کو اختیار ہے ادا کر  
دفعہ کر کے ساتھ سفر کر رہا ہو تو ان کی رعایت اپنے مہولات کی رعایت  
مقدم ہے کیونکہ یہ چھوٹ جانے سے سب کو پریشانی ہوگی الخ  
پریشانی سے ان کے فرض میں خلل واقع ہوگا نماز میں دل جمعی و توجہ  
جو جائے گی اور اجنبی جگہ قیام کرنے سے کھانے پینے سونے میں بھی  
تکلیف ہوگی۔

## جماعت میں سب سے زیادہ کمزور کی رعایت کرنا چاہیے

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح و  
بسیار ضعیف (سب سے زیادہ کمزور کی چال چوکرو) سفر کی کثافت  
خصوص نہیں بلکہ مروجہ کے لئے عام ہے چنانچہ یہ حدیث بھی اسی نہیں  
ہے کہ جب بعض لوگ گرمی کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ کمزوروں کی رعایت کر کے تخفیف  
کو اختیار فرمایا اس سے یہ قطعی مسکد بھی مستنبط ہوا کہ امام کو اپنی جماعت  
کے حال پر نظر کرنا چاہیے اگر ان میں کوئی کمزور یا بیمار یا ضرورت مند  
تو نماز میں تخفیف کرے کہ اس وقت یہی سنت ہے ادا اگر سب  
قوی (تندرست) معلوم ہوں ایمان میں بھی بدن میں بھی کوئی  
کے ساتھ افضل طریقہ یعنی عزمت کو اختیار کرے اور نماز کے  
جملہ امان طویل کر دے۔ غرض ہر شخص کو جس کے متعلق کسی قسم  
کا خدشہ دہی ہو ادنی یا مافی مناسب یہ ہے کہ اپنے متعلقین کے لئے  
تمام امور میں چھوٹے ہوں یا بڑے، معمولی ہوں یا غیر معمولی اس حالت  
پر نظر رکھے جو ان کو آسان ہو اور اس میں بھی کمال مطلوب ہے۔  
ایسی آسانی مطلوب نہیں جس سے کمال فوت ہو جائے۔ اور یہ بات  
فقہ مال سے میسر آسکتی ہے رقیب النفس ہی اس کی رعایت پوری کر  
سکتا ہے اور فقہ حال جملہ امور فقہ سے افضل و ارفع ہے۔

جیسا فقہ نے فرمایا ہے  
فقہ حال فقہ کی اعلیٰ قسم ہے کیونکہ نقصان کی حیثیت  
نور فقہ ہے جو فقہ کا خاصہ ہے اور مغزو و شرح ہے جیسا نحوی کہتے  
تصوف کہتے کہ نحو سے مقصود قرآن و حدیث کو محنت کے ساتھ پڑھنا

مشورہ کیا کرتا تھا۔ الغرض یہ عالم فقیر دوسو سس سے ملنے آئے اور ان سے باتیں کی پھر اپنے لئے دعا کی درخواست کی کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ پیشوں کیساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے ان بزرگ نے فرمایا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ دیکھ لیں دعا کی کیونکہ آپ خداؤں کے علماء و فقہا سے ہیں۔ درویش کا یہ کہنا تھا کہ وہ عالم بے خود ہو گئے ناز و نفرت کے اتنا بڑھ کر جان نکلنے کو ہو گئی۔ بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ عجیب سی آدمی ہے عمار میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

**عالم کس وقت عالم ہوتا ہے** عالم کا عالم بجز اس وقت تک عالم سانس اللہ کیساتھ اللہ کے لئے نہ نکلے اور جو تو بس دین کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور کچھ نہیں، مجھے اس عالم کی دینداری سے جو پیسے سے معلوم تھی بہت کچھ امید تھی مگر اس دن کی حالت اور اذیت و خضوع سے قوی امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بدولت آخرت میں عقر بن کے دوزخ میں بلند فرمائیں گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے وہیں پہنچا دیں کہ ان کے سوا کوئی مدد نہیں۔

قوله الوجه البعير والضعف كرهى قوله صلى الله عليه وسلم صبروا لضعفكم رضى قوله لا رب سواه

اور سمجھتا ہے اور پڑھنے سے مقصود عمل ہے اور عمل میں درجہ کمال مطلوب ہوتا ہے اور تمہیں علم و عمل ہی کا نام تصوف ہے پس تصوف شو کا خاصہ اور مغز ہوا موفیہ کی اصطلاح میں فقہاء کو مراد اور نگہداشت کہتے ہیں کیونکہ فقہاء ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی نگہداشت کرتا ہے۔

**ایک فقیہ المال کی حکایت** چنانچہ میں نے ایک فقیہ کے متعلق جو واقعی فقیر تھے سنا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو وہی دیر سکوت کر کے جواب دیا کرتے اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا میں (اول) اس پر غور کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت کیا مناسب ہے ہر جواب دینا یا غور کر دینا، اس کے بعد جو مناسب ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتا ہوں، دیکھو ان بزرگ نے فقہاء، فقہاء اور مراقبہ تہی کو کس طرح جمع کر کے رکھا دیا کیونکہ فقہاء عام کا مقتضایہ تھا کہ وقت کا حق ادا کیا جائے۔ مراقبہ کا مقتضایہ تھا کہ غفلت سے بات نہ کی جائے بلکہ غفلت سے پیش نظر رہے۔ ان بزرگ نے روحانی کے بعد غفلت و دیر سکوت کر کے جواب دینے کی عادت ڈال کر تینوں کو جمع کر لیا۔

وہ حقیقت فقہاء اور علماء یہ حضرات ہیں۔ علماء نظام میں جو اہل انصاف ہیں وہ بھی ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہیں۔

**ایک عالم اور صوفی کی حکایت** چنانچہ میں نے ایک بابرکت شخص عالم فقیر جو تہوی کے لئے مرجع خاص و عام تھے ان سے ملنے آئے اور وہ دائمی تہوی دینے کے اہل تھے مگر ملکیت کے مشیر بھی تھے باتواہ ان کی عظمت و فضیلت کی وجہ سے بعض اہم معاملات میں ان سے

۵۳  
باب پندرہم

## حدیث

## تحیۃ المسجد والا مامیخبط

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ لے رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا اے خداؤں! کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ کہا نہیں! فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز پڑھ لے۔ یہ روایت میں ہے قال خدا فرما رکعتین و تجوز فیہما، فرمایا کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں اخصا۔ کے ساتھ پڑھ لے۔

## شرح خطبہ کی وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم

بظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر ماہرینہ ضیف اس سے منع کرتے ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کی وقت لوگوں کی گردنوں کو پھینکتا ہوا مسجد نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اجلس فقد اذیت، بیٹھ جاؤ تمہارے لوگوں کو اذیت دی گئی اس کو تحیۃ المسجد کا امر نہیں فرمایا اور حدیث جابر میں بھی کہ زبر بحث ہے اس امر کی تصریح نہیں کہ یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا یا خطبہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے دن میں تھا، سو ممکن ہے کہ جمعہ کے دن حضور نے کسی اور سبب سے فرمایا عسکر بعد خطبہ یا ہو۔ کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی ہم درپیش ہوتی تو لوگوں کو جمع کرنے اور خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں تو اگر یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ ہوتا تو اس سوال کا موقع نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کا وقت بالاتفاق خطبہ کے بعد ہے اس سے پہلے نہیں راہ تحیۃ المسجد واجب یا فرض نہیں جو اس کو فریضہ کہا جائے پس اہل ظاہر کا اسی حشہ سے تحیۃ المسجد کے وجوب پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ خود عقل محتاج بیان ہے پس ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز پڑھنا عسکر بعد کسی ضرورت سے تھا اور شخص مذکور مسجد میں داخل ہوتے ہی خطبہ سننے بیٹھ گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شیخے سے شہ پہنچا کہ یہ یا تو فرض نماز پڑھ چکا ہے یا اس کا خیال یہ ہے کہ ابھی تک مسجد میں بیٹھا نہیں ہوئی خطبہ کے بعد نماز ہوگی تو آپ کے درپاغت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ جب اس نے کہا نہیں فرمایا اٹھ نماز پڑھ لو، یعنی مسجد میں جماعت ہو چکی ہے تم اس خیال میں نہ رہو کہ خطبہ کے بعد نماز ہوگی اور چونکہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ آپ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا امر دیا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز فجر کے بعد تھا۔ عسکر بعد ہوتا تو فجر بعد رکعت پڑھنے کا امر فرماتے اور شاید وقت تنگ ہو گیا ہو گا اس سے ہفتہ روزہ فرض



پڑھنے کا اور ان میں بھی اختلاف کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ اعلم مگر مسلم نے اس حدیث کو بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من دخل يوم الجمعة والا ما يخطب فليس كرجل  
من صفتين خفيتين

جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آئے گا کہ امام خطبہ سے پہلے جو تو دو رکعتیں ملکی چکی پٹھ لے۔

اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بلا شک اس باب میں مرجع ہے جمیع کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ اسی وجہ سے مذہب مالک میں اس حدیث کے موافق ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن خلیفہ کے وقت آئے اس کو دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھ لینا چاہیے۔

پس ہم نے اول جربات کہی ہے وہی حدیث کا ظاہر مفہم ہے اور دوسری حدیث سے اس کا معارضہ بعض معتقدین کے ادب سے ذکر کر دیا گیا کہ انہوں نے دوسری حدیث کو اس کا معارضہ نہیں بنایا ہے۔

عہ مسلم اور بخاری کی حدیث کی تفسیر شامی کا یہ فرمانا کہ اگر یہ صحیح ہے (الحمد للہ)

کو واضح کر دیا ہے کہ ان دونوں کتابوں کا صحیح ہونا غائی مجہود کے اعتقاد سے ہے جس میں ایک دو حدیثوں کا ضعیف ہونا کچھ مضر اور قاصر نہیں چنانچہ اس حدیث میں دارقطنی نے کہا کہ کیا ہے کرتا روایت نے اسکو بصورت فقر و افتادیت کیا ہے قول نا کہی ہے میں جو ایک روایت کسی نے روایت نہیں کیا پس مول عبدہ کے الفاظ سے یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ میں داخل ہے ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الباری و احوال ابن ابی شیبہ اور حدیث شاذ کو صحیح میں شمار نہیں کیا جاتا و اللہ تعالیٰ اعلم

فصلیت سلف کا انکار محض جبل وغیاوت سے کیونکہ ان کو فضیلت حاصل ہے جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں اس کا انکار کرنا محض اپنی غیبت و جہالت کا ثبوت و دینا ہے اگرچہ کسی وقت کسی مسئلہ میں متاخر پر بھی ایسی بات منکشف ہو جاتی ہے جو متقدمین پر منکشف نہیں ہوتی مگر اس سے ان کی جلالت منصب فضلت شان میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو محض موٹی کریم کی ایک غلطی ہے جس سے وہ متاخرین کی شک ٹوٹی کر دیتے ہیں۔

متاخرین پر بعض علوم کے منکشف ہونے کی حکمت جو سلف پر منکشف نہیں ہوتے کیونکہ جو ان کا دل شکستہ تھا بعض اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

فعل بعض من سلفه ان يكون اذی له من بعض من صدمه  
کہ شاید بعضی سے کہیں میں ہیری حدیث پہنچے گی بعضی سے سننے والوں سے زیادہ سمجھنے والے ہوں۔

نظر متاخرین کے لئے بھی کچھ حصہ دکھایا گیا گو زیادہ حصہ متقدمین ہی کا ہے اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح کتاب اللہ اور حدیث نبوی

بہت سے محنت سے لکھی تھیں اللہ کے جواز کہتے ہیں وہ اس کو دہریہ نہیں کہتے میں سوائے علی رضی اللہ عنہ علم کا دوسرے شخص کو حجت نہ ہو کہ اگر وہ قرآن اور کتب و کتاب کے وجہ سے علوم کا علم دیکھتا ہے جو ان تہمت المسیح جہالت خبیثہ کی دلیل ہیں غایت مافیہا بہرہ و جواب کی کوئی جگہ جس سے ہمارے رجوع قائم کی جاسکتی ہے تاہم یہ قائم نہیں کی جاسکتی و اللہ اعلم ۱۲

کے عجائب ہمیشہ باقی رہیں گے ان کے فائدہ قیامت تک ختم نہ ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب پر زمانہ میں فتنہ عظیم کی بارشوں کے منتظر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ  
اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ تم کو خود تعلیم دیں گے

جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ سے علوم و ہنر عطا ہوتے ہیں

ہیسی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب بے معیار اوستا

اگر سوائے فائدہ اور تمام علوم ختم ہو چکے ہوتے تو متاخرین کو اس آیت کے خطاب اور ان احادیث کے معانی سے کبھی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ قرآن کے بارہ میں حال علیہ السلام کا مشاہدہ لا تنقضی بحجۃ اللہ اس کے عجائب ختم نہیں ہو سکتے ولا یخلف عنک شئ من التوراة اور باہر پڑھنے پڑھنے سے کہ نہ جی ہاں مونا بلکہ روحہ ہر وقت تازہ کلام معلوم ہوتا ہے

**متاخرین کی وہی تحقیق معتبر ہے جو اجماع سلف کے خلاف ہو**

مگر اس بگڑی بات پر جو یعنی چاہیے کہ متاخرین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نفع و کشف ہو گا وہ اجماع متقدمین کے خلاف نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہوا تو اس کو فتح و کشف من اللہ نہ کہا جاتا بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا عجز و کمزوری کا بس متاخرین کے علم کا حاصل یہ ہے کہ یہ فائدہ کسی قول ضعیف کو قوی کر دیتے ہیں یا کسی مسئلہ کو متقدمین نے اجماع سے طے کیا تھا متاخرین کو اس کی وہیں کتاب سنت میں معلوم ہو جاتی ہے یا وہ کسی مسئلہ شریعی پر سے اشکال کو جہت تویہ کے ساتھ رفع کر دیتے ہیں جس سے متقدمین نے تعزیر نہ کیا تھا خواہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اشکال کی کچھ اہمیت نہ تھی کیونکہ شاذ و نادر ہی کسی کو وہ اشکال پیش نہ آتا تھا یا تو ایمان کی وجہ سے ان کی

نظر میں وہ اشکال اشکال ہی رہتا بعد میں جوہر ضعف ایمان اور قلت فہم کے وہ اشکال پہاڑ بن گیا جس کو متاخرین میں سے کسی نے محبت تویہ سے رفع کر دیا اس پر کسی جاہل کا اپنے جبل کی وجہ سے یہ گمان کرنا کہ اس نے ایسی بات کہی ہے جس کی نظر متقدمین نہیں پیش کر کے مزا سر علم اور علمی سے ناواقفیت کی دلیل ہے جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ اگر متاخرین میں سے کسی کو قاعدہ شرع کے اقتضا سے کوئی ایسی بات معلوم ہو جو تمام متقدمین کے خوف ہے تو اسے اپنے کو متہم سمجھنا چاہیے کہ متقدمین کو متہم سمجھنے کا اسے حق نہیں

**متاخرین کی فہم سلف کے سامنے یقیناً ناقص ہے** کی فہم خواہ کتنی ہی کامل ہو پھر بھی تینا متقدمین کے مقابلہ میں ناقص ہے۔ دو وجہ سے ایک تو حدیث کی تصریح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔  
خیر القرون قریٰ ثم الذین ینزلون ثم الذین ینزلون  
تمام قرون میں سب سے بہتر قرون میرا ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مراد دین کے اعتبار سے خیریت ہے اور دین نام ہے جو بد علم و عمل کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم و عمل میں متقدمین سب سے بڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ متقدمین کا عمل مانے زمانہ و اہل کے عمل سے زیادہ مستحکم اور پختہ تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ عمل علم کا شوق ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ دونوں میں ایک کا پھل اچھا اور زیادہ ہوا اور دوسرے کا خراب اور کم ہو تو جس کا پھل غرا اور زیادہ ہو گا یقیناً وہ دوسرے سے افضل ہو گا یا ایسی ہی بات ہے جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا بشرطیکہ بصیرت و عقل سے کچھ عدم ہو۔ قولہ ظاہر الحدیث یہ بدل علی جواز تحقیق المسجد فی قولہ فی الوبہ الرابع عند من لہ بصیرة و عقل۔

غیر مذکور کی تحقیق بیان کریں گے ورنہ دی جانے گی اس کو تحقیق علمی نہ کہا جائے گا بلکہ جمل مرکب اور تلبیس ابلیس میں شمار کیا جائیگا۔

**سورۃ الفیل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا تازہ نظریہ**  
 تحقیق ہے جو سورۃ الفیل کی تفسیر میں ابھی ابھی ایک نئے مفسر نے بیان کیا ہے کہ تو ربم بھارت میں جیل، طیارے کی ہفت بنیں نہ تو قریضہ منٹ غائب بلکہ یہ طیارہ مستقل جلد ہے اور قریضہ واحد نہ کاغذ ہے جس میں قریضہ کو خطاب کیا گیا ہے جیسا اہم ترکضہ فعل جبکہ میں ہی قریضہ ہی کو خطاب ہے جس سورۃ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طوطے پر باہمی دلوں کے نشکر پر پرندوں کی فوج بھیج دی تھی جس کے بیچوں اور چوٹیوں میں کلمہ کی پتھر رقیں پرندوں نے یہ پتھریاں باہمی دلوں پر برساتیں تو ان کا ہر کس نکل گیا بلکہ مطلب ہے کہ اگر ہر قریضہ کا دشمن تھا وہ کلمہ پر اپنی شکر کشی کو مکرو دلوں سے چھپا چاہتا تھا مگر یہ ذرا بخفی نہ رہا کیونکہ قادر ہے کہ شاش نور پر ہر دم سے جنگی لشکروں کے ساتھ اس امید پر چوہا کھاتے ہیں کہ اب ہم کو آؤ تو قریضہ کلمہ بھول کیدہم فی غفلت کا یہ مطلب ہے کہ اگر شاش خود پرندوں کو دیکھ کر کھولے لشکر کی آمد سے خبر نہ ہو گئے اور زمین کی غنئی نہ ہر کاراز آسمان کے پرندوں نے کھول دیا قریضہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ان کے پاس سو پتھروں اور کھوکھوں کے اور کب کا قریضہ نے پتھر بھولنے شروع کئے یہ پتھرا بیاں عجیب غریب تھا کہ اس کے سامنے اگر ہر کس لشکروں کی ڈھالیں بھی بیکار ہو گئیں اور وہ ان پتھروں کا جواب تیراڑی سے دینا بھی بھول گئے دم کے دم میں تمام لشکر کا گھروڑوں ہاتھوں سمیت ہر کس نکلی گئی مذکور نام لیوا لڑنے لگا دوا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قریضہ کو یاد دلایا کہ بتایا ہے کہ تم اسلام لانے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر وہ کی طاقتیں تم پر جوم کریں گی اور تم کو کھلی ڈالیں گی کیونکہ کس ہی کا واقعہ ہے

فہ۔ اس حدیث کی شرح میں شامہ علیہ الرحمۃ نے تصوف کا کئی مسئلہ بیان نہیں فرمایا مگر متقدمین اور متاخرین کے علوم میں جو فرق بتلایا ہے اور سلف صالح کے ادب و تعلیم کی جس قدر تائید کی ہے اس کے جاننے کی ہویہ اور علم اس کی ضرورت ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگی جو سلف کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اپنی علمی یا کشتی تحقیقات کو ان کے علوم سے افضل سمجھتے ہیں ان کو یاد دہانا چاہیے کہ علم وہی معتبر ہے جو عمل حکم کا ثمر ہو۔

**جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں**

جس کا عمل حکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں اور جس کا علم مستحکم نہیں اس کی تحقیقات کو تحقیقات کہنا زیادہ نہیں ممال علم تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے واللہ وعلیہ السلام اور اس کے واسطے تقویٰ کہاں جیسا سلف میں تھا اب آج کل یا تو تقویٰ ہی نہیں وہ وعدہ کا معاملہ ہے یا تقویٰ ہے تو اپنے سوا کسی کو متقی نہیں سمجھتے خاص اور صریح تقویٰ بہت ہی کم ہے اس حالت میں کسی کا اپنے کو متقی یا مجتہد سمجھنا جہالت نہیں تو اور کیسا ہے۔

**فہ عطائے حق کا دروازہ بند نہیں** یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ عطائے الہی کا

دروازہ بند نہیں بعض دفعہ اللہ تعالیٰ متاخرین پر وہ علوم مشکشف فرماتے ہیں جو متقدمین پر مشکشف نہیں ہوئے مگر یہ بھی متقدمین ہی کی ابتداء کا ثمر ہے اگر متاخرین ان کا ابتداء نہ کرتے علم کا دروازہ ان کے لئے مفتوح نہ ہوتا یہ بھی معلوم ہوتا کہ متاخرین کی علمی یا کشتی تحقیقات اس وقت قابل قبول ہیں جب کہ اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اگر وہ اجماع سلف کے

کہ ہم نے ابوہریرہ کے لشکر پر یا پھر ان کا اس کا بھروسہ نہ کیا دیا تھا جس  
 تمہارا یہ پتہ تو سلامت ہے پھر تم کو کسی طاقت کا کیا اندیشہ؟  
 دیکھا آپ نے آج کل کے نئے مفسروں کی تحقیقات کو واقعی وہ  
 قرآن میں ایسی ہوشیاریاں کرتے ہیں کہ سلف کے فرشتوں کو بھی ان کی  
 جواز گئی جو ان پچاڑوں کو ایسی نئی تحقیقی کہاں سوچ سکتی تھی کہ  
 قریش کے پتہ تو اسے بھی لشکروں کا بیٹوں سمیت مقلایا ہو سکتا  
 ہے پھر یہ معلوم قریش اپنے اس پتہ کو ابوہریرہ کے بعد کسی اور لشکر  
 کے مقابلہ میں استعمال کرنے کیوں نہ کامیاب ہوئے۔ اور ابوہر  
 کے لشکر کیساتھ والے یہ لاشیں خود پر نہ سے بھی فتح کر کے وقت  
 کہاں مر گئے تھے لیکر والوں کو لشکر مدینہ کا اس وقت تک علم نہ ہوا  
 جب تک وہ بالکل محصور نہ ہو گئے، نہ تیسرے کے پیروں کو ان  
 لاشیں خوردوں نے لشکر اسلام کی آمد سے خبردار کیا کہ صبح کو اسلامی  
 لشکر غیر میں داخل ہوا اور بستی والے چالی کدال لے کر نکل  
 جانے کا ارادہ کر رہے تھے دفعتاً سامنے سے لشکر کو دیکھا تو ہر جانمیں  
 کہتے ہوئے قلعے کی طرف چلے گئے۔

اس مفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تفسران کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے  
 جہل کی تعبیر ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات  
 وہی قبول کی جا سکتی ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں  
 اور سورت النیل کی یہ جدید تعبیر اجماع سلف کے بالکل خلاف ہے  
 آج تک کسی صحابی یا تابعی یا تابعی یا تابعی معتبر مفسر نے ہر سند معتبرہ  
 تفسیر منقول نہیں دیکھی تھی کہ ترمذی حدیث پر اس کی صفت نہیں بلکہ  
 صحیفہ احمد مذکور حاضر ہے اور اس کے مخالف قریش یا اہل مکہ میں  
 اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے کہ لاشیں خود پر نہ سے

ہی سے ابوہریرہ کے لشکر کے ساتھ چلے گئے تھے نہ اس کا کوئی ثبوت ہے  
 کہ ابوہریرہ نے اپنی لشکر کشی کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی جس کا راز  
 فاش کرنے کے لئے لاشیں خود پر نہ سے لاشیں خود پر نہ سے لاشیں خود پر نہ سے  
 تھی نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش نے ابوہریرہ کے لشکر کا سہارا  
 کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور اپنے پتہ تو اسے لاشیں خود پر نہ سے لاشیں خود پر نہ سے  
 کا سہارا کر دیا تھا نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش کو اسلام سے یہ اندیشہ  
 مانع تھا کہ وہ خود کی طاقت میں ان پر ہجوم کر دیں گی۔ تقلیداً بارہم  
 اصنام مانع اسلام نہ تھی اس مفسر نے کس طرح اپنی طرف سے بلا  
 دلیل مقدمات بنا کر کھڑے کئے اور خود ساختہ بنیاد پر کلام اپنی  
 کی تفسیر کی علت قائم کرنے کی یہودہ کوشش کی ہے پس یہ تفسیر جس  
 طرح اجماع سلف کے خلاف ہے اسی طرح تاریخ کے بھی خلاف ہے  
 اس میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اجماعی اشارہ کر دیا گیا تاکہ باطن  
 آج کل کی ایسی نئی نئی تفسیریں سے ہوشیار رہیں ان کو علم

ابن ابی جرہ کا بارشاد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ متاخرین کی وہی  
 تحقیقات معتبر ہیں جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں ساس کلیہ کو  
 نصب العین بنانے کے بعد کسی محقق کی نئی تحقیقات سے ان کے ایمان کو  
 ضرور نہ ہوگا۔

## فہم شیخ کو طالبین کی نگہداشت کرنا چاہیے

اس حدیث سے تعویذ کا یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شیخ  
 کو اپنے مریدوں شاگردوں کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہیے اگر کسی کے  
 متعلق یہ شبہ ہو کہ اس نے کسی ذریعہ یا حاجب یا سلت میں کوتاہی کی  
 ہے تو اول اس سے دریافت کیا جائے اگر وہ اقرار کرے تو اس کو ادا کر

اس مفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تفسران کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے  
 جہل کی تعبیر ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات  
 وہی قبول کی جا سکتی ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں  
 اور سورت النیل کی یہ جدید تعبیر اجماع سلف کے بالکل خلاف ہے  
 آج تک کسی صحابی یا تابعی یا تابعی یا تابعی معتبر مفسر نے ہر سند معتبرہ  
 تفسیر منقول نہیں دیکھی تھی کہ ترمذی حدیث پر اس کی صفت نہیں بلکہ  
 صحیفہ احمد مذکور حاضر ہے اور اس کے مخالف قریش یا اہل مکہ میں  
 اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے کہ لاشیں خود پر نہ سے

فرض واجب دیو میں تعمیل کی تاکید کی جائے۔

۵۴  
باب پنجم چہارم

فے نقص احوال کیلئے سلسلہ کلام قطع کرنا جائز ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو نقص احوال کیلئے اپنی گفتگو اور تقریر یا خطبہ کے سلسلہ کو قطع کر کے اس شخص کی طرف توجہ ہونا جس کے متعلق تعقیر کا شہرہ ہے جائز ہے تاکہ بے مروت شخص و تحقیق میں نرمی سے کام لیں اور خود صاحب معاملہ سے معاملہ کی تحقیق کرنا چاہیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ میں ثابت ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث

دعایہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سال نوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو ایک اعرابی جمعہ کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ حال تیرا و برباد ہو گیا اور ظاہل ظالم عیال بھوکے ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے تو آپ نے خطبہ ہی میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت سحران پر بادلی کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا پس قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حضور نے بھی تنک اٹھنے دو دوں ہاتھ نہمت نہیں کئے تھے کہ بادل سبارہ کی طرح اٹھا، آپ میرے نیچے نہیں اترے تھے کہ میں نے آپؐ کے قبضے سے رطل لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے چپکتے ہوئے دیکھنے لائی بارش ہوئی کہ مسجد کی چٹ چپکتے چپکتے آج بھئی دن میں بارش ہوئی تھی پھر اس سے آگے دن بھی اور اس کے بعد دوسرے دن میں بھی، اس کے بعد بھی دوسرے چھ دن تک بارش کا سلسلہ بند نہ ہوا میری انوائی یا اور کوئی کڑو مرے جمعہ کے خطبہ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال عرق ہو گیا عمارتیں گرنے

دعا کی امید کی جاتی ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه طلب الدعاء ممن فيه اهلية  
لقبول الى قوله في الوجه الثالث وعند تلك الرقة  
وجمع ذلك الخاطر المباني توجب الرحمة والاحباب

(۱۰۵) امر خلاف عادت کسی رحمت ہوتا ہے کسی نعمت یہ بھی ہو

ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا خلاف عادت ہونا کسی رحمت ہونا ثابت  
کرتا ہے کسی اس کے خلاف پر چنانچہ بارش کا وقت پر نہ ہونا جس کا انما  
بالحکمت لوال ہور بھی تفسیر عادت ہے اور نیز نعمت ہے بعض روایات میں  
آیات سے اذا بعض اللہ قوماً امطر صفيهم والهي شتاء هصر جب  
اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفع کرے تو اس گرمی کے زمانہ میں ان پر بارش  
کرتے ہیں اور جو اُسے برسات میں آسمان صاف دیکھتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ فوراً بادل  
کا اٹھنا اور بارش ہونا یہ بھی خرق عادت ہے مگر یہ تفسیر رحمت ہے  
قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان تغيير العادة  
قد تكون دالة على رحمة او غيرها الى قوله لانها  
تغير رحمتاً۔

فہ نزل بلازمین گناہوں کو کس طرح ختم ہے

انفسی وکل بعضی لوگ کی سمجھ میں یہ بات نہیں باقی لوگوں کی  
وجہ بھی بلائی نازل ہو سکتی ہیں ان کے نزدیک بارش ہونے یا نہ ہونے  
کامیاب میں وہی ہے جو سائنس کے بتلا دیتے مگر اللہ سے کوئی پوچھے کہ  
سائنس نے اس کا بھی کوئی سبب بتلا دیا ہے کہ جب ہمیشہ برسا اور جاتی

گیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے  
اور فرمایا اے اللہ ہمارے ارد گرد بارش بھیج دو اور ہمارے اوپر نہ ہو پھر اپنے ہاتھ  
سے جس طرف بادل کو اشارہ کیا اس طرف سے کھل گیا اور مدینہ منورہ جاک  
تیریاں کھینچ کر مدینہ کے اندر آسمان کھل گیا اور چاروں طرف  
بادل گھل چلا تھا ہمیں ہر شے جنگل بارش کے پانی سے بہتا ہوا اور جس  
سمت سے بھی کوئی آتما تھا بارش کی خبر لانا تھا۔

شرح ظاہر حدیث بتلار ہے کہ اہل اسے خطبہ کے درمیان کسی ذکر  
امر کے لئے گفتگو کرنا ناجائز ہے اور امام اس کا جواب بھی دے  
کتاب اس پر چند جہ سے کلام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکلات کو دل میں مقبولان الہی سے  
(۱۰۴) دعا کہ درخواست کرنا چاہئے اور طلب دعا سے پہلے اہل اعمال ہی بیان  
کرنا چاہئے جیسا کہ اعلیٰ نے کیا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
متوجہ ہوا کیونکہ بالا ہمارے آپ سب مقبولان الہی سے افضل ہیں آپ کی  
زندگی میں آپ کے سوا امامت میں کسی کی طرف بھی رجوع نہ کیا جاتا تھا۔  
اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی امتیازی کے وقت جب استیفا  
کے لئے بستی سے باہر نکلتے تو حضرت عباسؓ سے فرماتے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضور کے واسطے سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے  
اب آپ کے واسطے دعا کریں گے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے چچا ہیں اور سب سے قریب ترین پھر عربی نے طلب دعا سے پہلے پریشانی  
کا حال بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا  
اس میں شک ہے کہ جب تم دین دار سے اپنی پریشانی بیان کرو گے  
اس کا دل تباہ ہے واسطے پھل جائے گا وہ دل سے دعا کیجے گا اور اسے  
مبارک دل کے پیچھے اور دل لگا کر دعا کرنے ہی سے رحمت اور قبول

مستحکم اور مضبوط شہروں کو تہ و بالا بنادیتی ہے کہ یہ کون سی ممانعت  
پیدا ہوئی ہے؟ اس بارش کا مانتوں سمندر کی چاہت نہیں اٹھا بلکہ  
قلوب نفوس کی چاہت سے مٹا اور مخلوق کے گناہوں کے سبب پرستا  
ہے۔ نعوذ باللہ من العنق ما ظہر منها وما بطن

حدیث سے معلوم ہوا کہ عابرِ حیر کے لئے بہت بڑا وسیلہ ہے  
۱۴۶) دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کتنی جلدی فائدہ ہوا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من الھم الدعاء فقد فتح علیہما ابواب الجنیر  
جس کے دل میں دعا ڈال دی گئی دینی دعا سے جس کو رغبت  
اور شوق پیدا ہو گیا اس پر خیر کر دیا جائے کھلو دیئے گئے۔

اسی لئے حضراتِ موصیہ فرماتے ہیں کہ دعا خود عینِ خیر ہے دینی دعا  
خود اپنی ذات سے مطلوب مقصود ہے قضا حاجت کے لئے مطلوب  
نہیں قضا حاجت تو تبعاً مطلوب ہے کیونکہ دعا کی حقیقت رولائے ملین  
اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا اور اس کی فطرتاً ہی حاجت مارجِ ظاہر کرنا ہے  
اور یہ عجزیت کا خلعت ہے جس سے بڑھ کر بندہ کے لئے کوئی بھی  
خلعت نہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یا ارشاد کافی دلیل ہے۔

ان عبادی لیس لاث علیہم سلطان  
لے ایسے ہیں بیکر بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

دیکھو ان حضرات کو یہ شرف بلند اور اتنی بڑی حفاظت اسی عجزیت  
سے تو حاصل ہوئی جو کہ صفتِ عبودیت ہے اس کی ضد کے متعلق بھی  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن لو۔

وان انکاضین لا مولیٰ لھم  
کافروں کا کوئی مددگار نہیں (ہر ان کو شیطان کے بندوں سے کچلے)

ہی میں بارش ہو اگر تھی ہے تو کسی سال اس فائدہ کی کلاف گرمی کے زمانہ  
میں کیوں ہوتی تو بڑے برسات میں کیوں نہیں ہوتی؟ اس عادتِ مستور  
کے جتنے کا بھی تہ سب کوئی جو ناچائیکے سانس اس جو خاموشی شہرت  
نے اس شکل کو حل کر دیا ہے کہ عادتِ مستور کے بدلنے کا سبب لوگوں کی  
شامتِ اعمال ہے۔

ولوا انھما آمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء  
والارض ولکن کذبوا فاحذرناھم بما کانوا  
یکسبون۔

آج سے سترہ سال پہلے اسی ہندوستان میں لوگوں کو عام طور پر  
عفت بالکامنی چوائی دیا نہ تھی امانت بزرگوں کے احترامِ علم کا مرکز  
کا انتقام تھا بے حیائی، بے شرمی، جھوٹ، دغا بازی سے نفرت تھی دلوں  
میں خدا کا خوف بزرگوں کا عطا تھا علانیہ فتن کا بازار گرم نہ تھا تو وہ  
لوگ ان بیمار یوں کا نا بھی نہ جانتے تھے جن میں آج کل ہندوستان کا ہر فرد  
مستحکم ہے جس طرح ان کا ایمان قوی تھا بدن بھی قوی تھا صحت بھی جیتی تھی  
وقت پر بارش بھی تھی پیداوار کی کثرت تھی بے غرق کا زمانہ تھا اب بیمار  
الہام خراب ہو گئے ہر فتنہ سینما یا سکوپ کی وجہ سے فتنہ کو نفع ہے  
سووی لین وین کی کثرت ہے علانیہ حرام کاری ہوتی ہے زندہ ہے مگر  
دینی نہ دلت جس کو دیکھو پریشان و حیران، جہر نظر اٹھاؤ ادھر  
ہی ایک بدلے بے درماں، بیماریاں ایسی آتی ہیں جن کا بھی نام نہ نہ تھا  
ہوائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ سب دل سے آفرینش سے اس وقت تک کبھی اسی  
نظرِ زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی تھی یہ شامتِ اعمال نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا  
سانس اس خوفناک بدن کا بھی کوئی سبب بنائے گی جو بھوں اور گویوں  
کی ہڈیوں میں آسمان سے برکت اور دم کے دم میں لاکھوں کو دیکھو اور پتہ

والے سردار وہ جہان تھے، مصلیٰ، شریف، سلم، تو بارش کا سلسلہ متواتر  
بندھ گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کی مراد اچھی طرح پوری ہو گئی، اسی کے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

«مَنْ تَصَدَّقَ بِشَعْرَةٍ مِنْ شَعْرَةِ نَعْرَةٍ أَوْ بِمِائَةِ تَسْتَفْعِدُ  
تَهْبَةً أَوْ تَمْرًا كُنَّا فِي بَرْجَاتٍ فِي تَهْبَةٍ أَوْ شَفِيعٍ»

پس دیکھ لیا کہ کون کس کو شفیع بنائے، جو مصلیٰ یہ دیکھ لیا کہ وہ اس  
قابل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائیں مطلب یہ کہ اس  
کے ظاہر و باطن کی تحقیق کرو کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں اللہ علم  
اس میں سو فیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں

«مَنْ مَجِبُوهُ عِنْدَ مَطْلُوبٍ تَجِدَ مَرْغُوبًا»  
مطلوب کے سامنے اپنے محبوب کو آگے بڑھاؤ تو مرغوبے پاؤ گے

## محبوب چیز کی قربانی سے مطلوب کو پاؤ گے

یعنی محبوب چیز کی قربانی کرو تو مطلوب کو پاؤ گے۔ لَنْ تَنْتَازِعَ  
الْبَرِحَتِي تَفْقُو مِمَّا تَحْتَوِي كَيْفَ تَجِبُ مَحَبَّتِي كَيْفَ تَقْبَلُ  
بُوتِي ہے جیسا آیت کا قرآنیکہ مدلول ہے واللہ اعلم

اس بڑا ایک سوال ہے وہ یہ کہ وہ توں مرحوں میں دعا کی درخواست  
کے لئے یہ دو ادائی یا ایک ادائی ہی کیوں کھڑا ہوا حضرت صحابہ اور خلفاء  
میں سے کوئی کیوں نہ کھڑا ہوا؟

جواب یہ ہے کہ حضراتِ خلفاء اور صحابہ کا مقام ارضاء و تسلیم ہے اور  
سائل کا مقام فقر و مسکنت ہے۔ پس درخواست دعا کے لئے وہی انتہا  
جس کا یہ مقام انتہا اس اجمال کی تفصیل ایک حکایت کے ضمن میں  
معلوم ہوگی۔

قوله المعجبة الشافى عشر فيه دليل على ان الدعاء  
من اصعب وسائل الخير الى قوله وان اصعب من  
له مولى له

فے شایکی کے دل میں اس جگہ یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر بھی تو  
اللہ کے بندے ہیں پھر وہ اللہ کی عطا سے کیوں محروم ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان بندے تو ہیں مگر ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان  
کو اپنی طرف منسوب کر کے عبادی مہیکر بندے کہنا پسند نہیں فرماتے  
اور بندہ حقیقت میں وہ ہے جس کو آقا خوش ہو کر اپنا غلام کہے۔

وہاں اگر کہیں مجھے اپنا غلام  
سب سے پیدا نام ہو میرا یہی  
کافروں کو اللہ تعالیٰ اپنا غلام تو کیا فرماتے تو ہی کہنا پسند نہیں فرماتے  
اولئک کلام ناعرا بل حرام اصل

کیونکہ وہی حقیقت میں وہ ہے جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر جو ان کے  
طریقہ پر جو دیت کے خلاف کفر و نفاق و حق میں مستلہ ہے وہ آدمی  
کہلائے کا مستحق نہیں ہے۔

اس کی مٹی غلام آدم اندر نیستند آدم غلام آدم اندر  
فے یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا بذات خود مطلوب ہے، قضا راجحہ کے  
واسطے مطلوب ہے، بلکہ قضا راجحہ تینا مطلوب ہے، پس جن لوگوں کو  
یہ دیکھنا ہو کہ دعا کیونکہ قبول ہوتی ہے وہ اس پر عمل کر کے دیکھیں  
یعنی دعا کو بذات خود مطلوب بنائیں۔

۱۰۷) شفیع کی عظمت کے موافق عطا ہوا کرتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت کرنیوالے کی عزت و عظمت کی قربانی  
اللہ کی طرف سے عطا ہوا کرتی ہے چونکہ اس طاقت میں شفاعت کرنے



معاملہ سرتا یا اللہ کی طرف سے اپنے ہدف پر رحمت ہی رحمت ہے تاکہ اس مبارک راستہ میں قوی اور ضعیف متوسط سب ہی چلنے لگیں اور ان میں سے ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہے بشرطیکہ ہر ایک کو حقیقت یا شریعت سے اپنا حصہ معلوم ہو کما حقہ کا حصہ کہ ہے اور اس کے شرائط و آداب کیا ہیں و یہاں دنیا میں تو بڑا فائدہ ہی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا حصہ حقیقت میں ہے یا شریعت میں اور جس میں بھی حصہ اس کے شریعت و کتب کی اس کو خبر ہو اس سے آگے جو کچھ مدد یا نفع میں ملے گا کہ دارالغبار و ہی ہے دنیا دارالعمل ہے دارالغبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کمرے میں کو اپنے فضل سے اس فائدہ و فطی کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے۔

قوله في الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاعطام  
يكون على قدر حرمه الشفع الى قوله في الوجه  
الخامس عشر جعلت اليه ممن من بعد عليه بينه  
فان دعاءكم لرضا تسليم کے متعلق نہیں مناقبت جب ہوتی ہے کہ دعا بذات  
خود مطلوب ہو بلکہ نفس حاجت مطلوب ہو اور اگر دعا خواست لئے مطلوب ہو  
کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اپنے عجز و نیاز کا اظہار ہے اور  
اس پر راضی ہو کہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو دعا کو نہ چھوڑوں گا ہر حال میں  
اللہ تعالیٰ سے راضی رہوں گا تو یہ دعا عین رضا و تسلیم ہے پس بعض بزرگوں کے  
واذقت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعا کو تسلیم و رضا کے خلاف  
سمجھ کر چھوڑ دیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا واقع میں رضا و تسلیم کے خلاف  
ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر وہ بزرگ غلطی حال کی وجہ سے دعا کو مقامِ رضا کے ساتھ  
جمع نہ کر سکتے یا یہ کہ وہ ان دنوں میں منغلقت نہیں مگر مقنا و رضا و تسلیم کی  
یہ خاموشی ہے کہ جب اس کا نذر ہوتا ہے دعا چھوٹ ہی جاتی ہے۔ اعتدال  
کے بعد پھر عود کر آتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ایک دفعہ جریرہ اندلس  
ایک بزرگ مجذوب کی حکایت میں قلمباز تو گو ایک  
مجذوب بزرگ کے پاس گئے ان سے درخواست کی کہ نماز استقامت کر لیتے  
آپ بھی مجھے ساتھ چلیں ان کی عاصی یہ تھی کہ ایک بانس پر بیٹھ کر ایک  
طرح سوار ہو کر چلتے تھے تاکہ لوگ جو قوف بھیجیں اور اتنی سجدہ کرا لیں  
نہ دیں چنانچہ اسی شان سے وہ ان کے ساتھ چلے اور راستہ میں  
شاہی باغ تھا تو آپ شاہی باغ کے پاس پہنچے اور بڑے زور سے  
دورانہ کھٹکے یا باغ کا حلقہ طرہ جلدی سے گھبرا کر باہر آیا اور کہا کیا بات ہے  
فرمایا باغ میں جتنے درخت ہیں سب میں پانی ہے مالی نے کہا آپ  
بھی عجیب بیہودہ ہو گویں میں اپنے باغ کی حالت کو اچھی طرح جانتا ہوں  
جب پانی دینے کی ضرورت ہوگی خود پانی دے دلا گا تمہارے کہنے کی کیا  
ضرورت ہے۔ بزرگ نے لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا تم نے اس کی  
پشتخانی جب یہ ادنی مخلوق اپنے باغ کی ضرورت کو دوسروں سے زیادہ  
جانتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی زمین کی ضرورت کو نہیں جانتے؟ وہ  
بھی اپنے باغ کی حالت کو خوب جانتا ہے تو تم نے مجھے اپنے ساتھ لے  
کر اس کے سوا کچھ نہیں چاہا کہ مجھے اللہ کے سامنے ذلیل کر دیا اس  
مالی کے سامنے ذلیل ہوا۔ پھر اپنے بانس پر سوار ہو کر لے لوٹ گئے  
اور لوگوں کو چھوڑ کر چل دیئے مگر اس تسلیم و رضا کا یہ ثمر ملا کہ لوگ  
اپنے گھڑوں کو ٹھنڈے نہ پاتے تھے کہ بادشہ سے سیراب ہو گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تسلیم و رضا میں سب کا اعلیٰ  
تھا مگر کسی کے ساتھ آپ ہر شخص سے اس کے حال کے موافق معاملہ فرما  
تے کمزور کی یک و لچنی فرماتے ان کی درخواست پر دعا کرتے تھے قوی کو  
اس کے حال پر کہتے اور متوسط سے لطف کا معاملہ فرماتے اور یہ

کی امید غالب ہو تو نصیحت کی جائے ورنہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن اُثرِ نبوت ہی کو بُرا لے لیتے ہیں۔

(۱۰۹) **فوائدِ محبت اور اُس کے شرائط** کے قریب در و دربار کی برکت نے زمین کو رحمت سے مال مال کر دیا۔ حالانکہ وہ جہادِ دُشمن ہے تو جہادِ سکون و امن انسان کو برکتِ محبت سے) کیا کچھ فائدہ ہوگا؟ (خود ہی سمجھ لو) چنانچہ اُمی بھارت (اور محبت) سے ابو طالب کو برکت حاصل ہوئی کہ دُشمنِ یوں سب سے کم عذاب اُن پر ہے حالانکہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا تھا (مگر حضورؐ کے ساتھ رہے۔ آپ کی محبت سے شرف پڑے تو برکت سے محروم نہ رہے) لیکن بھارت (اور محبت) کے متعلق یہ امر قابلِ تہنید ہے کہ اگر اُس سے اہل ایمان کو کسی قدر منفعت اور مدد پہنچی ہو تو اس کو کچھ برکت حاصل ہوگی۔ اور اگر زیادہ منفعت و مدد پہنچے تو برکت کے ساتھ اُس کو عظمت و حرمت بھی حاصل ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قریب در و دربار کی زمین کو ہر طرف بارہ میل تک ہر گھر کی طرح حرم بنادیا ہے۔ کہ نہ اُس کا شکار مہا جائے نہ اُس کا درخت کاٹا جائے۔ یہ حرمت (اُن زمین کو) اُن ہی لوگوں کی وجہ سے تو حاصل ہوئی، جو اُس زمین کے بننے والے تھے (چونکہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھارت اور نصیحت کے ساتھ آپ کی نصرت میں بھی حصہ لیا تھا آپ کا اتباع کیا ہی تھا تو اُس کے احترام کا یہ اثر ہوا کہ اُن کی زمین بھی محرم ہو گئی) پس یہ قریب (اُس زمین کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا عاقل مٹا طب کے لیے اتباعِ دُشمن کا جیسا وہ بوجھ اتباع کے محرم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زمین بوجھِ قریب اہل اتباع کے محرم ہو گئی، کیونکہ مخلوق میں ہر نوع کو اُس کی حرمت کے مناسب نفع حاصل ہوتا ہے (پس زمین کو صلہ کی بھارت سے یہ نفع ہو کر اُس کو حرم بنادیا گیا، جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ محبت کی نسبت (اور مقدار) ہی

حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ معلوم ہوا کہ اُس (۱۰۸) آپ کے لیے مقرر کیا گیا، اگر جس کو جنت، شعلی سے اُنکہ کر کے اُس حرمت سے باہر نکل جانا کیونکہ زبان سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کہ مر د ہے جسے پاؤں کو زہن سے کچھ نہیں لگا اُس کی حرمت، خواہ وہ ہی کیا تھا۔ پس اگر پاؤں کو آپ کی اطاعت کا علم نہ دیا گیا ہوتا تو وہ آپ کے اشارہ کی تعمیل نہ کرتا۔ کیونکہ اہل بھی جیسا حدیث میں آیا ہے ماہر ہے ایمان جو تا ہے متنا دیر نہ ہنسے جس جگہ رہتا ہے (محکم سے رہتا ہے) اور اُس میں ایک طبیعتِ اشارہ ہے کہ باؤں تو باوجود اس قدر ہمد کے، اشارہ کو بھی سمجھ لیتا ہے۔

### محرم القمیت کو نصیحت بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے

اور محرم القمیت، اہل کابہر انعمینوں کے دُشمن ہے ہمارے کبھی متدین نہیں ہوتا کلاں وادی علیٰ تنویر دیکھ نہیں بلکہ اُن کے دونوں پر نہ جنگ لگ گیا ہے جس کے لیے سعادت (کے راستہ) میں کوئی قدم (مقدم نہیں یا جس کے لیے اُن میں سعادت، مقدم) نہیں۔ اس کے لیے ساری نصیحتیں نقصان دہی (ہیں جاتی) ہیں۔

قوله في لوجه الله انما فيه دليل على من مخرجته على السلام الى قوله من لم يكن له في القميت سعادة فكل من مخرجته عليه حرماناً

فتنہ دُشمن سے حلیم ہونا کہ امر بالمعروف میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ اگر نفع مہما الشرحۃ الاولیٰ فی صبیحة علی، اصل الصلوة من لم یکن له فی القمیت قدم لم یفقد الخاف وصیحة الکتاب الی قولہ من لم یکن له فی القمیت سعادة - والقریبة النسیۃ من صبیحة علی قولہ مقدم بکمال الکاف صبیحة الاولیٰ ولکن الظاهر هو الاول لکثرة استعمال مقدم یعنی الاول فی کلام المتفویض والآخر فی کلام المتکلم۔

اور بدتمیزی کا حامل کی جاسے۔ ایک یہ کہ زبان سے بلاوجہ اُن کو بُرا بھلا کہا جائے۔ یہ دونوں عہد میں ہر اہل میں موجب وبال ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو بُرا تو نہ کہا جائے، نہ گستاخی کا بُرا نہ کیا جائے۔ لیکن اُن کی ولایت اور کلمات کا انکار کیا جائے۔ یہ سب سے صحت فرقت اُس شخص کے حق میں موجب وبال ہے جو اُن کے ولایت و کلمات سے واقف ہے۔ بلاواقف کو اس سے غلط ہوگا۔ کیونکہ دلی کی ولایت کا ماننا یا اُس سے واقف ہونا فرعون یا واجب نہیں اور مسلم یہ ہے کہ جس شخص کی ولایت کا بہت سے فتنہ اور ملحدانہ عقائد کو اعتقاد ہو اُس کی ولایت سے انکار نہ کیا جائے گو تم کو بذاتِ خود اُس کی تحقیق نہ ہو۔ کیونکہ غیرو دلی سے حسنِ سخن مذہم نہیں اور دنی سے بدھن ہوتا ہے جو بلا ضرورت ایسے شخص کی ولایت سے انکار کیوں کیا جائے جس کی ولایت کو بہت سے عقائد اور علماء و علما تسلیم کرتے ہیں۔

**علامات ولایت** ہر ایک کی ولایت کی تحقیق خود کیونکر کی جائے؟ تو اگر یہ صاحبِ تحقیق عالمی ہے جب تو اُس کو عقائد اور علماء کی تقلید سے کلم لینا چاہئے اور اگر اُس کو کچھ فوراً بصیرت حاصل ہے تو چند روز اُس کی صحبت میں رہ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کی طرف دنیا داروں کا میلان زیادہ ہے یا دین داروں کا۔ اس کی باتیں دنیا کے متعلق زیادہ ہوتی ہیں یا دین کے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا کی طرف راغب ہوتا ہے یا آخرت کی طرف۔ گنہوں سے نفرت اور بیک کلام کی رغبت اُس کے پاس بیٹھنے سے زیادہ ہوتی ہے یا نہیں۔ فرائض و نواہل و احکام دین وہ اپنے سمجھتا کہ پابند ہے یا نہیں؟ اور زیادہ وقت اُس کا لشکرِ دین گنت ہے یا دُنیا کے فتنوں میں، اگر چند روز اُس کے پاس رہے یہ اندازہ ہوگا کہ اُس شخص پر اللہ کی کجبت غالب ہے۔ زیادہ فوائد کی بددعاؤں غرض ہے جس کو اس کے اقوال و احوال مُتبعِ نبویہ کے موافق ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ اللہ کا ولی ہے جس کو دنیا و دین اللہ تعالیٰ کو اعلانِ جنگ دینا ہے۔

تو برحق ظاہرِ خود اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل دین

کے موافق غیر حاصل ہوتی ہے۔ جس کا دل دنیا و دین ہے کہ اُس سے دوسرے کو شرم پہنچے تو اسی لیے حدیث میں آیا ہے **هذا المقود لا یستطیع بعد جلیہ**۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والے عہد نہیں رہتا اور اگر مجاہدات اور صحبت اس طرح نہ ہو بلکہ اس کے خلاف ہو کر کہ جس کی صحبت میں رہتا ہے اُس کو دنیا و دین پہنچا ہے، تو محتاط برعکس ہوگا کہ شخصیت سے پہلے دین کے فتنے پہنچے گا، اسی لیے اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ انسان محقق (عارف کامل) کی مثال آگ جیسی ہے کہ جو شخص، مٹی یا دھات کے ساتھ آگ سے کلام میں لگے گا۔ اُس سے مختلف قسم کے نتائج حاصل کرے گا۔ جیسا کہ تمنا نے فرمایا ہے: **مناہما عقود علماء** نے اس کی تفسیر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اہلِ مہجرت کے لیے فائدہ کی چیز بنایا ہے اور جو شخص بے احتیاطی کے ساتھ اس کو استعمال کرے گا نقصان اٹھائے گا۔

یہی حال انسانِ محقق کا ہے جو اسے پہنچنے اور اب کے ساتھ اُس کی محبت میں رہے وہ اُس سے بہت کچھ نتائج حاصل کرے گا اور جو رہے بچانے کے بعد اُس کو تحقیر کرے گا اُس کو (بجائے فتنے کے) حذر لاحق ہوگا اگرچہ محقق (عارف) نے اُس کو مزید دینے کا قصد بھی نہ کیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طہرت کو اُس کے لیے خوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **من اذی فی ذلک فقد اذی فی بلحاہ** (جسے میرے ولی کو ایذا دی اُس نے مجھے اعلانِ جنگ دیا ہے)

**”اللعنہ الذین یفترقون فی شیطان و یفترقون فی شیطان و یفترقون فی شیطان“**  
**المجود بعد لکونہ و من الی بعد اعدی و مستثنا ان یجمل عاقبۃ**  
**امورنا و ان یستثنا یا ابعدا الواحیین (قرآن و ہذا اشارۃ وھی**  
**ن بركة الجوار اخلافت اندر من رجعت الی قلبہ فذا انما بالیہ زبکۃ**

**ف** انہذا دینا ہر سہل نہ ہو بلکہ ہر جان کو حرام ہے جبکہ بلاوجہ ایذا دی جائے اور اولیاء و علماء کو ایذا دینا زیادہ حرام ہے کہ گویا خدا کا مقابلہ ہے۔ پھر ایذا دے کے بھی وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ عمل سے بدوہر، زیادہ دی جائے کہ عمل کے ساتھ کثرتِ عملی

عمل میں آسکتی ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فجر و عصر کا گو میاں ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں  
موجہ ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعد از طلوع فجر کے فجر فجر کے دو منقذ کے  
(نفل) نماز نہیں۔ اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں تخفیف کرتے تھے اور تخفیف کی علت بھی۔  
(یعنی روایات میں) مذکور ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں  
پڑھتے تھے۔ اس باب میں بھی بہت احادیث ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ  
اگر یہ تمہد (معنی ہے جب تو گنگوڑی لگی مروت) نہیں ادا اگر یہ حکم کسی حکمت پر  
جہی ہے تو وہ حکمت و انشا علیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں  
(عمل اپنی آمت کو) خدمت (اور عہدیت) میں ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی  
ہے۔ جیسا حکم (بن علیہ) کو (قرآن) اسی کی ہدایت فرمائی تھی بلکہ اُس نے عرض کیا  
یا رسول اللہ! کیا میرے ذمے (ان فرائض کے علاوہ) کچھ اور بھی ہے۔ فرمایا نہیں  
مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے (کچھ نفل ادا) کرو

تعلیم علی زبانی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہے تو جس چیز کی آپ  
ترغیب دی تھی، اسی کی اپنے عمل سے ترغیب دی۔ کیونکہ آپ کی تعلیم زیادہ  
مؤثر ہوئی تھی اور (قاعدہ بھی یہی ہے کہ) احکام کی پہنچائی عمل سے ہی زیادہ کامل  
ہوتی ہے۔ اگرچہ قول بھی اس کے لیے کافی ہے جیسا شریعت (کے اصول) سے  
بارہا معلوم ہو چکا ہے۔ اور (حکمت تو نفل کے بیان میں) یہ توجہ بہت عجوبہ ہے۔  
جس کام کا دو مردوں کو امر کرو تو وہ بھی اُس پر عمل کرو یہ سنو  
معلوم ہوا کہ انسان جس ایک کام کا دو مردوں کو امر کرے یا ترغیب دے اُس پر

## حدیث

### صلوة النوافل قبل الفرائض و بعدھا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اُس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب  
کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے درعشق کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ  
کے بعد مازن پڑھتے۔ یہاں تک کہ (گھر کی طرف) لوٹ جاتے پھر (گھر میں) دو  
رکعتیں پڑھتے۔

شرح کا یہ حدیث میں احکام پر مائل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ظہر سے پہلے اور عصر کے بعد بعد میں نماز پڑھتے تھے۔ مغرب کے  
بعد بعد میں نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ جمعہ کے  
دن نماز جمعہ سے پہلے اور پچیس سجدہ میں نماز پڑھتے تھے جو سے نماز ہو کر  
اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر چند درجہ سے حاکم ہے۔

یہاں دو سوال ہیں (۱) یہ کہ مادی سجدہ نماز کا ذکر کوئی نہیں کیا؟  
(۱۱۰) ان دونوں کا کیا حکم ہے؟ ان کے آگے یا پیچھے نفل نماز ہے یا نہیں؟  
(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل نماز کی جو صفت را اور کیفیت یہاں بہت بڑی ہے  
یہ تمہد (معنی) ہے جس کی علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی یا قیاسی حکم ہے جس کی علت

تبعہ آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا مجموعہ چالیس رکعتیں ہیں اور ایک رکعت  
 ترکی (ان کے علاوہ پہلے کوئل پینا بیس رکعتیں ہوتی ہیں) کو پانچ فرض نمازوں کے  
 ساتھ ملایا جائے تو پچاس رکعتیں نمازیں پوری ہوں گی اور میری وہ اصلی حد سے جو دن  
 فرض ہوتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت کر کے  
 تخفیف کی درخواست کی تھی (تو پچاس سے پانچ بار آئیں) لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے انکسارت و بابرکت کے تحت میں درود کی ان کو اختیار فرمادیا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی  
 پورا راز مانتے تھے تاکہ دربارِ خداوندی اللہ تعالیٰ (کی تعمیل) میں آپ کا قدم  
 ڈالنا ہو جائے۔ جیسے موصی علیہ السلام نے (شعب علیہ السلام) فرمایا تھا ایسا  
 لاجلیل تعینت قد صواب علی کران دونوں قدر تہہ پہلے جس مدت کو میں میں  
 پورا کروں یعنی آٹھ سال کی مدت یا دس سال کی مدت تو تجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا  
 پھر آپ نے دونوں میں سے بڑی مدت کو پورا کیا کیونکہ انبیاء و صلحہ صلوٰۃ اللہ  
 و سلام علیہم راجعون رہمت، بلند ہمت والے ہیں اور کیوں نہ ہوں وہ تو مخلوق کے  
 بہتروں سے بھی بہتر ہیں (ان کا طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ و افضل و اکمل کو اختیار فرماتے  
 ہیں) اب ہمیں ان چالیس رکعتوں کے بھاننے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دیکھیں  
 تو (سنت) خبر کی ہیں اور بارہ رکعتیں چاشت کی ہیں۔ جیسا احادیث سے معلوم ہوتا  
 ہے اور زوال (زائتاب) کے وقت صلی اللہ علیہ وسلم و آئمہ از سے منع  
 ہے پوری امت و ابراہیم علیہ السلام و پی ہے جس میں حضرت ابراہیم کی حق تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے  
 کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پوری طاعت کیا کرتا تھا۔ ۲۰

عہ فی الاصل وعند الزوال یبقی ما کان فیہ من الصلوٰۃ فی ذلک الوقت ثم  
 وجب علیہ السلام قطع فی اربعاء الخ و فیہ تعینت و تعیینت حدیثی بعد ما کان یجب من  
 الصلوٰۃ الخ و بعد یزید فی وجہ قولہ ثم و صح علیہ السلام فان الرجوع بعد علی  
 التیم و یسیر و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم  
 عند الزوال و بعد ما کان فیہ حالہ و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم  
 و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم و لا یسیر التیم

خود بھی ملے کر پانچ بیٹے۔ یہاں تک کہ قائل کے ساتھ وہ اس کا حال بیان جائے تاکہ  
 حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہو (جس میں سخت وعید ہے)۔  
 یا ایہذا الذین آمنوا بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا  
 یا ایہذا الذین آمنوا بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا انما بعتقوا

۱۵۵ ایمان لانے والے آپ کی بات کیوں کہتے ہو جو کہتے نہیں ہو۔ ان کے نزدیک یہ بات  
 بہت بڑی ہے کہ آپ کی بات کو جو کہتے نہیں ہو ۱۵۵

دہر چند کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے۔ اور بالمعروف کے متعلق نہیں۔ مطلب  
 آیت کا یہ ہے کہ ایسا دعویٰ نہ کرنا چاہیے جس کو پورا نہ کیا جائے اور یہ بات سیاق  
 سے بھی ظاہر ہے اور شان نزول سے بھی معلوم ہے۔ مگر آیت کے ظاہری الفاظ  
 معنی قول پر حال ہیں جس میں دعویٰ اور بالمعروف دونوں داخل معلوم ہوتے ہیں۔  
 پس امر بالمعروف میں بھی اس کا لفظ ذکر نا چاہیے کہ جمہات کے دوسروں کو امر کیا جائے  
 خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور حال میں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل دوسروں  
 کو نصیحت نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا کوئی عمل نہ ہو نا چاہیے اسی لیے بعض  
 اہل حال نے فرمایا ہے کہ فقیر الکلام اور فقیر الحال کو قیامت کی ہزا میں پٹھا اور دنیا  
 کا بالادیشنے کے وقت معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں اس میدان کا ششوار کون ہے ؟  
 اُس وقت حقیقت برسر پردہ آج جائے گا اور معلوم ہوگا کہ کون وعدہ کیا۔ کئی یوں  
 کا پڑھیں پڑھنا، دوسرائی کا مل کرنا کا رہے میں بلکہ احکام پر عمل کرنے اور اُس کو حال  
 بنانے کی ضرورت تھی۔

نوافل کے مشروع ہونے کی حکمت اور جب ہم نوافل کے  
 جو اس حکمت (مذکورہ) کی ساتھ ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آجاتی ہے جو بہت  
 ہی عجیب ہے اور اپنی بہت کی کھنکھوں میں سے (عجیب حقیقت) ہے کہ کوئی ہم دیکھتے  
 ہیں کہ جن نمازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بمعرفی) کے زیادہ کیا ہے





تذکرہ کو آپ نے ان (نفل) نمازوں کو کس عجیب ترتیب کے ساتھ متفرق وقت میں رکھا ہے۔ اگر آپ ان سب کو ایک ہی وقت میں رکھ دیتے یا ان کا قدر مقرر فرما دیتے جس میں زیادتی یا کمی نہ ہو سکتی ہو تو اس میں رامت کو (مشقت ہوتی اور شاید بہت لوگ ان کے پورا کرنے کی کثرت مانتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض (نوافل) کو تو فرض نمازوں کے ساتھ رکھا اور بعض (نفل) نمازوں کے ساتھ نہیں ہیں ان کا وقت (بہت) وسیع ہے۔ شدہ رات کی نماز (یعنی تہجد) ایک جانب میں ہے (جس کا وقت بہت ہے) اور چاشت کی نماز طلوع (غیب سے زوال تک) ایک جانب میں ہے اور یہ بھی کافی وقت ہے) پھر اگر کوئی قیام العیل (یعنی تہجد) اور چاشت کی نماز سے عاجز ہو وہ ان نمازوں سے توہ جز ہوا جو فرضوں کے ساتھ ہیں۔ یہ تو سب ہی آدموں کو آسان ہیں۔ چنانچہ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی نمازی فرض نماز کو ذکر کرتے ہوئے اس سے پہلے اور پیچھے نفل نماز پڑھتا ہو اور اگر کوئی ایسا ہو تو وہ (شاہد) نادر کے حکم میں ہے (اور نادر بن عمر معدوم کے ہے) جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تم اس طبعیت (شاہد پر بھی نظر کرو کہ جب ہم سے اولاً پچاس نمازوں کا مطالعہ کیا گیا پھر فرض پانچہ گنیں تو اصل فرض تو یہ پانچ ہیں مگر کمال کا درجہ پچاس ہیں تو جتنی اس اصل میں جو حکم واقعی سے ثابت ہے کی رہ گئی تھی اس کو دوسری اصل سے جو اون مطلوب تھی پورا کر دیا گیا یعنی پانچ فرضوں (اس کے ساتھ پہلے تیس رکعتیں ملا کر ان) کو پچاس کر دیا گیا (وہ ان کا نام نفل رکھا کیونکہ یہ حقی (اور لائق) نہیں بلکہ درجہ کمال حاصل کرنے کے واسطے ہیں) اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ فرمائیں گے میرے بندہ کی نماز کو دیکھ اگر وہ فرض کو پوری طرح نبھ لیا ہو فیماورد دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نوافل ہوں تو فرض رک کی کمی کو ان سے پورا کرو۔ تو اس اصل کو جو فرض ہے دوسری اصل سے جو کہ اولاً وضع کی گئی تھی پورا کر دیا جائے گا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ

» جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور بڑے کاموں سے نہ رکھے اس کو اللہ نے بُد پر ہی بڑے گا «

دُربن بڑے گا کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز نماز ہوگی بلکہ صرف اُٹھنا بلکہ بیٹھنا ہوگی جو نعمت الہی کے مافیہ نہیں بلکہ اس کے مافیہ ہے اور یہ وہ وقت ہے جبکہ یہ شخص گناہوں سے نادم ہو کر توبہ بھی نہ کرتا ہو۔ اگر توبہ کر لینا ہو اور دل میں نہامت ہو تو توبہ نہ ہوگا بلکہ توبہ سے کسی وقت گناہوں سے بالکل الگ ہو جائے گا۔ مگر غرض کہ وہ سے نہامت ہو گا اور یہ کہ توبہ نہ ہو نا بھی ناز کی برکت میں سے ایک برکت ہے «

پس اسے مشہدات اور شہادت کے سامنے بھی اللہ کی قسم لکھ کر اپنی جان کی خبر لے۔ اپنے کو اس مقام درجہ اور عظیم الشان درجے سے محروم نہ کر۔ اپنے نفس کو ذلت اور ملالت کے مقام میں گھس کر نہ ڈھسے اس پرستی میں آزاد نہ چھوڑ (کیونکہ جو شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرتا ہے اس کی موت (کرمیت) داخل ہو جاتی ہے دروین بد بنا ہو جاتا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اس کا عمل برباد ہے اور جہنم اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم (برابر) روزہ رکھو یا ناک (کھانکھ) نہ کر کے (مذہب) ہو جاؤ اور راتوں کو نماز پڑھو یا ناک (کھانکھ) نہ کر کے (مذہب) ہو جاؤ۔ مگر تمہارے اندر درجہ اور تقویٰ نہ ہو جو عزائم سے (دروکے) نہ ہو تو یہ اعمال تم کو جہنم سے نہیں بچا سکتے یا اور جو ان آدمی جب اپنی مشورتوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اب اس کا نفس خود تصور کے حامل کرنے کی توقع کرتا ہے (وہ ان اعمال میں کو شش کرنے لگتا ہے جو جہنم میں پہنچانے والے اور جہنم سے روکنے والے ہیں)

نوافل کی ترتیب اور تفریق کی حکمت تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عجیب حکمت میں خود



ہجے کچھ فوائد نہ پڑتے ہوں مگر آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ نہ تعلیم  
 ان کو ہدایت دے اور ہمیں اس درجہ مسئلوں کو ٹھیک ملوے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین  
**ف** یہاں سے سالکین کو بین الہین چاہیے کہ ان کو پانچ فرائض کے علاوہ کم از کم  
 ۵۰ مکتبیں فوائد کی مع وتر کے پڑھنا چاہئیں تاکہ حقیقتاً دیکھا ہر طرح ۵۰ نمازیں  
 ادا ہو جائیں کیونکہ طریق سلوک، مجاہدہ اور کثرت عبادت پر مبنی ہے ان کو پختہ  
 رکھتا ہے کہ فوٹل نہ پڑھنا چاہئیں۔ میں کی ایک خدمت تو وہ ہے جو حضرت شاد  
 نے بیان فرمائی۔ دوسری خدمت یہ ہے کہ مکتب نماز کی بارہ مکتبوں اور وتر کی تین مکتبوں  
 کے علاوہ تیس مکتبیں اور پڑھی جائیں۔

علیہ کے نزدیک مکتب نماز کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر کے پہلے دو مکتبیں غم سے  
 پہلے چار اور اس کے بعد دو مکتبیں مغرب کے بعد دو مکتبیں عشاء کے بعد دو مکتبیں  
 ہیں۔ ان کے ساتھ وتر کی تین رکعات ملنے سے مجموعہ عدد پندرہ ہوا۔ ان کے  
 علاوہ تین رکعات فوائد اس طرح پڑھ کر جائیں کہ مغرب کی مکتبوں کے بعد ملوے ان وائیں  
 چھ رکعات، جمعہ آفرشب میں آٹھ رکعات، صلوٰۃ اشراق چار رکعات، عصر سے  
 پہلے دو مکتبیں اور صبح میں چھ مکتبیں نیت کر لی جائے صلوٰۃ کا بھی چار رکعات، ظہر کی  
 مکتبوں کے بعد دو مکتبیں، عشاء سے پہلے دو مکتبیں، عشاء کی مکتبوں کے بعد دو مکتبیں۔  
 اس طرح مجموعہ عدد رکعات فوائد و مکتب مع وتر کے پختہ ہوا۔ ان کے ساتھ پانچ  
 فرائض نماز کو پانچ مکتبیں پانچ نمازیں نماز کا عدد پندرہ ہوا۔ اگر آفرشب میں متحدہ کے  
 لیے بیڑہ جوئے کی عید نہ ہو تو عشاء کی مکتبوں کے بعد وتر سے پہلے پانچ مکتبیں  
 متحدہ کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

**ف** جب یہ تسلیم کر لیا کہ مکتب نماز کا اطلاق ہوتا ہے تو ۵۰ نمازیں  
 پورا کرنے کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ پانچ فرائض اور وتر کی رکعات کا مجموعہ  
 بیست رکعات ہے۔ ان کے علاوہ تیس مکتبیں اور پڑھ کر جائیں جن میں بارہ رکعات  
 تو مکتب نماز کی ہوں اور چار اشراق کی اور ظہر کی دو مکتبوں کے بعد دو مکتبیں عصر سے  
 پہلے چار مکتبیں مغرب کی مکتبوں کے بعد چار مکتبیں، عشاء کی مکتبوں کے بعد دو مکتبیں،

اور شاد ہر طرح اوصاف کے ساتھ حابیل الغول لعلی۔ کہ میرے بیان  
 بات نہیں بد کرتی۔ چنانچہ گورنر کی ملازمت اس وقت پانچ برس گزری پچاس بھی  
 ہیں کیونکہ وہ تو پانچ کا عاقب پچاس کے برابر کر دیا۔ پھر پانچ کی کمی کو بھی  
 فوائد سے پورا کر دیا جائے کہ فضل الرحمن کے برابر ہیں مگر چونکہ اللہ پر اس نماز میں  
 ہوئی نہیں اس لیے ۵۰ مکتبوں کو بھی فرض کا درجہ دے دیا گیا۔ اس پر شاید یہ سوال  
 و رد ہو کر کہ ۵۰ رکعات سے زیادہ کو فرض کا درجہ نہ دیا جائے گا۔ کیا ان سے  
 فضل کی کمی کو پورا نہ کیا جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقصد بھی یہ تھا مگر اللہ تعالیٰ  
 نے اپنے فضل سے تمام فوائد کو فرض کا مکمل بنا دیا ہے۔ کیونکہ فضل ہونے میں یہ  
 ۴۵ اور اس سے زیادہ سب برابر ہیں۔

(واللہ ذو الفضل العظیم) قوله اوجه لاول هذا المعنى  
 عند عليہ سلام من صفه هذا الفضل هل هو تعبد لا ليعقل الى قوله  
 في اوجه اثبات في اوجه قوله تعالى حابيل الغول لعلی۔

**ف** اس حدیث کی شرح میں علامہ شاد نے حکمت فضل کے متعلق تین علم  
 علیہم کو ظاہر کیا ہے یہ ان علوم میں سے ہے جو صوفیہ کے ساتھ مخصوص  
 ہیں اور اصل یہ اسرار کشیدہ ہیں جس کے بیان سے زبان اکثر قاصر رہتی ہے اسی  
 لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے بعض مقدمات اہل علم کی نظر میں خدوش ہوں  
 مگر علوم کشیدہ و توحید و مقدمات و دلائل کی حاجت نہیں صاحب دلی کا انشاء صدر  
 اس کے لیے کافی ہے۔

**ف** یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو سن مکتب نماز کے بجائے میں بھی  
 تہاں ہر دن تکامل سے کام لیتے ہیں ان کو تنبیہ ہو جائے چاہیے کہ وہ اپنے  
 کو بہت بڑے و جبر سے محروم کر رہے اور اپنی بھلائی سے غفلت کر رہے ہیں ایسا  
 گت ہے جو انسان کو باکد و کاست پوری طرف بگاڑا جو کہ فوائد سے ان کی تکمیل کا محتاج  
 نہ ہو۔ پہلے نہ نماز ایسے نمازی شاد و تاد رہی، دستے تھے جو فوائد کے پہلے اور

دتر کے بعد ہم زیست تہمد و درگمیں۔  
 اگر کسی کو یہ ترتیب سامان نہ ہو تو جس وقت فرصت زیادہ ہو اسی میں تعداد رکعات  
 بڑھا کر تیس کا عدد پورا کر دے۔ مگر جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بعض احادیث کے  
 موافق ہے مثلاً ایک حدیث تھکی میں ہے:-  
 ابن آدم اس کی بیچ رکعات میں اولیٰ الہما و اگلتی اخریٰ -  
 "اے ایمان آدم! تیرے شروع میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ کر۔ پھر دس پھر  
 تیری مخالفت کروں گا۔"

## مغرب اور جمع کے بعد مسجد میں سنتیں نہ پڑھنے کی حکمت

بعض لوگ اس وقت تھکے ماندے اور بیٹھے روزہ دار ہوتے ہیں۔ اگر مولیٰ اللہ  
 علیہ السلام مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تو صبح ہی مسجد کے پابند رہتے جس  
 سے مہین کو شکیف ہوتی جو آپ کو گوارا نہ تھی۔ حضورؐ نے تو فرض مغرب کے متعلق بھی یہ  
 فرمایا ہے کہ اگر شام کا کھانا سامنے نہ کیا جائے۔ ورنہ نازک اوقات ہونے لگے تو  
 پہلے کھانے سے نادم ہو جاؤ۔ تو نواحل کے لیے اُن کو مسجد کا پابند بنانا آپؐ کیسے  
 گوارا فرماتے؟ اس لیے مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے تاکہ رات میں حاجت فرمائی پڑھتے  
 ہی اپنے گھر پہلے جائیں اور مزدوری کا سوا سے فارغ ہو کر یا کسی تندرست و سالم کے  
 سنتیں پڑھ لیں اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں اس لیے نہ پڑھتے تھے کہ تاوقتِ صبح یہ  
 خیال نہ کریں کہ یہ دو رکعات ظہر کی چار رکعتیں پوری کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر  
 روزہ رفتہ یہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ یہ دو سنتیں فرض ہیں۔

یہاں سے علماء کا قول ہے کہ جمعہ کا شبہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے حالانکہ  
 ظہر کو نماز سے بظاہر نسبت نہیں تو ان دو رکعتوں کو تو روزہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام  
 سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ ناذ کو نماز سے جوری نسبت ہے۔ اب اس میں عبادت گاہ کی  
 ہے کہ مغرب کی سنتوں کا اور جمعہ کے بعد دو رکعتوں کا مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ سو اس

پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ مولیٰ اللہ  
 علیہ السلام نے جس وقت کی وجہ سے ان کو گھر میں پڑھا ہے وہ علت و سببوں  
 کے حق میں منقوض ہے۔ لیکن انھیں یہی ہے کہ اُن کو گھر میں ہی ادا کیا جائے۔ کیونکہ  
 فضیلت حضورؐ کے اتباع ہی میں ہے۔ اگرچہ سبقت میں بعض حضرات ان سنتوں کو

اکثر علماء نے اس حدیث کو نفاذ شرعی پر محمول کیا ہے۔ شرط کی حدیث میں ہے  
 رحمہ اللہ اس وقت قبل العصر رہنا۔ جس کا ترجمہ ہو چکا۔ نماز عشاء اور ظہر کے بعد  
 چار رکعتوں کی فضیلت ایک حدیث میں گزر چکی ہے۔ صلوٰۃ الاولیاء کے بارہ میں اختلاف  
 ہے کہ چار رکعات علاوہ سنت مغرب کے ہیں یا مغرب کی سنتوں کے ساتھ، اگر کسی کو  
 مغرب کے بعد چار ظہر کا وقت نہ ملے تو وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لیا کرے کہ  
 ایک حدیث میں جو اوپر گزر چکی ہے عشاء سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت وارد  
 ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں دتر کے بعد دو رکعتیں کو تنہا کا کافی مقام قائم بتلایا  
 گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ تو ترکیبِ صلوٰۃ کی صورت تھی اسی پر اگر کثرت نہ کرنا چاہیے بلکہ جمود اذیل و اقوال  
 میں تکرار کا اہتمام نہ کرنا چاہیے اسی کا نام درجہ اور ترقی ہے جس کے لیے اصطلاح  
 فنی کی ضرورت ہے جو شریعہ حنیفہ کی حریت و تعلیم سے حاصل ہوتی ہے کہ وہی  
 امر اعلیٰ قلب کے طیب ہیں۔

فصل نوازل کثرت اذیل پیر

وامین آں نفس کشش اسحت گیر

حدیث سے معلوم ہو کہ مولیٰ اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں  
 نہ پڑھتے۔ بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اسی طرح جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے

سے حاصل ہوتا ہے اور نور (قلب) و حکمت (دماغ) سے اتباع سنت میں سلف کی موافقت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے اس کی توفیق اور انی فرمائیں۔ آمین

ف نازل و تراکیم میں ہی پڑھنا افضل ہے جیسا حدیث سے واضح ہے مگر چونکہ ایک زمانہ میں مکہ میں سنت کی جماعت یہ ہو گئی جس نے سنن و نوافل کو بائبل ہی ترک کر دیا تو اہل حق نے سنن و تکبیر کو مسجد میں پڑھنا شروع کر دیا تاکہ لوگ کو مکہ سنت اور تارک سنت سمجھ کر بدنام نہ کریں اور مکہ میں سنت کا غلہ رو بھی ہو جاوے۔ مگر جو کہ بعد فطین پڑھنے میں اس کا خیال کرنا چاہیے کہ جس جگہ جو کہ نماز پڑھی ہے اسی جگہ فطین نہ پڑھی جائے بلکہ وہاں سے ہٹ کر یا کچھ دیر توقف کر کے پڑھیں۔ فرق کے بعد معنی متعلق نہ پڑھیں۔ شام سے بعد کے حد و مکہ میں بیابان فرمائی ہیں۔ یہ ان کا مذہب ہے ضعیف کے نزدیک چار یا چھ رکعتیں ثابت ہیں۔ دلائل و احادیث میں ملاحظہ ہوں۔

ف حدیث شریع کی تصریح سے اتباع سنت کی تاکید اور فقہ علم اور فقہاء کی تعریف بخوبی واضح ہے اور فقہاء ہی کا نام تقویٰ ہے جس کا عمل یہ ہے کہ شریعت کی ہدایتیں زبان سے بیان کی جاتی ہیں وہ عمل اہل میں جائیں۔ کیا۔ مگر کسی نے کہنے کا حق ہے کہ تقویٰ کا قرآن وحدیث سے ثبوت جس کا حق یہ ہے کہ محققین محدثین سے برتر کہ شیخ اب و سنت کوئی جماعت نہیں۔ جنت اللہ معنا ربیعہ۔ آمین۔



مسجد میں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے مسجد میں پڑھنے سے منع فرمایا ہے بعض نے جائز کہا ہے۔ مگر جائز کہنے والے بھی یہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے متصل نہ پڑھے بلکہ ایک روز سے نکل کر دوسرے روز روزہ سے مسجد میں آکر پڑھ سکتا ہے جس جگہ فرقہ جو ان کی بات سے اس جگہ سے ہٹ کر یہ رکعتیں پڑھے۔ اور اگر جگہ چلے نہ لے اور شوری ہو تو کہ ان کے نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھا رہے اور پھر یہ دو رکعتیں پڑھے تاکہ وہ مشتبہ جائے کہ یہ دو رکعتیں نماز فکر کی چار رکعتی کرنے کے لیے ہیں اور اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ ان کا قصد ہی پڑھنا ہی افضل ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس فقرہ کا جو علامہ شارح نے اسی مقام پر بیان فرمائی ہے۔

علماء زمانہ کی شکایت اس کے بعد۔ جنہوں نے اپنے زمانہ کے علماء پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے متصل یہ دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ مذکورہ جگہ بتاتے ہیں کہ کچھ توقف کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے اس حدیث کو درمسم کی اس حدیث کو سنت ہی نہیں ہیں وارو ہے کہ ایک شخص جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر کسی جگہ فطین پڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اس کو پہنچ کر فرمت لکھیں اور فرمایا بیٹھے جاؤ پس آئیں اسی سے براب ہوئی کہ کہ وہ نماز میں متصل ذکر کرتے تھے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قول کی تفریر و تفسیر فرمائی۔ یہ دونوں حدیثیں صحت اور شریعت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر بھی علماء و زمانہ ان کی معصوم پر غور نہیں کرتے۔ یہی علم اور اہل علم کہاں چلے گئے؟

دین میں کسی نئی باتیں پیدا ہونے لگیں؟ جن کا زیادہ عقد اس جماعت کے ہاتھوں پیدا ہو رہا ہے جو علم کی طرف منسوب ہے۔ ان کے پاس بجز الفاظ نقل کر دینے اور زبردستی بحث و مناظرہ اور فقر و مہابت کرنے کے کچھ نہیں رہا۔ یہاں علم اس طرح حاصل نہیں ہوتا نہ اس کا یہ طریقہ ہے۔ علم کو اتنا جانتے سے

اس گفتگو اور واقعات رائے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی کو ملاحت میں فرمایا :-

مصرح جابر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو قرینہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس پر چہنہ درجہ سے کام لے :-

اس حدیث کے فوائد پر گفتگو کرنے سے پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو جو قرینہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس پر چہنہ درجہ سے کام لے :-

خلاصہ واقعہ غزوہ خندق  
سودا قد یہ ہے کہ جب صحابہ غزوہ الخزاب سے واپس چھوئے (جس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں) کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کے لیے شرقی جانب میں بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوائی کہ اسی طرف سے مدینہ دشمنوں نے اپنے کارہستہ تھا باقی تین سو سائوں، شیلوں اور لوگوں کے مکانات کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ فوج ابھر کر نہیں آسکتی تھی۔ ایک ایک دو دو آدمی آسکتے تھے تو ان کے دھکے کو تیرہ اناڑوں کی مختصر جماعت کا کافی تھی۔ یہ لڑائی سترہ میں ہوئی ہے اس کے باقی یہودی نے بغیر سترے جو چند سال پہلے مدینہ سے جلد وطن کئے گئے اور غیر میں جا رہے تھے۔ انھوں نے حکم کیا کہ قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ابھارا اور یقین دیا کہ خبر کے یہودی بھی تمام سے ساتھ ہوں گے اور یہود جو تیرہ تھے جو مدینہ میں رہتے ہیں ہماری معاونت کریں گے۔ چنانچہ ان کے لیے اپنی فوجی جمعیت کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ اطراف و جوار میں کے وہاں کی بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ مدینہ پہنچے پہنچے ان کی تعداد اسی ہزار ہو گئی۔ جو قریش نے ان کی کثرت پر میر و سر کے مسلمانوں سے فخری کی اور نقصان کے قریب کے ساتھ ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پسند فرمایا

## حدیث

## غزوہ بنی قریظہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہر کے بعد) غزوہ الخزاب سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو آپ نے ہم سے فرمایا کہ کوئی شخص عمر کی غار نہ پڑے۔ مگر جو قرینہ (کے محل) میں (پہنچ رہی ہیں وہاں جو رہے۔ غار عمر کی وجہ سے ناخبر نہ کرو۔ غار وہاں جاکر پڑھو) تو صحابہ یہ حکم سنتے ہی دوا نہ ہو گئے جن میں سے اکثر تو غار عمر کے وقت جو قرینہ کے محل میں پہنچ گئے اور ایک جماعت کو دس سہریں عمر کا وقت ہو گیا تو ان میں دو فریق ہو گئے (یعنی سترے نہ لیا کہ عمر کی غار نہ پڑے۔ یہاں ہم کو اس ارشاد کی پوری تعمیل کرنا چاہیے) بعض نے کہا ہم تو دس سہریں ہیں (غار پڑے بیٹھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہ تھی کہ غار کو وقت کر دیا وقت مکر وہ ہیں اور اگر وہ جگہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ غار عمر کی وجہ سے دوا ہی میں ناخبر نہ کر دے۔ سو ہم نے روایت میں ناخبر نہیں کیا بلکہ حکم کے ساتھ ہی دوا نہ ہو گئے اور جب ہم نے حکم کی تعمیل کر دی ہے تو آپ راستہ میں غار پڑھتے اور جو قرینہ کے محل میں غار پڑھنا ہر سہری (پھر دونوں فریق کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا بے اس فیہی اعلان پر کمر بستہ فرمایا اور فرمایا  
اور پھر دونوں ملک اختیار کیا وہاں قیام کر کے دین کا رٹا لگایا اس وقت مسلمانوں میں  
کچھ لوگ زخمی بھی تھے جن کو قریش کی تیر بازی سے زخم لادی گئے تھا وہاں ان کو سامنے  
لے کر واپس ہوئے اور بدین سے بقیہ انھوں کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا کہ کسی وقت  
جبریل علیہ السلام ہتھیار بند قریش لائے اور کیا گیا آپ ہتھیار رکھنا چاہتے ہیں  
ہاں کہہ دیا ابھی تک ہتھیار بند ہیں آپ نے فرمایا اب کیا حکم دیا ہے میں نے  
یہ بے ہتھیار بند ہونے کی ضرورت ہے جبریل علیہ السلام نے کہا بنو قریظہ پر حملہ کرنا  
اور ان کو غدار کی مزا دینا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے قریش سے حکم پہنچا یا کسی وقت (بنو  
قریش کی طرف) پہنچا ابھی ہتھیار بند نہ ہوئے اور بنو قریظہ انھیں کے مقابلہ کو گئے  
تھے ان کو بھی حکم دینے کو اس وقت (بنو قریظہ کی طرف) روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ صحابہ  
روانہ ہو گئے۔ ان میں جو زخمی تھے وہ بھی دودھ توڑیں کہ اسلام لائے ہوئے نکل کھڑے  
ہوئے۔ مہین اسلام (یعنی انھیں قریش) نے (رات کی سڑی سے بے تاب ہو کر اگرچہ  
بے قرار اختیار کر لی تھی مگر محبوب نکلے پھر تو اس دست ہوئے تو اپنی اس حرکت پر  
حکم ہوئے اور دوبارہ لوٹ کر دین پر حملہ کرنے کی طی کر گئے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا  
کہ دین باری سے (شعبان بہت زخمی ہو چکے ہیں اور پھر اسے ہمارے کی خبر سن کر خندق  
سے پہرہ بھی اٹھایا گیا ہوگا۔ اب ہم کو دلشہادہ یہ میں کس جہاد شہر نہ ہو گا اور  
زخم خوردہ لشکر اسلام کو ہمارے مقابلہ کی سکت نہ ہوگی) وہ یہ خیالات ہی  
پکڑ رہے تھے کہ دفعہ دوسری جاسوس وغیرہ کی زبانی یہ خبر سن کر کہ شعبان خندق  
سے واپس ہوئے ہی اسی وقت (بنو قریظہ کے مقابلہ کو) نکل کھڑے ہوئے  
وہ تو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ ان کو معلوم ہو گیا کہ  
لشکر اسلام باوجود زخم خوردہ ہونے کے ان کی طرح بزدل اور کمزور نہیں ہوا  
اس کے وہی دم غم باقی ہیں تو سب (کچھ ہی کو) واپس بھاگے چلے گئے اور  
اللہ تعالیٰ نے (اسی عنایت اور رحمت سے) مسلمانوں کے سر سے وہ بٹالہ لے دی

شکر کے اندر وہ کبھی مقابلہ کا حکم دیا۔ حکم قریش نے خندق کے پاس قیام کیا کیونکہ شہر میں  
گھنے کا راستہ وہی تھا کہ خندق کا عرض دیکھ کر ان کے حوصلے بہت ہوئے۔  
اس کا جو رکن آسمان نہ تھا۔ دو چار ہماروں نے خندق میں گھوڑے ٹالے بھی مگر  
مسلمانوں کی تیر اندازی سے ان کو پلر ہونے کی ملت دی۔ ایک دو ہمارے بہت  
کمرے پلے بھی ہوئے تو حضرت علی اور حضرت زبیر جیسے ہماروں کی حکمرانوں نے  
ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب قریش نے خندق کے کنارہ سے مسلمانوں پر  
تیر بربسانے شروع کیا تو مسلمانوں نے بھی تیر بازی سے ان کو جواب دیا۔ کئی  
دن تک اسی طرح مقابلہ رہا۔ سڑی کا موسم تھا۔ قریش کا لشکر کھلے میدان میں بڑی  
سے پریشان تھا۔ اور سامان رسد بھی ختم ہونے لگا تو قریش نے بنو قریظہ پر اتفاقاً  
کیا کہ وہ اپنے کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کر دتک وہ ہماری طرف متوجہ ہوں اور ہم  
خندق کا جو رکن کے شہر میں کھس جائیں۔

بنو قریظہ نے قریش کی کمزوری اور بے بسی دیکھ کر ان کی موافقت سے  
پہلوئی کی اور دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلہ کرنا چاہی ابھی وہ پیام  
صلہ نہ بھیجے پاس گئے کہ اسی رات عتدی بنو قریظہ نے ذر سے علی جس سے قریش  
کے غیور کی طنائیں ٹوٹ گئیں۔ کھلے میدان میں بیخون کی پناہ بھی باقی نہ رہی تو سب  
سے پہلے بوسنیان اپنی ساکنی پر سوار ہو کر کھدک کی طرف بھاگے ان کو جھانڈ لکچر  
تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ فتح ملک میدان باطل ماب تھا کہ کفار میں سے ایک  
بھی مدینہ کے آس پاس نظر نہ آتا تھا۔

يا ايها الذين آمنوا اذكروا النعمة الله عليكم . ذباذ نكله جنود  
فارسنا عليه فصر دجا وجنودنا سر و هاد ان الله بما تعملون بصير .  
لي قوله ودد الله الذين كفروا بغيظهم ليردنا لو احياء او كئي .  
الله المؤمنين القتال وكذا الله قويا عزيزا

جو ان لوگوں نے مزین ہر سوٹ کر چھو کرنے کی قدرت میں خود اپنا بھی حق دیکھ کر غور کیا کرتے  
 واقعہ یہی آپ سمجھ کر اس سے کیا فائدہ حاصل ہوئے۔

## کامیابی اور ادا و غیبی کا بڑا سبب امتثال امر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نصرت (اور کامیابی) کا بڑا سبب امتثال امر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ  
 کے احکام کو بجا نہ آیا جائے، تو کیونکر یقیناً یہ نعمتی شمعوں جو وہود و آدمیوں کے سامنے سے  
 نکلے جاتے نہ (دشمن سے) جڑنے کی طاقت رکھتے تھے نہ کسی کو دینے کر سکتے تھے (معنی  
 تعین حکم کے لیے نکل کر مڑے ہوئے تھے) تو جب انہوں نے حکم کے آگے گردن نہ جھکا  
 دی اور معاملہ کو اللہ کی قدرت کے حوالہ کر دیا اور زبان حال سے کہہ دیا کہ جتنا ہماری  
 قدرت میں تھا ہم نے کر دیا، آگے جو کچھ ہو گا آپ کی قدرت سے ہو گا، تو اللہ تعالیٰ  
 نے ان کی ایسی مدد کی کہ بدون مڑے کامیاب ہو گئے۔ ان کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا، محض  
 مہربانی سے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے صرف اپنے حکم کی تعمیل  
 چاہتے ہیں اور نصرت (و کامیابی) محض اللہ کے (فضل و انعام سے) ہوتی ہے جو  
 وہ اپنے اس ارشاد کی تعمیل کے لیے عطا فرماتے ہیں۔ دکان حاضنینا نصرت غیبی  
 شمعوں کی مدد کرتا ہمارے دستِ نازم ہے ۱۱

(جس کا معنی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے دستِ نازم ہے۔ اس میں بندہ کا  
 کچھ دخل نہیں۔ اس کا کام تو تعمیل حکم ہے۔ انقیاد اور تسلیم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے  
 فضل سے کامیابی عطا فرماتے ہیں) اور اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ  
 قیامت تک یہی ہے تاکہ جو اس کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد  
 کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر کسی کی بات سچی (جو سچی) ہے؟  
 اس پر سنت اللہ بدل نہیں سکتی، مگر کسی جگہ دشمن کے مقابل میں باوجود مجاہد اسباب  
 کامیابی متوجہ ہونے کے دشمن کا کام وہی ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ بہاؤ دینی احکام  
 میں کتنے سے کوتاہی ہوئی ہے، بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ

اُس کے حکم کی تعمیل کرے اور جس بات سے منع کر دیا گیا ہے اُس سے پرہیز کرے۔  
 (اور درحقیقت یہ خود بندہ کی طرف سے اپنی مدد ہے کیونکہ تعمیل احکام اور اجتنابِ ملامت سے  
 جو کچھ نفع ہے بندہ ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اعانت سے کچھ نفع نہ معصیت سے  
 کوئی نقصان، مگر یہی ان کی طرف سے نعمت پر نعمت ہے کہ اس کو اپنی نصرت فرمادیا۔  
 حالانکہ وہ اس سے بری ہیں کہ کوئی ان کی مدد کرے)

پہلے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ شرفا بندہ سے عمل مقصود ہے۔ کامیابی مقصود  
 نہیں کیونکہ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں اس کے اختیار میں عمل ہے۔ پس  
 عمل ہی کو مقصود سمجھنا چاہیے۔ ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہیے۔ جس شخص کا عمل مرضی الہی کے  
 موافق ہے وہ بے غری ناکامی کی حالت میں بھی کامیاب ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی  
 کامیابی رضا ہے حق ہے اور وہ اس کو حاصل ہے۔ اس بات کو ہمیشہ نظر رکھنے سے  
 تمام پریشانیوں کا مٹ جانا ہے۔ سالکین میں زیادہ تر پریشان وہ ہیں جو عمل  
 کو مقصود میں سمجھتے بلکہ خاص حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں جو کو وصل اور  
 وصول اور کامیابی کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حالات اور کیفیات بندہ کے  
 اختیار میں نہیں اور اور غیر اختیار کے ورپے ہوتا پریشانی غول لینا ہے۔ پس ان  
 کو تعمیل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے جو ان کے اختیار میں ہے جس کا ان کو مکلف  
 کیا گیا ہے۔ جب عمل کامل ہو جائے تو قواعد اللہ یہ ہے کہ وصول و کامیابی عطا  
 ہو جاتی ہے اور تعمیل اعمال کا طریقہ یہ ہے کہ آداب ظاہرہ کو بھی ادا کیا جائے جو  
 علامت شریعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آداب باطنی کی بھی پوری رعایت کی  
 جائے جو مشائخ طریق سے معلوم ہوں گے۔

آداب باطنی میں بڑا ادب یہ ہے کہ عمل دیر سے پاک ہو۔ رضا ہے حق کے ہوا  
 اُس سے کچھ مقصود نہ ہو اور عمل کے بعد دل میں تواضع نہ ہو۔ موجب پروا نہ ہو کہ میں  
 نے اتنا بڑا کام کیا بلکہ عمل کو اللہ کا فضل سمجھ اپنا کمال نہ سمجھ۔ (اعمال صالحہ سے طبعاً  
 فرصت اور مسرت کا ہونا واجب نہیں ہے تو عمل صالح کی خاصیت ہے کہ اُس سے فرصت

ذکا جانے گا۔ کیونکہ کمال مرئی حق کے رافق عبادہ اُس وقت بھی حقیقتہً  
کامیاب ہوں گے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے اپنے ہی نوع پر ایک شخص کو جواب دیا تھا جس نے بطور  
ظن کے دریافت کی تھا کہ آپ کے بزرگوں کی جدوجہد سے کیا حاصل ہوا؟ فرمایا  
میرا خدا دشمن میں شیریں جیسے گوشت کھ  
پاڑی اگرچہ نہ کھا سکتا تو کھو سکا  
کس نہ سے اپنے آپ کو کتا ہے مشق باز  
اسے دوسرا چھتے تو یہی نہ ہو سکا

ربا پر سوال کرتا عت کی حاجت کے اعلان کی اصلاح تو بہت دشوار ہے۔ اس  
شرط کے تو یہ معنی ہونے کو مسلمان کی وقت بھی کسی انتہائی عمل میں کامیاب نہ ہو سکیں گے  
جواب یہ ہے کہ کسی انتہائی عمل میں کامیابی کے لیے زمانہ نامحلی اور مستقبل میں اعلان کا  
درست ہونا شرط نہیں اگرچہ کمال تلاش اسی سے وابستہ ہے بلکہ حالت موجودہ میں  
اصلاح عمل شرط ہے اور یہ دشوار نہیں کیونکہ جو کچھ تو بہت سے ایک منٹ میں پچھلے گناہ  
معاذ ہو سکتے ہیں۔

پس جب مسلمان کسی انتہائی عمل کو شروع کرنا چاہیں اُس وقت سب سے  
پہلے اُن کا میر تقی میر کرنے کی جانب میں اپنے تمام گنہوں سے توبہ کرے۔ پھر  
سب مسلمانوں سے کہے کہ ہر شخص سچے دل سے توبہ کرے اس کے بعد اسے اپنا عمل  
میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے تو وہیں۔ گنہوں سے الگ رہیں نہ انہ  
کامیابی اُن کے قدم چڑھ گئے۔ پس جہاں دوسرے اسباب کے لیے جدوجہد  
کی جاتی ہے اس سب سے بڑے سبب کے لیے بھی توفیق ہی کو کشش کرنی چاہی  
کہ وہ تو کیا حرج ہے؟

شاید اس مقام پر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ امام حسین علیہ السلام  
جلاعت جرید کے مقابلہ میں کیوں ناکام ہوئے۔ وہ تو انشائیہ حکام میں اُس وقت

ونشاط اور مدد باہر حاصل ہوتی ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمۃ اللہ علیہ و  
جس گناہ کی یہ غایت ہے کہ اُس سے جس کے دل کو رنگ اور پریشانی ہوتی ہے۔  
حدیث میں ہے:

”ذو سبب حیات۔ دس دس بیسٹ فائٹ ہوٹیں“  
عُجب یہ ہے کہ عمل کو اپنا کمال سمجھے۔ جس کا لڑی شریہ ہے کہ دوسروں سے  
جوش کے برابر عمل نہیں کر سکتے اپنے کو افضل سمجھے اور یہ ادب ظاہر نہ ہو بلکہ جیسا  
مجاہدہ ہوا میں ہیں۔ اسی طرح عباد خدا میں بھی ہیں۔ مسلمانوں کو جیسا دوسروں میں  
بھی ان ادب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مثلاً ظاہری ادب یہ ہے کہ فحشی شرعی سے  
جہاد کی اجازت ہو اور جن شرائط کے ساتھ جہاد شروع ہے وہ سب مانع ہوں اور  
باطنی ادب یہ ہے کہ اعلا کلمۃ اللہ کے جو کچھ مقصود نہ ہو۔

پہلے سے سیاسی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کو بھی اپنا چاہیے کہ  
نعمت الہی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کے حق میں امتثال حکم ہے۔ مسلمان  
کو اسی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں مگر جہاد سے سیاست دونوں اس سب سے بڑے سبب  
کا تو بہت کام نہیں کر سکتے۔ دوسرے اسباب کے پیچھے چڑھے ہوئے ہیں۔

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ بعض دفعہ علماء بھی تو باوجود اصداء۔ اعلان کے ناکام  
ہو گئے ہیں کامیاب نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ اعلان دو قسم کے ہیں۔ ایک انفرادی جو  
ہر شخص کی نیت سے بلکہ الگ متعلق ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے عمل کی اصلاح سے  
کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرے انتہائی جو مسلمانوں کے۔ جماعہ سے متعلق ہیں انفرادی  
اعمال میں مصداق بھی ناکام نہیں ہو سکتے جبکہ متشانی حکم میں انھوں نے کوئی ناکامی نہ کی جو  
اور انتہائی اعلان میں کامیابی کے لیے جماعہ صلی کا اصلاح عمل کافی نہیں بلکہ جماعت کی  
جماعت کا عمل درست ہونا چاہیے یا کم از کم اُن میں سے اکثر کا عمل درست ہو۔  
اگر ایسا نہ ہو بلکہ اکثر کا عمل مرئی حق کے خلاف ہو، تو نعمت کو کامیابی ناکام نہیں۔  
لیکن اس محرت میں اگر ناکامی ہو تو توجہ دے کہ کوئی ناکام کیا جائے گا ہر شخص کو

کی فقہاء فرمایا اور تاریخ شاہد ہے کہ قتل امام حسینؑ کے بعد بڑے بڑے جماعت بڑے سب کے سب عامۃً اہل اسلام کی کنوئیں میں ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ ان کو کسی سے ٹھکھٹانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ہر طرف سے ت پر ہزولت و نفرت کے گھسے برس رہے تھے۔ عرم کے بارے کسی بکر مرٹھانے کے قابل نہ رہے۔

شمات امام نے اہل باطل کا باطل پر ہونا اچھی طرح دنیا پر روشن کر دیا اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسر بالمعروف و نہی منکر میں اگر جان کا خطرہ ہو تو صاحب حق کو تنہا اپنی جان پر کھیل جانے کی اجازت ہے اس کو افتاء نفس فی اللہ کے دیکھا جائے گا کیونکہ اس سے گونا گویا اہل حق کو نفع نہ ہو مگر ہائے مسلمانوں کو اصلاح عقیدہ کا کاغذ حاصل ہو گا کہ منکر کا منکر ہونا اور بدعت کا بدعت اور قبیح ہونا سب مثل نوں پر رواج ہو جائے گا۔ کفار کے مقابلے میں اس طرح جان پر کھیلنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو کچھ نفع ہے نہ اصلاح عقیدہ کفار کی توجہ اور اگر کسی وقت کوئی نفع مشعور ہو۔ شکی ہے کہ اس سے کفار کے دلوں میں ہیبت و رعب قائم ہوتا ہو یا ان کی اخلاقت ہو کہ مسلمانوں کی جان بازی سے ان کے دل ملیں تو وہاں بھی اس کی اجازت ہے۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔ امید ہے کہ اب اس مقام پر کوئی شکاں باقی نہ رہا ہو گا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امتثال احکام سے نفرت کا وعدہ کفار کے مقابلہ میں ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں۔ اگر مسلمان باہم خیال کریں تو صلوا کا غلبہ لازم نہیں۔ و فیہ حافیہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱۱۲) خوی کلام بھی بمنزلہ نص کے ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوی کلام پر بھی ایسی

طرح عمل واجب ہے جیسا نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ خوی کلام وہ ہے جو کلام کی قوت (الدرائدہ اور قرینہ حال) سے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے یہ فرمایا کہ بتو قریباً کی طرف روانہ ہو جائیں تو وہ سمجھ گئے کہ مقصود

سب سے بڑے ہوئے تھے اور ان کے ہوازی بھی سب ملنا دیتے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ نفرت اور کالیابی کے لیے امتثال حکم بہت بڑا سبب ہے مگر تنہا یہ کافی نہیں بلکہ دوسرے اسباب کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ان کے ایک یہ ہے کہ اہل حق کی جماعت سے بلی باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ نہ ہو۔ اہل حق کے پاس سامان و سدد وغیرہ کی کمی نہ ہو۔ اگر اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ ہو یا اہل حق کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ ہو۔ نہ مکین سے سامان و سدد کے آنے کی امید ہو تو اس وقت اہل حق کو میدان سے بھاگ جانے یا دشمن سے ذب کرنا منع کر لینے کی اجازت ہے اور صبر و دلہا ایسا کرنا واجب ہے جبکہ مقابلے سے مسلمانوں سے نفع پہنچنے کی امید نہ ہو۔ درحالیہ یہ کہ حضرت امام کی جماعت اہل باطل کی جماعت کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ بچے بڑے سب خاک پر پستی آؤی تھے اور لشکر بڑے چار ہزار سے بھی زیادہ تھا۔ پھر حضرت، ماتم کی جماعت کا پانی بند کر دیا گیا تھا۔ سب کے سب پیاسے تھے۔ اس حالت میں مقابلے کے بڑا اسباب مجتمع نہ تھے۔ اس لیے حضرت امام کو شرعاً وہاں سے بھاگ جانے یا شیعہ کرنے کی اجازت تھی۔ بھاگنے کا نذر سستہ بند تھا کیونکہ دشمن سے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا۔ صلح کے لیے حضرت امام نے پیام بھیجا تو انھوں نے اس کو بھی ٹھکرایا۔

اب حضرت امام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا بڑے کی بیعت قبولی فرمائیے اور اس حالت میں شرعاً اس کی اجازت تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ نے اسی وجہ سے اس کی بیعت قبول کر لی تھی کہ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ پاتے تھے یا باطل کو بچا دھانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے شرعاً اس کی بھی ان کو اجازت تھی کیونکہ اس صورت میں اگرچہ بظاہر اہل حق کو کچھ فائدہ نہ تھا۔ مگر ہائے اہل حق اور اہل باطل سب کو یہ نفع پہنچنے کی توقع تھی کہ اہل حق کو باطل کے سامنے سرخوں ہونے سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو جائے گی۔ ان کی ہمیں اہل حق کے لیے ہند ہو جائیں گی اور جماعت بڑے کو ہمارا سر باطل ہونا واضح ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی دوسری صورت



قال کے لیے ٹھکانے اس لیے آپ نے مقدمہ کو مختصر بیان میں فرمایا۔ کیونکہ قربت کلام سے مجاہد آپ کا مطلب سمجھ گئے۔

### جہاد و نفس اور جہاد شیطان میں کامیابی کا طریقہ۔ التجاہے

یہ جہاد صغر کے متعلق حکم تھا جس میں دشمن سے (یعنی کافروں سے) مقابلہ ہوتا ہے۔ یہی حکم جہاد اکبر کا ہے جس میں نفس کے ساتھ جہاد ہوتا ہے جس کو اس میں بھی اعداؤ فیزی اور کامیابی کا بڑا سبب انتقال امر ہے) اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

و اما یزید نہ تفت من استیغاث نزع فاستعذ بالله۔

”اور آپ کو شیطان کی حرص سے کوئی دوسرا پریشان کرے تو اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔“

اس میں جہاد و نفس اور جہاد شیطان کے لیے اللہ کی طرف التجاہد کو کامیابی کا سبب بتلایا گیا ہے کیونکہ احوال میں قدرتیں ہوتی ہیں کسی کے مناسب کامیابی کا فوریہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان اور نفس کا معاملہ زیادہ سنگین ہے تو اس کے مقابلے میں کامیابی کا فوریہ محض التجاہد قرار دیا گیا ذکر اللہ کی پناہ طلب کرو، اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ، جیسا نفس کے مقابلہ میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق ہی جہاد کیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

والذین جاهدوا فینا لنھدھنھم مھدنا

”وہ جو لوگ ہمارے واسطے لڑ رہے ہوں گے (یعنی جہاد کرتے ہیں) ہم ان کو اپنے لڑنا دلربا کر کے راستے دکھا دیتے ہیں۔“

انسان مجاہد میں اعداؤ (فیزی) کا فوریہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے پتے دل سے مدد مانگو (تو اس کا کامل بھی استفادہ و التجاہد کی طرف مجاہد چنانچہ فرماتا ہے: لا تھبذ ایتام فتعین اے اللہ! ہم آپ ہی عبادت کرتے ہیں یہ تو

مجاہد نفس ہوں) اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یہ التجاہد ہوتی جو مجاہد میں کامیابی کا وسیلہ ہے) اسی لیے بعض اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جب مجاہد برکونی مصیبت نازل ہوتی ہے خود کسی قسم کی ہودا ہر کیا یا ہمنی، تو نہیں، سب میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ پھر اس کی پروا نہیں کرتا اور اللہ کے جہاد طریقے ہیں ایک یہ کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول، صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد فرمایا ہے:

من شغلہ ذکر من استقی اعطیت ثلثا فغل ما اعطی سائلین  
”جو شخص میری یاد میں رہا مشغول ہو جائے کہ مجھے، مجھے اور دوسرے کو اللہ کی بات

اسے قسمت دے، ہمیں اس کو مانگتے ہوں اور ان سے زیادہ دیتا ہوں۔“

دوسرے معصوم جن کو ذکر اللہ اور عبادت میں ہر تن مشغول ہو جانا بھی التجاہد ایک خود ہے) ایک صورت یہ ہے کہ حدیث (خیرات) کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے استغنی عن حوائجکم بالصدقۃ اپنی حاجات میں یہ کامیابی ہونے کے لیے حدیث سے مدد لو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دُعا میں مشغول ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من دعا بعد الدعاء فقد فتح حیدہ ایو اب الخیر جس کو دعا کی توفیق ہو گئی اس پر خیر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اگر گناہ (غیروں) کے مجبور کو اختیار کر لیا جائے پھر تو کیا پوچھنا؟ کیونکہ اہل توفیق کا اشارہ ہے کہ خیر حاصل ہونے کا موجب بھی ہے وہ میں خیر ہے فوہ الوجہ الی حسن زیہ دلیل علی ان خیر الکلام الی قولہ ہو عن الخیر۔

یہ معصوم آپ زور سے کہنے کے قابل ہے جو لوگ انہما سے سلوک میں کسب فی میں مبتلا ہو جائیں یا دوسری قسم کی پریشانی بیش اسے ان کو اسباب سے

کاربنا پائیں۔ اے اللہ! اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی، جہنم اللہ من جہنم منتظر المراء و مصورا و جہنم نور با لکھا ہوا و منقورا۔

دعوت کرنے لگتے تو فرشتہ اُس کے سر پر چوٹ لگا کر کہتا ہے :  
 ”پست ہو جا خدا تجھے ذلیل کرے“ اور اگر تو منع اختیار کرے تو فرشتہ  
 — کہتا ہے :  
 ”جند ہو جا ! خدا تجھے دعوت (دعوتِ بد) دے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے وہ دردت عطا فرمائیں جس سے اللہ تعالیٰ  
 ہم کو اپنا مقرب بنالیں۔ (آمین)

قوله الوجه السادس فيه دليل صولي في قوله من الله  
 عيسى بما به يقربنا اليه بمنه ۱۱

✽

(۱۱۳) نفس کا مُردہ ہونا ہی حیات سے  
 اس میں سوچنے کے باقی۔  
 فرماتے ہیں : ”نفس کا مُردہ“ ہی اُس کی زندگی ہے۔ جو شخص حیات کا طالب ہو اُسے مُردہ  
 بن جاہ پابینے (اس مطلب کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے موقوف قبس) ان  
 تنویراً، مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔

یعنی ظاہری موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو مُردہ بدست زندہ بنا دو۔ اپنے  
 ارادہ و اختیار و تجویز اور دعوے کو خفا کر دو، کیونکہ حضراتِ معارف کی نظر میں جب  
 اپنے نفس کی کچھ وقتِ مذہبی اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں موت پر راضی  
 ہو کر نکل کھڑے ہوتے۔ کیونکہ جو شخص اس حالت سے نکلے گا جو ہم نے معارف کی  
 حالت اور پر بیان کی ہے وہ موت ہی کے ارادے سے نکلے گا تو وہ اُسی وقت  
 نصرت (اور کامیابی) اور ثوابِ رستگاری سے کامیاب ہو گئے۔

جس نے جو دولتِ باطنی پائی ذلتِ نفس سے پائی

یہی بن توین کا حال ہے کہ اُنہوں نے جو کچھ پایا اسی سے پایا ہے کہ  
 اُن کی نظروں میں اپنے نفس کی کچھ قدر و قیمتِ باطنی نہیں رہی اور وہ دہر  
 دقتِ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان دینے کو تیار رہے ہیں اور ابلی و دنیا اپنے  
 نفس کی محبت سے ذلیل ہو گئے۔ اُن کے لیے یہاں بھی ذلتِ لازم ہو گئی اور  
 وہاں بھی۔

حدیث میں وارد ہے کہ ہر بندہ کے سر میں اُس کی (مصلحت) مکتب ہے  
 (جس کی باگش) فرشتے کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ بھڑائی اور بے بسی کی

ع پس کوئی لفظ اصل کی ہے چھوٹ گیا ہے یہاں، اپنے ذوق سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔



کو ہم آدمی کس طرح کہیں، بڑا پہنے نبی کی سنت کو چھوڑتے اور اپنی بری عادات کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔

قوله وجه ماثب به من الله حقيقه الخير من الله  
ال قوله وينثرون مادة فوسفهم اذمية -

ف یہ ہے تفویض حقیقی کہ آدمی اپنی اصل میں بھی اربع سنت کا اہتمام کیا جائے۔  
صوفی معتقین کے نزدیک وہ لوگ آدمی نہیں جو سنت پر یہ کو چھوڑ کر ہم دروغ  
کو اس پر ترجیح دیں۔ واللہ اعلم -

یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ثواب کا مدار مخالفت نفس ہی پر  
کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حاد نسیات انشائی امر ہے تو وہ نفس کے موافق ہو یہ منہوت  
ہو خوب سمجھ لو۔



سے افضل اور اتم الدم زمین قربانی کرنا، ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے  
کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اسی کو پہلے تناول کیا جائے داس سے  
یہ ثابت ہوئی کہ بعض دلدل اُن افعال میں بھی ثواب ملتا ہے جو خواہش نفس کے  
موافق ہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ یہ ضرور میں کہ ثواب اُن کام میں ملتا ہے جو نفس  
کے خلاف ہو۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے  
پہلے گوشت کھاتے تھے؟ تو اللہ اعلم اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل سنت کے  
کے ساتھ تشبیہ ہو جائے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلا کھانا جو خلقی کھا نہیں گئے  
اُس بھلی کا گوشت کھاتے تھے۔ اگرچہ ہم پر تمام فضائل کا مدار ہے (اور یہ بھی احتمال ہے کہ  
کبھی بھلی تیار ہو جاتی ہے گوشت کے پکے میں دیر ہو جاتی ہے اس لیے آپ  
پہلے بھی تناول فرمائیے تاکہ زیادہ دیر تک بھوکا رہنے سے تکلیف نہ ہو۔

مذمت مخالف سنت و ترجیح عادت یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل  
کے اہل تشیع و دنیا داروں کا یہ  
طریقہ یہ کہ عید امانی کی رات میں پہلے سے گوشت تیار کر کے اور شہم قسم کے کھانے  
پکاتے اور قربانی کا جو نور دیکھ کر منے سے پہلے ہی کھا لیتے ہیں سنت کے خلاف ہے۔  
یہ تو اُن کا حال ہے جو قربانی کرتے ہیں اور بہت سے تو قربانی چھوڑ کر سنت  
کی مخالفت کرتے ہیں کہ (باجود صاحب نصاب ہونے کے قربانی نہیں کرتے)  
غرض بعض دلدل شریعت کے اچھے کام بھی اُن بدعتوں اور مخالفتوں سے دھمک دیتے  
جانتے ہیں جن کو لوگوں نے اپنا دستور العمل بنالیا ہے (چنانچہ قربانی کرنا سنت ہے مگر  
اس کو سنت کے موافق ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ روایات کے موافق ادا کیا جاتا ہے کہ قربانی  
سے پہلے ہی انواع و اقسام کے کھانے تیار کر کے کھا لیتے ہیں حالانکہ سنت  
یہ ہے کہ مسکے پہلے قربانی کا گوشت کھا لیا جائے) اور یہ لوگ بطور حجت کے یہ  
کہہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت (اور قوم کا عودا) ایوں ہی ہے مگر ایسے لوگوں

ہماری عید کا ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے ساتھ) اُن کاموں کو بھی تو بتل دیا ہے جو ان دنوں میں جائز کئے گئے ہیں۔  
 راستے ہی پر گفتگو نہیں کیا کہ یہ دن ہماری عید کا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:  
 انھا میام اکل و شرب و ذکر اللہ۔ جس پر دن کھانسنے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے ہیں ۵

جس سے معلوم ہو کہ مسلمانوں کی عید دوسری قوموں کی عید کی طرح لمبو و لعب کی عید نہیں بلکہ ذکر اللہ کی عید ہے (تیز ارشاد فرمایا) انھن حایم ل یقہا، واقعہ اللہ عام سب سے افضل مل جو ان دنوں میں کیا جاتا ہے خون بہانا (یعنی قربانی کرنا) ہے اور اس میں مسرت یہ ہے کہ اپنی قربانی میں سے خود بھی کھائے۔ حدیث بھی کہے (دوسروں عزیزوں کو) ہدیہ بھی دے۔ غرض ان دنوں میں سب سے اعلیٰ عبادت مشروع کی گئی ہے یعنی ذکر اللہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:  
 حاصل آدمی پہلا اچھے لمحہ صحت عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

اُن کی کوئی عمل اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں کرتا ۵

اور قربانی میں مال کا خرچ کرنا بھی مشروع کیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تنافوا فی انھا منھا مطلقا لکمال الجنۃ۔ قربانی کی قیمتوں میں دل کو مل کر خرچ کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے (پہنچانے کے لیے) تہنیتی سوار ہیں۔ اور قربانی میں صدمہ بھی مشروع کیا گیا اور صدمہ جیسا حدیث میں ہے تحفظ غضب اللہ کے فخر کو کم کرتا ہے۔ پس ان دنوں میں جہاں جہاں نفس سے منع کیا گیا ہے وہ عزت و رزہ ہے، اور کچھ نہیں۔ باقی عبادات سب مطلوب ہیں خواہ و جزا یا تنبیہا کیونکہ فرض (واجب) کو بشرط قدرت کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتا نہ عید میں نہ اور دنوں میں اور یہ حدیث (جو اس باب میں مذکور ہے) تمام مستحبات کی ترغیب جمع ہی ہے اور ان ایام میں اُن کے ادا

## حدیث

## العمل فی ایام التشریق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی زمانے میں مل کر ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں اور ایام تشریق (تین) صحابہ نے کہا: رسول اللہ! اور جدا بھی نہیں فرمایا، جدا بھی نہیں مگر یہ کوئی شخص اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال دے پھر کچھ بیکار پس نہ ہو ۵  
 شرح: ابراہیمیت، بتلادیا ہے کہ کسی زمانے میں مل کر ان ایام تشریق کے عمل کے برابر نہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں ۵ اس پر چند دھڑ سے کلام ہے۔

## ایام عید عبادت کے لیے ہیں ابو و لعب کے لیے نہیں ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ ایام گریہ عید کے دن ہیں مگر عبادت کے لیے (۱۱۶) ہیں سو (و لعب) کے لیے نہیں ۵ تو اُن مل جو چیزیں دیکھیں ان دنوں میں کی جاتی ہیں وہ اس حدیث سے منع ہیں۔

اب اگر کوئی دنوں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اجتماع کرے لکل عید و ذیادہ عید نا، ہر مسرت کی ایک عید (ہوتی) ہے اور یہ دن

مٹنے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے توڑکیوں کو دھو کر پانی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطان کا بیج ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے اللہ کے رسول! (اپنے حال پر) رہتے دو کیونکہ یہ عید کا دن ہے اور ان کو بھی اپنا جی خوش کرنے دو) اگر یہ حدیث صحیح ہو تب بھی اس میں (تجاوز و مودت کے لیے) کچھ جوت نہیں کیونکہ دنیا ہر روز واقعہ ابتداء کے اسلام کا ہے۔ اسی وقت تو شراب بھی حلال تھی، سود بھی حلال تھا، جو بھی جائز تھا اور بہت سے فرائض اس وقت تک فرض نہ ہوئے تھے۔ پھر حکم اس کے خلاف جاری ہوا اور شراب و ربا و قمار حرام کر دیئے گئے اور بہت سے فرائض لازم کئے گئے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ کونسا دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انما جعلت بکسب الدف والمعاماتیں تو وہ چیزوں و ربا ہوں کو توڑنے کو مباح ہوا ہوں۔

یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم (محسوس) نکلے اور انہوں کے ہاتھوں سے دین اور بائیس چھین کر توڑنے لگے تو جن چیزوں کی اباحت ابتداء کے اسلام میں اصل احادیث سے معلوم ہوتی ہے پھر ہمیں اس کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اُن احادیث سے یہ حجت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے:

لھو المؤمن لا یكون الا فی ثلاث فی دعبہ من قعہ و تادبہ لدرہ و ملاعبہ لکھلہ۔

”کہ مومن کا موہ (و لعب) تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا (۱) اکان کے ساتھ تھوڑا دھڑ کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستہ کرنا (۳) اپنی بیوی سے دل لگی کرنا (۴) اس کے ساتھ بکھینا) پھر ان تین پر جو بھی چیز کا اضافہ کیسے ہو سکتا ہے؟

عہ احقر کہہ کر بقیہ لکھتا ہے فقہ اعربہ فی شام و لعلہما ۳۰

کہنے کو دوسرے پیام سے افضل بناد ہی ہے جس سے تاکید مقصود ہے لکن ان ایام میں دوسرے دنوں سے زیادہ منجبات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان ایام کا بر محل جہاد سے بھی افضل ہے۔

**اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے یا ان ایک**  
ان ایام میں اعمال کی فضیلت کسی علت کی بناء پر ہے یا تہہ محل ہے (جس کی کوئی علت نہیں ہو) (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ایک غفلت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ تو بد شرعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے جیسا مغرب و عشاء کے درمیان غارت پر کرنے کی فضیلت وادب ہے کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت کا وقت ہے۔ اسی طرح قیام لیل (اور تہجد) کی فضیلت کو وہ بھی غفلت کا وقت ہے لوگ اس وقت غفلت اور نیند میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی فضیلت کیونکہ اس وقت بھی لوگ اپنے اسباب (معاشر) میں غافل ہوتے ہیں غرض اسی بہت ظہیر میں (جس سے اوقات غفلت میں عبادت کی فضیلت ثابت ہے) تو چونکہ یہ ایام عید بھی کہلنے، بننے اور نفس کی راحت کے دن ہیں اس لیے ان دنوں میں لوگوں پر نیند اور غفلت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے (تو جس شخص ان دنوں میں عبادت اور ذکر میں لگا رہے گا اس کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگی)۔

**عیدین یا نکاح میں دفن بھانا جائز ہے یا نہیں ؟**

باقی آج کل تو نیک کاموں سے دفن، ہی، مٹے گئی۔ اب تو ان دنوں کو مودت اور حرام کاموں کے لیے غاص کر لیا گیا ہے اور حجت کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید کے دن) حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس قبیلہ بنو نضار کی چھوڑی لگا دی گئی اور (دن بجا رہی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف پشت کر کے اپنے بستر پر لیٹ

ہا جو جڑ سے بکایا جائے جیسے تھے۔ نفیری اور بین وغیرہ۔ وقت کو معافیت میں  
علم حور سے شمار نہیں کیا جانا وہ انکے جنر ہے۔ یہ فقہاء حنفیہ و شافعیہ کا مسلک ہے  
اور احوط وہ ہے جو شارع نے بیان کیا ہے کہ سب ہی سے احتراز کیا جائے۔ وائد  
اعلم بالصواب۔

**ف** یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو ایام تشریق میں عیدت کا اہتمام  
نہیں کرتے۔ اُن کو کچھ لینا چاہئے کہ اسلامی عید دوسری قوموں کی عید سے  
جدا ہے۔ اسلامی عید کا داخل یہ ہے کہ سال بھر جو نسل کو ہم بدہ اور ضلالت کے ساتھ  
عبادت میں مشغول کیا تھا چند دنوں سے خوش کر کے بھی عبادت میں لگایا جائے تاکہ  
مجاہد سے جو بڑی دفرہ ایہ قسم کی آفسوگ پیدا ہو جاتی ہے اُس کی کٹائی ہو جائے۔  
ایام عید میں جب نفس کو بچے کھانوں داچے کپڑوں اور دوستوں کی کٹاکے۔ تو اسے خوش  
کیا جائے گا تو اب وہ اشتراح اور خوشی کے ساتھ جمعوت میں لگے گا۔ پس ایام عید  
میں بھی اُن کو آزاد نہ ہو جاتا ہے بلکہ اُسے خوش کر کے کام میں لگایا جائے۔ اگر  
عید کے دنوں میں آزاد نہ کیا گیا تو وہ چند دن اور بھی آزاد ہونا چاہئے گا اور اس طرح  
آزادی کا راستہ کھولنے سے سال بھر عبادت میں غفل رہے گا۔

**ف** یہاں سے آج کل کے اہل سماع کو بھی سبق لینا چاہئے کہ وہ سماع میں اُن بات  
موسے بھی پرہیز نہیں کرتے جن کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ دیگر  
آداب سماع کی کو کیا رعایت کریں گے کہ سماعین سب اہل ہوں۔ باطنی کوئی نہ ہو۔  
سننے والا بھی اہل ہو۔ صاحب دل ہو یا مضمون بھی لغوی ہے ہود نہ ہو بلکہ وحدت  
یا کلام معرفت ہو اور سماع بھی بحالیت اضطراب ہو یا جو کہ ہون اُس کے قبض کسی طرح  
مرتب نہ ہو نہ ہوتا ہو۔ وغیرہ من الشراط الخ و کما انعم المیزب یستحقون  
الاعتل فیقبضون احسن ۛ

(۱۱۱) ایام تشریق ابتلاء و امتحان کے ایام ہیں اسی ہے کہ یہ ایام حضرت  
ایام تشریق کو ایک اور فضیلت

اور اس معنوں میں بہت حدیثیں (وارد) ہیں کہ ان تین کے سوا (موسع ہاں  
ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

ومن الناس من یشری لہو الحدیث لیرحل عن سبیل اللہ  
ۛ یعنی لوگ موسع (و لعب) کی باتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ  
سے گمراہ کریں ۛ

پس موسع یا موسع ہے عیدین جو یا غیر عیدین سوا اُس کے جو ہم نے ابھی  
بیان کیا (اور وہ بھی بعض صورتہ موسع ہے حقیقتہً موسعین۔ کیونکہ تیرنہ بازی اور کھڑے  
کی ساری بیماریاں کار آمد ہے اور بڑی کے ساتھ دل کی ہنسی کرنے میں اُس کی  
دلجوئی ہے جس سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور دوسریں میں باہم تعلق محبت  
ہو یا مصالح نکاح کی بنیاد ہے)

الوجہ الاول منہا ان فیہ ولیا علی ان حذہ ایام وان کانت ایام عید  
الی قولہ فاما موسع ۛ فہذا الاما ذکرنا انشا۔

**ف** مزامیر کی حرمت پر تو فقہاء کا اتفاق ہے اور دن کے متعلق جمہور فقہاء  
کا قول یہ ہے کہ عیدین میں اور نکاح اور خوشی کے موقع میں جائز ہے  
بشرطیکہ ویسے ہی بے قاعدہ نہ کیا جائے۔ قواعد موسیقی کے طریقہ پر ترتیب دیکھے  
ساتھ نہ ہو کیونکہ آٹا بومبا سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے بعد بھی مواقع سرور میں باغیچوں نکاح میں دن کی اجازت۔ دی ہے۔  
جس سے معلوم ہوتا کہ حدیث عائشہ موسع نہیں اور حضرت عائشہ کے گھر میں جو  
لوگ دن بھر سہی تھیں وہ باقاعدہ کھانے وایاں نہیں تھیں۔

حدیث میں تصریح ہے عبادت ان تین دنوں و لیستامعیت میں کہ دو لڑکیاں  
گدا رہی تھیں اور وہ کھانے والیاں نہ تھیں ۛ اور فقہ کہ حدیث میں غنیمت  
کا لفظ نہیں ہے بلکہ معافیت کا لفظ ہے اور معافیت وہ جاہ ہے جو باقت  
سے بہایا جاتا ہے جیسے ستارہ، دھوکہ، سارنگی، یا بونیم وغیرہ اور مظاہر میرہ

جعلۃ فکاہ نام لیلۃ " جس نے مجھ کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اُس نے رات بھر نلایا نہ ہی " اور عشاء کے متعلق فرمایا ہے: من شہد ہا فی جعلۃ فکاہ نام لیلۃ " جس نے عشاء جماعت سے پڑھی اُس نے گویا اسی رات نماز پڑھی " تو یہ کیوں یہی جماعت ادا کی گئی ہے اور وہ بھی مگر دونوں کے ثواب میں آدموں کو کافر قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ پھر اُس کے کچھ خیر، کہ شیخ کی نماز میں عشاء کی نماز سے زیادہ مشقت ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت بہت لوگ جہالت کی حالت میں اور غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں۔ عشاء کے وقت یہ بات نہیں ہوتی۔

اسی طرح، ایام تشریق کے اندر لوگ کھلنے پھینے اور راحت کرنے، بیویوں سے مشغول ہونے کے سبب زیادہ غفلت میں ہوتے ہیں۔ اس علت پر نظر کر کے یہ ایام اور دنوں سے افضل ہو گئے۔ اور ان میں عمل کرنا مطلقاً حرام کے مشابہ ہو گیا کیونکہ بنیاد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرض اور افضل، اور ان ایام میں بھی ہر طرح کے اعمال ادا ہوتے ہیں، فرائض کی نعمت و مسرت بھی۔

اور یہی احتمال ہے کہ لام عید کے دنے جو ہم سے اُن اعمال پر اشارہ ہو گا جو احادیث میں آدھ بیان ہوئے ہیں کہ یہ دن کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ لفظ کو عزم پر رکھ جائے کہ اس میں زیادہ فائدہ ہے۔ اس صورت میں ان حدیثوں کا جو خاص اعمال پر دلالت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ ان دنوں میں فرائض کے بعد ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے اُن میں سے مقدم وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ یعنی قربانی کرنا، ذکر اللہ کرنا، عذر کرنا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور اعمال نہ کئے جائیں۔ ساری اس بات، کہ انامید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے حاصل آدمی افضل دیکھی آدمی نے ان ایام میں کوئی عمل قربانی سے افضل نہیں کیا، تو آپ نے ان مخصوص اعمال کی فضیلت کے

فیصل غیر معلومہ و مستطعم کے ابتداء و امتحان کے ایام ہیں پس ان میں اس ابتداء کو یاد کر کے اور عجب سے بچنا چاہئے، پھر خدا تعالیٰ نے اُن پر حکم فرمایا کہ محنت و آزمائش کو نعمت سے اور کتنی بڑی نعمت سے بدل دیدار کہ نعمت سے ایک ذنب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدر میں آیا اور حضرت ابراہیم کو بانی سنت اخیر بنا دیا گیا کہ اب قیامت تک کی تمام قربانیوں کا ثواب اُن کو بھی ملتا رہے گا۔

ان دو صفوں کی وجہ سے یہ ایام تمام ایام سے افضل ہونے اور اللہ سبحانہ جب اپنے بندوں میں سے کسی پر کوئی احسان فرماتے ہیں اس کو زائل نہیں کرتے ہیں اُن کے ہے، ہنر فضیلت کو بانی رکھا اور اس میں یہ زیادتی قربانی کی نعمت کو بھی باقی رکھی یعنی (ہمیشہ ہمیشہ کو) اُن کے لئے قربانی اور اُس کے تعلقات مشروط کر دیئے گئے ذکر نماز بھی پڑھیں۔ بیکری بھی عید کی نماز میں زیادہ کیوں اور ہر نماز کے بعد بلند آواز سے بکری است تشریق کی باندی کریں) اور محنت (و مشقت) کو بھی اُن سے مرتفع کر دیا۔ یعنی بچوں کے ذبح کرنے (کے حکم) کو (قبل از عمل ہی مشورہ کر دیا گیا)۔ اب ان کی مگر جانوروں کی قربانی واجب کر دی گئی۔

کیا ایام تشریق میں بر عمل و دستر ایام کے اعمال سے افضل

ہے؟ یا خاص اعمال ہی افضل ہیں؟

یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و احادیث میں اعتدال و لام جنس کا ہے کہ اس فضیلت میں فرائض و مستحبات علی اختلاف الدرجات سب مساوی ہیں یا لام حد ہے جس سے مخصوص اعمال مراد ہیں؟ تو لفظ کا صیغہ (اور اس کی صورت) دونوں کو ممکن ہے۔ پس ان ایام میں جو فرائض ادا کئے جائیں گے وہ بھی دوسرے ایام کے فرائض سے افضل ہوں گے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے متعلق فرمایا ہے من شہد ہا فی



طور پر بین فرمایا ہے۔ درجن اعمال کو افضلیت کے طریقہ پر بیان کیا جاسے۔  
 ان کے ساتھ دوسرے اعمال بھی جمع ہو سکتے ہیں۔ در اگر کوئی ان اعمال (مخصوص) پر  
 قادر نہ ہو دوسرا قربانی کی وسعت میں مدد کر سکتا ہے۔ تو فرض میں سے زیادہ  
 کچھ نیک کام کر سکتے ہیں۔ اپنے کو عودم طر کے (مثلاً زکات اور کلاکات قرآن  
 اور وظائف بھی کی کثرت کرے۔)

قولہ فی وجہ الاول وفضلت این من فوراً وراعی ایام  
 التشریع الی قولہ نہ یجلی حلالہ من الخیر المأثم فی التفرغ -

(۱۱۸) فضیلت جہاد و مجاہدہ  
 حدیث میں فضیلت جہاد بھی درج ہے۔  
 ایام تشریع کے عمل کی فضیلت سن کر عن کیا دیکھا جہاد (یا دعواء اللہ)  
 اور کیا جہاد ہی اس۔ یہ (فعل نہیں) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
 سے نہ ثابت جہاد نہ ہو چکی ہوتی تو صحابہ اس طرح سوال نہ کرتے کہ معلوم  
 کر کہ جہاد کی فضیلت ان کو پہلے سے معلوم تھی اور اگر اسے متعلق رہا اللہ تعالیٰ اللہ  
 علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارو وہ ہے :

اعمال الدین فی الجہاد کبیرۃ فی البی -

" نیک اعمال جہاد کے مقابل میں ایسے ہیں جیسے محمد کے سامنے ایک کھل جانے "

یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی  
 پانچ چیزیں فرمادی ہیں اور جہاد کی اعلیٰ قسم جس صورت کو بیان فرمایا  
 جو دوسرے نوع میں شرفاً کمزور ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (الاجلین) خروج بھل  
 بنفسہ و حالہ - مگر وہ شخص جو جہاد میں نکلا اور اپنی جان و مال کو خطرے  
 میں ڈال دیا، حالانکہ دوسرے موقع میں جان و مال کو خطرے میں ڈال کر کمزور  
 ہے۔ پھر اس پر بھی نہیں بلکہ اس صورت کی افضلیت کو اس پر ہر وقت کی گئی  
 اور اس کو دوسرے رسد وال دینے کے بعد باکست محقق بھی ہو جائے چنانچہ

ارشاد ہے خلم یمن حج متبی (کہ حجاج میں سے کچھ لوگ واپس نہ ہوا) حالانکہ وہ  
 فرماتے ہیں : ولا تغفلوا بیدیکم الی اللہ تک کہ اپنے ہاتھوں خود کو باکست میں نہ ڈالو  
 (جس سے معلوم ہوا کہ جان رمان کو قصداً باکست میں ڈالنا گناہ ہے)

ما موریہ میں اسی کی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے شخص مامور بہ میں  
 اسی کی نوع سے کچھ زیادتی کرنا ہے وہ زیادہ تعزیر و حد کا مستحق ہو نہ ہے جیسا  
 توکل امور بہ ہے کہ شرط ایمان ہے۔ اس میں بھی زیادتی ہوگی اتنی ہی حد تک ہوگی۔  
 چنانچہ ارشاد ہے :

من توکل علی اللہ حق قولہ " جو اللہ پر توکل کرے پورا توکل "

اسی طرح تقویٰ کے بارے میں ارشاد ہے " اتقوا اللہ حق تقاوتہ " ارشاد  
 سے وہ جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے (اسی طرح اہل خصائل ایمان سے ہے۔  
 اس میں بھی ایسی ذات میں ہوگی کہ زیادہ ارشاد کیا جائے۔ چنانچہ حق تبارک و تعالیٰ فرماتے  
 ہیں : و یوفی علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة " اور وہ مدد دے گا  
 اپنے نو پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود مجبور کریں) اور اس کا نتیجہ کیا جائے تو بہت  
 تعزیر میں لگیں گی۔ اب جو کہ جہاد کا شروع ہوا تو جہاد کا پہلا نیک عمل ہے۔  
 تو جو شخص جہاد کے وقت پر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے گا اس کو دوسروں پر  
 فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ یہ امور میں کسی کی نوع سے زیادتی ہے (اور  
 مامور بہ میں زیادتی کرنا اخلاص اور عتق کی دلیل ہے اور اخلاص و عتق نام اعمال  
 سے بلند تر ہیں۔ نیز فرماتے خداوندی مامور بہ کو پوری طرح بھگانے سے حاصل  
 ہوتی ہے تو اس میں زیادتی کرنا طلب رہنا ہی نفاق کرنا ہے۔ جیسا کہ کوئی نے  
 (حق تعالیٰ سے) عن میں کی تمنا و حیل الی اللہ و بقرعہ (اے اللہ ! اور  
 میں آپ کے پاس ملدی کر کے آگیا تاکہ آپ راہی ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوا  
 کہ مامور بہ میں زیادتی موجب زیادتی رخصت اور اس کی پر زیادہ مدد ہوتی ہے

ہیش کرد اور انہوں کے ہنسنے کے وقت درال محبوب کا پیشینہ نکھو۔ قول العجوبہ  
 الفانی دلیہ علی فضیلة الجہاد الی قولہ عندہ فی الاذہم العزاد۔  
**ف** جاہ کو حق میں ڈرنا جہاد کے براؤں میں بڑی ہے۔ جہاد کے  
 مکتوب پر جائز ہے کہ جہاد کا موضوع بھی ہے کہ کائنات سے زمینے اشد کا  
 ہول ہوگا۔ دوسرے ارذناں بدن جان کا اذنی کے نہیں رہیں۔ جہاد تو ہاں غصہ سے میں  
 اپنے کو مارا دینا جائز کہ مہوں ہے۔ پہنچتے ہیں صحابہ سے اہل بیت ہے کہ انہوں نے  
 جہاد کے وقت پر تینا غزوات پر حملہ کیا۔ دشمن کی سطوں میں گھس گئے اور بہتوں کو مار  
 کر تلے آئے۔ یہ قاعدہ ہمت بھی نہیں ہے کہ ماحول میں اسی کی قوت سے زیادتی  
 کہ انہوں نے دوسری قوت سے زیادتی کرنا محمود نہیں۔ لانا نہ میں جہاد کی خضوع  
 خضوع ہو کہ محمود ہوگا۔ مگر اوست میں زیادتی کرنا کہ جن اوقات میں شریعت  
 نے نافرستہ کیا ہے ان میں بھی نافرستہ کرنے گئے مذکور ہے کہ یہ دوسری قوت کی  
 زیادتی ہے اسی طرح نافرستہ کی دیکھتے ہیں نہ دلی کر "مذکور ہے کہ حدود  
 سے تجاوز ہے۔ وعنی ہذا القیاس۔

۱۷

اسی ہے جب کہ صورت کی تعریف کی جاتی ہے تو کہنے میں خود اس حق پڑا حق  
 سورہے درہ اس کی انہی رسم کی مدعا ہے کیونکہ اس میں ۱۷۰ ہنے و خطوں ہیں۔ ۱۷۰  
 ہے درہ سے اس کی شمولی کا ہر ہن ہے۔

اتوال فیفسہ بدوں مجاہدات کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس میں سونہ  
 ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تم اتوال فیفسہ تک بدوں نفس نفیس کے ہلک کرے  
 اور مجاہدات سے تم کو غصہ میں ڈالنے کے عین پہنچ سکتے۔ اسی سے تم  
 انہوں کو پہنچ سکتے ہو۔ جب (اس مزار) کہینہ دینا کہ طالب یوں کہتا ہے جی  
 اساول ملک اواموت فلفذ ما میں ملک لے کے ہوگا۔ اسی  
 کی طلب میں مرزاؤں کا۔ کہ مزار شمار کیا جاؤں۔ مانا کہ دینا کا مصلحت  
 مانا میں جو اسے قولاً اتمام ہونے والی ہے (اس کو جہاد میں) اور کوفت  
 میں حکومت کا قلاب انجام یہ ہے کہ اس میں پیشہ کی گفت ہی تعیب۔  
 ہوگا۔ خواب قیاس کے نزدیک اس شخص (کی طلب) کا۔ الی و "چاہئے جو  
 دربارہ میں پیش کر مفسدہ میں سے درست وقت ہر شاہ کے زیر۔ مزار  
 ہوا مصلحت ہر کا طالب ہے وہ تو چون لے گا۔

دعویٰ یا بعد الی فی حوالہ حدیث حدیثی وید کراہی وفتقوا شہادی  
 فذلوا ما علی اہمال حیثہ للحوار والموس جود و ابا تلثم منکم ولا انکد  
 وایقوا یوصل الخلیف عبد میں الاذہم العزاد

(ترجمہ) اسے لایست گردانا سمجھئے کیونکہ درہ میں سے اس میں ہے۔  
 میں دیکھتا کہ اسے طاق دیکھ دیا ہے اس کی دیکھ میں دلی ہلا کہ اس کا قوت  
 ہی ہر شاہ ہے اور اہمال کی تیار کیا کہ لو جو قرب (مصلحت) کر۔ کے لیے  
 تیار کے ساتھ ہننے والی ہو، اور اپنی باقرب کو بدوں کیا کہ کاشت اور اس کے

باب پنجم و نهم

## حدیث

## جواز التنفل علی الدابة فی السفر

میں کہوں باقی رکھا گیا۔ حالانکہ اُس کی صورت (ان مقدوروں کی وجہ سے) بدل جاتی ہے جو اس کے معلوم ہے مگر کسی حالت میں بھی جب تک عقل باقی رہے نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی تو (جو اس میں) ہم کہتے ہیں واللہ اعلم اس میں اشد مکنتیں ہیں ایک یہ کہ نماز کفر و ایمان میں غلطی (اور غیر) ہے اور ایمان کی علامت ہر حال میں مطلوب ہونا چاہیے جیسا ایمان ہر حال میں مطلوب ہے مگر یہ کہ عقل ہی داخل ہو جائے تو اس وقت انسان مطمئن نہیں رہتا اسی طرح نماز بھی بجز زوال عقل کے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان وصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا وسیع ہے (اور جو چیز خدا تعالیٰ کے بندہ اور درمیان وصل ہو اُس کا (ہر حال میں) بندہ متعلق ہے اسی لیے نماز ہر حالت میں) باقی رکھی گئی اور عذر کے موافق طرح طرح سے اُس میں تخفیف کر دی گئی۔ جیسا سب کو معلوم ہے (کہ سفر میں چار فرض کے روانہ ہوتے ہیں۔ جماعت اور سنن مؤکدہ کا) مگر ساقط ہو جاتا ہے۔ بیماری میں قیام کی قدرت نہ ہو تو چھوڑ کر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

اسی حقیقت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واستعینوا بالضعفة والوجعة وحش من الدابة۔ (در حامل کرو و سہل کے وقت در شام کے وقت اور رات کی تاہی میں کچھ عبادت کر کے (اس سے بھی ہی مراد ہے کہ ان اوقات میں نماز کا کچھ معمول ہونا چاہیے۔) کیونکہ پندرہ ضعیف کے لیے بڑی استغاثت اسی چیز سے ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے تعلق کو بڑھانے والی ہو۔ اسی سے اُس کو اپنی اُمید کے موافق بہترین نائزہ حاصل ہو گا۔

عبادت کسی بھی وقت ساقط نہیں اور جو کچھ ہم نے نماز کے بارے میں کہلے اسی کے شاہ عبادت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز ایسی (تختہ) پڑھا کرتے تھے۔ جو عربی اُس کا رُخ ہوتا اور اس سے اشارہ کرتے تھے۔ مگر زلف (سواری پر) نہیں پڑھتے۔ (ترجمہ) ہر پڑھا دیا کرتے تھے۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہو کہ سواری پر نہیں پڑھتا سفر میں جائز ہے خود ہمارے کامز تہدیک طوط ہوں نہ ہو۔ اس پر پندرہ وجہ سے کلام ہے۔

حدیث سے نقل نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے (۱۹) نماز نفل کی فضیلت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی نماز نفل کو ترک نہیں کیا۔ حالانکہ سفر میں جو بہ مشقت کے فرائض کے اندر تخفیف ہو جانے والا تھا کہ بیٹھتا ہوا جاتا ہے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نفل کو بہر طور باقی مقبوض قرار دیا اور اُس کے لیے نماز کا اہم باقی رکھی جس کا بہانہ ناسلوب ہے۔

نماز کو کسی وقت کیوں ساقط نہیں کیا گیا۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ نماز کو مومن اور عورت اور غیر

کی شان بھی ہے ذکر وہ بھی کسی وقت ساقط نہیں بلکہ بندہ کو ہر وقت عبادت میں رہنا چاہیئے، اگر عبادت کا بانیہ اس کو مستغنی ہے کہ ہم سے عبادت اور اس کا وادام مطلوب ہے، پھر اسی کے واسطے ہم پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَةٍ**۔ میں نے جن و انسان کو بس اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، حد کو تو تعالیٰ ہی ہم سے بھی مستغنی ہیں، و رہنمائی عبادت سے ہی۔ لیکن کسی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حکمت اس کو مستغنی ہوئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

**الَّذِينَ يَعْلَمُونَ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**

یعنی وہی جانتے ہیں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کی حکمت کو یا

اسی طرح ہمارے پیدا کرنے اور ہم مخلوقات کے پیدا کرنے کی حکمت کو بھی وہی جانتے ہیں اور ہمارے حکمت اس کو مستغنی کیوں ہوئی۔ اس کے مستغنی لوگوں نے جو مختلف باتیں بیان کی ہیں ان میں ہر ایک کے لیے دلیل عقلی کی ضرورت ہے اور دلیل عقلی نبوت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کے ذریعے اس باب میں کچھ وارد نہیں ہو۔ ہیں ہمارے ذہن اس بات پر اریان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے ایک فرقہ کو بھی بدوں کسی حکمت کے نہیں پیدا کیا۔ اب اگر کسی نے طریق سے یا احتمال کے طور پر کوئی حکمت (کسی کی عقل میں جاسے اور اصول شریعت کے دینی بھی نہ ہو تو اس سے ایمان میں قوت ہوگی) چنانچہ اگر اس ناقصہ کے موافق ایمان لایا جائے جو ہم نے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور تمام چیزیں کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ضرورت و حاجت اور غرض سے منزه اور

عہ اور ہمارے وہ عقیدے کے نزدیک ہے اس لیے یہ حکمت کتنا ضعیف و مختلف الخلق کی مخلوق اگرچہ عقیدت کے نزدیک اس کا اصول صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۴

پاک بھی سمجھا جائے جس اراد کی شان کے مناسب ہے تو یقیناً اس سے ایمان ر ترقی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی یہ دولت عطا فرمائیں۔

۱۴) تنقید کے بعد پھر اسی مضمون کا ثلث خود کرتے ہیں جس پر ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ہم کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا اور جو ہم سے مطلوب ہے وہ وادام عبادت ہے۔ مگر بات تو قدرۃ انسان ضعیف البینات ہے پھر اس کو بشری ضرورتوں کی بھی احتیاج ہے۔ جیسے کھانا، پینا (سونا) وغیرہ جس کو ہم اپنے اندر برحق محسوس کرتے ہیں تو (اب دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو کسی لطیف حکمت کے ساتھ یک فرمایا ہے جس پر بدوں فیض و انوار الہام اور صفائی کے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی تھی۔

ذکر اللہ تمام عبادات میں اعلیٰ ہے وہ یہ کہ قواعد شریعت سے معلوم اعلیٰ اور عذاب الہی سے زیادہ نجات دینے والی چیز ذکر اللہ ہے نور رسول، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل عبادت یعنی ذکر اللہ کو ہماری تمام حرکات و سکنات میں مقصور فرمادیا جن میں سے بعض (مقامات) میں تو ذکر اللہ واجب ہے بعض میں مستحب ہے اور مستحب میں جس بعض کا استحباب مؤکد ہے بعض کا غیر مؤکد۔ چنانچہ آپ نے ہمارے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کھانے پینے، بھانا کمرے، بچر پڑنے، کھنڈا، تانے، بہتر چرینے، ٹھہرنا داخل ہونے، تعداد حاجت کو جانے، وہاں سے نکلنے اور شکار کرنے اور اطلاع جانور کو لڑکا کرنے اور کسی جگہ سفر کرنے جانے اور منہم باطن حوائج میں کھنڈ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا کریں اور ہر موقع کے مناسب ذکر کرنے کا طریق بھی آپ نے بتلا دیا۔ ان میں سے بعض مقامات ایسے ہیں کہ اگر وہاں اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ شے ہم پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس کا کمال نا جاننا نہیں ہوتا۔ جیسے حیوان کو ذبح کرنے، بڑے یا شکار پر گنا یا تیر چھڑاتے ہوئے بسم اللہ کہتے ضروری ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بِذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ

ۛ اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اُسے مت کہو ۛ

اسی لیے اہل کتاب کا فتنہ ہمارے واسطے حائل کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ سیدنا محمد علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کو مانتے اور نبی کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں ان کو بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہے جسے ہم اس کو کہتے ہیں اور جو اس کو نہیں مانتے (کیونکہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کے ساتھ خدا کا نام ماننا ماننے کے حکم میں ہے) قرآن کا فتنہ ہمارے واسطے ہرگز حائل نہیں کیونکہ نسبت میں تعدد جو گیا ہے۔ اور بعض اوقات میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا محض ہے جیسے بیت اللہ میں جاتے ہوئے، گھر میں داخل ہونے کے وقت، بستر پر لیٹتے ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

بعض اہل ایمان کا نام لینا مستحب ہے جیسے کسی کا نام بندھے ہوئے خدا  
 دُعا کا کام ہو یا دین کا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلسنت سے مدد لی ہے  
 کہ جب کسی کوئی کام کرنے والا ہو جائے پھر ایسے والے یا اور نوذکرینہ کرنے  
 والا اور آپ اس کے وار کوئی کام کر دیتیں تو درمیان میں دریافت کریں کہ تو نے  
 کام کرتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا ہاں بسم اللہ  
 کہہ کے ہیں تو کام شروع کیا ہے تو اس کو کام پورا کرنے دیتیں اور اگر یہ کہتا  
 کہ میں نے بسم اللہ کہہ کے کام شروع نہیں کیا تو کام پورا کرنے سے پہلے ہی اس  
 کو اٹھا دیتیں کہ اللہ کا نام یہیں نہیں لیا تو ان مواقع میں اور جو ان کے  
 مستحب ہوں ان کے لئے اللہ کا نام لینا مستحب ہے، اسی طرح زندہ سے بیدار  
 ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

تم اس عجیب حقیقت اور سہل و لطیف طریقہ میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے صنعت کی حمایت کر کے کتنا آسان راستہ عبادت کا مقروء کر دیا کہ

بندہ ہر وقت عبادت میں بھی مشغول ہو سکتا ہے اور اپنی ضروریات زندگی کو بھی پورا کر سکتا ہے) (ایک دفعہ من مطلق و ہوا لطیف الغیر)۔ کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تبداری حالت کو) نہ جانے گا حالانکہ وہ توڑا بار بار کہیں اور خبردار ہے۔ مگر یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا، بلکہ اُس کی کوئیں وہی پاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انعام سنت جوہر کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ پھر جس حقیقت کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی کی تائید کو اپنے اس ارشاد سے اور جرحا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فرمایا ہے۔

من ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ومن ذكرني في ملأ

ذَكَرْتَهُ فِي مَأْخِذِهِمْ وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَىٰ بَشِيرٍ فَقُتِلَ مِنْهُ

وَرَأَى مِنْ تَقَرُّبِ الْإِلَهِ دُعَاءَ تَقَرُّبٍ إِلَيْهِ بِأَعَانِهِ، مَا لِي يَمْشِي إِلَيْهِ

حرفِ اولہ۔ ترجمے اپنے دلی میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے دلی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے میں اُس سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک بات آتا ہے میں اُس کی طرف ایک بات بڑھتا ہوں۔ جو میری طرف ایک بات بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو بات سے زیادہ بڑھتا ہوں جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں ۛ

(مطلب یہ ہے کہ بندہ جب میری طرف متوجہ ہوتا ہے میں اُس سے زیادہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس معقولہ کو سمجھانے کے لیے اس عنوان خاص سے بیان کر دیا گیا جس کا خلاصہ مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دل سے صفت سے اور حرکت و سرعت سے منزہ ہے) نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

الذین یدکرون اللہ قیاماً وقعوداً علیٰ جنوبہم (روہ اہل عقل کون ہیں ؟ وہ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوتے ہوئے بھی بیٹھتے ہوئے بھی، لیٹتے ہوئے بھی، اس شانہ میں غور کرو کہ ذکر پر ایسا دوام ہونا

حنور (درب) حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو رحمتوں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فرمایا ہے نا جس سے من و کوئی میں اس کا ہر نشین ہوا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر تم کو کوئی عقل ہے تو مجھے کہ تجھ سے کیا قصہ کیا گیا ہے اور اسے کیوں تو کیا ہے درکنر ہے (تو اللہ کا محبوب ہے یا نہیں) اور مجھ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل بھی تیرے پاس ہے یا نہیں؟  
 قوله الوجه السادس فيه دليل على افضلية الشغل الى قوله  
 ومن انت يا حكيمن -

شارح نے اس مقام پر  
**فت سہولت ذکر اور دوام ذکر کا طریقہ** علم معین اور حکمت باہرہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو وحی کو جس کی عزت ہے اس لیے اس کو کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ تم فرما اپنے ذہن کو تو دیکھو کہ کیا یہ ایک خوب خیالات تقویٰ خواہ اور دوسروں سے خاص بھی رہتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسے اللہ کا لڑکا چاہا اور اسے ایک لڑکا ہی ملا دے نکل رہا ہے اس کی کیفیت میں خود کو تو معلوم ہو گا کہ یا تو اسے خیالات ذہن میں آئے یا باہر سے؟ اس کی اندکی طریقے روکی نہیں جا سکتی۔ کون سی نونہاس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو ممکن ارادہ کی قوت سے پید نہ ہونے دینا انسان طاقت ہے۔

خیالات آیات اسلام ہر تہ سے ظہور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ذہن کے پیدا کرنے پر قادر ہے، ذہن کے فنا کرنے پر۔ لیکن انسان کو اپنی طاقت ضروری لگتی ہے کہ اپنی توجہ ہر سے خیالات کی طرف سے ہٹا کر اپنے خیالات کی طرف مبذول کر دے یا علم نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہیں خیالات کو ایجاب خیالات میں بدل دے یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ ذہن میں یہی خیالات اضطرابی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ

چاہتے، کہ چندہ کی کوئی حالت بھی ایسی نہ ہو جس میں وہ مستقل عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اگر عبادت کا یہ طریقہ (یعنی ذکر) شروع نہ ہوتا تو دنیا سے بالکلیہ علیحدگی کے بغیر دوام عبادت کا تصور ہی نہ ہو سکتا اور یہ صورت ہماری فطری احتیاج کے منافی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس عجیب طریقے سے ہماری احتیاج کے ساتھ عبادت کو جمع فرمادیا کہ ذکر کو بھی عبادت کی جگہ پر قائم فرمادیا اور اس طرح ہم کو تمام جملہ چیزوں کی طرف اپنے فضل و رحمت سے آسان و نزدیک راستہ سے پہنچا دیا اور ہر جہ سے ہم نے بیان کیا ہے کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

اس باب کی مدشیں ہم نے یہاں بیان نہیں کیں۔ کیونکہ یہاں ہمارا مقصود اس خبر کی طرف ہٹانا کہ اگر (مخاطب کے) دل میں اس (ایم معنوں) کو ذہن تھا تو اس کی قدر کی جائے ورنہ معنی حائزون کے متعلق ہم نے ذکر کی تاکید کی ہے ان سب کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں۔ ایک (دو) نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے (ہماری) عمر و مال کی ورنہ توفیق، اپنی سے مدد کی توفیق اور اللہ ان سب عبادت کو مستقل کام بنائے ہیں کیوں گے تاکہ وہ تقویت حاصل کرنے والوں کو آسانی ہو۔ بعودہ و فضله ان شاء اللہ تعالیٰ۔ در اسی حقیقت کی وجہ سے موفیق کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوئی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اس خاص حالت کی وجہ سے ان کو خاص کام جاتا ہے۔ اس لیے موفیق نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا ہے کہ اگر تم ہماری محبت میں سے پتے ہو تو حاضر تو ہمارا بھی جانتا ہے ہو جبکہ ذکر کے ساتھ جانا ہے (پس تم کو بھی ہر حال میں ہمارا ذکر کرنا چاہیے) کیونکہ دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور عہ ملکہ نہیں وہ کتاب عزت شانہ بھی ہے یا نہیں؟ وہی ہے تو کیا ہو جائے؟ یا نہیں؟ کہیں اس باب میں بھی ہمیں بہت کچھ کہنا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لے کر اللہ عزت و جلال الہی میں اس کا بہت اچھا صلہ مرجع فرمادیا ہے۔ (یعنی عبادت معنوں میں تامل)

کیا ہی طغیانب اور دل کش کیوں جنوں نور کو چھوڑ کر نعمت میں گرفتار ہونا ہے اور نعمت سے ضیق۔ غم و وزن اور غور کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے غفلت میں کوئی چیز بھی اپنی جتنی قد و خفا میں نظر نہیں آسکتی۔ پس ظاہر و باطنی اشیاء کی یہ اور ظریف نفس کا دھوکہ ہے۔ التباس ہے قرب و اجماع کا اختراع ہے۔ بخوری ہی دیر بعد غم کا سایہ قلب پر چھا جاتا ہے۔ ابھی اعتماد تھا اور دیر بعد خوف طاری ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا۔ کوئی پند گاہ نظر نہیں آتی۔ اگرچہ ہم بصیرت کمال حاصل کر لیں کیونکہ نور دل میں جلوہ گر ہو جائے تو تمام اشیاء اپنی اصلی حالت پر نظر کرنے لگیں گی۔ حیثیت فیض نصیب ہوگی۔ طہینت و برہر قلب حاصل ہوگی غوث و حزن ناس ہو جائے گا۔ استقلال و استحکام عطا ہوگا۔

الایذکر اللہ قطعاً القلوب من عمل صالحاً من ذکر و ادائیغ و

حوادث من غفلت من حیوة طیبۃ

پس ہم کو نور قلب حاصل کرنا چاہیے جس کا فریب و ذکر اللہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ بھرتی تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے فاد کو اللہ ذکر الکر اشیرا۔ ولا یزال لسانک دہام۔ ذکر اللہ پر توجہ حاصل ہو۔ اٹھنے بیٹھنے میں مشغول ہو اور مقصود اس سے رفا و قرب الہی سے ہوا کہ نہ ہو۔ جب دل کی توجہ ذکر الہی کی وجہ سے غفلت و دنیا سے ہٹ کر ایک کسر ہو رہے ہو تو خود بخود ناسد اور پریشان کن خیالات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ خیالات کی پرگندگی موقوف ہوتے ہی ایک دو عالمی کیفیت لوطیہ نیت سے قلب محمد ہو جائے گا۔

اس دوسرے معاملہ ہوجانے کے بعد تمام چیزوں سے استغناء ہوجانے کا کہ کسی چیز کے معاملے لذت ہوگی کسی چیز کے غنا ہونے سے دلگے۔ کسی کی چیز سے لذت ہوگی تو اللہ کی نعمت سمجھ کر ہوگی۔ اگر نہ ہوگا تو اللہ کی ناراضی کے خیال سے ہوگا۔

کے اعتبار میں ہے کہ ان خیالات کو نگلے لگائیں اور سحر زمانہ کی طرح عزت و وقار سے دل میں جگہ دے دیا یا کہ ان کے ذہن میں آتے ہی ایمانی خیال کو ان کی سرکوبی کے لیے آئیں اور نور کی قوت کو غفلت کی طاقت کے مقابل کریں ان الذین انتوا واصحابہ طائف من الشیطان الذکر فاذا اصابهم صرور۔ ظاہر ہے کہ نور و غفلت کے مقابل میں نور ہی کامیاب ہوگا۔ کیونکہ غفلت نور ہی کی قیمت کا نام ہے۔ نور کے نہ ہونے ہی سے غفلت پیدا ہوتی ہے جہاں نور ہو وہاں غفلت کیسے آسکتی ہے؟

شاید علیہ السلام نے یہی طریقہ ہم کو بتایا ہے کہ تم اس پر توجہ نہیں ہو کہ سبھی خیالات کو ذہن میں نہ لے دو مگر اس پر توجہ ہو کہ ایمانی خیال کو ان کے مقابل کر دو۔ ایمانی خیالات میں سب سے زیادہ ایمانی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جو تمام محاورہ محاسن کے جامع اور تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اور طہینت و صرور اور علو و قوت و عزت و سطوت کے مبداء ہیں۔ اگر تم اپنے قلب کو تمام سبھی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اس میں جمائے گی کہ کوشش کرو گے تو چند روز میں حق تعالیٰ کے صفات کا اپنے اندر نمود و کیمرے۔ فطرت انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس کے خیال اور ذہن میں رہتا ہے وہ روز و رات اسی کی خواہش میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس قانون کو ماننے کے بعد ہم ہرگز سبھی خیالات پر توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کر سگے بلکہ ایمانی خیالات ہی کو دل میں جمائے گی کہ کوشش کرو گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کے لیے بھی جتنی حسنه میں غرض نہ کرتے ہو۔

کیست ذہن بہتر بجز اسے کہ یکس

تادان دل شاد باشی یک نفس

اگرچہ ہم بصیرت کمال ہوتی ہے تو پھر کیا حق تعالیٰ کی ذہن سے بہتر اور کسی کی ذہن ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؛ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت گو وہ بظاہر

جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بہت جلد معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے سوا اور قدرت کا سرچشمہ خود ہمارا دل ہے۔ حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہے۔ کسی ایسی دل نے کہا ہے :-

شوقِ دنیا بھی آنکھ اُٹھاتا ہے بارِ دل  
گردن بھٹکائے دیکھ رہا ہوں ہمارے دل

دوسرا کہتا ہے :-

بیابا و تماشا ہے خوش نگارہ کن !  
چرخِ شگفتہ بکلی اُنہیں کوئے حبيب

عارف شیرازی کہتے ہیں :-

خلوتِ مجربہ را تماشا چہ حاجت  
چوں کوئے دوست بہت ہجرِ حاجت

آفاق میں حق تعالیٰ ظاہر ہیں ہر شے کے ساتھ جنت حق کو جو ہے مگر علم صحیح کے استعمال سے وہم و التباس کو دور کرنے اور فکر کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات و اوقات کے لیے جو خاص خاص اذکار و اور تعلیم فرمائی ہیں ان کا مستعمل یہی ہے کہ ان کی پابندی سے فکر کی اصلاح ہوتی ہے۔ نقطہ نظر بدلنا تو معلوم ہو کہ نفس و آفاق میں حق تعالیٰ نمایاں وعیاں ہیں۔ جس سے ہی تعلق نام کرنا ان ہی کی یاد کا دل میں جو نام تمام مقربوں اور عبادتوں کا حاصل کرنا ہے۔ اللہ سے خلعت و ذہول و رزق میں استغراق و انہماک تمام بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے :-

عشقِ بے پردہ نہا شد پندار      عشقِ ما باجی و ہاتھوم دار  
گورِ نری براسید راستے      ہم انا بجا پشتِ آید آفتے  
پس کینے بے دودے دام نیست      جو خلعت گاہ حق آرام نیست  
مکسے باہر قدم نکلو تو اللہ کو یاد کرو۔      بانہار میں جاؤ تو اس کو یاد کرو

مگر حقیقت کے رونا و عدم رخا کا طریقہ تسکین و حیرت میں نہادے سنا ہے اپنے اعمال کو ان سے جا بچ لینے کے بعد پھر دُنیا کی کسی چیز کے ذوق سے رنج نہ ہو گا :-

اذا نصبت منی کوام عشقہ      فخلد ال غضباناً عطف لہا  
ایک طریقہ کا ذکر یہ ہے کہ مختلف حالات مختلف اوقات کے متعلق جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں ان کی پابندی کی جائے اس طرح کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے غفلت دل میں راہ نہ پائے گی کیونکہ ان کی پابندی اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں جی رہے۔ پہلے پہل اس پابندی میں کسی قدر دشواری آسکتی ہے مگر جلد ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد پوری طرح میں آجی۔ پھر ہر موقع پر دل میں خود بخود اس دعا کا تفسیر پیدا ہونے لگے گا۔ جو حضور نے اس موقع کے لیے ارشاد فرمائی ہے۔ ان دعاؤں کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اپنی برحمت پر کیفیت اور دُنیا کی ہر شے کے متعلق یہ عقیدہ دل میں باقی رہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ دُنیا میں جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور محکوم ہے۔ وہی رب اور حاکم ہیں۔ ان کے ہوا نہ کوئی رب ہے نہ مؤخر نہ نفع دینے والا ہے نہ غرور دینے والا۔ چو کہ ہمارا سابقہ ذات دل ان ہی اسباب سے رہتا ہے۔ یہی ہمارے سامنے ہیں۔ یہی ہمارے دل و دماغ میں بسی ہوئی ہیں۔ ان ہی کی محبت سے بنائے قلوب بہرے جوتے ہیں۔ مگر سب قائل اور زوال پذیر ہیں ان کا زوال و فنا پھر سے تخرن و فتن کا باعث ہوتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن کو منتقل کریں تاکہ ہر وقت حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آئے۔ ہر شے کی مصلیٰ جنت سے توجہ کو ہٹ کر اپنی جنت یعنی جنت حق کی طرف منتقل کریں۔ اس طرح دل میں قائم ہونے لگے گی۔ اب ہمارے ذہن میں سے نہ ہوگی حق ہوگا۔ دراصل تمام اُور سے قلب معبود ہونے لگے گا



## باب شصت

## حدیث

## اشراط الساعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
لا تقوم الساعة حتی یبيض العلم وتكثر الزنا والیثم یتکلمون فی فیضین  
تکلم الغیرہ ویکثر الحرج وھما الفتن حق ینکثر من ال فیضین

ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی  
تائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ علم (دُنیا سے) اٹھ نیا جائے اور زنا کثرت سے ہوگی اور  
زنا و قریب قریب ہو جائے (یعنی کھٹنے لگے) اور فتنے ظاہر ہوں اور کشت و خون  
زیادہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تمام ائمہ مران کی آخری کثرت ہو جائے کہ بتلے گئے۔

شرح کا ہر حصہ یہ ہے کہ یہ پانچ چیزیں جو یہاں مذکور ہیں قریب قریب کیامت کی  
علامت ہیں سے ہیں۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرتی ہیں۔

یہ علم جو دُنیا سے اٹھایا جائے کہ علم منقول ہے یا غیر منقول؟ تو اشراف  
(۱۲۰) کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ اس سے اُس نور کی طرف اشارہ ہے

علم حقیقی وہ نور ہے جس کو میرے اللہ تعالیٰ کی طرف فیضانِ فہم ہوتا ہے  
ہمیں کے فہم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

وکان کھو تو اللہ کو یاد کرو۔ جس ہمیں قدم رکھو تو اللہ سے دعا کرو۔ باہر اُتو اسی  
سے فضل کی درخواست کرو۔ جوئی بجزی کو دیکھو تو اُس کی نعمت کا شکر کرو۔ کھانا  
کھاؤ تو اللہ کے نام سے شروع کرو۔ کھانا کھا چکو تو اُس کی نعمت کا شکر کرو۔ لڑا کرو۔  
سولے کا ارادہ کرو تو موت کو یاد کرو کہ اللہ کی مخالفت کا دامن پکڑو۔ جاگو تو  
نئی زندگی عطا ہونے پر اللہ کی حمد کرو۔ اسی طرح ہر حالت ہر وقت اور ہر  
کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی محبت و قدسیت اور حکومت و ولایت کا مشاہدہ کرو خود اپنی  
فائز کو اپنی ہستی کو بھی اللہ کی مخلوق و مملوک سمجھ کر دیکھو۔ اللہ سے غافل ہو کر  
اپنی ہستی پر نظر نہ کرو۔ یہ مراقبہ ماسخ اور کامل ہونے کے ساتھ ہی فانی ہوتا ہوا فہم  
وجہ اللہ اور غفلت اقرب الیہ من اجل العید کے معنی کی ابتدا کی فہم حاصل ہونے  
لگے گی اور زبانیہ حال سے پورے گئے گئے

حسنِ توحید میں اُردو نے خوبیاں اُٹھا کر دی  
ہیں پچھم عاشقانِ خود دانا شاکر دی

جعلنا اللہ وایاکم من راقب اللہ فوجدکم ساجدہ امین !



اسی قابل تھی کہ کہ ان میں فساد بہت بڑھ گیا تھا۔ دوسرے ان لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے جو اللہ سے ڈرتے والے ہیں۔ کہہ کر زلزلہ بھی اُٹھتا ہے (کی نشانیوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) وما غرسل بالآيات الا تخويعا (اور ہم ان نشانیوں کو ڈرانے ہی کے واسطے بھیجتے ہیں) اور یقیناً قرب قیامت میں فساد بڑھ جائے گا تو اُس وقت زلزلے بطور عذاب کے بھی اُٹھیں گے اور اس لیے بھی کہ جن کی تقدیر میں سعادت ہے وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قیامت بہت بڑے زلزلے کے ساتھ اُٹے گی۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَذُكِرَتْ ذِكْرًا وَلِحَدِّثِ الْيُزْجِقَ تَعَالَى فَرَأَتْهُنَّ ۝ وَلَقَدْ أَخَذْنَا لَهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَعَاذُوا لَوْ هُمُ الْمُجْتَنِبُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فُتِنْتَهُمْ عَلَيْهِمْ بَأْيَاذِ الْعَذَابِ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْسُوُونَ ۔

اور ہم نے اُن کو عذاب سے پہلے اسودہ اپنے رب کے سامنے دیکھنے دعاوی ناری کرنے گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے سخت عذاب کا دروازہ اُن پر کھولا تو اب وہ سٹ پڑے رہ گئے ۝

مطلب یہ ہے کہ اول اُن کو معمولی عذاب سے پہلے لگایا تاکہ محبت تمام ہو جائے اور (اچھی نکرٹوں سے) باز آجائیں۔ جب اس پر بھی باز نہ آئے تو عذاب ہلکا کرنے اُن کو آویزا۔ پس (زمانہ) حکیم کی مُنتہی یہ ہے کہ پہلے عذابِ سزا دیا جائے جیسے جس جگہ جس میں غیر کی اہلیت ہو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور جو عذاب ہی کے لائق ہیں اُن پر بڑا عذاب نازل ہو۔

اسی قاعدہ کے موافق قیامت سے پہلے بہت زلزلے آئیں گے۔ کہہ کر حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندوں کو آزمائش ڈرا دیا جائے۔ اگرچہ اس سے اُن لوگوں کو نفع نہ ہو گا جن کے لیے عذاب نازل ہو رہے ہے وہ برابر اپنی ہی میں ترقی کرتے رہیں گے تو اُن کو سخت بل کا سامنا ہو گا حکمت بالذات فتن تفتن النذر غرض قیامت

(فیض) فہم ہوتا ہے۔ کہہ کر کہ جن کو پیشہ دین کی جگہ زیادہ ہوئی رہی گی۔ لیکن فہم دین میں نقص ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ کسی وقت) بالکل ہی اُٹھ جائے گا۔ اس پر پہلے بھی ہم ایک حدیث کی شرح میں گفتگو کر چکے ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اُٹھائیں گے کہ لوگوں کے دلوں سے اُس کو نکال دیں (بلکہ اس طرح اُٹھ جائیں گے کہ علماء کو دُنیا سے اُٹھا لیا جائے گا) ۝ قَوْلُهُ مَهَاجَا الْعِلْمَ الَّذِي يَنْصَحُ بِالْمُرَادِ بِهِ اِلَى قَوْلِهِ يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعَالَمِ ۔

ف معلوم ہوا کہ علم حقیقت میں فساد ہے جو دل میں عمل اور تقویٰ کی برکت سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۲۱) آیات الیس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے رسول اللہ کا یہ اہل و عیال کے زلزلے کثرت سے آئیں گے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اس میں دینی قیامت کے قریب بکثرت زلزلے آئے ہیں (کوئی ایسی حکمت ہے جس کو ہم سمجھ سکیں یا ہم کو وہاں تک رسائی دینی ہو سکتی)۔ جواب یہ ہے کہ حکمت تو یقیناً ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ تقاضی پر نظر کرے وہ حکمت ظاہری ہے مگر یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہ سکتا کہ اس میں دینی حکمت ہے (اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ ہے کہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ نہ ہو کچھ اور حکمت ہو)۔ ہر حال شریعت کے منبع (اور اُس میں تفریق) کہنے سے ہیں زلزلہ کی دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ عادت اللہ تعالیٰ جاری ہے کہ زلزلہ دو جگہ آتا ہے ایک انتقام کے لیے جب وہ کسی سے انتقام لینا چاہے۔ چنانچہ تاریخاً شاید یہ کہ زلزلے سے بہت لوگ ہلاک اور برباد ہوئے ہیں حتیٰ کہ ہمارے زمانے تک بھی ایسا ہوا رہا ہے۔ چنانچہ جس وقت میں افریقہ میں عذاب تو اس کے ساتھ یہ خبر پہنچی کہ افریقہ کی ایک بستی میں زلزلہ آیا جس سے وہاں کی پوری آبادی زمین میں دھنسن گئی اور وہ لوگ

کی حالت سے وارد ہوتی ہے بلکہ نعمت کے نہیں آتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس دن میرے علم کے اندر کچھ ترنہ نہ ہو اور نہ میں کسی پر کوئی احسان کروں تو اُس دن آفتاب کا شعروا ہونا میرے دیکھنے نامبارک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی بیہوشی مگر کسی کوئی نیت نہیں ہوتی (کہہ کر) وہ اُس میں اپنی بگڑی کو بناتا ہے، اور بگڑی کو بناتے، آخرت پر توبہ اور مصلیٰ صالح کے کیا ہے کہ اس کو نہ دے۔ یعنی وہ اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور تائب مصلیٰ صالح اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ پر دنیا کی محبت غلاب ہو اور کسی میں نہ ٹخنوں ہو۔ دنیا کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دے جا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے:

بقوله انتم في ذنوب وذنوبكم صفات اهل انهم يبدون افعالهم قبل احوالهم وسيأتي زمان وذنوبكم صفات اهل انهم يبدون فيه احوالهم قبل افعالهم۔

”تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہش نفس پر عمل کو مقدم کر جائے پھر ایک زمانہ آئے گا جس میں خواہش نفس کو عمل (صالح) سے مقدم کر دیا جائے گا“ وقال عليه السلام من ابتداء يحفظه من دياقته يحفظه من خرقه ولحمه يمل من دياقه الا لا أكث له ومن ابتداء يحفظه من اخرته نال من اخره ما يحب ولحمه يفتنه من دنيا ما أكث له۔

”نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دنیا کے حق کو مقدم کرے گا اُس سے آخرت کا حق تلف ہو جائے گا اور دنیا میں سے اُن ہی نے گناہ جناس کے لیے مقدم ہے اور جو آخرت کے حق کو مقدم کرے گا اُس کو آخرت میں اس کی خواہش کے موافق ملے گا اور دنیا میں جتنی مقدم ہے قوت نہ ہوگی“

وقال عليه السلام من غرط اساعه وذكريه ويقن العلى۔

نیز اُنہی نے صفات تیس تیس میں جو بھی بیان فرمایا ہے کہ اُس وقت میں کم ہو جائے گا“

کا زندہ بہت سخت ہوگا جس سے تمام زمین ایک دم شکستہ ہوکر دیرہ دیرہ ہو جائے گی تو اس سے پہلے بہت سے زلزلے آئیں گے تاکہ لوگ کثرت سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی قسم کا ایک بڑا زلزلہ آئے والا ہے۔ قوله ويكثر الزلازل قبل هذا ليلة من الحلة التي قوله يبعث الله الى العنق من ينصحا۔

نیا ت اللہ سے عبرت حاصل کرنا مومن کا خاص مذاق ہے وہ ادنیٰ ادنیٰ غلطی سے بھی گہر کر شر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(۱۳۳) ایسا عمل صالح وقت میں بھی برکت ہوتی ہے اور عمر مال میں بھی

زمانہ کے قریب قریب ہوئے (اور گھٹے) کا کیا مطلب ہے آیا نقصان حتیٰ ملا ہے یا نقصان باطنی؟ دونوں احتمال ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد ہیں کیونکہ آثار میں دونوں پہلے الگ الگ اشارہ وارد ہے۔ نقصان باطنی تو واقع ہو چکا ہے اب ہم کو نقصان ظہری اور نقصان باطنی (کی حقیقت) کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور آثار میں ہر اشارہ دونوں کے متعلق وارد ہے اُس کو بھی بتانا ہے تو (مجھ کو) نقصان باطنی کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں نقصان واقع ہوگا۔ کیونکہ انسان کی عمری اُس کا راس احوال (اور حقیقی سرمایہ) ہے اور اس کا نفع یہ ہے کہ عمل اچھا ہو اگر بارگاہ کاموں میں کی ہو گئے تو زمانہ ناقص ہوگا کیونکہ اُس سے فائدہ کم ہوگا۔ جیسے درست اور سہل کی حالت ہے کہ اگر سہل میں کسی ہوتو کمہا جائے کہ یہ درست یعنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولنبؤكم بشئ من الخوف والرجوع ونقص من اموال وانفس والفرق

”ہم تم کو کچھ اور باتیں بھی کہیں کہ خوف سے اور نصیب سے اور مالی وجہان اور فرائض کے نقصان سے“

(معلوم ہوگا کہ جن چیزوں کا نقصان بڑی مصیبت ہے جو بطور ابتلا کے اللہ تعالیٰ

دیکھو کہ یہ بڑے مود کر رہا ہے اور اسے اللہ کے بندوں میں سے نہایت بھائی ہو جاؤ۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اپنے بھائی مومن کے لیے وہی چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ نیز اُچھے کادر شاہی ہے: اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه (اللہ تمہارے (اپنے) بندہ کی مدد کرتے دہتے ہیں جب تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کرتا رہتا ہے۔ دعوات سلف انہی طریقہ تھا۔

ہمدی اور خیر خواہی خلق سے مال میں برکت ہو گا عجیب واقعہ

چنانچہ جس نے ایک تاریخی میں دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی ملک پر قبضہ کیا تو خزانہ میں گھومنے کے واسطے بھی جو اس گھومنے سے بہت بڑے تھے جو اعلیٰ درجہ کے گھومنے میں لگے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اس کے متعلق تفتیش کی کہ یہ گھومنے کسی نے خزانہ میں لگے اور کسی نے لگے، تو ایک پوچھنے سے جس کی عمر بڑی ہو

بات یہ ہے کہ ایک جوان اور بڑے سے شرکت میں کہتی کہ تھی جب کہیتی کہتی گئی اور فرسنا یاد ہوگئی تو دونوں نے (اس کے دھتے کہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس غلہ کو باری باری اٹھانا چاہئے۔ ایک دوسرا اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھیر بیٹھا۔ میں اپنے اور تمہارے حصہ کا پھر دوں گا۔ پھر میں اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھیر بیٹھا۔ تم میرے اور اپنے حصہ کا پھر دینا۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق اول بڑے نے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر اور جوان پر ہر دو۔ بڑے کے بال بچے بہت سے تھے قوجان اپنے دل میں کہنے لگا یہ بیٹھا آدمی ہے اس کے بال بچے بھی ہیں مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے تو وہ اپنے ذمیرہ میں سے کچھ میوں نکال کر اس کے ذمیرہ میں ڈال دیتا۔ پھر جب جوان کے اٹھانے کی باری آئی اور بیٹھا پھر ہر بڑا تو اس نے اپنے دل میں کہا یہ جوان آدمی ہے لوگ اس کے پاس رہنے لگے تو زیادہ آئے ہوں۔ مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ اس نے بھی اپنے ذمیرہ میں سے میوں

اور اس معنوں میں بہت حد تک درست ہے۔ تو اس تقریر سے (وہ بات واضح ہوئی جو نقصان) باطنی کے متعلق ہم نے عرض کی تھی اور یہ توفیق اور نفل کے طریقہ پر (کلام) تھا، وہ ہے حضرت اہل معاملہ (مونیہ کرام) کو ان کے طریقہ پر (نقصان مغربی) کا بیان یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں وقت ایک عرصہ ہے اگر تو اس کو نہ دیکھنے کا وہ تجھے کاٹ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کو نہیں (معالجہ) میں نہ گزارو گے تو وہ تم کو (اس) مہل مشکل ہی میں ختم کر دے گا۔

آج کل دنیا کے کلموں اور ذہنیوں معاملہ میں بھی بے برکتی ہو رہی ہے۔

یہ تو اعمالِ آخرت کا بیان تھا اور اب تو اعمالِ دنیویہ میں بھی نقصان کا سرِ بویگ اور تمام معاملات میں اچھی طرح راجح ہو گیا ہے۔ چنانچہ بلِ منعت میں سے کوئی بھی نئی صنعت میں اُس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا جو پہلے آدمیوں کے متعلق سنا گیا ہے۔ اسی طرح کافر اور کاشت کا درختی کا بادشاہ بھی اُس درجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے علاوہ تمام دنیوی اسباب و ذرائع میں بہت ہی نقص و راجح ہو گیا ہے جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق و احکام کے نبھانے میں کوتاہی اور سستی کرنے لگے اور دنیا ہم ایک دوسرے سے مکر و فریب کرنے لگے ہیں اس لیے اُن کے بدن اور دل اور عقل و ہر چیز سے برکت اُٹھ گئی اور سب پر اس طرح وبال آ گیا کہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے ہیں، چنانچہ لوگ توبہ کرتے ہیں کہ یہ سب برکتی کمان سے آگئی ہو، مگر ہم نے طلبِ راد و رخصت کیا، میں کو سستی کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا نہ این حالِ اُن (کے سوال) کا جواب دینی ہے۔ قیل و ہوا عند الفضل۔ کہہ دو کہ یہ سب کچھ تملی ہی ذات سے ہے۔ کیونکہ یہ صفات راد و رخصت جو تمہارے اندر ہیں، تمہارے ایمان کے خلاف ہیں۔ ایمان تو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ (ہر جانتا) ہے، ولا یخاف احد و لا یتکلم بظن و لا یتدابروا و لا یؤلفوا بظن و لا یؤلفوا بظن۔ نہ باہم حد کو نہ ایک دوسرے سے بغض

جہاں گوارہین ہفتہ کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن ایک گھنٹہ کے برابر ہو گا (ابن خلدون) اس عبارت کا معنی بھی یہی ہے۔ وقولہ ویکثر الزمان فعل ہذا فیہ معنی من الحکمة الی قولہ فہذا معاً بقی خروجہ ؟ اعمال مالہ اور تقویٰ سے وقت میں برکت ہونا صلیب کے نزدیک پرہیز ہے۔

معتبر قرآن کے گیارہ جہاں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی عہد کی غار کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور مغرب تک ہم کرتے یعنی ہر گاہ سلف نے مختصری عمر میں اس قدر کام کیا ہے کہ ان کی تصانیف کے اور ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن پڑھنے سے ہوئے۔ ان کے تواتر صفحت کا مسودہ سے نقل کرنا بھی دشوار ہے۔ ان محفلوں نے ان کو لکھا بھی تھا اور تصنیف کے طور پر لکھا تھا جس میں جہاد آفرینی اور تدبیر و تامل اور تلاش و تحقیق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان ایام میں سے کچھ اور طلب علمی اور سفر و مرجع کے ایام بھی نکال دینے چاہئیں جن کا مستثنیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ اوسط ایک ہزار و صفحہ روزانہ سے بھی بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(۱۳۳) علم شریعت اور دین داری قبل تالیف صحاح ہے اور علم فقه دین داری کی جڑ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ قتل کی کثرت ہوگی۔ اس سے قتل ناقص مراد ہے کیونکہ حدود اللہ کی وجہ سے قتل جونا تو بستیوں کے لیے بھی وجہ ہے اور غلو کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی زمین میں اللہ کی حدود میں سے ایک حد کا قتل کرنا جہاد اس سے بہتر ہے کہ اس پر مہذب بھروسہ ہوتی رہے۔ ایک روایت میں (مہذب بھروسہ) جہاد کا یہ وار ہے اور قتل ناقص کی کثرت علم اور دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے اور قیامت کے قریب یہ دونوں کم ہوں گے (توفیق تاحق کی کثرت ہونے لگے گی) اس کی تائید رسول اللہ

نکال کر جو ان کے دھیر میں ڈال دیئے۔ غرض دونوں ہی کہتے ہیں کہ جو ان اپنے پہرہ کے وقت ہنسے کے دھیر میں اپنے کیوں جانا رہا اور جہاد اس کے عہد میں اپنے عہد سے ڈالنا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں باری باری کیوں آئے تھے وہ بے اور فکر میں برکت ہونے لگی کہ پہلے سے) پڑھنے کا حق کیوں کا وہ بھی پڑا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ برکت ہوئی (دونوں دھیر سے دھیر سے تھک گئے غنہ کے چٹانے سے عاجز ہو گئے) وہ یہ بھی دیکھ کر غلہ کا دنا بہت بڑھ گیا ہے۔ عام طور پر جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی حد سے بھی نکل گیا ہے تو ہر ایک نے دوسرے سے قسم دے کر پھیکا ٹوٹیر سے پیچھے کی کرتا رہتا ہے (جو غنہ میں اتنی برکت ہو گئی) تو یہ نے دوسرے کو بتلایا کہ میں تو ترسے پیچھے بیٹھا کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں بھی کرتا رہتا ہوں۔ یہ وقت بستی میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اس نے کسی کو بھیج کر اس بستیوں میں سے مختار سا بادشاہ کے سامنے پیش کر دے۔ جب بادشاہ نے یہ کیوں دیکھا تو کہ اس میں سے کچھ روزہ کے طور پر شاہی خزانہ میں رکھ دیا جائے تاکہ بعد والوں کو اس سے حیرت اور نصیحت حاصل ہو تو دیکھو جب ان دونوں نے ادب کے ساتھ حقیقت ایمان کا حق ادا کیا تو ان پر ایمان کی برکتیں نازل ہو گئیں۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں :-

ولول ان اهل الحق انما اتوا بالحق علیہم برکت من السماء والارض

وہ لو اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لاتے اور حق ہی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ۱۵

دب نہ دلیہ ایمان ہے نہ دلیہ حق تو یہ تو وہ ہی سے برکتیں ہی نہیں رہیں (وہ اپنی نقصان تو وہ) بھی ملک ظاہر نہیں ہوا کیونکہ روایت اور دن کے گھنٹے پر دستور اپنے حال پر ہیں (اگرچہ یہ فرق ضرور ہو گیا ہے کہ ان گھنٹوں میں جتنا کام پہلے لوگ کر لیتے تھے اب اتنا کام نہیں ہو سکتا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حتی نقصان کی بھی اعلا عادی ہے۔ چنانچہ ہر مشاہدہ کے سال مہینہ کے برابر ہو

مولانا فرماتے ہیں :-

ابرناہد الپس منہ زکوۃ وروزنا افتد بلا اندر جہات

(۱۲۴) غلبہ حرص کے ساتھ کثرت مال بڑا فتنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم لوگ اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ سینے گئے۔ یہاں مال سے چاندی سونا نادر ہے اور کچھ نہیں۔ اگرچہ عرب کے معاہدہ میں اونٹ پر بھی مال کا اطلاق ہو سکتا ہے اور دوسرے لوگ اپنے حرص میں دوسری چیزوں کو بھی مال کہتے ہیں اور اس تفسیق کی ایک دلیل تواریخ حدیث میں موجود ہے اور ایک دوسری حدیثوں میں ہے۔ اس حدیث میں تو حضور کا یہ ارشاد ہے کہ مال سینے لگے گا اور یہ صفت حقیقتہً اُن ہی چیزوں میں استعمال کی جاتی ہے جن میں سے نکستی ہیں۔ مال پر یا پانی (و غیرہ) بھی مجازاً اور چیزوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے مگر حقیقت چھوڑ کر لفظ کو مجاز پر ملدہ دلیل محول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ لفظ کو ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کوئی مصادیق شرعی موجود نہ ہو اور یہاں کوئی بھی مصادیق نہیں ہے۔

دوسری حدیثوں میں جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نذرناہ (کا پانی ایک جگہ) سے (جتنے گا اور بے باں) سوئے گا پانی پر ہو گا۔ لوگ اس پر بار بار قیام کریں گے۔ یہاں تک کہ ہر شے میں سے نذرناہ قتل ہو جائیں گے حرص ایک بڑے کا نیز یہ بھی آیا ہے کہ زمین اپنے خزانوں کو اگل دے گی مگر اس وقت ہو گا جبکہ لوگوں میں حرص بڑھ جائے گی اور حرص کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا۔ پھر اُردو ترجمہ زمین کو کم دے گا کہ اپنے خزانے نکال دے گا اُس وقت مال بہہ پڑے گا یا یہاں تک کہ کوئی اپنا حصہ (اور زکوۃ) لے کر نکلے گا تو اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا جن کو دنیا چاہیے گا وہ کہہ دے گا کہ اگر تم یہ حصہ لے لو گے تو ہم لے لیتے آج تو ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ ان حدیثوں سے مال کے

میں اللہ عظیم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ تکی کو خیر نہ ہوگی کہ اُس نے کیوں قتل کیا اور خیر کو پتہ نہ ہوگا کہ اُس کو کس وجہ سے مارا گیا۔ قرعہ علیہ السلام ویکثر الھر وھراقتل انی قولہ ولا المقتول قیما فی القتل۔

**ف** آج کل قبل نا حق کی جس قدر کثرت ہے بیان سے باہر ہے۔ کافر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ باہمی جنگ میں حرص فوج ہی پر حملہ نہیں کرتے بلکہ کلمہ بیعتوں پر سہمہ دینے پر سناٹے ہیں۔ جس سے شقی ہے کہ وہ دینیت بلا وجہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جس میں عورت و مرد، بڈھے، جوان، بچے اور بڑے سب ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ یہ تو کافروں کا حال ہے۔ سب مسلمانوں کا کہیں۔ اُنہوں نے بھی کافر و کفر کی دیکھا دیکھی یہی طریقہ عمل اختیار کر لیا ہے۔ جب کوئی جامعہ کسی بات پر حکومت سے برسرِ پیکار ہوتی ہے تو وہ دین کی چیزیں اٹھا کر چھینک دیتی ہے جس سے دین کا بڑی گر پڑتی ہے حالانکہ اُس میں ناکارہ و گناہ ساز و ساز ہوتے ہیں۔ کوئی اُن سے پوچھے کہ مسافروں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا تو اُن کے ہلاک کرنے اور ٹوٹنے کو تم نے جائز سمجھ لیا

یہاں سے معلوم ہوا کہ علم دین اور سچی دین داری ہی سے دنیا میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ علوم دنیویہ سے دنیا میں فساد ہی بڑھتا ہے۔ آج کل علوم دنیا کی شاعت ہر جگہ مست زیادہ ہو رہی ہے۔ جاہلجا اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں مگر کسی طرح فساد میں کی نہیں آتی۔ بلکہ دن جن قوتی ہے اگر اسی کی جگہ علم دین اور دینداری کو ترقی دی جاتی تو یقیناً دنیا فساد سے پاک ہو جاتی۔ ظہر الفساد فی اللہ والہم یما کسبت ایدین الناس لیذہبھم بعض الذی معلول العلمہم و یوحون۔ اس حقیقت پر سب سے زیادہ یقین و اعتقاد حضرات موفیہ کو ہے اُن کے نزدیک اہل الی سیر اور قسب دین سے آفات و بلیات کا زوال اور اعمال صالحہ و تقویٰ و استغفار و قرب سے ان کا مدافع ہونا بدیہیات سے ہے۔ پہلے نہ ماننے میں عامر مسلحین کو بھی اس کا پختہ اعتقاد تھا۔ مگر اب اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے

میں اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق کوئی اپنی نجات کی تیاری کرنے والا ہے؟  
 یہاں ایک نمونہ دیکھو جس سے وہ یہ کہ جب ان حضرات کو معلوم ہو گیا کہ ان  
 بڑے بڑے فتنوں سے بھی نجات ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے تو انہوں  
 نے یقین کر لیا کہ جیسے چھوٹے چھوٹے فتنوں سے تو اعمال صالحہ اور ایمان کے ذریعہ بدھ اولیٰ  
 نجات حاصل ہوگی تو انہوں نے ایمان اور عمل صالح کے سوا کسی کام میں اپنے کو  
 مشغول کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اُن ہی میں لگ گئے۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ  
 اس دنیا کا فائدہ لادہ ہی ہے تو انہوں نے اولیٰ کو آخر کر دیا اور آخر کو اولیٰ کر  
 دیا یعنی دنیا کو مؤخر اور آخرت کو مقدم کیا، اس لیے فرمایا ہے کہ جب یہ دنیا کا  
 گھر باقی نہ رہے گا تو اس کا سامان بھی فنا ہوگا۔ پس ایسے گھر کے لیے کام کرو  
 جس کو فنا نہیں اور جس کا سامان بھی باقی رہے وہاں ہے اور اپنے اوقات  
 کو نفع سے آباد کرو۔ اُن کو (عمل سے) خالی (پھوڑ کر) برباد نہ کرو۔  
 وقوله عليه السلام حتى يكثر فيكم المال فيفيض ما لهنا  
 المراد به الفضة والذهب الى قوله ولا تدمعه حاليا۔  
**ف** حضرات شریف کرام و ہذا سے منزه ہونا اور کثرت مال کا طالب نہ ہونا  
 مشاہدہ ہے۔ یہ حدیث اُن کے مذاق کی تائید کرتی ہے۔



ظاہر ہونے اور رہنے کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی کہ زمین اپنے خزانے اکل دے گی  
 اور ہونے کا پیمانہ (میزان) سے اٹکے گا اور اس کی جوتیت بجائی گئی ہے یعنی حرم کے  
 ساتھ مال کی قلت وہ تو ہر زمانہ میں موجود ہے (تو اس فتنہ کے ظہور کا ہر وقت اندیشہ  
 ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُن قبیلہ میں جو تاجر اُس  
 کے دونوں طرفت و درختوں سے ہیں اُن میں سے ایک تو کہتا ہے اللہ اعط  
 ملحق علفاً، اسے اٹھ مال خرچ کرنے والے کو اُس کے مال کا عوض دیکھئے؟  
 دوسرا کہتا ہے اللہ اعط ملحق تلفاً اسے اٹھ مال جمع کرنے والے کو  
 بربادی دیکھئے؟ یہ رسول نے کیا جانے کہ جب قلت مال کا سبب حرم ہے تو ہر غریب  
 حرم کے وقت (زمانہ) میں نکلیں گے گا دیکھو اس علت کا مقنا۔ تو یہ ہے  
 کہ جب ملک لوگوں میں حرم کا غلبہ پاتی ہو مال کی کثرت نہ ہو بلکہ قلت ہی رہے  
 جواب یہ ہے کہ مال کے ظاہر ہونے اور زیادہ ہونے میں لغت زیادہ ہے یا حقیر  
 بلکہ اُس علت کو بھی اُس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے جو اُدھر بندھ ہوئی کہ حد قبول کرنے  
 والا بھی کوئی نہ ملے گا۔ اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہو گا کہ مال کے پاک ہونے کی کوئی صورت  
 ہی نہ ہوگی محض وبالِ جان ہی ہوگا، اور خود مال کا زیادہ ہونا اور رہنے لگنا بھی بہت  
 بڑا فتنہ ہے (کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَآفٍ رَاحٍ استغنى) ہے شک انسان سرکش  
 ہو جاتا ہے جب وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے تو جب تک ظہر حرم کے ساتھ مال کی  
 قلت ہو فتنہ کم ہے۔ اگر مال زیادہ ہو فتنہ زیادہ ہوگا (اس حدیث کا فائدہ یہ ہے  
 کہ اس میں دنیا سے کی، جو حد مات، بیان کی گئی ہے اُن کی تعداد لی کی جائے اور ان محدود  
 پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین کر کے ایمان کو قوی کیا جائے اور ان فتنوں سے بچنے کے  
 لیے وہ عمل کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ فتنوں  
 کا ذکر فرمایا تو عرض کیا گیا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں اگر ہمارے سامنے یہ فتنے آجائیں  
 تو آپ نے فرمایا اجتنبوا الخ ای ایمان و الاعتدال الصلوات تم ایمان اور اعمال صالحہ  
 کی پناہ و صونڈو۔ چنانچہ ان میں سے اکثر شرائع اب ظاہر ہو چکی ہیں تو کی صلاحت و مراقب

## باب شصت ویکم

## حدیث

## ان لنفس علیٰ حقّاد لاهلک ملیک حقّاد

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم ذاتِ بھر (نفس) اقیم کرتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا یہے شک میں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا: اگر تم (بشر) ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں (اندکرو) گھڑائیں گی اور تمہا بدنِ لاغر ہو جائے گا۔ (جس سے شکایت ہوگی) اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے گھروالوں کا بھی تم پر حق ہے پس روزہ بھی رکھو، انفاق بھی کرو (دات کو ناز میں) اقیم بھی کیا کرو اور سو یا بھی کرو۔

شرح ظاہر حدیث ہمیشہ ذاتِ بھر نذر پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے سے حاجت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ بشر اس سے عاجز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۵) پادرون تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہ لگانا چاہیئے

کسی شخص پر کوئی حکم نہیں ہوئی تحقیق اور تفتیش کے بعد لگانا چاہیئے کیونکہ راوی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ عبداللہ بن عمرو ذاتِ بھر نذر پڑھتے اور ہر

دن روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور نے عبداللہ بن عمرو پر اس روایت سے کوئی حکم نہیں لگایا بلکہ پہلے ان سے دریافت کیا۔ اگرچہ حضور جانتے تھے کہ جس نے آپ کو خبر دی ہے وہ بھی سچا ہے کیونکہ حدیث صحابہ رب کے سب مقامِ صدق اور دیانت پر آنا تھے مگر تحقیق کا ایک پہلو بانی خدا کو خدائے شخص سے بھی دریافت کیا جائے تو حضور نے اس پہلو کو نہیں چھوڑا بلکہ ان سے دریافت کرنے کے بعد جب ان کی زبان سے خود شہادتِ یقین کیا۔ آپ کے اس دریافت کرنے میں چند مسائل شرعی پر دلالت ہے ایک تو وہی جس پر ابھی اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تحقیق روایت کے متعلق قاعدہ ترمذی مقرر کر دیا جائے کہ راوی ثقہ اور صادق ہیں جو بھبھب دوسرے پر کوئی حکم نہ لگائے بلکہ نہ لگایا جائے جب تک خود اس سے مسائل کی تحقیق نہ کر لی جائے (اور دیگر مسائل) یہ کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس وقت اس عمل کے متعلق اس کی کوئی غاصبیت تھی جس کو زبان سے ظاہر نہیں کیا اور اسی لیے وہ فعل میں نہیں، اس کی یا کوئی غاصبیت تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ عمل کسی شرط پر متعلق تھا یا نہیں؟ اور اس شرط کا علم راوی کو تھا یا نہیں یا مروی حدیث سے یہ بات دیکھ ہی کر دی تھی اس پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا یا اس لیے آپ نے دریافت کیا تاکہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ آئندہ کے لیے کیا کارواں ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت احتمالات ہیں جن کو لکھنے کرنے کے لیے سوال کیا گیا واللہ اعلم۔ اسی لحاظ سے فرمایا ہے کہ سنت کی چند قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک سنتِ ثر وہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے تو اس کے ثبوت کا یقین نہ ہو۔ مثلاً دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کیونکہ ان کے متعلق غلطی کا بھی احتمال ہے اور تھپا ہونا بھی ممکن ہے مگر کون ان کی شہادت پر حکم نافذ کرنے کا امر ہے جبکہ ان کا حامل ہونا متیقن ہو۔ پس جو شخص کسی حکم کو اس حال میں نافذ کر دے کہ شریعت کے موافق اس کے سبب کا فساد ثبوت نہیں ہو تو اس کا فعلی سراسر گمراہی ہے اگرچہ نفسِ امار میں اس کا فیصلہ یقین سے موافق بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم کو غیب پر حکم دیکھنے کا امر نہیں کیا گیا۔ بجز اللہ عزوجل پر ایمان لانے کے کہ وہ غیب پر حکم دیکھنے کا امر کیا گیا ہے۔



قوله الوجه الاول منها ان الحكم لا يكون الا على اكل وجوه التحقيق والتحقيق الاول  
الاول انما يابى به عز وجل حيث امرنا به

ف حضرت موفیہ میں جو علم نام بردا میں کے جامع ہیں وہ روایات پر عمل کرنے  
میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بدوین تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہیں  
لکھتے۔ بمعنی موفیہ جو علم نام بردا میں کے جامع نہیں ہیں جس شخص کی بنا پر روایات میں  
قتال کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کئیوں میں صفات اور احادیث موهو و کوا  
سے پائی جاتی ہیں مگر تحقیق صرف یہی کہ یہ شان نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲۶) پر زمرہ دار کو اپنے ماتحتوں کے جزئیات احوال سے باخبر رہنا چاہیے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہو کہ جس شخص کی گزرائی میں کچھ حدیث ہو خواہ چھوٹی رحمت  
ہو یا بڑی است اپنی رحمت کے جزئیات احوال کو معلوم کرنا چاہیے اور رحمت میں سے  
جس کو بھی کسی کے احوال کی کچھ خبر ہو اس پر واجب ہے کہ سردار کو ان احوال سے مطلع  
کر دے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) عبد اللہ بن عمرو سے  
فرمایا ہے کہ کچھ کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ ہمارے جبر نماز پڑھتے ہو۔ اگر آپ نے خود  
اس کو روایت فرماتے نہ کیا ہوگا اور صحابہ کے نزدیک یہ بات سنی شدہ نہ ہوتی کہ ان کو  
اپنے اور دوسروں کے گھروں کے احوال کا علم ہو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
مطلع کرتے۔ ہیں تاکہ اس کے متعلق حکم اپنی معلوم ہو جائے تو حضرت کو کوئی بھی یہ خبر  
نہ پہنچا کہ کیونکہ آپ کی ہیبت صحابہ کے دلوں میں بہت تھی یہاں تک کہ وہ اس گفتا  
میں نہ آکر سنے تھے کہ کوئی دیانت اگر آپ کے کچھ روایات کرے تو حضور جو کچھ جواب میں  
فرمائیں اس کو سنیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں۔ (تو بدوین آپ کے صفات  
کے کسی کی مثال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی بات حضور۔ چنانچہ قولہ الوجه الاول فیہ  
دلیل علی ان کل من کان من صفی نبعہ مغریہ و کلبی الی قولہ فیستفیدون۔

فت اس دلیل و استدلال میں نظر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے

متعلق حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے میں نے لا ہادھا عابہ و من خادھا  
بشاشا اچہ۔ جس سے واضح ہو گیا کہ بروقت کے پاس رہنے و پاس پر زیادہ ہیبت  
غالب نہ ہوتی تھی بلکہ محبت غالب ہوتی تھی۔ احادیث و میر کے مطابقت سے یہ امر  
واضح ہے کہ حضرت صحابہ بلا تکلف آپ کے سامنے ہر قسم کی باتیں کر لیا کرتے تھے نہ کہ  
غلام اور باندیاں اور مسلمانوں کے بچے بھی آپ سے بے تکلف تھے اور یہ جو ایک  
حدیث میں آیا ہے کہ میں نے اس قتل میں رہتے تھے کہ کوئی دیانتی اگر آپ سے کچھ  
سوال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ ہیبت کی وجہ سے آپ کے سامنے  
بات نہ کر سکتے تھے صرف یہ معلوم ہوا کہ سوالات نہیں کر سکتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے  
بعض بے تکلف سوالات سے ایک دفعہ آپ کو ایذا پہنچتی تھی کیونکہ وہ سوالات بے  
حضرت تھے۔ اس پر یہ روایت نازل ہوئی یا ایھا الذین امنوا لکم تسبیح من  
اشیاء ان تبدلوا کلمۃ کما جس میں اس قسم کے سوالات سے نہایت کڑی  
گفتی۔ اس کے بعد صحابہ سوالات میں احتیاط کرنے لگے اور کسی مائل دیانتی کے  
آنے اور سوال کرنے کی تمنا کرنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ دیانتیوں کے سوالات سے حضور پر  
گزرائی نہ ہوتی تھی۔ دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس واقعہ کی اطلاع  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہنچی تو اس کے متعلق کثر العاد میں تاریخ حاکم کے  
حوالے سے مذکور ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے شکایت کی تھی کہ عبداللہ رات بھر نماز پڑھتے ہیں اور رات کو روزہ رکھتے ہیں  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عبداللہ رات کو نماز بھی پڑھا کر  
اور سو یا بھی کرو (اور دن میں) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو اور اپنے باپ  
عمرو بن العاص کی اطاعت کرو۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو  
کی والدہ نے بھی ان کی شکایت کی تھی کہ عبداللہ نے تو دنیا کو ترک کر دیا کہ باپ سے  
اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ بیویوں کو چھیڑ دیا ہے ان سے کچھ مطلب ہی نہیں نہ وہ  
چھوٹے آپ کو قتل نہ کیا تھا ۷۷۷ ہجرت غالب اور قتل ہو کر لکھا جاتا ہے کہ حضرت غاسم بن

گوشت کھاتے ہیں۔ ص ۶۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو کے جزئیات احوال کو خود دریافت نہیں کیا بلکہ ان کے والدین سے شکایت کی تھی اور ان کے والدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت کا ایسا متعلق تھا کہ حضور کی بیعت اس قسم کی باتوں سے ان کو نہ نہ جاتی۔ یہ تو اس دلیل و استدلال پر کام تھا باقی حضرت شاذل کا مذہب اس دلیل پر موقوف نہ نہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ مدعا ثابت ہے کہ ہر مہر دار کو اپنے ماحول کے احوال و اقوال کی خبر گیری کرنا چاہیے البتہ تجسس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں تجسس سے غمی وارد ہے۔ مانتویں کے احوال احوال کی خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ان کے سپرد کر کے نہ کرے جو جانے بلکہ متحقق کرنا ہے کہ وہ اس کام کو کس طرح انجام دیتے ہیں اور اگر ان کے دوسرے احوال کے متعلق کوئی شکایت پہنچے تو اس کی پوری تحقیق کر کے ان کو تنبیہ کی جائے۔

واللہ اعلم۔

(۱۶۷) عبادت میں فساد افعیٰ کو مقدم کرنا چاہیے حدیث سے معلوم میں فوافعی (مستحبت و فوافعی پر) مقدم کرنا منسب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے کہ تباہی جان کا مہر برحق ہے۔ تباہی سے گھر و مال کا مہر برحق ہے (تو آپ سے حقوق نفس اور حقوق اہل کو شبہا بیداری اور صوم و ہر بر مقدم کرنے کا امر فرمایا ہے)

اس جگہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نفس کے حق سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح اہل کے حقوق کیا ہیں؟ اور اہل سے یہاں کون مراد ہے؟ حقوق نفس کے بارے میں حضرت فقہار و راہلین معاملات (یعنی حنفیہ کرام) میں اختلاف ہو چکا ہے۔ فقہاء تو یہ فرماتے ہیں کہ حق نفس یہ ہے کہ جن مخلوق کی بوجہ بشریت کے نفس کو عبادت ہے ان کو پورا کیا جائے (جیسے کہ ناہینا، سونا، بیوی کے پاس جانا اور کسی وقت نفس

کو راحت بھی دی جائے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسری حدیث) میں فرمایا ہے وقو القلوب ماحۃ۔ ولولہ کو کچھ دیر کے بعد آرام بھی دیا کرو۔ نیز آپ کا ارشاد ہے ان الحبۃ لا مفا قلع مفا ظہرا۔ یعنی تیر دوڑنے والے نے تو منافقت بھی کوئے کی دوسری کو ملاحۃ رکھ کر (کیونکہ ہر مہر برحق و درانے کا نتیجہ نکلی ہوتا ہے کہ مفاہ ظن سے وہ مفاہ ہے) مگر ان حضرات کے نزدیک بھی اس خطا کے پورا کرنے کی شرط یہ ہے کہ مسکن کے موافق پورا کیا جائے اور اہل معاملات (حنفیہ کرام) فرماتے ہیں کہ نفس کا مہر برحق یہ ہے کہ اس کو مولیٰ کے ہوا سے الگ کر دو (اس صورت میں یہ حدیث ایسی ہوگی) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افعل الخ خالفا و افعل ما (اپنے بھائی کی مدد کرو وغیرہ وہ قلم جو یہ معلوم) اور قلم کی مدد یہ ہے کہ اس کو قلم سے ملکہ دے (املا کر قلم سے روکن اس کو باگور ہوگا مگر اس کا حق نصرت اسی طرح ادا ہوگا اس کی ناگوار کی پر واد کی جائے گی۔ اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کے حواس سے منقطع کر دینا اگرچہ اس کو ناگوار ہوگا مگر اس کی خبر گیری کا حق اسی طرح ادا ہوگا خوب شبہ ہو اور دونوں قولوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ اس صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ تمنا سے قلب میں کو حق نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حواس سے اس کو منقطع کر دو اور اسباب (ظاہر) میں حق نفس یہ ہے کہ خلاف شرع اسباب سے اس کو مبرا کر دو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ کو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے لگاؤ نہ ہے (ہر طرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہے) اور اسباب ظاہر میں جو تعریف بھی جو شریعت کے مطابق ہو جس کی رفعت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ اس طریقہ کی شہادت ان روایہ میں حضرت معاذ کی حدیث ہے جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ میں بیجا تاکہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں چنانچہ یہ دونوں وہاں پہنچے اور لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سمت کو دوا دے ہوئے جیسا کہ ان کو امر کیا گیا تھا پھر کسی موقع پر دونوں کا اجتماع ہوا تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ حضرت

میں غل و بالغ ہو گا مگر عام معنی پر حدیث کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ کلاس  
میں زیادہ ناخاندہ ہے اور اس حدیث میں اصل کو زور پر محمول کرنے سے یہ لازم نہیں  
آتا کہ اولاد اور ماں باپ وغیرہ کا حق بندہ کے ذریعہ نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ چونکہ  
صحابی کے والدین نے خاص طور پر شکایت کی تھی کہ ہمارے کو تو نہ دینا سے واسطہ نہ  
ہیوی سے مطلب۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خصوصیت کے ساتھ نبوی کے  
حق کی تاکید فرمائی ہے جو حق میں کوئی ایسی کمی نہ شکایت نہ کی تھی تو یہاں اُن کے  
ذکر کی حاجت نہ تھی۔ دوسرے مواقع پر بہت احادیث میں حضور کے جملہ اہل حقوق  
کے حقوق پر تنبیہ فرمادی ہے، قول لوجه السامہ و شریک دین علی ان الله في العبادۃ  
تقدیر الفرقان فی قوله و جعل علی اعداء ذلک فی انفسہ

ف ہے اصل اور حقیقی تعقوت کہ ذرائع کو تو اُنہی نفس و استقامت پر مقدم کیا جائے  
لیکن آج کل کے جاہلوں کا تعقوت یہ ہے کہ نماز، قضا، ہوجا دے اللہ  
قضا ہوجا دے مگر عیر کا بتلایا ہوا و عقیقہ قضا نہیں ہو سکتا۔ بعضے جاہل صوفی اس  
بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے تیس برس سے نبوی پتھن کی محنت نہیں دیکھی۔ بیٹے  
اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے کسی بزرگ کا کوئی عرس قضا نہیں ہوتا برابر عرس  
میں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی وجہ سے اُن کی عدا غنازیں دین کے سفر میں  
قضا ہوجاتی ہیں یا بے دست و پا بن جاتی ہیں۔ مگر ان جاہلوں کے نزدیک  
غناز روزہ میں وہ قواب کہاں جو عرس اور قوا میں ہے استفادہ و کاحول ولا  
قوة الا بالانۃ۔ ان لوگوں نے کس شریعت اسلام کو مٹا دیا اور کس بُری طرح  
تعقوت کو بدنام کیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ مرنے والے ہیں ان کو تعقوت کی ہوا کی تعقوت  
قواں کا نام ہے کہ ان کو تو نہ دے نہ دے ہوجا دے۔ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے اور  
احمال میں شریعت کی پوری پوری موافقت ہو۔ جس کو یہ دولت حاصل ہے وہ صوفی ہے  
و زہدی اور جاہل ہے۔

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ مدارقرب احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ یہ بات اب نہ

ہو مومن نے فرمایا۔ میں اس کو (غنازیں) کھڑا ہو کر بھی پڑھتا ہوں۔ چکر کر بھی پڑھتا ہوں  
لیٹ کر بھی پڑھتا ہوں۔ وقفہ وقفہ سے پڑھتا رہتا ہوں۔ دلت مہر نہیں موتا حضرت  
معاذ نے فرمایا کہ میں تو رات کو نماز میں کھڑا ہو کر پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں  
اور جیسا کہ تم سے قواب کی امید رکھتا ہوں اسی طرف سوئے میں بھی قواب بکھتا ہوں  
پھر دونوں اس عقائد کا خود فیصلہ کر سکے اور کسی نے دوسرے کی بات کو فضی  
نہ مانا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے  
اس عقائد کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا اسے ابو موسیٰ اسماؤم سے زیادہ سمجھتا رہیں  
تو قیام (دین) بھی کرتے ہیں اور سوتے بھی ہیں (اسی کے مناسب) بعض بزرگان طریق  
کی صحبت سے کہ ایک دفعہ ان کو نماز اور فضی (غنازوں کی) خاص حالت میں  
نبوی قوی کی کہ یہ حالت میرے لیے بہتر ہے یا کرسے تو ان سے (بطریق الہام کے) کہ گیا  
کہ تم بشر نہیں ہو اور بشریت کے پتے ہوتے یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی ہے  
در بزم عیش یک دو قدر ذکر و شہد یعنی طبع دار و ممال دوام را (یعنی طبع  
پس جب تم ہمارے حکم اور نبی کی طرف رجوع کرتے ہو ہمارے حکم کو کالو  
اور جب نفس سے نکلی گئی ہے اس سے باز رہو) تم ہمیشہ ہمارے پاس رہو گے (یعنی  
قرب کا مدار احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ تم اپنے اعمال کو شریعت کے موافق رکھو  
پھر حال میں مقرب رہو گے۔ احوال ہوں یا نہ ہوں اگرچہ عداۃ اللہ یہ ہے کہ استقامت  
اعمال سے استقامت احوال بھی عطا ہوجاتی ہے مگر احوال کے لیے دوام لازم نہیں)  
ہا یہ کہ یہاں اہل سے کون مراد ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ نبوی بچے وغیرہ جن کا  
نفع مراد ہے سب ہی مراد ہوں کیونکہ اگر انسان ہر وقت عبادت میں مشغول  
رہے گا۔ ان کے حقوق کا ادا کرنا دشوار ہوجائے گا۔ حالانکہ ان حقوق کے شغل  
س سے سوال کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اہل سے صرف نبوی  
مراد ہو کیونکہ شوہر و اس کا حق یہ بھی ہے کہ اس سے مفاد بکھرتے رہے اور روزہ  
اور شب بیداری کی کثرت اس میں کمی کا باعث ہوگی جس سے ایک حق واجب

لکھنے کی ہے۔ حضرت حکیم الامتہ دام مجہم نے اپنے مواظف و ملحوظات میں بار بار اس پر  
متنبہ فرمایا ہے کہ سناٹ کو اپنے اعمال کی اصلاح اور نیکی میں سی کرنا چاہیے کہ قرب  
اسی سے عطا ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ بکھانہ اندر دل سے غلوں کے ساتھ کہنے سے تو قرب  
ہو گا مگر کھنڈ بھر کے استغراق اور دن بھر کے جوش و غرور شس سے کچھ بھی قرب نہ  
ہو گا۔ کیونکہ حوال کو قرب میں دخل نہیں وہ تو صرف مصلحت اعمال کے لیے عطا ہوا کرتے  
ہیں نہ کہ سناٹ کی بہت علی کے لیے بلند رہے خود غفلتوں میں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے  
دستر خوان پر مشقی کہ وہ غذا کے لیے معین ہوتی ہے خود مقصد نہیں ہوتی۔ انسان کو مشقی  
کے ذریعہ غذا سے پیٹ بھرنا چاہیے۔ اگر کوئی مشقی کی لذت پا کر کسی سے پیٹ بھرے لگے تو  
یقیناً نقصان اٹھائے گا اور سب اس کو احمق بتا دیں گے۔

(۱۲۸) حدیث میں (انسان کی) بشری کمزوریوں پر بھی حالات ہو رہی ہے کہ کھلف

کے ساتھ قدر تحمل مشقی سے زیادہ عمل کرنا اکثر ضرر اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے ان پر متنبہ فرمایا ہے (فاقد ان

فعلت ذلك) حجت عینہ و نفعت خفیف (اگر تم ایسا کرو گے تو بیماری

آنکھیں (اند کو) گڑبائیں گے اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے گا۔ اس کا حکم کا پر شوکت

عزیزان بتا رہا ہے کہ طبیعت انسانی اپنے مقصد کی وجہ سے اس عمل کا تحمل نہیں کر

سکتی جس کا ان صحابی نے ارادہ کیا تھا۔ اس کی ایک تقریر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو وصال مرحوم سے منع فرمایا تھا (و حال مرحوم یہ ہے کہ گناہ

دوڑے دیکھ کر چلا جائے۔ در بیان میں رات کو بھی کچھ دکھائے) صحابہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! آپ تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے رات کو

اللہ تعالیٰ کھلتے پلاتے دہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی طور پر آپ (نبی) کھانا

کھاتے تھے کیونکہ اس موت میں آپ کا وصال باقی نہ رہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جیسی کھانے پینے والے کو (و غذا سے)

حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ایک بزرگ حبیب وصال کا ارادہ کرے ایک دونی

اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت سے باہر گئے تو کسی درویش نے وہ دونی  
تکیے کے نیچے سے نکال لی۔ جب بزرگ واپس آئے اور تکیے کے نیچے دونی کو نہ پایا تو بوجھا  
یہاں سے دونی کہاں گئی؟ درویش نے کہا حضور! آپ جیسے شخص کو اس دونی کی ضرورت  
ہی کی ہے (وہ تو کئی دن سے ویسے ہی رکھی ہوئی تھی) ہم نے اس کو الگ کر دیا کہ جب  
کھاتے نہیں تو غفلت رکھنے سے کیا غامدہ؟ فرمایا ادب کی رعایت کرو کیا تمہارا یہ خیال  
ہے کہ اس وقت میری جو حالت تم دیکھ رہے ہو یہ میری طبیعت (اور نظری) حالت ہے اور  
میں بلکہ بعض فعل، فعلی اور فعل ربانی اس کا سبب) ہے تو اگر کسی وقت مجھے حالت بشری  
کی طرف لوٹا رہا ہوں اور یہ ضمنی و درود رک دی جا جائے) اس وقت اگر میرے پاس  
یہ دونی ہوگی تو میں اس سے دشمن کو دینے کو سکو۔ (یعنی جو کسی بدعت کی طرف  
منضمی ہو جاتی ہے اسی لیے اس کو دشمن کہہ دیا) یا تعبدان کو دینے کو سکھو گا جو غیث و  
مدد مانی کے بند ہونے کے وقت سناٹ کو بھٹکنے آتا ہے کہ کو تمہاری محنت و راحت  
کی دہان یہ قدر کی گئی کہ وہ بند کر دیتی تھی اب تم ہاک ہو جاؤ گے۔ تو اس وقت دونی  
تکیے کے نیچے سے نکال کر اس کے دوسرے کو دینے کر دیا جائے گا کہ میرے مالک نے  
ایک مدد بند کر دی تو دوسری مدد تو اس کی طرف سے موجود ہے کہ اس نے مجھے دونی سے  
کو دی ہے جس سے جو کو دینے کر کے قوت حاصل کر سکتا ہوں)

اسی حقیقت کی بناء پر احکام کامل اور اکثری حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ مثلاً

تین وقت کے فائد کے بعد ہر کار کو ملان کر دیا گیا کیونکہ طبیعت انسان کی کسی دنیائے

کمزوری کی وجہ سے اس مقدار سے زیادہ فائدہ کا تحمل نہیں کر سکتی۔ اگر اس سے

زیادہ کا تحمل کیا جائے گا تو انسان کی حالت میں خلل واقع ہو گا جس سے جن دفعہ

موت کی نوبت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

ما یصلی اللہ بعدا بک۔ ان مکر تہ و امنتہ -

اللہ تعالیٰ کو تمہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم شکر کرتے رہو

اور ایمان لے آؤ ۛ

لعلت (کاملاط) ہو جائے کہ بزرگوں کے ساتھ اس کو شبن سخن ہے۔ اُن کی حالت کی تصدیق (اُس کے دل میں) ہے تو اور بات ہے لیکن غالب یہی ہے کہ اس شخص کو (ابتداء میں) دشواری پیش آئے گی۔ پھر بزرگوں کی حرمت کی وجہ سے دشواری اُٹھادی جائے گی۔

قوله فب الوجه السابق فيه دليل على نفعه بشرطه  
الى قوله ثم يدل على نفعه للحرمة -

(۱۲۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہو کہ دین میں جس عمل کو مستحب کہا گیا ہے وہ بھی ہر حال میں مطلوب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔  
صحة وانظر وقد وجد روزہ بھی دیکھو انظار بھی کرو۔ رات کو انگوٹھی اور سوو بھی۔ اس کے اشارہ سے محب کا مطلوب ہونا مفہوم ہوا۔ اپنے اور اشارہ کلام اور غوی کلام کا وہی حکم ہے جو نفس کا حکم ہے۔ مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا تو کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے ضمن میں یہ فرما رہے ہیں کہ اداء حقوق (زوجہ وغیرہ) میں اپنے مشغول نہ ہو کہ مستحبات کو بالکل ہی نظر انداز کر دو بلکہ فرض اور مستحب دونوں کو نبھال دے ہو۔ اگر تم تو اہل شریعت میں غور کر دے تو تب کو اس کی اعزاز پر پاؤں کے ذکر فرائض اور مستحبات دونوں ہی کے اہتمام کا حکم کیا ہے)

پس جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اپنے محبوب پر نظر رکھتا ہے ذکر فرائض میں کوتاہی ہو رہی ہے یا مستحبات میں (جس سے کامیابی کا راستہ اس کو نظر آ جاتا ہے۔ اس لیے (ایک بزرگ نے) فرمایا ہے کہ تمہارا اپنے نفس پر نظر کرنا ہوا ہے حجاب ہو جاتا ہے (یعنی ایسا شخص دوسروں کی خبر گیری اور ضرورت نہیں کرنا نہ اُن کے حقوق ادا کرنا ہے) اور اپنے نفس کے سوا دوسری چیزوں میں مشغول ہو جانا اپنے نفس سے حجاب ہو جاتا ہے ذکر ایسا شخص اپنے نفس کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ دوسروں ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ پس نہ ہرگز

(کو کسی حالت میں انسان کو بلا کثرت میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب خدا نے ہمازت دے دی ہے ہے تکلف فرما کر کھا کر اپنی جان بچائے اور وقت حاصل کر کے ایمان اور عمل صالح میں ترقی کرے۔ جدیت اور بندگی اسی کا نام ہے۔ اس وقت طبعی نفرت پر عمل کر کے فرار سے احتراز کرنا اور جان کو بلا کثرت میں ڈالنا خدا کی بندگی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی بندگی ہے۔ عاشق کی شان یہ ہونا چاہیے۔

پس طبع غواہ زین سلطان دین

خاک بر فرق قاضی بعد اذین

عشق و محبت کی شان یہ ہے کہ اگر ایک وقت محبوب مر جائے شاہی رکھے تو جب اُس وقت خوش ہو کر محبوب کا شکر یہ ادا کرنا ہے اسی طرح اگر دوسرے وقت تاج شاہی مرے آفا کہ ایک بھنگی کے ساتھ مجھ کو دینا رکھا کہ تم دے تو اس حکم کو بھی خوشی سے بلا چن و چرا بھالائے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن

دل بدست و گرسے دادن و حیران بودن

پھر اگر انسان کو کسی وقت اس سے زیادہ قوت عطا ہو جائے (کو تین وقت سے زیادہ قوت کرے سے بھی اُس کو نقصت اور کمزوری نہ ہو) تو یہ محض فضل و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لیے کھانے پینے سے قوت عطا کرنے کا قانون مقرر کیا ہے اسی طرح اپنے خاص بندوں کے لیے بدوں کھانے پینے سے قوت اور بہت عطا کرنے کا قاعدہ جاری کر دیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جہاں کی طرف انصاف نہ کریں۔ تو جو شخص اس شان کو (یعنی وصال محرم کو) اختیار کرے، ان لوگوں کی طرف انصاف نہ کریں گے۔ حالانکہ ابھی اس کو یہ فیض حاصل نہیں ہوا تو اس کی حالت میں ضرور غفل واقع ہوگا اور یہ شخص اس آیت کا منطوب ہوگا ولا تعلقوا بالید یکم الی النہیۃ اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو بلا کثرت میں نہ ڈالو۔ مگر یہ کہ کسی کے ساتھ اس وجہ سے

## باب شصت و دوم

## حدیث

## الاستغارة فی الامور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام کاموں میں استغاثہ کی تعلیم (اس تاکید سے) فرماتے تھے جیسا قرآن کی صورت (اہتمام کے ساتھ) سکھایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ جب کسی کو کسی کام کا فکر (درد) ہو تو دو رکعتیں نفل پڑھے اُن کے بعد یوں کہے :-  
 اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغِیْزُكَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَعِیْذُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْتَلْجِیْکَ مِنْ قُدْرَتِکَ اَلْعَلِیْمُ لَا یُغِیْبُ عَنْکَ تَقْدِیْرُکَ وَ اَلْعَزِیْزُ لَا یُغِیْبُ عَنْکَ اَنْتَ فَتَعْلَمُ اَنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَمْرٌ یُجْزِیْ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ هَیْزَةِ حَیَاتِیْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اَجَلِیْ فَاقْدُرْ لِیْ وَ تَجِزْ لِیْ ثُمَّ یَا رَبِّ لِیْ فِیْهِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَمْرٌ یُجْزِیْ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ هَیْزَةِ حَیَاتِیْ وَ اَجَلِیْ فَاصْرِفْهُ عَنْیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اَقْدُرْ لِیْ خَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَدْعِیْ بِیْهِ۔ قَالَ وَ یَسْمِیْ حَاجَتَهُ ۔

ترجمہ :- اے اللہ! میں آپ سے تجریدِ غریب طلب کرتا ہوں آپ کے علم کے وسیلے سے اور قدرتِ عظیم کی قدرت کے فضل اور آغا ہوں آپ سے آپ کے لئے فضل کا کھنڈہ کیونکہ آپ قادر ہیں کہ درمیان میں آپ جیسے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ آپ تو تمام امور میں

دوسروں میں مشغول ہوں نہ ہمت نہ اپنے نفس میں مشغول ہو، بلکہ دوسروں کا حق بھی ادا کرے اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کرے یہ امر اگر تم کو اپنے نفس (کی اصلاح و فکر) سے جُلب ہو نہ لگا (اپنے کمالات پر نظر کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگا) تو دوسروں سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اور اگر اصلاحِ نفس میں اس طرح کے رہے کہ (اپنے نفس (کے کمالات) سے اندھے بن گئے تو اپنی ذات سے بھی تم کو خیر حاصل ہوگی اور دوسروں سے بھی فائدہ پہنچے گا۔

قوله لا وجه الشا من فيه دليل على ان المدد في الدين

مطرب على كل حال الى قوله لا تدبرها وتعيها ما واه -

ف اپنے نفس سے اسی کو توجہ پہنچتا ہے جو اس کی فکرِ اصلاح سے غفلت نہ کرے اور ہمیشہ اس کو خیر سمجھے اور دوسروں سے نفع اس کو پہنچتا ہے جو اپنے کو سب سے کمتر سمجھے۔ بالائیں شب کی طرف جاتا ہے، بلندی کی طرف نہیں چڑھتا اور اگر کبھی اتفاق سے بلندی پر جاتا بھی ہے تو تیشب کو ہجر کر جاتا ہے یہی حال فیضِ باطن کا ہے ۔

ہر کامیابی سے اب انہما رود

ہر کامیابی جواب انہما رود

اُس کی تجویز سے مامی نہ ہونا دیکھ کر ہونا ہی کو اتفاق ہے۔ ایک حدیث میں یہ معقول وارد ہوا ہے کہ کن قتلے فرماتے ہیں کسی پر اُس شخص سے زیادہ غضب ناک نہیں ہو جاسے مجھ سے کسی معاملہ میں استغفار کیا۔ میں اُس کے متعلق ایک فیصلہ کروں پھر وہ میرے فیصلے سے ناگوار یا خاہر کرے۔ ادا قال  
قوله بعد شرح الفاتحة الحديث وقد ذكر هن العنيفة نه من  
استغفرت في شئ الى قوله فغنا ففكره. ومك قال -

(۱۱۹) ہر لمحہ فقر و احتیاج و رجوع الی اللہ کو لازم کر لینا چاہیئے  
اس میں حریف کے لیے بہت بڑی دلیل ہے جو ہمیشہ کے لیے فقر و احتیاج  
اور ہر سانس میں اللہ تبارک کی طرف کیسوئی کو اختیار رکھے ہوئے ہیں کیونکہ جب  
خدا کسی دیر کی احتیاج سے (جو استغفار میں ظاہر کی جاتی ہے) اتنا بڑا فائدہ  
ماہل ہو سکتا ہے کہ بندہ کی مدد و رحمت ناز اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار  
میں شیفین بن جاتی ہے) تو اگر یہ حالت دائمی ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ (خود  
ہی سمجھ لو) ۵

اُس دعا سے بخود یا خود دیگر دست اُن دعا و نصیحت گفت واورت  
اُن دعا میں کی گئی اور اُن دست اُن دعا یا اجابت از خداست  
چون خدا از خود سوال و گد کند پس فعلیہ نوشتن چون دو کند ۱۷  
حریف میں سے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کسی درویش کو کوئی حاجت  
پیش آتی وہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے اپنی کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے  
فعل سے (بہت جلد) پوری ہو جاتی اس پر کوئی درویش عرض کرتا کہ حضرت  
اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ تعالیٰ جانا کتنی بڑی دوست ہے تو اُن کا جواب یہ ہوتا تھا  
کہ تم اس سے ہٹے ہوئے کب ہو، جو اُس کی طرف درجہ کسے کی عزت ہو  
(اللہ تعالیٰ کو وہ لے جاوے جو اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو اور تم تو ہر وقت

ہیں۔ یاد رہے کہ آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے غیر ہو (یہاں مقصود کا نام سے یا مقصود کرے۔  
میرے دین میں بھی دنیا میں بھی در انجام کار میں بھی تو اُس کو میرے لیے تجویز کر دیکھ اور میرے  
لیے سنان کی کر دیکھ۔ پھر اُس میں میرے لیے برکت (درویشی) بھی دیکھ اور اگر آپ کے علم  
میں یہ کام میرے لیے ضروری یا یہاں مقصود کا نام سے یا مقصود کرے) میرے دین میں اور  
دنیا میں در انجام کار میں تو اُس کو مجھے بتا دیکھ اور مجھے (بھی) اُس (کے خیال) سے بنا  
دیکھ اور جہاں کہیں بھی غیر جو اُس کو میرے لیے مقدر لیا دیکھ۔ پھر مجھے اُس سے  
مامی رکھئے ۱۸

فرمایا اور (درویش میں) اپنی حاجت کا نام بھی لے (ترجمہ میں تو اُس کا مقصد بتلا  
دیگا اور اصل دعا میں اُس کا مقصد لفظ هذا (حرف ہے)  
ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا نے استغفار پر  
شرح ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس پر چند وجوہ سے کام لیتے ہیں  
حریف سے فرمایا ہے کہ جس شخص سے کسی کام کے لیے استغفار کیا اور اُس میں  
اللہ تعالیٰ نے (کسی جانب) کوئی فیصلہ کر دیا (مثلاً وہ مقصود پورا کر دیا یا اُس سے دل  
کو ہٹا دیا یا ایسے اسباب پیدا کر دیئے جس سے وہ معاملہ خود ہی ہٹ گیا) اور بندہ  
اُس فیصلے سے مامی نہ ہوا تو یہ اُن کے نزدیک کیا نہیں ہے (یعنی بڑا گناہ ہے)  
جس سے تو بے نیاز اور باز نا واجب ہے۔ کیونکہ یہ سوا اللہ ہے۔ حریف کا یہ ارشاد  
ظاہر ہے کیونکہ جب بندہ مسکین نے اپنے ایسے بڑے آفات سے بھل کی طرف رجوع کیا  
اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کے لیے جو صورت مناسب ہو تجویز کر دی جائے  
پھر یہ اللہ کی تجویز سے کیوں مامی نہیں ہوتا؟ یہ حالت تو اتفاق کے مشابہ ہے بلکہ  
یہی تو عین اتفاق ہے کیونکہ اُس نے اپنا فقر اپنی احتیاج ظاہر کی (اور زبان سے)  
معاذ اللہ تعالیٰ کے سیر کر دیا اور دل میں اُس کے خلاف متناہس حالت کو  
اُس کے اس قول سے کیا تصدیق اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخْبِرُکَ بِوَلِیِّکَ ذَکَیَا اللّٰہُ! میں  
آپ سے تجویز طلب کرتا ہوں آپ کے علم کے وسیلے سے، اللہ سے تجویز کی درخواست کرنا پھر

مست مشورہ ہے کہ اگر استفادہ میں جس جانب دل مائل ہو اسی طرف غیر ہوئی ہے۔  
 اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ مگر حدیث میں اُس کا کچھ ذکر نہیں اس لیے استفادہ کے بعد جس چیز  
 کو بھی اختیار کرے گا اُس میں خیر ہوگی خواہ وہی جانب ہو جس کی طرف دل زیادہ مائل تھا  
 یا دوسری جانب ہو۔ غرض استفادہ کے بعد جس جانب پر عمل کی توفیق ہوگی اسی میں خیر ہوگی۔  
 صحت اس میں شک نہیں کہ اگر استفادہ کے بعد کسی جانب دل زیادہ مائل ہوگا کہ  
 استفادہ سے پہلے اُس طرف زیادہ میلان نہ تھا تو ملاحظہ برے علامت اس کی ہے کہ  
 اسی جانب کو اختیار کرنا بہتر ہے مگر وجوب اور لزوم کی علامت نہیں اس لیے اُس  
 کے خلاف کو بھی اختیار کرنا جائز ہے۔ کچھ کچھ یا حذر کا اندیشہ نہیں۔ بعض لوگوں کا جو یہ  
 خیال ہے کہ استفادہ کے بعد جس جانب دل زیادہ مائل ہو اُس کے خلاف کرنا چاہنا نہیں یا  
 اُس میں حذر ہوگا غلط ہے اسی طرح جب تک دل کسی ایک طرف مائل نہ ہو استفادہ کو یکبار  
 سمجھتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔

مست استفادہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو جائز یا دو مستحب کاموں میں تردد ہو  
 کہ ان میں سے کس کو اختیار کروں تو استفادہ کر کے جس شئی کو دل چاہے اختیار کرے  
 اُس میں تردد نہ ہوگا۔ پھر جس شئی کو اختیار کر لیا اُس کو حق تعالیٰ کی تجویز سمجھ کر اُس سے  
 یا خیر نہ پنا چاہئے اور تین دیکھنا چاہئے کہ اس میں خیر و زور ہوگی جو اکثر توشاہدہ میں  
 آجائے گا اور اگر کبھی اُس کے مشاہدہ میں نہ آئے تو سمجھ کر اللہ تعالیٰ علامہ الغیوب  
 ہیں اُن کے علم میں میرے لیے خیر و سب کو میری سمجھ میں نہ آتا ہو استفادہ کے بعد  
 جس شئی کو اختیار کر لیا اُس سے نکاح اور راضی اور یہ خیال کہ مجھے دوسری شئی  
 اختیار کرنا چاہیے بھی کسی میں خیر ہوئی بہت بُری بات ہے جس پر حدیث میں  
 وعید وارد ہوئی ہے۔

اُس کی طرف متوجہ ہو) ان بزرگوں کے الفاظ میں غور کرو کہ کس طرح اصول شریعت کے  
 موافق حد اعتدال پر کسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو یہ بھی معلوم  
 نہیں ہو سکتا اس موقع کے لیے کیا قاعدہ ہے دیکھا جواب مناسب ہے مگر اندھا سنا  
 وقت پر ان کی اسناد مندرجہ ہے۔ اُن کا زبان سے وہی نکلتا ہے جو حق کے مناسب  
 ہوتا ہے۔ دیکھو! اندھا سنا ظاہر و ظہر نے فرمایا ہے جس کو جس دروازہ سے ملحق دیا جائے  
 اُسی کو نگاہ ہے اور جب سیدنا خیر اللہ قسطلانی کی طرف رجوع ہوئے ہیں تو اس  
 دروازہ سے کسی وقت نہ ہٹنا چاہئے کہ وہ چراغ کی ضرورت ہو۔ جیسا ان بزرگ نے فرمایا  
 ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے میں  
 شغلہ ذکر کتب میں سنا انا اعطیہ اصول ہدایہ علی ساداتہم میں کو میری یاد  
 مجھے سوا کر سنے اور دھا کر سنے)۔ سے دوک دے۔ میں اُس کو مانگنے والوں سے  
 بھی زیادہ دینا ہوں۔ پس اپنی جیہت لے آئیں گے و گھوڑے تم کس کے دروازے پر  
 کھڑے ہو؟ اور کس عظیم الشان جہت کی طرف متوجہ ہو رہے ہو؟ اُس کا  
 ادب ملحوظ رکھ کر دیکھو اور جو مانگتا ہو مانگو میرا مشاء و مشرعم نہ تو مانگے  
 قوله فبعد التوکل دلیل لا حول، یعقوبہ الی قولہ بیاب من  
 تعنت وانی جہۃ لتعذر۔

فہم دعائے استفادہ کے الفاظ کو سمجھنا ان کا اور جس طرح حدیث میں وارد  
 ہیں اُسی طرح یاد کرنا چاہئے۔ معنی بھی یاد ہوں تو بہت اچھا ہے تاکہ خدا دل  
 سے اضطرار کے ساتھ ہو۔

مست استفادہ واجبات یا محرمات و مکروہات میں نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب  
 کا بھالنا ضروری و مجرم نہ کر دے۔ پھر اُن میں استفادہ کا کیا مطلب؟  
 استفادہ صرف مباحات میں ہوگا کہ تاہم اور مستحبات میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ  
 دو مستحب میں سے ایک کو کرنا چاہتا ہو۔ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسا بہتر  
 واسطے زیادہ بہتر ہوگا۔







## باب شصت و چہارم

### حدیث

#### کراہۃ الرسول ان یدیت عنہ ذہب اولیسی

عقبہ من المارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسکر کی نافرمانی کی جب آپ نے سلام پھیرا تو دہائی سے کھڑے ہو گئے اور اپنی اندھا دیکھ میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور لوگوں کے چہرے سے آپ نے محسوس کیا کہ ان کو آپ کے جلدی اللہ جاننے سے تعجب ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے نماز میں یاد آ گیا کہ ہمارے پاس کچھ سونا ہے تو مجھے پسند نہ آ گیا کہ شام کو یا بات کو وہ ہمارے پاس دے دے اس لیے میں نے اس کے تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

شرح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر جو بات یاد آئے اس پر عمل کرنا جائز ہے جب کہ وہ بات ایسی ہو جس سے نماز میں نقصان نہ آتا ہو بلکہ صلاح و کمال حاصل ہوتا ہو اور نماز کو فاسد کرنے والی بھی نہ ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۳۲) ایک طاعت میں مشغولی کے وقت دوسری طاعت کو سوچنا جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک طاعت میں مشغول ہوتے ہوئے دوسری طاعت کا ارادہ کرنا (یا اس کو سوچنا جائز ہے مگر اس میں تفصیل کی ضرورت ہے کہ کس چیز

ہے کہ یہ شخص کے لیے مطلقاً سنت ہے یا صرف ان ہی لوگوں کے لیے سنت ہے جو صاحب حکومت ہیں جس نے اس وقت پر نظر کی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی تھی اس نے تو یہ کہا کہ انگوٹھی پہننے اس کے لیے سنت ہے جس کو اس کی ضرورت ہو اور ضرورت کا ذکر اگر آپ کا ہے اور جس نے صرف آپ کے نعلین پر نظر کی وقت پر نظر نہیں کیا اس نے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ سنت سنت ہے اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

الدریث بالسنتہ معیاہ فقد قصد فی فعلتہ سواہ

واذا ند ہوا ند سواہ قد اختلفت و اھلکت معیاہ

(ترجمہ) دین کی بات سنت ہے۔ پس اپنے اعمال میں سنت کے سوا

نیز کا قصد نہ کرو۔ بڑی بدعتوں سے بچو جو دین کی بات کو تباہ و

برباد کر دیتی ہیں۔

قوله وفيہ دلیل علی ان من موحدۃ البشر لیس من الدینا

الی قوله و اھلکت معیاہ۔

✽

کا یاد کرنا نہ کرنا فاسد کرتا ہے اور کس کا یاد کرنا فاسد نہیں کرتا جس کے لیے اُن  
خواہر کا، تسلیم کا جاننا ضروری ہے جو نماز کے اندر انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں  
اور وہ چار قسم کے ہیں۔ نفسانی شیطان  
**خواطر و وساوس کے اقام** مکتبہ ادرربانی۔

خواطر ربانی تو نماز کے قبول ہونے کی علامت ہیں ورنہ بڑھنے والوں کا  
یہ اعلیٰ درجہ ہے کہ نہ زمین اُن کے نکل پر اثر تھکے لے غرت سے کوئی بات  
درود پڑھنا (کی زندگی) کے اعتبار سے یہی شکیبائی کی حقیقت ہے (اور آخرت  
کے اعتبار سے مناجات کی حقیقت اس سے بھی اعلیٰ ہے) اور اس درجہ کا یاد  
ہونے والے کچھ لوگ ہیں جو اس کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اسی شان  
کے تھے اُن سے جب کوئی مرید یہ کہتا کہ میں نے نماز میں یا نماز کے پہنچنے پر غرض کے  
لیے دُعا کی تھی تو وہ اُس سے دریافت کرتے کہ تُو نے دُعا کے قبول ہونے کے  
مقتضیٰ کوئی جواب اور ضرورت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی غرت سے کوئی خطاب  
نہی کیا؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں مستجاب ہے تو سمجھ جاتے کہ اس کو خصوصیت والوں کے  
درجات میں سے کوئی درجہ حاصل ہے ورنہ اگر کہتا کہ میں نے تو کچھ نہیں سنا تو اُس  
کو دُعا میں حمار لسنے در فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص انصاف کے ساتھ  
غلوں سے بچے دُعا کو لے اور اپنی در خواست کا جواب نہ دے یہ تو محال ہے۔ اُن کے  
نزدیک یہ ضرورت مناجات کی کہیں سے تھی کیونکہ اُن کا مالِ دُعا دُعا کی طرف سے  
کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے غارت سے مطالب اور جواب سمجھ ہوتا تھا اور اس وقت  
میں نماز کے قلب کو بہت اندر دُعا سے ملنے کی خواہش ہے اسی حقیقت کی بناء پر یہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی العلقۃ۔ میری آنکھ کی  
ٹھنڈک اندر میں رکھی گئی ہے۔ نیز فرماتے ہیں اودع باہایا بادل اسے بادل ہم کو  
نماز سے دُعا پہنچاؤ۔ کیونکہ جاہد کی پیاس شربِ مہمانت کی ٹھنڈک سے  
بُچھ جاتی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوی (شوق و محبت) کو

کون ہوتا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:  
اقرب ما یكون العبد من دبه وهو ساجد فیکثر فایہ الدعا  
فتمن ان یستجب لکم۔  
جذد کو اپنے رب کا زیادہ قرب سجدہ میں حاصل ہوتا ہے تو سجدہ میں دعا بت  
کی کرید دعا اس قابل ہے کہ قبول کی جائے  
کیونکہ اس میں قرب و اتصال کی ضمانت ہے اس کو اہل قرب ہی سمجھتے ہیں اور  
اُن ہی کے ساتھ یہ حال مخصوص ہے۔ اسے اللہ! ہم آپ سے درخواست کرتے  
ہیں کہ ہم کو بھی اس درجہ کا اہل بنادے ورنہ اگر ہم کو اس کی تصدیق سے  
تو محروم نہ فرما دیں۔

اور خاطر ملکی وہ ہے جو کسی غیر کی طرف انسان کو دُعا دلاتے جیسے وہ بات  
جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ پھر یہ خاطر کسی تو ایسا ہوتا ہے جس پر ہم کو غل کرنا چاہیے  
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شرع کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی نماز کا اعلیٰ درجہ ہے یا اُس  
سے نماز کے اندر دُعا سے قطع ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں نماز کا حسن بنایا  
ہوگا۔ جب تک دل اس میں اتنا مشغول نہ ہو کہ اُس سے نماز (کے اندک) و واجباً  
میں غفل واقع ہو جائے کہ اس ضرورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ جیسا حضرت  
حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغرب کی نماز  
پڑھائی اور اس میں قرائت نہ کی۔ بعد میں آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا کہ  
آپ نے نماز میں قرائت نہیں کی؟ فرمایا کہ اور سجدہ کیسا تھا کیا گیا اچھا تھا۔ فرمایا  
تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ شام کی طرف ایک لشکر کے تیار کرنے (کے خیال) میں رہا  
لوگوں کو اس کے مقامات پر نہیں کیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نماز کا  
اعادہ فرمایا۔ اس لیے علماء میں اختلاف پڑا ہے کہ اگر کوئی دُعا پوری طرح ادا  
ہوگیا پورا اور قرائت نہ کی گئی ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں و حنفیہ و شافعیہ  
کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ قرائت بھی رکنِ مطلق ہے جس کے ترک سے نماز

باطل ہو رہا ہے) اور اگر کوئی دیکھ دیکھ کر غصہ نہ کرے تو عاودہ (بالعاقبہ) ضروری ہے۔

دعویٰ اللہ تعالیٰ سے نہ ہونے (یک اعزالی سے جس نے نماز میں رکوع و سجود پسری طرح نہ کیا تھا۔ جاری جاری نماز پڑھی تھی) فرمایا اجمع فصل فائز (موصول ہو پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر کان کے اندر غصہ نہ ہو گا) یہ ہے اور اگر غصہ نفسانی ہو تو اگر وہ ایسا خیال ہے جو نماز کے منافی ہے جیسے کسی بار نماز میں کو سونا (خواہ کھنے پینے کی قسم سے ہو یا بیوی بچوں کا خیال ہو وغیرہ وغیرہ) تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ نماز سے اصل مقصود (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور) حضور قلب اور لذات نفس سے الگ ہونا ہے۔ دعویٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان الله لا يقبل عمل موعث حتی يكون عبده مع جوارحه۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضاء کے ساتھ ہو (جو کہ جس طرح اس کے اعضاء قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کا دل بھی قیام و رکوع و سجود میں مشغول ہو کہ دل بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوا) قیام عزمیٰ ضروری سمجھتا ہو۔ اللہ کے سامنے مجھ دینا کے ساتھ رکوع و سجود کرتا ہو) اب اگر قلب میں مشغول ہو تو وہ کہاں اور نماز کہاں؟ ہاں اگر یہ نفسانی غصہ ایسا ہو کہ دل میں آیا پھر الگ کر دیا گیا اور اس کی طرف التفات نہ ہوا تو ان شاء اللہ معزز ہو گا۔ بشرطیکہ بغیر توجہ اخلاص کے ساتھ (حضور قلب سے) کسی گئی ہو۔ کیونکہ ہمیں بڑے خیانت کے بدلے کرنے کا حکم ہے۔ نماز میں بھی نماز سے باہر رہی۔ مگر نماز میں ان کے دفع کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اسی علت کی وجہ سے جو آپرہ مذکور ہوئی۔ دعویٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے احدث مع الذنب توبة (اگر بالسر والملائكة بالملائكة) گناہ کے ساتھ جلدی سے توبہ کر وہ معفیٰ گناہ سے معفیٰ طور سے توبہ کرو اور ملائکہ سے علانیہ کر دو (پس جب کوئی برائ خیال میں دل میں آئے

میں سے فوراً توجہ کو دل میں اس کی توبہ ہے۔ اور اگر وہ خیال ناجائز مشہور (حرام خواہش) کا خیال ہوا تو نماز بالکل نہ ہو گی۔ کیونکہ طاہت اور مصیبت جمع نہیں ہو سکتی۔ جب ہم سے حضور تعالیٰ کے فوت ہونے پر یہ کچھ کہا گیا ہے جس کا آپرہ مذکور ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نماز کو قبول نہیں فرماتے (تو اس بڑی حالت کا توجہ کیا ہو سکتا؟ اور اگر شیطان کی طرف ہوا تو (اس کی دو حالتیں ہیں) اگر اس کی حرکت دل میں ہو گی یا جس میں گناہ اس کی طرف توجہ ہو گی تو نماز ناسد ہے کیونکہ یہ بھی نفسانی غصہ کی قسم سے ہے جو حرام خواہش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو خیال شرعاً ناجائز ہو وہ نفسانی ہو گا اور مصیبت کی قسم سے یہ وہو شیطان ہو گا۔ اور اگر اس کی طرف التفات نہ ہو اس سے استفادہ نہ کیا اور توجہ کو دل میں تواسید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ناسد ہو گی (یہ دوسری قسم ہے)۔

خواہش کی ایک قسم وہ ہے جو سلطان اور جواز کے درمیان ہے یہ وہ خواہش ہیں جو کمزورت کے ساتھ دل میں آتے ہیں اور ان کے دل سے رستے غفلت کی جاتی ہے اور ان میں (مقصود) دل کو متغول بھی نہیں کیا جاتا۔ ان کے متغول اس پر کوئی دلیل ہے کہ اس سے نماز ناسد ہو جاتی ہے اس کے قائل ہر کوئی نہ دیتا ہے۔

قرآن مجید جاز (مزمع) فعل طاعة وهو في الخى الى قوله قد فعل لنا على الضاد ولا على ضدا -

فخر نے کہا کہ ایک قسم سے اور خواہش شیطان سے معلق نماز کا ناسد ہو جاتا ہو مگر کا مذہب ہے۔ فقہاء کے نزدیک ان سے نماز ناسد نہیں ہوتی تاہم ہوجانا ہے یعنی کامل درجہ میں قبول نہیں ہوتی اگرچہ ردیہ مست، جس قبول ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو تارک مفرط شمار نہیں کیا جاتا نماز ناسد مانا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک اگر کان کے ترک سے نماز ناسد ہوتی ہے اور واجبہ کے ترک سے واجب الاعادہ اور مذکر غشوش سے مستحب الاعادہ ہوتی ہے۔

فخر نے کہا کہ اگر یہ ہے کہ نماز میں غشوش کوئی نہ دیتی خیال نہ دیا جائے

اُس کو دُعا دینے دیتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ایک ماز کے بعد دُوسری نماز کا اعتقاد کرنا  
رباط ہے (یعنی سرحدِ اسلام کی مخالفت کے مثل ہے) چنانچہ حضورؐ نے اس بات کی ترغیب  
دی ہے تو آپؐ کی حالت پر کسی کی کاغذ تھا۔ مجاہد نے جب اس کے خطرات دیکھا تو  
اُن کو تعجب ہوا۔ قرآن و فہمِ ہدایت میں کیونکہ میں پچھلے عمر میں یقیناً  
فہمِ الخیر علیہ الی قرآن فذلما و اہم غیر ذلک تمہیوا۔  
یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن باوجود کی دُوسروں کو ترغیب دی جائے اُس پر غور  
فہمِ الخیر اُن کی حالت میں کرتا چاہیے۔

(۱۲۵۱) حقِ محبت یہ ہے کہ اہل محبت کی تشویش کو زائل کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت کے خلاف کہنے سے دُوسروں کو تشویش ہوتی ہے۔  
جیسا کہ اس کا سبب معلوم ہو گا۔ چنانچہ صحابہؓ نے اسی وجہ سے تعجب کیا۔ نیز یہ بھی  
معلوم ہوا کہ محبت کا حق ہے کہ اہل محبت کی کوئی تشویش کو بھی جتنی لامکانہ  
کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ رسول اللہؐ علیہ السلام (اس واقعہ میں خود)  
واپس تشریف لائے اور صحابہ کو بتا دیا کہ اس وقت (خلافاتِ عادت، جلدی گروہوں  
کے پاس کیوں تشریف لائے گئے تھے۔

قرآن و فہمِ ہدایت میں مخالفتِ العادۃ تقتضی تشویش عن اخوان

ال قرآن و اخبارہ سبب سرعتِ وجعہ الی اہلہ۔

اس کا، جنہامِ عزراتِ صوفیہ کو سب سے زیادہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ  
حقِ معاشرت میں دین کا بڑا جز ہے۔

(۱۲۵۲) ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے  
گوشت میں عربوں حدیث سے اپنی حالت ظاہر کی جو اور رسول بھی مذکور ہو کیونکہ سیدنا

بلکہ ابنِ عمرؓ نے نماز کی طرف توجہ رکھی ہوئے۔ اگر باوجود سوسہ اُن کو خوشی کے  
یہ معروضیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے انتہاءِ کائنات قراء اس طرح عبادت کو جیسے  
خدا کو دیکھ رہے ہو اور ان دونوں کے درمیان بہت سے درجات ہیں۔

(۱۲۵۳) نماز کے بعد کچھ دیر صمت پر بیٹھا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ  
اندھیرہ دُست کی عادت یہ تھی کہ نماز کے بعد کچھ دیر مسجد میں ٹھہرتے تھے (فرمایا)  
سے کھڑے نہ ہوجاتے تھے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ رسول اللہؐ کی تائید و  
کے بعد ہی گھر میں تشریف لے جاتے تھے تعجب کیا اگر یہ بات حضورؐ کی عادت (تشریف  
لے کر کائنات نہ ہوتی تو صحابہؓ اس پر تعجب نہ فرماتے۔

قرآن و فہمِ ہدایت میں عاداتِ ماضیہ علیہ وسلم کائنات

الاقامۃ بعد الصلوۃ الی قرآن لہم یرتجب منہ۔

اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صحابہؓ بھی نماز کے بعد فوراً مسجد  
سے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر رہتے تھے کیونکہ اس  
واقعہ میں رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے واپس تشریف لائے ہیں  
تو صحابہؓ بہ دستور اپنی عادت پر تھے۔ یہاں سے حضراتِ صوفیہ اور متقیین علماء کی  
تائید ہوگئی جو نماز فجر اور عصر کے بعد کچھ دیر تک صمت و غیرہ میں مشغول رہتے ہیں  
اہلِ ظاہر نے جو اس میں سے لٹکا دیکھتے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اشارتِ کلامِ ملک  
و مافی نہیں اُن کا فہم ہی ہر حدیث سے آگے نہیں بڑھتا۔

(۱۲۵۴) جو کسی بات کی طرف دعوت دیتا ہے وہی اُس پر غالب ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کسی غیر کی طرف دُعا دے وہ ایک اکثر ذرات و ہی غیر اُس پر  
غالب ہوتی ہے تاکہ اعلیٰ قول کے موافق ہو۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے دُوسری حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا ہے وہاں

کا اتنا ہی ہے کہ وہایت کے لیے کشف لازم نہیں۔ خوب سمجھو۔

(۱۶۷) کسی ضرورت کے اپنے نیک عمل کا بیان کرنا یا نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ (اپنے کسی) نیک کام کا ذکر کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس سے محلات اخلاقیہ ہدیٰ، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہارہ کی حالت (خوشی) حاصد فرمایا تو ازانہ تشریف کی ضرورت سے (اپنا وہ نیک کام ظاہر فرمایا جو آپ نے گھر جا کر کیا تھا) مگر ان کے قلب مطمئن ہو جائیں کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی نیک کام کو چھپا کر کہے پھر (جائز ضرورت) اس کو (لوگوں کے سامنے) بیان کر دے تو وہ عمل دوزخ کا نیکہ کی طرف منتقل کر دیا جائے ہے (کہ اب وہ خواب نہ لگا جو اعتدال سے ملتا ہے بلکہ غلبہ کام کرنے کا خواب ملے گا، اور اس کو دوبارہ بیان کر دیا تو وہ دوزخ کا نیکہ کی طرف منتقل کر دیا جائے ہے (اب خواب باطل ہو کر گناہ لکھا جائے ہے) اور اگر کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے جیسا میں موجود تھی یا اس کے مشابہ اور کوئی ضرورت ہو اور اعلا سے، یہی تعریب اور سن دیکھتے نہ ہوتو امید ہے کہ اپنی محاسن پر رہے گی (خواب اعتدال نہ ہوگا)

اب تو نفس تصرف کرے گی کہ ہے کہ شیطان کی چاٹوں میں شیطان کا ایک بڑا کید ہے ایک پان پر بھی ہے کہ جب بندہ چھپا کر کوئی کام کرنا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اس کو کوئی کے سامنے بیان کر دے تاکہ نیری، اللہ کی جگہ اور دوسروں کے عمل کا بھی ٹھکے تو اس سے چنانچہ وہ ایسا ضرور کرنا ہے اور اس طرح دیار میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس خیال میں مبتلا ہے کہ مجھے ثواب ملے گا جو کہ محل مرکب ہے۔

قرآن و فیہ دلیل علی حوالہ تو کو معلوم الیٰ تیکون جہل ہو گیا۔  
انتہا کے لیے اپنے اعمال کا ظاہر کرنا شرع کا کام نہیں۔ یہ اس کا کام ہے جس کی فخر خلق سے اٹھ جائے اور مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے چہروں میں تعجب کے آثار ملاحظہ فرمائے تو ان کو اپنے من کا سبب بتلادیا۔

کیفیت قلب کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے

بزرگ بھی معلوم ہوا کہ قلب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بات کسی برحق کی ہمت سے کہ جس کے دل میں نور نہ ہو اور نور سے مراد وہ خاص نور ہے جو درائن رسول کو ملتا ہوتا ہے۔ وہ دونوں تو ہر شے ان کو اپنے ایمان کے موافق کچھ کچھ دراصل ہوتا ہی ہے (مگر وہ محلات قلبیہ کے اندر کہیں کان نہیں ہوتا اس کے لیے خاص نور) ضرورت ہے جو کمال ایمان سے حاصل ہوتا ہے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے چہروں پر نظر فرما کر ان کے دلوں کی حالت پر استدلال فرمایا۔ اس کا تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے المؤمنین یظهر من وجہہم نور اللہ (وہیں اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب وہ اللہ کے نور سے دیکھے گا تو چہرے کی محاسن سے اس پر نور کی حالت عین نہ رہے گی۔ اب اگر اس کا یاں قوی ہو، تو وہ صاحب کشف سے ہو گا تو دوسروں کے دلوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے لگے گا۔ جیسا چہروں کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

قرآن و فیہ دلیل علیٰ تعریف من استغفر من ذنوبہ انصار و سائل  
الیٰ قرآن لکھا، معرو، حجاب، عین و دیکھو۔

ن کو فرستنا نہیں ہے جو اتالی و فیہ جس سے ہے مگر نہ احد میں سے نہیں اس لیے جس کو ملتا ہو جائے نعمت الٰہی کا شکر ادا کرے اور اس کے فوٹ سے مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ محلات اور کیفیات اختیار سے باہر ہیں اور ادنیٰ اختیار اختیار کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے۔ شمع کے حکم سے شہ ہو جائے کہ قوت دیدان کے لیے کشف لازم ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اہل طریقت

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت پر حضرت کراہت کا اظہار فرمایا ہے کہ اگر  
کے ایک کتاب میں گناہ نہیں ہوتا جس سے مال میں کسے کا ہوا بھی مفقود ہو رہا ہے۔  
بشریکہ (شبیہ بھی مطلقہ کہتا ہے اور اس سے یہ بھی مفقود ہو کہ نہ ہا باتوں سے نہیں  
ہوتا ہر طرف حال سے ہوتا ہے اور حتیٰ ہونا معلوم ہے کہ یہ مفقود تو یہ ہے کہ وہ کو  
مال سے قطع نہ ہوا اور حتیٰ یہ ہے کہ مال کو مفقود کر کے یہ رسول اللہ ﷺ نے  
نے اس وقت پر کہ -

قرآن میں دلیل علی حجتان ابقا والد علی حدیث صاحبہ طول یومہ الی  
قرآنہ والہا الحی فہو الخ ورجعنا کما فعل سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم حنا -

(۱۴۰) اُن مَؤَنی کی دلیل جو بات کو اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے مَؤَنی کی یہی

دلیل ہے جو کسی معلوم شے پر رات نہیں گزارتے (یعنی رات کو وہ اپنے کام میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کچھ باندھو اور کچھ کو یاد رات کو چھوڑ دو۔ پس سوتا ہے۔ یہی ہے اس طرح کے ایک بزرگ

گوویگا چکے دن میں ان کے پاس جو کچھ خوراک آئی اس رات کو ان میں سے کچھ نہرتی ہو گیا۔

[illegible]

قسم کرنے کا یہ دوا جب تک کوئی ٹوٹن کے پاس کچھ خواتین نہ آئیں اب وہ ختم کراؤ گے اور دوسرے تو ان بھی کہ اس نے بہت مال کی دھماکوں کے سامنے دکھائیے۔ چنانچہ ان کے پُر جہان

سے آیا؟ اُس نے سدا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ حضرت اُمّ نبیؐ، ماہِ کُرازا اور

(۱۲۸) اپنے مال کو گھروالوں کی تحویل میں رکھنا جائز ہے

کہ اپنے مال کو بوند کے پاس رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا مالانہ وہ آپ کی بزدلی کے پاس تھا اس لیے بعض افراد کے پاس شریعت سے لگے اور اس کا (کسی حدیث سے) تہنیتیں مل چکی ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کی آپ نے خود ساختہ کوئی ہزار روپے کے برابر کوئی فاصلہ نہیں سمجھا تھا۔ اس کو اس کا بڑا نام ہو۔ اکثر یہی معلوم ہوا کہ نیک کام میں دوسروں کو ناسب کہہ دینا جائز ہے، چنانچہ حدیث میں آپ کا رشوت و جور ہے کہ کعب نے اس کے قسیم کرنے کا حکم دے دیا (فورا) نیک پر نیات و احسان کے ساتھ مخصوص ہے۔

قوله وفيه دليل على ان الرجل ان يترك حاله عند امله الى قوله

مطعن عليه دون اهله " وقوله فامرت بنفسي -

بعض حضرات صوفیہ کا اسی پر عمل ہے کہ مرد پیر پیہ اپنے پاس نہیں رکھتے مگر  
 والوں کی تحویں میں رکھتے ہیں۔ اگر ان کے گھر والے روٹا اور انٹار، سبوتا،

مکرم اور مست ہے۔ جب احادیث سے معلوم ہو اور وہ خود حاکمیت کو تاپا ہے جیسا کہ فقہاء اہل ائکس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کو اپنے اہل انوار کی جیسے جیسے کہ وہ اور جنہوں سے کی گئی ہے جس کو حفاظت مال کا مسیوق نہ ہو۔

(۱۴۹) دن بھر مال کو اپنی ملک میں رکھنا خلافِ زہد نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کو دوں بھرا اپنی بیگ میں دیکھنا ناجائز ہے اس سے ناجائز ہوتا ہے بل نہ ہو کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسند نہ آیا کہ کوئی شام کو یہ دعا کہے کہ اے اللہ ایک دن دے دے کہ میں اپنے آپ کو اپنے ہاتھ پر نہیں لے سکتا اور اس سے زہد کا مستحب ہوتا بھی معلوم ہو چکا ہے۔



## باب ثلث و بیستم

### حدیث

## قضاء النافلة فی وقت الکراهة

کریم (مولیٰ بن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھنے کے متعلق سوال کیا (کہ یہ جائز ہے یا نہیں) حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُننا تھا کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ نے جب عصر کی نماز پڑھ لی اور میرے گھر میں شرفیت لائے تو دو دو رکعتیں پڑھنے لگے اس وقت میرے پاس الفکار کے قبیلہ بنو عامر کی کچھ عورتیں بھی تھیں تو میں خود آپ کے پاس نہ جا سکی بلکہ انہیں سے ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور اُس کو سمجھایا کہ قرصوتر کے پہلو میں (آپ کے پاس) جا کر کھڑی ہو مانا۔ پھر عرض کرنا کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ انہیں نے تو آپ سے یہ سنا تھا کہ آپ دن دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے اور (آپ) میں دیکھتی ہوں کہ آپ (عصر کے بعد) یہ دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں اس پر اگر آپ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ صبر کرنے پہنچے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی حبیب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے ابوامیر! کئی عورتیں ام سلمہ اور ہیں انہیں عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ بنو عامر کے کچھ لڑکیاں آگئے تھے انہوں نے مجھے اس دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تو غصہ کیے۔ بعد

معمول کے موافق سارا پہنچا کھا تاخیرات کر دیتا تو آج اس جماعت کے کھانے کو کچھ بھی نہ ہوتا۔ شیخ نے فرمایا: (سبحان اللہ) کسی ایسی کمی تھی سمجھ ہے) تلمذی اس حرکت سے ہی تو ہم کو آج کی فتوت سے محروم کر دیا اگر تم سب پہنچا کھا تاخیرات کر دیتے اور اللہ کے ساتھ جرم عامہ جلا کر پھاڑا اُس کو بد بختی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ نہ بدلتے جس نے کل اتنی بڑی جماعت کے کھانے کا اپنے خزانے سے قطع کیا تو وہ آج اس سے عاجز و محتاج ہو گیا۔ غلامتوں کو کہنا: پکارو آج کی نعمات کا دوازدہ بند کر دیا، غرض جو کوشش کرتا ہے وہ (مفسد و گمراہ) یا ہی لین ہے اور جو غلوس سے کام کرتا ہے اس سے انہیں اس کے موافق سمجھ کر کیا جاتا ہے پس (افاضل کامل اختیار کرو کرکٹر) پر گئے والا بڑی گہری نظر والا ہے اور معاملہ ایسے کریم کے ساتھ ہے جو وعدہ کا پورا اللہ تعالیٰ اور مہربان ہے۔ اس لیے کہ اس نے آپ کے پاس سے سنا ہے چاہو پیچھو۔ اللہ جل جلالہ کو حقیقت کا پورا علم ہے (وہ دونوں کے امداد اور نیتوں سے خبردار ہیں۔ مجلس اور غیر مجلس مومن اور منافق وہاں نہیں چھپ سکتا) قولہ و فیہ دلیل لاجل العرفۃ الذین لا یبیتون علی معلوم الی قولہ فقد بان للیق بالحقائق علم۔

فتیخ سے انشاء حال کر کے مہربانیت خلفائہ کو بدلتا بڑا جرم ہے اس سے فتوت نہ ہو بہ ترین اور نفاک اس بے بہرہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو اس گمراہی کی وجہ آئندہ کے متفق کوئی دوسرا سبب پیدا ہو تو اس کو اپنے دوسرے سبب متفق کر کے یہ عرض کر دے کہ میری رائے میں کل کے واسطے کچھ یہاں نہ سبب ہے۔ اگر شیخ اس کے قول کو قبول کرے چاہے نہ قبول کرے تو اُس کے قول پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ آئندہ آج سے زیادہ نعمات ہوں گی اور اگر بالآخر نعمت نہ ہوں تو ایک دن کے قدر سے محنت تو نہ اچانک لگا۔ اتنی ہی بات کے لیے شیخ کے معمول کو بدلنا اور احادیث الی اسے اس کو ٹکڑے کرنا بزرگ تر مناسبت نہیں۔



متعدد تھی کہ اگر یہ نماز کوئی اور نماز ہے تو پھر کوئی شکل نہیں اور منشاء سوال کی تحقیق اس لیے ضرور ہے کہ (خلیدو) ہاں کوئی ایسی بات موجود ہو جو ہر چارہرین کی نظر سے مخفی ہو (جس کے معلوم ہو جائے کہ بعد سوالیہ دو روئی نہ ہو) جیسا بیان (واحدہ حدیث میں ہوا کہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی نماز کو عصر کے بعد کہ معتزل پر معمول کیا تھا۔ جس سے مخالفت ہو سکتی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قطعاً نماز تھی عصر کے بعد نفل نہ تھی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں سوال میں تاخیر مناسبت نہیں تاخیر مناسب نہیں بلکہ عیدی کرنا ہی بہتر ہے۔ و خصوصاً جب کسی فعل پر سوال ہو تو ابتداء فعل کے ساتھ ہی سوالیہ سزا چاہیے۔ تاکہ اگر وہ فعل نسبتاً یا خفا کی وجہ سے ہو رہا ہے تو اس کی تلافی ہو سکے۔ کام کر لینے کے بعد پھر استغفار کے کافی نہ ہو سکے گی، چنانچہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلات علات ایک عمل کر سکتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سوال میں تاخیر نہیں کی اس کا انتظار کیا کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو سوال کو اس بہتر اُس وقت سوال میں جلدی کی جائے کہ وہ خود بھی مشغول نہیں ہو کہ معانوں کی وجہ سے کی وجہ سے خود دریافت کے لیے نہیں ہو سکیں باندی کو بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز میں مشغول تھے (مگر سوال اس نماز ہی کے متعلق تھا اس لیے مؤخر نہیں کیا گیا۔ اگر کسی اور عمل کے متعلق ہوتا تو نماز سے فراغت تک مؤخر کرنا لازم تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے غلے غنہ (کے اس فعل) پر انکار نہیں فرمایا تھا (تو ثابت ہوا کہ جس مسئلہ میں اشکال واقع ہو اس پر ابتداء میں ہی میں حوا کرنا درست ہے)۔

قرہ فیہ وہیں مطلقاً ان الاستعظام لا یكون الا بعد تحقیق الی قولہ ولینکرہو علیہ السلام علیہا بعد۔

دوسرے اس خدمت کو انجام دینے والے بہت مل جائیں گے۔ ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرا اس خدمت کا انجام دینے والا نہ ملے تو (عوازی کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر) یہ بہت ہی نادر ہے اور (مطلقاً) ضرور ہے اللہ کا لعلہ صبر اس کے لیے کوئی حکم نہیں مقرر ہو سکتا۔ اسی بناء پر و اللہ اعلم (امام مالک) و ابو حنیفہ نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (اور نسائی کی حدیث میں یزیدیت ہے وہ اس شخص کی مزید تائید ہے)

(۱۳۱) چھوٹے بڑوں کے فعل پر سوال وارد کر سکتے ہیں حدیث سے کہ مفعول فاعل پر (یعنی خود اپنے بزرگ پر) سوال (وارد) کر سکتا ہے جب اُس سے کوئی ایسی بات دیکھ کر اس کی عادت دائرہ (اور ہمیشہ کے معمول) کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اسی بنا پر) استفسار کیا تھا اور (تاکیر ہے کہ حضور کے زمانے میں اور بعد میں بھی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھوٹے ہی ہیں۔

قرہ فیہ ولین علی جواز استعظام المفعول علی الفاعل الی قولہ

بالنسبة الیہ علیہ السلام مفعولون۔

مگر چھوٹوں کو بزرگوں کے کسی فعل پر سوال نہایت ادب سے کرنا چاہیے جب حضرت ام سلمہ نے کیا۔ مگر یہ میں بعض حضرات قرآن بالعرفت مشور میں وہ اپنے بزرگوں پر بھی گزرت کر سکتے تھے یہ حدیث ان کی دلیل ہے مگر یہ درجہ اسی کے لیے ہے جس کو طرف آداب کی رعایت معلوم ہو۔

(۱۳۲) سوال سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق لازم ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق کر لینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو عصر کے بعد و کرتیں پڑھتا ہوا دیکھ رہی ہوں دس قول سے تحقیق مالی ہی

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معائنہ کی (بشری) حرمت ہے (اُس کا امتناع)  
 کرنا چاہئے، دیکھو حضرت ام سلمہ کو خود رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پاس جانے  
 (اور بلا واسطہ سوال کرنے سے اسی بات سے قیود کا کہ وہ ان حقوق کی خاطر دینی  
 میں مشغول تھیں جو ان کی زیارت (اور ملاقات) کو انہی تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا  
 کہ عورتوں کا ایک دوسرے کے ملاقات کو جانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کسی محرم یا  
 مکروہ کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھ لیتے تو آپ کے بعد عورتوں نے ایک دوسرے کو  
 توں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے تو جب (ان عورتوں کی جگہ) ان کو مسجد میں  
 سے روک دیا گیا تو اور ملاقات سے بدرجہ اولیٰ رک جائے گا۔

گھر والوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں ریاء کا اندیشہ نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر والوں کے سامنے نفلیں پڑھنا جائز ہے (یعنی اُس میں  
 ریاء کا اندیشہ نہیں ہے یہ غرضت کے سنا ہے یہ کیونکہ اگر حضور صلی علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ  
 کے سامنے نماز پڑھی ہوتی تو ان کو آپ کی نماز کا علم ہی نہ ہوتا اُس پر جو کلام لے کر نفلیں  
 مسجد میں نہ پڑھے جائیں بلکہ گھر میں پڑھے جائیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں گھر والوں سے  
 چھپ کر پڑھے جائیں اور دُعا میں اس سے کہ ریاء کا فہود وہاں ہوتا ہے جہاں محل کے  
 دیکھنے والے ایسے لوگ ہوں جن کا اپنے سے افضل ہونا لینا گوارا نہیں جوتا بلکہ ان پر اپنی  
 فوقیت اور فضیلت کی کہنا خواہش ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں پر فوقیت و فضیلت  
 کی خواہش میں ہوتی بلکہ ان کا فہود دنیویہ یا دنیویہ میں بڑھ جانا انسان کو فہود گوارا ہے۔  
 کسی کی ہوا یا اپنے اُس سے بھی زیادہ صاحب ولایت و فضیلت بن جائیں تو اُس سے  
 اُس کو لینا خوشی ہوتی ہے تاہم دُعا میں ہوتی اس لیے اُن کے سامنے نفلیں پڑھنے میں  
 ریاء نہیں ہوتی اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے لیے تو مسجد اور گھر ہر جگہ برابر تھی کب کو کسی جگہ  
 بھی ریاء کا فہود تھا کہ آپ کا محل اس طرح نظر پڑا کرتا تھا جس کے اہتمام میں اُمت کے لیے

(۱۲۳) نمازی سے اس کی نماز کے متعلق بات کر سکے ہیں یہ بھی معلوم  
 کی حالت میں نماز کے متعلق بات کی نسبت سوال کیا جاسکتا ہے جس کا مرتبہ نماز کے  
 بعد ہوا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہ نے نماز میں آپ سے سوال کیا، کیونکہ اگر نماز کے  
 فراغت تک سوال کو ترک کر دیتا تو سوا سبب قائم ہو جاتا، دیکھو کہ متعدد سوال سے یہ تھا  
 کہ اگر آپ محض سے یہ نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کو ترک کر دیں اور نماز پڑھ کر  
 یہ دستور نماز کے بعد حاصل نہ ہو کر رہے۔

نماز میں اشارہ سے بات کا جواب دینا درست ہے کہ نمازی سوال  
 کا جواب اشارہ سے دیا جا سکتا ہے۔ اس سے نماز حاشہ نہیں ہوتی (اور ناتمام  
 بھی نہیں ہوتی) بشرطیکہ اشارہ سا اشارہ ہو (جس میں عملی شریکِ قربت نہ ہو) کیونکہ  
 رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے جب بات دینی نے (نماز کے اثناء) گفتگو کی تو آپ نے  
 سب مہلک سے اُس کو اشارہ کیا کہ مجھے ٹھہری جو جاؤ

احکام شرعیہ دریافت کرنے کے لیے جاہل کو مقصد بنا سکے ہیں،

بشرطیکہ اُسے آداب بتا دیئے جائیں یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ  
 دریافت کرنے کے لیے کسی  
 نادان (ان پڑھ) کو تاسرہ نہ کہے ہیں بشرطیکہ اُس کو اُن کی تعلیم کر دی جائے  
 جو اس حکم کے (دریافت کرنے کے) مستحق (شرعاً) ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ  
 نے جب اس اندام کو مجاہد اُس کو سب کچھ بتا دیا کہ تجھ کو کیا چاہیے اور کسی  
 طرح نہ کہنا چاہیے۔

قولہ وفيه دليل على جواز السؤال لمن هو في الصلوة الى قوله ما  
 تقول وما تفعل۔

بھی کچھ خطرہ نہ ہو خوب سمجھ لو )

قوله فيه دليل على ان العيب حجة الى قوله ما علمت به.

ف عورتوں کا ہم ایک دوسرے کی حفاظت کے لیے جانا علم حاصل میں تو کچھ زیادہ بڑھیں بشرطیکہ فیث و شکایت کی باتیں نہ کریں۔ نا و کو وقت سے روز نو کریں لیکن تقریبت میں ان کا جمع ہونا مناسب سے خلی میں اکثر بے پردگی بھی ہوتی ہے اور نمازیں بھی برباد ہوتی ہیں۔

(۱۳۵) بلا ضرورت غازی کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے صرف یہاں تک کہ وہ بلا ضرورت غازی کے پاس (کھڑا ہونا) بیٹھتا مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کو اشارہ کیا کہ آپ کے پیچھے کھڑی ہو جائے اور معلوم ہے کہ اُس سے کچھ نہ کہہ کر خوش (حزو) ہوتی ہے۔

تو دہ دہیل علی کراۃ العزم الفصل الی قولہ تنوین ما۔

قوله فيه دليل على كراهة القراء من المصلين الى قواه تشويش ما.

آن کل لوگوں میں عام مرض ہے کہ کسی سے ملنا بھلا سنا ہے اصلہ نمازیں  
 ف مشغول ہے تو اُس کے پاس جا کر بیٹھ جائے یا کھڑے ہو جائے ہیں۔ حضرت  
 حکیم الامت دام جہد کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوتی ہے۔ یہ عیبت اُن کی محبت ہے۔

(۱۳۶) اگر نازی سے کوئی ضروری بات مانا ہی سکے اندر

کنتا ہونو اُس کے پہلو میں کھڑا ہو کر کہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نازی ہی کی حالت میں نازی سے کہہ کنتا ہوتا تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ نازی کے پہلو میں قریب جا کر بات کرے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے باندی سے یہی فرمایا کہ حضورؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر عرض کرنا۔ قیاس فی بھی اسی کو مستثنیٰ ہے یہ کیونکہ اگر یہ شخص پہلو میں کھڑا ہو کر بات کرے گا تو نازی کو سوشل جٹم سے دیکھ کر اسے پھانے لگا

اور ادنیٰ اشارہ سے جواب دے دیا۔ اگر سامنے کھڑا ہو گا تو وہ اس کو اپنے  
اُگ سے بیٹھنے کا ٹھیکہ دے گا تو کہ وہ سامنے گزرنے والا ہو گا اور اس کے لیے دفع کا حکم  
(ہے) اور اگر پیچھے یا کچھ دور کھڑا ہو گا تو بعض دفعہ یہاں دشوار ہو گا اور یہاں  
جی لیا تو دور ہونے کی وجہ سے اُس کی بات پر توجہ نہ ہو سکے گی جس سے نمازی  
کو کشمکش (اور پریشانی لاحق) ہو گی اور ایسی حالت میں اشارہ سے جواب دینا  
بھی بعض دفعہ آسان نہ ہو گا۔

[illegible]

اسلامی نسبت یہ ہے پر جبکہ ہمارے مذہب میں  
 ذفرقہ باندی ہر گز نہیں ہے  
 اگرچہ دامن ولی کشہ کہ جائیج

شریعت نے تو مسلمانوں کو ادنیٰ اور انشویہ سے پہلے کے اس قدر احکام کیابے گھراپ حوام اور خواص سب ہی اس سے بے پرواہ ہیں اُن کے حرکات سے کسی پر پریشانی کا بار بھی ٹوٹ پڑے تو پرواہ نہیں کرتے اسی کا نتیجہ ہے کہ باہم وہ اُلفت و محبت باقی نہیں رہی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص محلی خاص اللہ الشکر

(۱۳۷) عورتوں سے علم حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اس کی اہل ہوں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں سے (شریعت یا طریقت کا) علم حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ راوی نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ مسئلہ (مذکورہ) دریافت کیا اور ان پر اکتفا کیا لیکن (عورتوں سے) علم حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ ان میں اس کی اہلیت ہو چنانچہ حضرت ام سلمہؓ میں یہ اہلیت (درجہ کمال) موجود تھی اور یہ شرط عورتوں سے علم حاصل کرنے میں مجاہد ہے مگر ان میں کثرت قابل ہوتے ہیں۔

جانی شکایت کرتے ہیں کہ آج کل دلاڑی اور غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ بھلا ان  
خلوؤں اور بے وقوفوں کو کوئی دلاڑی اور غزالی کیونکر بنا دے گا۔ جو علم دین کے واسطے  
چھانٹ چھانٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ قوم کو کچھ حق نصابت کرنا چاہیے اور اپنی اس عظمت  
اور بے منتی پر کچھ تو شرمنا چاہیے کہ دین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟  
اس بے پرواہی کا نتیجہ امت کچھ ہمارے ساتھ اچھا ہے تو اس غلطی کا اعادہ  
نہ ہونا چاہیے۔



اس لئے تعمر کی عزت نہیں۔ عورتوں میں قابل کم ہوتی ہیں اس لئے شرم کی  
تعمر کا گردی گئی (اور اسی سے حضرات سلف (صالحین) رضی اللہ عنہم کا ہتنام ہارین  
مجی ظاہر ہے کہ ان کو دین کا کس قدر اہتمام تھا کہ راوی کو جس بات کا علم نہ تھا اسی  
کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (بے فکر کے ساتھ اس کو نہ دیکھا)  
بلکہ حکم شرعی معلوم کرنے کی فکر میں رہے اور یہ عزت بھی ایسے ہی تھے خدا ان  
سے لاشی ہو کر ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن کا (بلکہ مہینوں کا) سفر کرتے تھے  
اس لیے کئے گئے گناہ ہے۔ خدا تعالیٰ بالعرفان اہتمام فی لسان اللہ قدر دان  
اعتداتہ ما غلط فی الوجہ وہ خطر۔ جب تک تم کو دین کا اہتمام ہے تو بلند مقامات  
زیں تمہارے لیے عزت ہے اور اگر دین کو بر باد کرو یا تو پھر جو حالت بھی تم کو پیش  
کئے اُس میں غمرو (بھی غمرو) ہے۔ قورہ و فیہ دلیل غل۔ جو ذلہ العلم من اللہ  
ان قورہ غل غلط فی الوجہ وہ خطر۔

ف اس سے اُن صوفیہ کی محنت ظاہر ہو گئی جنہوں نے بعض بزرگ عورتوں سے  
استفادہ کیا ہے پہلے زمانے میں جب مسلمانوں کے دن پہلے تھے عورتیں معلوم  
ظہور و باطن دونوں میں مردوں کی طرح کمال حاصل کرتی تھیں۔ آج کل سلطان عورتوں  
نے علم کی طرف سے ایسی غفلت برتی ہے کہ گویا کبھی ان کو علم سے کس ہی دستا  
اگر کچھ عورتوں کو علم کا شوق ہوتا بھی ہے تو اسکولوں میں انگریزی پڑھنے کا شوق  
ہوتا ہے جو روز بروز ترقی پا رہا ہے مگر اس کو علم کتنا ہی علم کی تعریف ہے آج  
کل جمل کا نام لوگوں نے علم دیکھ رہا ہے غل

علیکم وہ بحق ننایہ جمالت امت

مردوں کو بھی آج کل علم دین کا اہتمام نہیں البتہ اگر کسی کے دس پانچ بزرگوں میں  
کوئی کو دین سے واقف ہوتا ہے جس سے استقامت پاس کر سکتی ہے انہیں ہوتی  
اور اس لیے اس کی تعلیم پر دوپہر خرچ کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا تو میری بکری خدا بخیر  
کے نام اُس کو عربی پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں پھر ہمارے

باب ثلث و ششم

## حدیث

## سبعة اوامر و سبعة نواہی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم فرمایا، اور سات سے منع فرمایا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا ہم کو حکم دیا اور بیٹہ کی حیثیت کا اور دعوت کرنے والی کی دعوت منقوضہ کرنے کا اور آدمی کی دعوت ہے اور عورت کی حد کرنے کا اور قسم پورا کرنے کا اور سلام کا جو بوسنے کا اور چپکنے والے کو دعاء دینے کا (بیشک وہ بھی اول اللہ تعالیٰ کی حد کرے یعنی الحمد للہ کے تو سنیے والوں کو یہ حدیث اللہ کتنا چاہیے اگر وہ حد نہ کرے یا اہستہ کرے تو دعاء دینا لازم نہیں۔ اور ہم کو چاندی کے برتن (استعمال کرنے) سے منع فرمایا اور سوسے کی تلگوٹی (چپکنے) سے اور حریر و دیباچہ اور پاد چھوٹی و استبرق اور عرق (دھوئی) و دالوں سے بھی۔

حدیث کا فاضل ہی مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں سے منع فرمایا ہے (اگر اس کے یہ معنی نہیں کہ امر و نہی میں ان اخصاص ہو گئے۔ امر و نہی ہے کہ کوئی کوئی وقت ان امور کے متعلق حکم شرعی ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی وجہ سے زیادہ معلوم ہوئی تو ان کے شمار کے ساتھ بیان فرمادیا کیونکہ شمار یاد کر لینے سے ممنوع کیا دکرنا آسان ہو جاتا ہے)

اب سوال یہ ہے کہ جن امور کا اس حدیث میں حکم ہوا ہے کیا سب کا ایک ہی درجہ ہے؟ اور وہ درجہ کیا ہے؟ وجوب ہے یا استحباب؟ اسی طرح جن امور سے منع فرمایا گیا ہے وہ سب حرام ہیں یا مکروہ؟ جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا بیان امر ہوا ہے سب واجب نہیں بلکہ بعض واجب ہیں۔ بعض مستحب۔ چنانچہ جنازہ کے ساتھ جانا مستحب ہے کی کو اس کو واجب کہنا معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اگر جنازہ کا ٹھکانے والا اور نماز گاہ کر دینے والا کوئی نہ ہو تو جو لوگ اس حالت سے واقف ہیں ان پر فرض نہیں ہو جائے گا۔ اسی طرح بیار کی حیثیت مستحب ہے اور اگر کوئی بیمار داری کرنے والا نہ ہو تو فرض کفایہ ہے (اور جن کو علم ہو جائے کہ کوئی بیمار کو نہیں پوچھتا ان پر فرض میں ہے) دعوت کا قبول کرنا مطلقاً واجب نہیں صرف دعوت ویر کا قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ ان کوئی ایسا امور واجب نہ ہو جو شرعاً حرام ہے۔ اگر ایسی ضرورت ہو تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس شخص میں واجب بھی ہے اس میں بھی کنا واجب نہیں۔ صرف شرکت واجب ہے کہانے میں اختیار ہے خواہ کھانا نہ کھاؤ اور دعاء کر کے مبارکباد دے کر واپس آنا کھانے سے عذر کر دو۔

اس کے علاوہ اور دعوتوں میں تفصیل ہے بعض کا قبول کرنا مستحب ہے بعض کا مباح بعض کا حرام تفصیل علاوہ سے معلوم کی جائے یا کتب فقہ کی مراجعت کی جائے) مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے اسی طرح قسم کا پورا کرنا واجب ہے (اگر اپنی ہی قسم ہے تو اس کے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ اگر دوسرے نے قسم دی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں اور حق یہ ہے کہ اگر اس نے کسی اور کو قسم کی قسم دی ہے تو پورا کرنا واجب ہے شایوں کہ اگر تجھے خدا کی قسم نماز چھوڑ پڑھا کر اور اگر کسی شخص کا قسم دی ہے تو قسم کا پورا کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کلام کی قسم دی ہے تو اس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا (البتہ اگر کسی نے

اور اُپر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ منیٰ حرام میں بشرطیکہ منیٰ بطریق لزوم کے ہو یا شرط اس لیے ہے کہ بعض دفعہ منیٰ کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہوتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ منیٰ کراہت کی وجہ سے یا شفقت کی وجہ سے ہے جیسا (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ وسلم نے (صحابہ کو) وصالی سے منے فرمایا تھا (وصال یہ ہے کہ روزہ پر روزہ لکھا جائے۔) صحابہ میں رات کو بھی کچھ نہ کھا یا پانی نہ پیا اور جو منیٰ اس کے مشابہ ہو کہ قرینہ سے اس کا شفقت کے لیے ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی مگر منیٰ میں ایسا قرینہ نہ ہونا اور ہی ہوتا ہے اکثر منیٰ لزوم ہی کے لیے ہوتی ہے اور اگر منیٰ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ استحباب یا اور شلہ کے طور پر حکم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض علما نے کہا ہے کہ اگر سے وجوب پر استدلال کرنے کے لیے قرینہ نہ کی ضرورت ہے اور منیٰ سے استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت نہیں بلکہ منیٰ حرمت قرینہ کی محتاج ہے۔

اس میں غرض یہ کہ منیٰ بدلے ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اٹھ کے امر کا مقتضی (۱۳۸) ہے کہ کو اس کی تعمیل کی جائے کسی صورت سے بھی ہو (خواہ واجب کفر تکمیل کر دیا یا مستحب کچھ کر) کیونکہ غلام کے ذمے تو مولیٰ کے حکم کا بجا ہونا ہے اس کے ساتھ کچھ نہیں (غلام کو اس بحث کی ضرورت نہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے) پھر وہ اس سے کہے گئے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ مولیٰ کے حکم کو غلام کے حق میں احسان اور رعایت سمجھتے ہیں کہ ان کا اتنا درجہ ہے تو بھوکہ کہ ان سے سوال اور غلط نہ ہوا۔

جیسا حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا کہ تجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو (غلام سورۃ) پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی نے عرض کیا اور میرا وہاں نہ کر بڑا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر حکم دیا ہے) فرمایا پس تمہارا نام بھی لیا اور تمہارے باپ کا بھی۔ یہ سن کر حضرت ابی بے اس خوشی میں کہ میرا اتنا درجہ ہو گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لینے) دوئے گئے

تجھ کو سلام کیا ہے تو ہر ایک پر جواب واجب نہیں سب پر فرض کیا ہے ایک کا جواب سب کی طرف سے جواب ہو جائے گا اور سب ہی جواب دے دیں تو ہر سب اور چھینکے دوسے کو ڈال دینا سنت مذکورہ ہے جو شرط مطلوب ہے (اور منیٰ کے نزدیک واجب ہے اسی تفصیل سے جو سلام کے جواب میں بخاری، مدنی شرط سے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ان سے غمگینی کی جو)

اور چھ چیزوں سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ سب حرام ہیں۔ حریر و بیاتق اور تنیٰ و استبرق۔ یہ سب منیٰ کی بڑوں کی اقسام ہیں جو مرد کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اسی طرح سونے کا ٹوٹی ٹوٹی ٹکڑے کو جائز ہے مردوں کے لیے حرام ہے اور میاں سے معلوم ہوا کہ منیٰ حریر و استبرق سے منع ہوتا ہے (یعنی سینہ تا رسول اللہ ﷺ وسلم کا کسی چیز سے منع کرنا کسی کلام کا حکم کرنے سے زیادہ سخت ہے) کیونکہ منیٰ وہ تو سب حرام ہوتے ہیں بشرطیکہ بطریق لزوم کے ہو اور ماوراء سب واجب میں ہوتے بعض واجب ہوتے ہیں یعنی مستحب تو وہ (افعال) اور (اعمال) ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ وسلم نے فرمایا ہے اذا منکم باسرافا فامنعہ ما استطعتم ومانعیتکم عنہ فلا تقر بوا۔ جب میں تم کو کسی کلام کا حکم کروں تو مٹنا بجا ہو کہو بجا ہو اور جس سے منع کروں اس کے پاس نہ جاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتوں کا امر کیا گیا ہے وہ سب واجب میں بلکہ منیٰ مستحب بھی ہیں۔ اور واجبات سب تمہاری طاقت و استطاعت کے خالق ہیں (طاقت سے نہ یاد کرو جب نہیں کیا گیا) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے (ولکلت اللہ خدا لا دمعہا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کھانے میں فرماتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ واجبات میں سے جس کو تمہا طاقت چاہے ادا کرو اور جس کو بھی نہ چاہے چھوڑ دو۔ یہ کوئی غلط فہمی جیسے دو کا ایک سے زیادہ ہونا معلوم ہے، نہیں سمجھ سکتا۔ مگر یہ کہ کسی کے دل پر ہمارے نفس ہی غالب ہو گئی ہو (تو وہ جو چاہے سمجھ لے)۔



کہ آپ پر آما ہے (دوسری جنت اس لیے کہ واقعی آپ جنت کے قابل ہیں۔  
 سو پہلی جنت کا اثر تو یہ ہے کہ آپ کی یاد میں مستغرق ہو کر نہ اس نے سب کو  
 (دل سے) بھلا دیا ہے اور دوسری جنت کا مقصد یہ ہے کہ آپ میرے آگے  
 سے پرستے اٹھادیں کہ آپ کو (جی بھر کے دیکھ لوں) یا یہ مطلب ہے کہ  
 دوسری جنت اس لیے ہے کہ آپ نے میرے سامنے سے پرستے اٹھا دیئے ہیں  
 یہاں تک کہ میں آپ کو نگاہ بعیرت سے دیکھ رہا ہوں (اور مشاہدہ قلبی نے بتا  
 دیا کہ واقعی آپ ہی جنت کے قابل ہیں) دوسرا کوئی اس قابل نہیں مگر یہ کہ وہ آپ ہی  
 تک پہنچنے والا ہو مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم )  
 قولہ فیہ دلیل لاهل الصوفیۃ قولہ حق ادا کا



(ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مصل میں ہے) اور کبھی خوشی کے جملے سے ہی انھوں  
 میں افسوس آجاتے ہیں۔

گفتش در مہین دمل این نالہ و فریاد چیست  
 گفت مارا جلوہ مشوق در این کار داشت

اور اسی لیے (مگر نہ تو کو محفل حق تھلے سے خطاب اور سوال و جواب کی تنہا ہے  
 اور حاجت عاید کی تنہا نہیں)

حضرت داہرہ دیر نے (ایک بار) بلکہ بعض لوگوں نے اشتیاق موت پر اعتراض کیا  
 کہ موت کا اشتیاق تو اس کو ہونا چاہیے جسے یقین ہو کہ مرتے ہی جنت میں پہنچ جائیں  
 گا۔ میں کو یہ یقین نہ ہو وہ کیونکر موت کا اشتیاق ہو سکتا ہے (فرمایا تو کی وہ مجھے  
 دھمکانا نہیں گئے بھی میں تو یوں بھی نہ کہیں گے کہ یا اہلۃ السوء و خلقت کذاہ کذا۔  
 اسے بُری بندی! تو نے ایسا ایسا کیا تھا لوگوں نے کہا ہاں (اگر مواخذہ ہوا تو یہ تو  
 ہو گا ہی) فرمایا تو میرا مقصود یہی ہے (میں اس سے زیادہ کی غالب نہیں میں وہ  
 مجھ سے خطاب کر لیں پھر چاہتے گالیوں ہی دےں میں۔

ہم گنتی و غرض ہم حنا کا اند نہ گنو گفتی  
 جواب تلخ می رسید لب لعل شکر غارا

۵۰

احببت حبیبی حب الہوی

و حب لائل اهل لذا کا

فاما الذبح و حب الہوی

فشفقتی بذکر لث حب سوا کا

واما الذبح انت اهل له

فکشف لک الحب حق ادا کا

یہاں آپ سے دو طرح کی محبت رکھتے ہوں۔ ایک (اشفاق و رحمت) دوسری (کھانا دنا)

## باب ثلث و ہفتم

## حدیث

## وفاة الرسول و فضل ابی بکرؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفات نبویہ کے قطع میں) روایت ہے کہ حضرت ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ (حجرۃ نبویہ) سے پھر گئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں بیٹھ جاؤں، انہوں نے (نیشیئے) انکار کیا اور برابر تقریر کرتے رہے، اتنا ابوبکر صدیقؓ نے ٹھنک دیا جس میں توحید و رسالت کی شمولیت تھی تو سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمرؓ کو چھوڑ دیا یعنی ان کی طرف متوجہ نہ رہے) شہادت توحید و رسالت کے بعد حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔

۱۔ ابعد۔ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو (وہ) شن لے کر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنا) ہو تو (وہ جان لے کر) اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہ مرے گا۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ ماحجد ان دسوں قد خلعت حسن قبلہ الرسول (بی الشکوکین) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہیں (خدا تو ہیں ہیں) ان سے پہلے اور بھی بہت رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تم اپنی ایڑیوں کے بل (دین سے) موٹ جاؤ گے اور چ (دین سے) پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان

نہ کرے گا اور (جو اس حالت میں ممبر و منکر کرے گا تو) اللہ تعالیٰ شاکرین کو جزا دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اس آیت کو سن کر) بعد لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بھی نازل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹھہرا دیا، ان کو یہ آیت یاد آئی، پھر لوگوں نے اس آیت کو سن کر یاد کر لیا۔ اس کے بعد ہر شخص اسی آیت کو پڑھتا ہوا پھر نکلتا۔

خاموش رہے یہ کہ سنا ہے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دی۔ شمر یہ اس آیت کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۳۹) عارف اپنے مقام خاص کے مقتضایہ پر کلام کرتا ہے یہاں یہ سوال ہوتا

ہے کہ اس بزرگ موقع پر ان دونوں حضرات میں اختلاف کیوں ہوا۔ حالانکہ دونوں میں درجہ پرچہ ظاہر ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت کو تلاوت کیا تو صحابہ کو یہ معلوم ہوا کہ گویا اس آیت کو اس وقت سے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے اختلاف کا سبب اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ دونوں کی حالت اس وقت کیا تھی اور دونوں کا خاص مقام کی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حالت کو اس وقت یہ تھی کہ جب اللہ کو مستند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خبر دی گئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس انداز تک خیر سے گھبرا گئے تو حضرت عمرؓ نے تلوار نیام سے نکالی لی اور فرمایا اگر کسی کی زبان سے یہ بات نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو اس تلوار سے اس کا خاکہ کر دوں گا (مستور) وفات میں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (مصلحہ معراج کے) اٹھا لیا ہے آپ ابھی واپس نہیں گئے اور بعض لوگوں کو قتل

دل میں ڈالی گئی ہے اور وہ چڑکیا ہے؟ قربت یقین ہی تو ہے اور جس کا یقین قوی ہو گا اس کو حوادث کی قوت و شدت سے حرکت و اضطراب نہیں ہو سکتا۔ (وہ حالات میں کوہ و قنار بنا رہتا ہے) وہ اپنے ہر کام کو یقین پر مبنی کرتا اور امام حالات کی پوری تحقیق کرتا ہے اور جس کا مقام قوت دین ہو گا جس کا (دوسرا) تمام شجاعت ہے وہ اپنے ہر کام میں پوری اسیطہ اور قوت کو ملحوظ رکھے گا (تمام حالات کی پوری تحقیق کے درپے نہیں جوتا بلکہ عمل میں ہر مسئلہ پہلو کی رعایت کا اہتمام کرتا ہے) چونکہ حضرت عمر شجاعت اور قوت دین کے مقام پر تھے جب ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور لوگوں کی حالت اضطراب کا مشاہدہ کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے بلکہ ہر مسئلہ پر نظر کیا اُن کو یہ بھی احتمال ہوا کہ حقیقت آپ کی وفات ہو گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہوا کہ بغور مزاح کے وفات ہو اور آپ آجائیں گے اور وقتی حالت کا مقتضایہ تھا کہ اس واقعہ کو کسی پہلو پر نہ لیا جائے جس میں پوری اسیطہ جو یقینی معراج کی حالت پر، تاکہ لوگوں میں جو اضطراب اور زلزلہ سا پیدا ہو گیا ہے وہ زلزلہ نہ ہو جائے اور اس احتمال پر نظر کر کے) اُن میں کسی قدر سکون پیدا ہو جائے پھر (بعد تحقیق کے) اگر میری پہلو صحیح نکلا جس پر واقعہ کو محمول کیا گیا تھا تو سبحان اللہ اور اگر وہ پہلو نکلا کہ حقیقت آپ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ حقیقت سکون کی حالت میں اُن کے سامنے آنے کی کیونکہ صدر کی بات پر جب کچھ مدت گزر جاتی ہے نفس کو سکون ہو جاتا اور دل مضبوط ہو جاتا اور (کسی قدر مطمئن ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصبر عند الصدمة الاولى) (صبر وہ ہے جو صدر کی ابتدائی حالت میں ہو۔ اسی وقت مستقل مزاج اور غیر متقل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور جب صدر پر شدت گزرتا جاتی ہے تو اسی وقت تو سب کو بے اختیار ڈھرا جاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اسی بات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے روکا بلکہ انہوں نے لوگوں کے سامنے

کر دیں گے۔ یعنی کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (وفات کی خبر سننے کے بعد) نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے نہ آپ کو پہنچا (بلکہ نہرٹے ہی تلوار نکال کر لوگوں کو اس قسم کی گفتگو سے منع کر دئے گئے) اور مدینہ کی کبریٰ اللہ عنہ اس وقت (ایک ضرورت سے) مدینہ کے باہر گئے ہوئے تھے جب اُن کو یہ خبر پہنچی تشریف لائے یہاں تک کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ کے چہرہ مبدل ہو گئی اور دکھا۔ حضور کی آنکھوں کے درمیان ہوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندہ ہیں میں بھی پاکیزہ رہنے مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہیں اس کے بعد باہر آئے اور حضرت عمرؓ بار بار اپنی اسی بات کو دہرایا ہے تھے حضرت مدینہ پہنچے۔ اُن کو بیٹھ جانے کا حکم دیا (مرد وہ سامنے) پھر حضرت مدینہ نے وہ حدیث مروی تھیں کہ انھوں نے حدیث میں مذکور ہے (یہ تو ان حضرات کی اس وفات کی حالت تھی) اور ان کا اہم جب خاص حالت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بتلائی ہے انامہ دینہ السعادہ اور ہر ماہیہ و انامہ دینہ الفصاحت و عمر بابا و انامہ دینہ الخفاء و عثمان بابا و انامہ دینہ العلم و علی بابا۔ (میں سعادت کا شہر ہوں ابوبکر اس کا دروازہ ہیں، میں شجاعت کا شہر ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں، میں حیا کا شہر ہوں عثمان اس کا دروازہ ہیں، میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔)

اس حدیث کی صحت میں شک نہیں کو کام ہے اور (ظاہر ہے کہ) شجاعت سے مراد دین میں شجاعت (اور پختگی) ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروقی کا خطاب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسلام لانے کے دن ہی حق اور باطل میں فیصلہ کر دیا تھا کہ اُسی دن سے) اللہ تعالیٰ کی عبادت اعلان ہوئے گی اور (یہ بھی ظاہر ہے کہ) سفادت کی زیادتی یقیناً ک قوت ہی سے ہو سکتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابوبکر زیادہ نماز اور دوسرے کی دوسرے تم پر فوقیت نہیں لگے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے بڑھ گئے جو ان کے

میں آئی جس میں اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد حکم موجود تھا جو قرآن میں  
تلاوت کیا جاتا ہے۔ پس وہ حکم کے سامنے ٹھک گئے اور دل سے منقاد ہو گئے۔  
پھر باہر کر لوگوں کو بھی اللہ کے حکم کے سامنے ٹھک جانے کی ترغیب دی۔ غرض  
دلوں پر لوگوں نے اپنے مقام انبیاء کے مقتضی پر عمل کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی باتوں میں حکمت اور مصلحت رکھی تھی  
حضرت عمر کی بات سے تو منافقین دم بخود ہو گئے ان کو یہ فتنہ ملا کہ فوراً دشمنان  
دن کو اطلاع کر کے بھاگ دیتے اور حضرت صدیق کے لبر و دست لینے خطبے شلمانوں  
کے دل مضبوط ہو گئے۔ اضطراب جاتا رہا اور مارا زوار اس حد تک برداشت کر کے  
حکام الہی کی تعمیل میں سرگرم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت  
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ آیت پڑھنے کی تھی تو میرے پیر مجھے دعا دی تھی  
(فوراً اگر پڑھا)

**کمال یقین کی علامت یہ ہے کہ نازک موقع پر بھی سنت نبویہ کو ہاتھ سے نہ ہلنے دے**

اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دین کی قوت اور یقین کی عظمت  
معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی مستقل رہے اور اتنے مستقل رہے کہ  
اپنے غلام کو اسی قاصد سے شریعت کیا جو سنت نبویہ کا مقتضا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ ہمیشہ ناشان احمد میں حکم کو اللہ سبحانہ کے ذکر و ثناء  
سے شروع کرتے تھے۔

فیہ دیسل حل قرة الی سرف اللہ تعالیٰ ذلک اللہ سبحانہ و تلت ولہ

اس سے حضرات  
باہم ایک دوسرے کا ادب کرنا بھی دین کا جزو ہے صحابہ کا باہم ایک  
دوسرے کا ادب غلو کرنا بھی مسموم تھا۔ یہ بھی دین کا جزو ہے چنانچہ حضرت صدیقؓ  
نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ (تاکہ میں کچھ بولوں) اس سے زیادہ کچھ نہیں

تقریر شروع کر دی تاکہ ان کا اضطراب اور زلزلہ کم ہو جائے) اگر وہ پہلے حضورؐ  
کے پاس پہنچ جاتے اور حقیقی وفات کا مشاہدہ کر لیتے جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ  
نے مشاہدہ کیا تو ان کو اس بات کے کہنے کا موقع نہ رہتا (جس سے لوگوں کو اضطراب  
کی حالت میں سنبھال لیا گیا) کیونکہ اب یہ بات جھوٹ ہوئی اور حضرت عمرؓ اس سے  
بہت دور تھے۔ (کہ جھوٹ بات مرنے سے نکلیں اور تحقیق سے پہلے کچھ انہوں نے  
کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی حضورؐ کی وفات متحقق نہیں ہوئی احتمال ہے کہ یہ بھی  
معراجی حالت ہو اور ممکن ہے کہ اس احتمال کے برادر اور احتمال ان کے ذہن ہی  
میں نہ آیا ہو کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے ہوا الذی اصل دوسولہ  
باصدق و دین الحق لم یطہر علی الدین کلمہ میں جس غلبہ کی خبر دی ہے، وہ  
حضرت کے سامنے ہی ہو گا جیسا آیت سے بتاوا رہی ہے اور وہ غلبہ ابھی تک  
ظاہر نہیں ہوا تو ابھی حضورؐ کی وفات نہیں ہو سکتی۔)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے  
قریب حضرت کی زیادت کر کے وہ باہر گئے تو فرمایا کہ موت کے وقت جو تم (م) کے  
آدمیوں میں سے (م) جس قسم کی گواہی کرنا ہے مجھے معلوم کرنا چاہیے اور وہی  
اس وقت (م) کی ہے تو یہ حضرات تو وفات سے پہلے ہی موت کی گڑ سے علامت  
کو پہچان لینے لگے تو کی حقیقی وفات کے بعد آپ کو دیکھ کر انہیں کچھ شہر ہو سکتا تھا؟  
یہ ناممکن ہے پس حضرت عمرؓ کی یہ خبر وفات سن کر حضورؐ کے پاس نہیں گئے بلکہ  
آپؐ نے احتیاط کا پہلو اختیار کر جو ان کی اپنی اصلی حالت کا مقتضا تھا۔ جب  
صحابہ یقین بزرگ تشریف لائے تو وہ اس حادثہ عظیم سے مضطرب نہیں ہوئے۔

انہوں نے حقیقت حال معلوم کرنے سے پہلے کوئی بات نہیں کر لی چاہی (سیدھے)  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے آپؐ کا چہرہ مدہر کھل کر دیکھا جب ان کو  
محقق ہو گیا کہ واقعی کچھ آپؐ کی وفات ہو گئی ہے تو فوراً دیکھا کہ اس کے وقت کے  
متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو اور سب مٹا دیں گے یا نہیں ہے تو فوراً قرآن کی آیت دل

بعض لوگ ادب کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے بزرگ کے خلاف کوئی بات نہ کہنے سے نہ نکلے۔ یہ صحیح ہے مگر اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس سے ظاہر ہو کہ کہنے والا اپنے بزرگوں کا مخالف ہے ان کو بزرگ نہیں سمجھتا یہ مطلب نہیں کہ شرعی مسائل میں ان کی رائے سے اختلاف نہ کرے۔ اگر مسائل شرعیہ میں اختلاف ہو بھی ہے اور ان میں داخل کیا جائے کہ تو کیا لغو و شدائم محمد بن حسن اور امام ابو یوسف ہے ادب ہے جنہوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے عاقل و کلام یہ ہرگز نہیں اور ان میں داخل نہیں اسی طرح یہاں محکمہ حضرت عمر کے نزدیک اس بات کی ضرورت تھی جو وہ کہہ رہے تھے اس لیے حضرت صدیق کے خاموشی کرنے سے خاموش نہ ہوئے اور حضرت صدیق کے نزدیک حضرت عمر کی بات کی ضرورت اس وقت تک تھی جب تک حقیقت واضح نہ ہوتی تھی۔ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد صحابہ کو منہانے اور اطمینان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل اور کفین و فن میں مشغول ہونے کی ضرورت تھی اس لیے آپ نے حضرت عمر کو خاموش رہنے کے لیے فرمایا کہ اب تم بات نہ کرو وقت نہیں رہا میں حقیقت پر پہنچے ہو کہ آیا ہوں۔ اب اس کے متعلق پر عمل کرنا لازم ہے۔ پس اگر کہنے کی ضرورت کو ادب پر مقدم کیا۔

بہلے کے اکابر کا عمل بھی حضرت عثمان کی اس سنت پر تھا کہ وہ ضرورت دیکھ کر ادب پر مقدم کیا کرتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اپنے بزرگوں سے بعض امور میں اختلاف کرتے تھے مگر تمذیب کے عنوان سے تاکہ اختلاف رائے مخالفت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ افسوس! آج کل اس طرز پر لوگ نہیں سمجھتے اختلاف رائے کو مخالفت و مخالفت کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور تقریر و تحریر میں دوسرے کے ارباب و زبانت پر بھی حملہ کرنے سے نہیں پرہیز کرتے۔ یہ لوگ دائرہ علم و تقویٰ سے خارج ہیں غافل عنہ المشیت کی۔

لکھا کہ تم علماء کہہ رہے ہو۔ حضرت کی وفات معراجی نہیں بلکہ حقیقی وفات ہے تم نے دیکھا نہیں ہے نہیں حضور کو دیکھ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ اور بیٹے جانے کو اس لیے لکھا کہ ان کی تقریر کے ساتھ اپنی تقریر شروع کر دینا ادب کے خلاف تھا۔ مطلب یہ تھا کہ میں تم کو جو کتنا عطا کر چکے اب میں کچھ نہ چاہتا ہوں آپ بیٹے جانیں

قرنہ و بیہ دلیل علیٰ نادر الصحابة انی قرنہ و بیہ و حلیہ عن قتال شیا

ضرورت دین کے لیے ترک ادب بھی ادب ہی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ادب کی رعایت اسی وقت تک ہے جب تک دین کی ضرورت (وقت) نہ ہو اور اگر (ادب سے) دین کی ضرورت (وقت) ہو تو اب ادب کی رعایت نہ ہوگی بلکہ اس وقت ترک ادب ہوگا دیکھو جب حضرت عمر نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات دہرائی اور خاموش رہا ہونے اور حالت نازک تھی تو انہوں نے سہمے سہمے سر پر جاکر اپنا خطبہ شروع کر دیا اور دین کی (ضرورت کی وجہ) سے ان کا ادب چھوڑ دیا۔ دیکھو گفتگو کا ادب یہ ہے کہ جب تک ایک شخص بول رہا ہے دوسرا اپنی تقریر شروع نہ کرے مگر محبت عالی کی نزاکت اور دینی ضرورت نے حضرت صدیق کو مجبور کر دیا کہ حضرت عمر کی گفتگو کے ساتھ ہی اپنی تقریر شروع کر دیں پھر بھی اتنا ادب ٹوٹا نہ کہ حضرت عمر مسجد کے سامنے گفتگو کر رہے تھے حضرت صدیق نے وہاں تقریر شروع نہیں کی بلکہ مسجد کے اندر منبر ہو کر تقریر فرمائی (اور اسی دینی ضرورت نے حضرت عمر کو حضرت صدیق کا ادب ٹوٹا رکھنے سے روکا تھا کہ جب انہوں نے ان سے خاموش ہونے کو فرمایا خاموشی نہیں ہوئے زما رہا ہونے لگے کیونکہ وہ اپنے نزدیک اپنی گفتگو کو دینی ضرورت پر مبنی سمجھ رہے تھے کہ اس وقت منافقین کو ہانپنے کے لیے یہی کہنے کی ضرورت ہے کہ حضور کا احوال نہیں ہوگا جب سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی اس کے بعد تحقیق کی جائے گی کہ حضور کی واقعی وفات ہوگئی یا بیماری سے غلطی ہوگئی تھی

قرنہ و بیہ دلیل علیٰ نادر الصحابة انی قرنہ و بیہ و حلیہ عن قتال شیا

و یکے چون شد ایدہ بالکوت۔

الحق والباطل الى قوله تاييده الحق وتثبيت لاهله .

ف یہ بھی حضرات عریضہ کی روایتوں میں سے ایک دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ قوت دین ان کے فصاحت و بلاغت کلام بھی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی مولانا جامی۔ شیخ نصیری۔ حافظہ شریزی وغیرہم کی فصاحت و بلاغت معلوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی فصاحت و بلاغت کا دیکھنا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت کے برابر نوثر بیان کسی فاضل ہوتا تھا بلاغت اسی کا ہم ہے۔ دیکھنی الفاظ کا نام نہیں دقت لفظ انصافہ قولاً بلیغاً حضرت کی شان میں یہ شعر بالکل سچا ہے ۔

ومن لبائے انتقوب مؤثر  
ویدل قول القائلین فضول  
”اب ایسا بیان کون کرے گا جو دلوں میں اثر کرنا چاہے۔“ آپ کے بعد تو بولنے والا کی باتیں فخر، ہی کی ہیں ۔

اس مقام پر حضرت صدیق کو صاف بقیع معلوم تھا کہ صابہ سے کس سبب اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں مگر صورت کی خبر ذات سُن کر جو آگے بونٹ اُڑ گئے اور ایک حالت اضطراب پیدا ہو گئی اس پر اس عنوان سے تنبیہ فرمائی کہ یہ حالت تو اُس کی ہونی چاہیے جو رسول اللہ ﷺ وسلم کی عبادت کرتا ہو اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کو اس قدر پریشان و مضطرب نہ ہونا چاہیے۔ جلی جانتا سمجھ سکے ہیں کہ اس مؤثر کے لیے اس سے بہتر عنوان حقیقت کو واضح کرنے والا اور گزروں کو سننے والے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اپنے قبیحہ فتنیہ وسیلۃ الظفر“ میں اسی وقت کو اس عنوان سے بیان کیا ہے ۔

حاکمان ائمتہ لکل مهمۃ  
من کان بعد احمد اذہم  
من کان بعدہ وہ ذہول لاله  
هذا انشلت نهل صعدت بکثله  
کادت قوس لها ذوات مخموب  
مات الحبيب وکلت عین تکبیر  
الوالد القیود حیر نصیر  
هذا انوف او کان عیر وقور

(۱۳۳) پریشانی کے وقت کلام مختصر اور دلیل مستحکم بیان کرنی چاہیے

حدیث سے معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت اور دین کی پختگی کا معیار یہ ہے کہ مشکلات کے وقت کلام موجز (مختصر) کیا جائے اور حجت (دلیل) مؤثر و مستحکم بیان کیا جائے۔ دیکھو حضرت صدیق کا یہ خطبہ من کان منکم بعد محمد اذہم و احمد اذہم حالت الخس قد بلغنا اور غارت و درجہ نیچے مگر مختصر بھی ہے (طریق نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس پر حقیقت کشف ہو جاتی ہے وہ زیادہ بلیغ و بڑی باتیں نہیں کیا کرتا چاندیوں ہی میں حقیقت کو واضح کر دیتا ہے) اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ دین و احکام کے لیے سب سے بڑی قوت کتب و کتابت ہے گریہ بات نہ ہوتی اور اس کی برحق کلام نہ ہوتا تو صابہ سب کے سب سرخ دم کر دیتے اور ان ہی آیتوں کو پار بار نہ ڈہراتے ۔

قوله و خیه دلیل علی ان صحت النفعۃ و البلاغۃ الی

قوله یکرهون الاکف ۔

(۱۳۴) حق واضح کرنے کے لیے کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے تاکہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے دیکھو حضرت صدیق نے ایسا ہی کیا ہے فرمایا کہ تم ہیں جو کوئی محمد ﷺ و سلم کی عبادت کرتا ہو تو اُس سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح ہیں اور جو اللہ و رسول کی عبادت کرتا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی قیوم ہیں وہ نہیں مر سکتے حالانکہ حضرت صدیق کو قطعاً معلوم تھا کہ صابہ میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے والا نہ تھا مگر آپ نے ایسی بات کو جو یقیناً محال تھا بھی ایسی بات سے مل کر بیان کیا جو سب کے نزدیک محقق اور یقینی تھی تاکہ اسی طرح حق ہو کر اور اہل حق ثابت قدم ہو جائیں ۔ قوله خیه دلیل علی حرج تقسیم الکلام بدین

حضرت صدیقؓ بشریکل موقع پر حسان پہاڑ بھی بنے کہ ہو جائیں بڑے ہی ثابت قدم تھے ان کے اس بیٹا غلبہ پر قہقہہ کر دو جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ وسلم کی وفات کے موقع پر دیا تھا جبکہ بڑے بڑے صاحبزادے لڑتے تھے فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ نہ لے کہ محبوب قوم کیجئے اب اس سے انکار کی گنجائش نہیں، درجہ رب محمد کی عبادت کرتا ہو وہ نہ لے کہ اللہ زادہ قیوم زندہ ہے اور بڑا چھا دگا رہے۔ یہ ہے ثابت قدم تم نے کہیں اس کی نظیر کسی ہے یہ ہے وفادار استغفار اور واقعی حضرت صدیقؓ بڑے صاحب استغفار تھے حضرت صدیقؓ میں یہ استغفار ان کے مقام تعین کا ثمرہ تھا اور اسی لیے ان کو سب سے پہلا غلیظ منتخب کیا گیا کہ اس وقت ایسے ہی صاحب استغفار کی مثالوں کو ضرورت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل عرب میں ایک بھول پیدا ہو گئی اور بیٹے مرتد ہو گئے تھے تو دشمنانِ وقت کو بند کرنے کے لیے بڑے صاحب استقلال غلیظ کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت صدیقؓ نے سب سے پہلے اسی فتنہ کا سر کچلا اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ آپ نے مرتدین کو ذرا صلت نہیں دی حالانکہ وقت نازک تھا۔ فارس اور روم کی طرف سے دین پر حملہ کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اسی نازک وقت میں کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ مرتدین عرب کو اس وقت چھوڑ دیا جائے ان کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا پہلے بیرون دشمنوں کا انتظام کیا جائے تاکہ لوگوں کی بھڑائی کو سکون ہو جائے وہ اس سے پریشان ہیں کہ اپنے ملک میں بھی جنگ کریں اور باہر وادوں سے بھی مقابلہ کریں۔ حضرت صدیقؓ نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ رد کیا کہ انہیں کے سانپے قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں ان کی گردن سب سے پہلے ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا بخدا میں مرتدین سے ضرورتاً آل کروں گا پاسے مرمت ہوا جی میرے ساتھ ہو اور کوئی نہ ہو۔ یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہوائی لٹن کی مدد کے لیے بھیج دیا کہ دشمن قہقہہ تمہیں مسجد بنو سے بھرنے لگے اور جو لوگ حضرت

صدیقؓ کی رائے کے خلاف تھے ان کے جہروں پر غاص طوفان سے ہوا نے ننگریاں ماریں جس سے گہرا کروہ سب سبست سے باہر نکل گئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قتال میں حضرت صدیقؓ کا ثمرہ صدر کو دیا تو میں کیا کہہ کر ہی حق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے میرا بھی ثمن صدر کر دیا۔ چنانچہ ایک سال میں مرتدین کا فتنہ فرو ہو گیا۔ پھر حضرت صدیقؓ نے ایک ہاتھ فارس کی طرف بڑھایا ایک۔ ہاتھ روم کی طرف اور دونوں علاقوں سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ نقشہ جنگ حضرت صدیقؓ ہی نے بنادیا تھا۔ اس کی تکمیل بعد میں ہوئی حضرت عمرؓ کا تمام شجاعت اور شدت فی الذین تھا تو حضرت صدیقؓ کے ہمدستوں کو ان کی حاجت تھی تاکہ حضرت صدیقؓ کے بعد نہ ہوئے فتنہ پر برأت کی ساتھ بڑھتے چلے جائیں۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ اسلام تمام اطراف میں پھیل گیا اور بلند ہو گیا۔ پھر قائم رہا کہ ہر چہز کو ان کے بعد زوال ہوتا ہے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف مسلمان تھما کہ ہوئے کیونکہ ان کی خلافت میں چھ سال کے اندر بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور مصلحت اسلام کمال درجہ پر پہنچ گئی پھر فری و سال میں زوال کے آثار پیدا ہونے لگے اور زوال شروع ہونے کے وقت مقام صبر و تسلیم و حیلہ کی ضرورت ہے اور یہ صبر عثمان کا خاص مقام ہے۔ انہوں نے رعایا کی آزادی اور ملتِ امت اور بے باکی اور تسلط احترام غلبہ پر کہی زوال کا مرتبہ ہے۔ غایت علم سے کام لیا جو کمال حیا کا امتضا ہے پھر انہوں کی عبادت پر صبر و تسلیم سے کام لیا خود اپنی جان دے دی۔ گھر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار میں اٹھائے اور جس نے ایسا کیا چاہا اس کو روک دیا اس میں آنکست کو سبق تھا کہ عیب نہ دیا جائے باقی و آزادی پیدا ہونے لگے اس وقت غلیظ کو علم سے کام لینا چاہیے۔ اور رعایا پیش ہو جائے تو اپنی اسلامی برادری سے جنگ نہ کرتا چاہیے۔ پھر حضرت علیؓ کی خلافت کے مسلمان تھما کہ ہوئے کیونکہ ان کا مقام علم تھا امت کو ضرورت تھی کہ باغیوں کے خلاف منفعلانہ حکم کا اہم ہو۔ ان کے خلاف اسی طرح تین ہوتا رہا اور ہم پر ہم ہوا لے گا۔

(۱۴۵) معاصی میں بڑی تسلی قرآن کی تلاوت و تکرار سے ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ معاصی میں تسلی کا سب سے بڑا ذریعہ بار بار قرآن کی آیات کو دہرانا (اور بکثرت پڑھنا) ہے یہی حق ہے اور کس ہوئی بات ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَنْ نَزَلَ مِنْ الرِّقَةِ مَاهُو شَفَاءٌ وَدَوَاجُهَا لِمَوَاسِيْنِ۔ ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اس کی ایک شان و غایت یہ ہے کہ قرآن اور پڑھائی کے وقت اس سے تسلی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا لیے صحابہ نے بار بار اس آیت کو دہرانا شروع کر دیا (جو حضرت صدیق نے اپنے غلطی میں پڑھی تھی) کہ ایک شخص بھی ایسا اور چاہیں کہ زبان سے وہ آیت مذکور کی تکرار کرے اس آیت کو سن کر مومنین اللہ کا حکم تو معلوم ہوگی حقا چہر بار بار دہرانے اور تکرار کرنے میں اس کے سوا کیا فائدہ تھا کہ وہ اس سے اپنے رکاوٹ میں تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قوله يه ويلسل من ان اكبر التسلي في المعاصي ثم رواه كتاب الله الی

قوله لا تسلي بها علی ما حدیثه من الحسن و لبرحاء۔

و کہ اللہ سے تسلی حاصل ہونا صرف کمال شہ ہے وہ الی مذکور ف لعل تسلي القلوب کمالی انکس مشاہدہ کرتے ہیں اور ذکر اللہ کی افلی فروزا اور تلاوت قرآن ہے اور مصیبت کے وقت خصوصیت کے ساتھ آیت اللہ شہ وانا الیہ راجعون کا تکرار اور صحنی و مطلب جو کہ بار بار پڑھتے رہنا بڑی تسلی کا ذریعہ اور دل کو تسکین دینا ہے۔

(۱۴۶) مخاطب کو اسکی مصیبت کی بات بتلانا چاہیے اگرچہ وہ جانتا ہی ہو

یہیں سے معلوم ہوا کہ جس بات میں مخاطب کی مصیبت ہو اسے بتلانی چاہیئے اگرچہ ہم کو معلوم ہو کہ وہ اس بات کو پہنچے سے جانتا ہے کیونکہ عادت پریشاں آنے

وگ بھادوت کیہ کریں گے اور غلیظ کو قفل کر دیا کریں گے تو غلیظ اور خلافت کا رعب جاتا رہے گا اور بہت جلد حکومت اسلام کا غمگاہ ہو جائے گا اس وقت حضرت علی نے اپنی تادیب سے قتال کیا اور مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ اہل تادیب اور مادیقین و غارین کے احکام سے مطلع کر کے قتل و غارتگری کو دایم فرمایا تھا کہ ائمہ کے لیے امتوں و قبائل کی دوسرے غرض غرض کا ایک مقام معلوم ہے اور مسلمانوں کو رب ہی کی عزت و توحید اللہ تعالیٰ ان عزت کی برکت سے ہم پر بھی فضل فرمائیں اور ایسے اعمال کی توحید دیں جن سے ہم ان کے قریب پہنچ جائیں اور قیامت میں ان ہمکے ساتھ ہمارا حضور اور مومنین کی جماعت میں بلا محنت و مشقت کے عافیت کے ساتھ اپنے فضل سے داخل فرماویں آمین (اس تقریر کا اکثر حضرت شریح کے کلام سے محفوظ ہے چچا کراس میں کوئی مسئلہ فقوت کا مدعا مگر مضمون عجیب تھا اس لیے فائدہ کے ضمن میں بیان کر دیا گیا۔ بھان اللہ حضرت شریح نے بڑی خوبی سے مقامات غلطہ اراہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان رد کیا کہ وہ بھی غلیظ راشر ہیں اور ان ہی کی خلافت پر پیش سالہ خدمت خلافت اہل منہاج السنۃ تمام ہوئی ہے تو کتنا چاہیئے کہ حضرت علی کے بعد غلاموں کو امام حسن کی خلافت کی طرف احتیاج ہوئی جن کا خاص مقام سیادت تھا جس کا مستحق سب سے کہ جب قوی نزاعات کا خلافت سے خاتمہ نہ ہو تو سردار اپنے سے معافی و درویش سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ امام حسن نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کو اپنی شان سیادت سے منع و اتفاق و اتحاد کی طرف واپس کر دیا۔ اپنے کو خلافت سے معزول کر کے حضرت علی کو خلافت سونپ دی۔ اسی لیے اس سال کو عام الجہت کہا جاتا ہے کہ اس سال مسلمان پھر سے متفق و متحد اور متحد ہو گئے جس کی برکت سے صدیوں تک خلافت اسلامی باقی رہی اور ترقی کرتی رہی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔



کے وقت انسان کا دل حدیث سے ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ جانی پہچانی ہست سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ دیکھو صحابہ کو کبھی کو یا کبھی کو یہایت معلوم تھی اس کے نزول کا دن اور شان نزول بھی معلوم تھا مگر حادثہ (وفات نبویؐ) کے دفعہ پیش آ جانے سے قلوب ایسے پریشان ہو گئے کہ اسی آیت سے ڈھول ہو گئی جو پہلے سے جانی ہوئی تھی۔ پھر اس شخص کا نوکیا حال ہو گا جسے پہلے سے کچھ غیر تھی اور ایسی مصیبت کا سامنا ہو گیا جو تھیں سے باہر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ طے وسلم نے فرمایا ہے: من عزی مصیبا فله اجر مصاب۔ جس نے مصیبت زدہ کو تسلی دی اسے بھی اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ یہ اس کو وہ باتیں یاد دلانا ہے جو اس وقت یاد کرنی چاہئیں جس سے اس کا غم ہلکا ہو جائے تو اس کی تسلی سے جتنا اس کا غم ہلکا ہو گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ طے وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یہ مصیبت پیش آئی اور اس پر میرا کرم آ تو جتنا ثواب اس وقت ملتا وہی مصیبت زدہ کو تسلی اور دلدادہ سادینے سے ملے گا کہ اس نے اس کو مابہر بنا دیا ہے اور کسی کو مابہر بنا دینے کا بھی وہی حکم ہے جو خود میرا کرنے کا ہے: لقولہ حبیبہ السلام الدال علی الخیر کما علہ اسی کے مناسب معنی حکماء کا یہ قول ہے جو حکمت پر مشتمل ہے کہ آدمی چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو عالم ستار اور اس کو اپنا عالم ہونا بھی معلوم ہے (یہ مطلب فیس کا علم کا معنی ہے بلکہ اس کو احکام شریعہ سے محروم نہیں اور ان پر نافر ہے اور جانا ہے کہ اس وقت کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے) اس سے علم حاصل کر دے اور مراد وہ جو جاہل ہے اور اسے اپنا جاہل ہونا معلوم ہے اس کو تہذیب اور تعلیم و تہذیب مراد وہ جو جاہل ہے مگر اسے اپنے جاہل کی خبر نہیں (بلکہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے) اس سے دور بھاگو کہ اس کی فلاں کی تہذیبیں یوں کسی کو خلاف حالت ملتا نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ جو خدا جو عالم ہے مگر اسے اپنا عالم ہونا معلوم نہیں (یعنی پریشانی یا اور کسی وجہ سے اسلام خیرہ اس کے ذہن میں حاضر نہیں رہے اس لیے وہ حالت حاضر کے متعلق اپنے

کو جاہل سمجھتا ہے) تو اس کو یاد دلاؤ اس سے تم کو بھی فتنہ ہو گا (اور اس کو بھی)۔  
 قوله وفيه من اللغه ان يذكروا الشخص بالشئ الذي له فيه معصية الى قوله فذكره تنقوا به۔

حضرت مولانا کا اس پر پورا مل ہے وہ برابر موت و حیات و نازکی یاد دہانی کر سکتے رہتے ہیں حاکم کو وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو نصرت ساکنین کو ان چیزوں کا علم ہے مگر غلبہ اشغال و زیورہ کی وجہ سے ان کو ذہول ہو جاتا ہے۔

## (۱۴) امتحان کے وقت دل کی حالت کھل جاتی ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ امتحان کے وقت انسان کے دل کی حالت کھل جاتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ طے وسلم کی وفات جو (مسلمانوں کے لیے) بڑی مصیبت تھی اس نے سب لوگوں کے دلوں کی حالت کو اس طرح کر دیا کہ لوگ (جو بڑے نامہاں ہوئے تھے) مرتد ہو گئے اور بہت لوگ (جو پیچھے ٹھکانے تھے) ثابت قدم رہے۔ جس لوگ کسی قدر فتنہ میں ٹھیکہ ہوئے پھر اس آگے تو آزمائش سے زبانی و عرفی کی حقیقت کھل جاتی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے اللہ احب الناس الی اللہ ان یقولوا آمنا ولا نعبد الا فی حقہ ولقد فتنا الذین من قبلہ فبھیعہم اللہ بدين صدقوا لیعلمن انکذ بیحہم اللہ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کو اتنا کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لے آئے پھر دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ (وہ آزمائش نہیں ہو گی) اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی ہے پھر یقیناً اللہ تعالیٰ سچوں کو چھوڑ دے انک کے رہیں گے۔

اس میں غور کیے کہ جو بہت جہنم نے اپنے طریق کو امتحان اور مبرا ہی پر قائم کیا ہے کہ انسان راحت اور تنفیس ہر حالت میں ثابت قدم رہے اسی لیے قرآن نے جس میں کو یہ خوشی حاصل کرنا ہو کہ اس کو کبھی کسی ناگواری کا سامنا نہ ہو تو کسی ایسی

حضرت شدر نے یہاں بیان فرمائی ہے اور اس کا مطلب اُدھر لکھ دیا گیا کہ جس  
توق اللہ تعالیٰ سے رکنا چاہئے۔ باقی سب سے اسی قدر تلقین اور توق نہ کی جائے جو  
واسطے کے مناسب ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچانے والے  
ہیں ہیں فرق مراتب کا فی ضروری ہے **عَالَمُ الْاِلٰہِ لَا دُوبَ سِوَاہُ**۔

**ف** امتحان کی وقت دل کی اصلی حالت کا کھن جانا چاہیے بعض لوگ اسی وقت  
تک اللہ اور رسول کے عاشق ہیں جب تک راحت و آرام ہیں اور اگر  
کبھی کوئی معیبت پیش آجی تو ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں کہ ایمان ہی خست  
ہو جاتا ہے۔ آج کل مسلمان ایسی آزمائش کے دوسرے گزر رہے ہیں۔ بعض جگہ پر  
مسلمانوں پر سخت ملامت و مصائب کا نزول ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے  
اور سب مسلمانوں کے ایمان کو سلامت و محفوظ رکھے۔

لَعَلَّہٗ اِنَّا تَسْلُکَ الْعَفْوِ وَالْعَافِیَةِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ ۔



ہیز سے دل کو وابستہ نہ رکھے جس پر خدا کا لہریں ہو (مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہوا  
کسی سے دل کو اور اپنا توقیت کو وابستہ نہ کرے) کیونکہ اللہ کے ہوا ہر چیز کے ہوا  
والی ہے (مروغیر اللہ ہے اور غیر اللہ وہ ہے جو مخلوق مع اللہ سے ملے ہو پس رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو وابستہ کرنا معنی نہیں کہ آپ سے وابستہ ہو اللہ تعالیٰ سے  
وابستہ ہے مگر حضرت سے اللہ تعالیٰ کے برابر وابستہ نہ ہوگی کیونکہ آپ بھی تو واسطہ ہی  
ہیں اصل مقصود توقیت تعالیٰ ہیں۔ پس اصل اور واسطہ میں فرق ہونا چاہئے اسی طرح  
مشائخ طریق کا تلقین سنت سے ملنے نہیں بلکہ مصل سے گمروہ بھی مسخرہ رسول  
کا واسطہ ہیں تو یہاں بھی اصل اور واسطہ کا فرق ہونا چاہئے۔ خوب سمجھ لو

قوله **وَدِیْہِ مِمَّنْ الْفَقَہُ اَلْحَدَا اَلْمَتَّحَانِ یَعْرِفُ الْمُرَامَا اَحْزَمِ عَلَیْہِ**  
**جَنَازَہُ اَلْہِ** قوله لان ما صلاہ عزوجل مفقوہ ۔

**ف** صوفیہ کے طریق کا امتحان پر مبنی ہونا یہ سے کثرت کے طریق طالبین کے  
امتحان کرتے ہیں کبھی طلب دیکھنے کے لیے سختی کرتے ہیں کبھی تقیاد و تواضع  
کا امتحان کرنے کے لیے سختی کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر طالب ملاق ہی شہوت ہے  
مجبوراً نہیں شہرتا۔ دوسرے یہ کہ مہذب خود اپنا امتحان بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی  
غریب آدمی کی خدمت کر کے دیکھتے ہیں کہ نفس میں ناگواری پیدا ہوتی یا اپنے حال  
پر رہا۔ بعض دفعہ عمدہ لباس پہن کر گزر کرتے ہیں کہ نفس میں شہر پیدا ہوا یا اپنے  
حالی پر رہا وغیرہ وغیرہ۔ مگر شریعت کے خلاف کام کر کے نفس کو گناہما جائز نہیں۔  
شلا حقوق کو گمروہ نہ لے کر دیکھوں نفس میں شہوت پیدا ہوتی یا نہیں واصل هذا  
الغیہ شریعت نے جس کام سے منع کر دیا ہے اس کا ارتکاب امتحان پر کیسے  
بھی حرام ہے اور جن درگوں سے ایسا دخول ہے یا روایت خطا ہے یا غلبہ حال تھا جس  
کی تقلید جائز نہیں۔

**ف** ایک بار حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ اگر راحت چاہتے ہو تو اللہ کے ہوا  
کسی سے توق نہ رکھو۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی توق نہ رکھو۔ یہ وہی بات ہے

## حدیث

### جواز بکاء الرحمة علی المیت

حضرت ابو ذر بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ایک عاجز بوڑھی نے آپ کے پاس پیام پچا کہ میرا ایک بچہ مر رہا ہے آپ مجھ سے  
پاس تشریف لائیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس سے میرا سلام کہو اور میری طرف  
سے اکہدو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کا ہے جو وہ لے لیں اور اللہ ہی کا  
ہے جو کچھ دے دیں، ورنہ اللہ کے پاس ہر چیز کی مدت مقرر ہے۔ پس تم میرے کہو اور  
اللہ سے خواب کی امید رکھو۔ عاجز بوڑھی نے پھر پیام پچا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں  
آپ میری تشریف لائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت سعد  
بن عبادہ اور سادات بنی امیہ اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت لوگ  
آپ کے ہمراہ چلے (جب گھر پہنچے) تو بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
لایا گیا اور اس کا سانس نکٹھ رہا تھا۔ دوا کی گامان ہے کہ صحابی نے یہ بھی فرمایا کہ  
اُس کا سانس ہڑنی و مشک کی طرح (دول رہا) تھا تو یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی (ہمراہ) تکبیریں (آنسوؤں سے) ہمہ چہرے تو حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ! یہ  
کیا فرمایا یہ رحمت ہے، میں کہو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رحمت کیساتھ  
اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ہم دونوں ہی پر قور رحمت فرماتے ہیں ۛ

شرح کا ہر حدیث اس پر مال ہے کہ رحمت کی وجہ سے رون جانے ہے اس حدیث  
پر چند وجوہ سے مکتوب ہے۔

(۱۳۸) کسی کی موت کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیئے موت کی تکلیف  
بزرگوں کو بلانا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجز بوڑھی نے حضور کو بلایا  
کہ اُن کے بیٹے کی موت کے حادثہ میں تشریف لائیں اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اور ہر زمانے میں تمام لوگوں سے افضل ہیں۔  
قرآن مجید: استخذا ذروا افضل عندنا بالحق، انی قولہ افضل العباد۔

(۱۳۹) مصیبت زدہ کی تسلی کی جائے مصیبت زدہ کو ہر کی تلقین کی  
جائے اور اس کو تسلی دی جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجز بوڑھی سے فرمایا قنتمصبر و لتغتب  
پس میرے کہو اور ثواب کی طلب کرو۔

قرآن مجید: علی مراحۃ ملحب المصیبة بالتصبر والی قولہ و لتغتب۔  
یہ امور صرف کے اخلاق میں داخل ہیں اُن کی وصیت ہے کہ رحمت کے پاس  
تزع کے وقت کسی عاقل و صالح کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے ماہی مکتب  
کے ایک مرید کا انتقال ہوئے لگا تو وہ زرع کی حالت میں اپنے بھائی کا روبرو  
کے مشفق بایں کہنے لگے۔ لوگ کلر کی تلقین کرتے تھے مگر وہ اپنی زبان و تہارت  
کی باتوں میں مشغول تھے۔ اُن کے بھائی بہت ہوشیار و کھڑا تھے۔ اُنہوں نے کان  
پر ٹونر لگا کر کہا بھائی صاحب! کیا باتیں کر رہے ہو؟ بھائی صاحب تم کو دیکھنے کے  
لیئے تشریف لائے ہیں۔ میں بھائی صاحب کا نام سن کر فوراً زمین و دوسری طرف  
مشغول ہو گیا کہ بھائی صاحب کے لیے قالین بچا و تقویم سے بھلا جو بزرگ و عاقل  
بھائی صاحب نے جملہ دکھا تھا اس میں مشغول ہو گئے اور ذکر اللہ کرتے کرتے ختم  
ہو گئے۔ پس بزرگوں کو کسی کی موت کے وقت بلائے میں بڑی مصلحت ہے اُن کی رحمت



قدس سرشار سے معرفت اپنا عرض کرتے کہ تعویذ دے دو یا ایک تعویذ کی ضرورت ہے تو صاف فرمادیتے کہ میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ حسب وہ اپنی غلطی پر توبہ ہو کر عرض کرتا کہ کائنات کام کے لیے تعویذ کی ضرورت ہے تو فرماتے کہ تم نے پہلے اس طریقیوں میں لکھا تھا: جاؤ اور غصہ کے بعد پوری بات کہہ کر تعویذ مانگنا۔ آپ نے دیکھا کہ اس آداب کی تعلیم حدیث میں موجود ہے۔ مگر حدیث پرستے داسے ایسا احکام کو کس سے نہیں سمجھتے ہیں۔ میں نے یہ دین اور قرأت فائدہ وغیرہ اختلافی مسائل ہی پر نرہ یادہ زور دیتے ہیں۔ ان اتفاقاً فی مسائل پر توجہ نہیں کرتے۔

(۱۵۱) پچھو ٹا بڑے کو قسم دے سکتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹا اپنے چنانچہ حضور کی مہاجرادی نے دوسری مرتبہ جو پیام بھیا اس میں قسم دے کر عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے مرد نثر لیت لائے۔ اس کو باب غلط اور یمن میں شمار نہ کیا جائے بلکہ طلب اور رغبت میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیام کے بعد مضمین قسم دینے کی وجہ سے نثر لیتے تھے یا اور کوئی وجہ تھی یا دوسری وجہ کے ساتھ یہ بھی ایک وجہ تھی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی بات کے بدلے پر آپ کیوں نثر لیت نہیں لگے حالانکہ آپ تو غیر غلہ کے ساتھ بھی رحلت اور دشمن خلق کا معاملہ فرماتے تھے اپنی بیٹی کے ساتھ زوارہ فریادہ اس کا ظہور ہونا چاہیے تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بلائے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ آپ نے موقع پر بلا یا جائے تو جانا واجب نہیں اس کو دعوت نکاح اور دعوت ولیمہ پر قیاس نہ کیا جائے (کہ وہاں دعوت کے بعد جانا ضروری ہے) دوسرے آپ کو یہ بھی خیال ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا اہل بیت درج ہے میں اس کی وجہ سے مہاجرادی کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ کے آنے سے بچنے کی کوشش کی جائے گی یا کچھ دنوں کے لیے مؤخر

ہو جائے گی۔ اس لیے آقا آپ نے اُن کو بتلادیا کہ اس معاملہ میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ چنانچہ کلمہ بیان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی دیکھو عندہ باجہن مسمی اللہ تعالیٰ جو کچھ لے لیں وہ بھی ان ہی کا ہے جو کچھ دیں وہ بھی ان ہی کا ہے اور ہر شخص ایک مدت اُن کے یہاں مقرر ہے۔ میرا ان کو اس موقعہ و حالت کے احکام بھی بتلادیتے کہ تم کو میرا اور ثواب حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیے۔

اہم نکتہ نے مظلومین (اسی کے مناسب) ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عالم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، اُس کا انتقال ہو گیا تو اُن کو مصنف صدر ہوا مگر لوگوں سے ملنا جلتا چھوڑ دیا (انادہ علی کا دروازہ بند کر دیا) حالانکہ دکان علم و فضل کی وجہ سے لوگ اُن کے (بیت) محتاج تھے۔ اب یہ حالی ہو گیا کہ ان کے پاس سوالات آتے تو خادم سوالات کو لے کر گھر میں جاتا اور ان پر جواب لکھوا کر لاتا اور لوگوں کے حوالہ کر دیتا۔ جب کچھ مدت تک یہی حال رہا تو ایک عابدہ نیک بلی کو یہی اطلاع ہوئی وہ اُن کے دروازہ پر پہنچی اور خادم سے کہا کہ مجھے ایک ضروری بات پوچھنی ہے مگر بائٹا پوچھوں گی بوا سطر نہیں کہہ سکتی۔ غلام نے کہا کہ میں تم کو اندر نہیں بھیج سکتا۔ چنانچہ سب لوگ تو (اپنا اپنا جواب لے کر) پہلے گئے۔ یہ بلی دروازہ پر ہی بیٹھ رہی رہی۔ خادم نے فریاد سے ان کو بھی جانے کے لیے کہا مگر وہاں سے نہ گئیں اور کہا کہ مجھے حضرت سے ملنا ضروری ہے جب وہ میرا نیک پیشی رہیں تب خادم نے مجبور ہو کر (میرے) شیعہ کو اس کی اطلاع دی اس نے گھبرائے اُن کی اجازت دی تو عرض کیا کہ حضرت میرے کچھ فریادیں ہیں جن سے میں نے کسی شادی میں جانے کے لیے چند زیورات عاریت لئے تھے ان سے مجھے وہ زیورات عاریتہ دیدیتے۔ چنانچہ شادی کے بعد بھی ایک مدت تک میرے پاس وہ زیورات چھڑ دینے کو ان کو احتیال کئے جانے اور اپنا ساؤسگار کرتی رہی۔ چنانچہ وہ مجھ سے اپنے زیورات طلب کرتے ہیں مگر زبردل واپس کرنے کو میں ہانسا (کیونکہ مدت تک پاس رکھنے سے محمد اُن کی محبت سی ہو گئی ہے) شیئنے سے فرمایا کہ اب تم کو ان کا اپنے پاس رکھنا



ذمہ (بلکہ معصوم تھا) بائیں ہند آئیں پر موت کی شدت ہو رہی تھی۔ اس میں جو کچھ حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وسلم نے موت فداۃ (ایمان کی موت) کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دو دھوکوں میں سے ایک میں جلدی پہنچا دیتی ہے (تو اس کو بری علامت سمجھنا چاہئے) اور بعض احادیث میں جو ایسی موت سے پناہ مانگی تھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کو موت و فیرہ کا موقع نہیں ملتا۔ نیز ایسی موت سے لوگوں کے دل پر سختے جو فحش ہے ان کے دل دہل جاتے ہیں) نیز رسول اللہ ﷺ نے وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے میں پہنچا تھا تو اس پر موت میں سختی کی جاتی ہے مگر اس درجہ پر پہنچ جاتے۔

فت اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطراب سے بھی تسکین ہوتی ہے فیہ جزا لمن قال بہ۔  
 دین میں ادب (۱۵۵) ادب یہ ہے کہ بڑا آدمی گفتگو کی ابتداء کرے یہ ہے کہ بڑا  
 آدمی پہلے گفتگو کرے۔ چنانچہ اس وقت پر حضرت سعد بن عبادہ نے اول گفتگو کی۔  
 علامہ کو جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا سب ہی دیکھ رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کا  
 ادب کیا۔ کیونکہ ان کی عادت سے یہ بات معلوم ہے کہ گفتگو شروع ہوئی کہ ساتھ جو سب  
 مقدم (و معلّم ہو) پس حضرت سعد بن عبادہ نے گفتگو کا اختتام کیا (کیونکہ وہ اپنے قبیلہ  
 کے سردار تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ادب (و تہذیب) کی رعایت غرض  
 ہے اور یہ کہ سوال سے پہلے جراتوں کا نام بھی (ادب سے) لیا جائے۔ چنانچہ حضرت  
 سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ما هذا؟ یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟  
 تو پہلے حضور کا نام ادب سے لیا پھر ادب سے سوال کیا اور سوال میں بھی اختصار ملحوظ رکھا  
 اس لحاظ سے کہ یہ زیادتی نہیں کی۔

چاہیئے، انشاء اللہ مجرم نہ رہے گا۔ افسوس ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے خدا کی طرف سے بہت غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں بڑی تاکید ہے انشاء ہو اسے لوحِ معلّٰق، حم المداہ احد۔ دعا کے ساتھ ہرگز کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا۔ دوستو! دعا کا التزام رکھو اور یہ جان کر دعا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو پکارا جائے۔ کوئی نہیں جس سے کچھ مانگا جائے۔ کوئی نہیں جس کو حاجت دعا سمجھا جاوے۔ کوئی نہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔ انشاء اللہ مجرم نہ ہو گئے۔

(۱۵۳) حدیث سے یہ بھی مسلم ہوا کہ حنی کے گھر میں بدوں بلائے جانا جائز ہے بخلاف دیگر (وغیرہ خوشی کے مواقع کے ذکر وہاں بدوں طلعت نہ جانا چاہیئے) یہ اسلئے مسلم ہوا کہ سعد بن جابر و معاذ بن جبل و ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور چہرہ پوری الشہ عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل کھڑے ہوئے حالانکہ حضور نے ان سے کچھ منہرنا یا نہ صاحبزادی نے ان کو بلایا نہ ان حضرات نے اجازت طلب کی۔

ف انہوں نے آج کل ریخ و غم کے گھر جانے کے لیے بھی بعض لوگ بلائے گئے  
مختل رہتے ہیں۔ حالانکہ گھر والا اس وقت خود اپنی پریشانی اور غم میں مبتلا رہتا  
ہے اس کو کسی کے بلائے کی فرصت کبھی ہوتی ہے؟ مسلمان آج کل ترقی کے تو  
طالب ہیں مگر اس کی بنیاد کو جو کہ اتفاق و استعاضہ ہے خود اپنے ہاتھوں ہی سے  
کھینچتے جاتے ہیں۔

مچھڑت مسلم کو گرہی ہے تباہ  
آٹھ کے وہ آسمان پر بیٹھے

آہ: لوہے کو کھا رہا ہے زنگ  
ہم بھی بھک اُٹھا رہے ہیں پتنگ

(۱۵۴) موت کی شدت یا خفت شقاوت یا سعادت کی علامت نہیں  
حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی شدت اور خفت کو شقاوت یا سعادت  
کی علامت دیکھنا جائز ہے مگر یہ (جس کی موت کمال حدت میں ہے) کھٹ

۱۵۹) انسویں کی عام وجہ نہیں بلکہ اسکی حقیقت رحمت و رقت ہے جو کہ انسوں





اختیار سے نکالا جائے اور روئے کے موقع پر روک لیا جائے جیسے ہر زمانے میں لوگ ان کے نیکوں کی حالت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، جو غلطے بیان کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں پھر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ ہم ایسے تھے ہم دیتے تھے اور یہ تمام بیان غلط درج ہو جاتا ہے جس کا جوٹ ہوتا ان لوگوں کو جو ان کے اعمال و فروع سے واقف ہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے پھر جب وہ اپنا پورا حال بیان کر چکے ہیں تو بے شکاشا روئے گئے ہیں۔ ان کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں یہ حال دیکھ کر نادان لوگ کہتے ہیں کہ اُن سے جو کچھ کہا گیا ہے (جھٹلا جھوٹ کا) سچا ہے یا نہیں کہ یہی کوئی اس طرح دیکھتا ہے پھر اس پر ترس لے گا کہ ہر طرف سے حدیث و غیرت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسے واقعات ان لوگوں سے بہت متغولی ہیں، چنانچہ وہ کتاب جو جو سامان کی طرف منسوب ہے جس میں اُن کے حالات (مروج و منقول) کا ذکر ہے وہی اس کے ثبوت کو کافی ہے اگر دونا اختیار ہی ہو جاتا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر روئے ہیں ان کا دونا بناوٹی ہے (لوگ اُن کی حالت کا برابر معائنہ کرتے ہیں انہی روئے کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ اُن کا منشاء و علت یہ ہے) وہ ہے جو کسی سے پیلا ہو۔ شل موت کو یاد کر کے پاسی کے حال پر ترس لگتا ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اس موقع پر نکلے جبکہ آپ نے بچہ کو موت کی سختی برداشت کرتے ہوئے دیکھا حالانکہ وہ کس (معلوم) تھا یا اللہ کے خوف سے دونا آئے یا اللہ کی حالت کے سوچنے سے روئے گئے جیسا منقول ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ناطر بنی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بہت زیادہ رو رہے تھے۔ پوچھا اسے فاطمہ کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ میں قبر میں جانے کو سوچ کر روئے لگی (کہ دیکھو وہاں کیا حال ہو؟ اللہ ہی کی عاجز ادائی کو تو قبر کا ان ننگا اور ہم لوگ آج کل کیسے بے نگر ہیں؟ تو یہ سب ایک ہی قسم کا دونا ہے۔ جس کو ایمان کامل کی حقیقت مقتضی ہے اور میں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے اور

نہ تھے مومن تھے۔ لیکن ایمان اتنا کمزور اور ضعیف تھا کہ انبیاء و مولا کو بھی اُس کے ایمان کا پتہ نہ لگ سکا۔ اور المراحمن عالم الغیب ان کو خود اپنی رحمت سے ۱۸ کسی کی شناخت کے جنم سے نکالیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رحمت مخلصہ رحمدلوں کے واسطے مخصوص نہیں۔ البتہ اگر رحمت سے مراد ایمان ہو اور ایمان سے مراد ایمان کامل ہو تو یہی لوگ حقیقت میں رحمت سے محروم ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ اس رحمت کے ساتھ اہل ایمان ہی مخصوص ہیں یعنی کالمین اور ایسی رحمت سے شروع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں شروع کی صحت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے والذین ھد فی صلوٰتھم یخاضعون پس حدیث اپنے ظاہر کی معنی پر محمول ہوگی کیونکہ اس صورت میں حکم ان ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسروں سے جن میں ایمان نہیں مطلقاً رحمت کی نفی ہے اور مومنین سے مطلقاً نفی نہیں بلکہ خاص رحمت کی نفی ہے۔ ورنہ مطلق رحمت ان کے لیے یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان اللہ لیغفر ان یشاء ویغفر ما دونه و لیغفر ما دونه یشاء۔ اللہ تعالیٰ اس کو جو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے اس کے سوا (اور گناہوں کو) جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے (پس ہر مومن کے لیے استعناقی مغفرت ثابت ہے اور مغفرت بھی رحمت کا ایک فرد ہے۔)

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو اس کی نگاہیں اس کے اعتبار میں ہوتی ہیں جب جانتا ہے ان کو یہاں تک کہ وہ دلوں و دلوں میں تعارض ہے کہ ان کو اسوۂ نوبر میں (ایک حدیث میں ان کا سبب رحمت کو قرار دیا گیا) دوسری میں نفاق پر مبنی کیا گیا (جواب یہ ہے کہ ان کا یہ تعارض معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ظاہر نظر کرنے کے بعد کچھ تعارض نہیں رہتا کیونکہ جس اسوۂ کا سبب کلی نفاق فرمایا گیا ہے یہ وہ ہے جو بلا جھاپنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا (کیونکہ وہ تر دوتے کو مطلقاً ممبر کے خلاف سمجھتے تھے) حضور نے بتلادیا کہ انگوں سے آنسو نکل آنا ممبر کے خلاف نہیں مگر خلاف جہز فرع ہے کہ چڑ کر دوتے اور زبان سے بیان کرے اور ایسے توتہ پر انگوں سے آنسو نکل آئے جبکہ اپنے غریزہ کلا انتقال ہو رہا ہو دلی ہمدردی اور رحمت کا مقتضی ہے۔ بعض دفعہ دلی ہمدردی، اور رحمت کے غلبہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ انگوں سے آنسو کا نکلنا رحمت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر آنسو نہ نکلے گا تو ان کا منشاء قہری رحمت ہے اور اس سے حضرات صحابہ بھی غالی نہیں دل ان کے بھی پیچھے رہتے تھے مگر وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ حضور نے بتلادیا کہ اتنے ضبط کی ضرورت نہیں زبان کو اور دل کو قابو میں رکھ پیچھے کہ دل میں اللہ کی شکستہ پدید آئے ہو، اس کے حاکم و حکیم ہونے کو دل میں مستحضر رکھے اور زبان سے کوئی بے جا بات نہ نکلے پائے۔ پس اب حدیث پر کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ شرط کا بیان ایسے موقع پر دل سے رونے کا نہیں ہے اور صحابہ اس سے محروم نہ تھے انگوں سے آنسو نکلنا شرط کمال ایمان نہیں کیونکہ وہ اختیار میں نہیں اور امور غیر امتیازیہ پر کمال ایمان موقوف نہیں ہو سکتا لیکن مگر اس موقع پر آنسو نکل آئیں تو یہ بھی مذموم نہیں مگر ممبر کے خلاف ہے بلکہ اسی رحمت قلبی کا اثر ہے جو شرط کمال ایمان ہے اور قیامت دلی میں اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی و رحمت کا ہوتا کمال ایمان کا مقتضی ہے۔ ان کی وفات پر دل مڑ کر گھٹنا چاہئے رونے قنات ہوگی و بعد ان س من اللہ القلب نقاسی سگدلی اوی اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے۔ اس تقریر کے بعد یہ اشکال بھی حدیث پر نہ رہا کہ دوسری حدیث میں تو آنسوؤں کو کمال نفاق سے سبب بتلایا ہے۔ کیونکہ حضور کے اس ارشاد کا کہ یہ آنسو رحمت کے ہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر آنسو رحمت ہی سے نکلے ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر آنسوؤں کا نکلنا آثار رحمت قلب کی وجہ سے ہوتا

پر اشارہ کیا ہے، جنس پر اشارہ نہیں فرمایا (مطلب یہ ہے کہ جو روٹا میرے اس رونے کی قسم سے ہو اس کا منشاء رحمت ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر رونے کا منشاء رحمت ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں کچھ قدر فرق نہ رہا، جس کی بنیاد اس سے ہوتی ہے کہ ممبر عبادہ اور صحابہ اُس وقت تھے ان میں سے کسی کی انگوں سے بھی آنسو نہیں نکلا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رونے اور آپ کے رونے کا منشاء کمال ایمان تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق سب کے زیادہ کمال ایمان والے ہیں۔ اسی لیے آپ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام) و علیہ السلام والحبیہ کے انتقال کے وقت فرمایا تھا تدعی المصیبن و یحزن القلب دلائل حلیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلی غم کی دلیل ہے مگر زبان و دل سے ہم ایسی بات نہ کہیں گے جو اثر قنات سے کو ناموافق کرے کیونکہ وہ روٹنا اور غم کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی بھائی کے اسباب کو ترک کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔

ف حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طویل تقریر سے بھی یہ مقام پوری طرح علی نہیں ہوا۔ یہ اشکال، جنوز باقی ہے کہ اگر ایسے مواقع پر روٹنا کمال ایمان کا مقتضی ہے تو کیا یہ حضرات صحابہ ان موقعوں سے بھی ناقص ثابت نہ ہوں گے کہ دوتے کو شہرہ نے کمال ایمان میں داخل کیا ہے اور اس کا کوئی غافل نہیں ہو سکتا۔ حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مقررہ واقعے تھے مگر دوسروں کی نسبت سے ہرگز ناقص نہ تھے۔ پس اگر ایسے موقع پر وہ موصوفہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے تو یہ دلیل صحابہ میں کیوں نہ پائی گئی۔ جو کچھ میر تقی میر میں حدیث کا مطلب آیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ فان لاں صوابا فمن اللہ و سولہ و ان لاں خطا فمن نفس۔ میر ان خیال یہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اس وقت دل سے مڑ و روٹے ان کے دلوں پر بھی رحمت طاری ہوئی مگر انھوں نے یہ سمجھ کر کہ رونے کا کمال ممبر کے منافی ہے شدت ضبط سے کام لیا اس لیے ان کی انگوں سے آنسو نہیں نکلے۔ جب

(۱۵۸) موت کو یاد رکھنا چاہیے جو یقیناً آنے والی ہے لا یرثہ

یہ ہے کہ اس یقینی سنت وقت کو یاد رکھا جائے (یعنی موت کو) جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اس کے ملے سے پہلے سلمان کی تیاری کر لی جائے، کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی علیہ وسلم اپنی کسی عزیز سے موت کو نہیں روک سکے اور خود اپنے سے بھی نہیں روک سکے تو دوسروں کو کیسے پوچھنا؟ جس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیق ہوتی ہے کل نفس ذائقة الموت کہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ میں حکماء نے خوب فرمایا ہے

ولمکان الدنيا تعدد لها

دکان رسول اللہ صلی علیہ وسلم

فصلیہ یا هذا اذا كنت حاکمًا

مقید کوک فیہا اداؤں دعیہ

گر دنیا کی زندگی کسی کے لیے ہمیشہ رہا کرتی تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم ضرور زندہ باقی رہتے۔ پس اگر تو حاکم ہے تو تجھے اتنا کافی ہے کہ دنیا کو قیلو کوک کی جگہ سمجھ اور اس میں اپنے تو شر راہ کو منحرف کرے اور بدو نہ سلمان کے موت کے منہ میں جانے سے بچا رہ کر تیرے ہاتھ تقویٰ سے خالی ہو کر موت کا وقت آجائے۔ اللہ کا تابعدار بندہ بن جا کیونکہ موت یقیناً کسی دُکھی وقت و فتنہ آجائے گی۔ قلہ و ہا شادۃ و حی ان اهل البعل لا یقطع ان یاس منہم انی قلہ فالحمام

للف حناجشی

مراتب موت و لو موت صوفیہ کا خاص شمار ہے۔ یہی چیز ہے جس نے اُن کی نگاہ میں دنیا کو حقیر کر دیا ہے۔ اسی نے اُن کے لیے ترک لذت و مہارات کو آسان کر دیا ہے۔ اس پر مشق و توجہ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ صوفیہ عہ قیلو دہیر کے بننے کو کہتے ہیں جو عموماً غریب دیر کے لیے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ راحت کم کر دو کام زیادہ کرو۔

۱۳

عہ حنفیہ و شافعیہ کی مابین صریح صنعت کتاب الاصلیٰ خلاصہ

۳

ہے۔ نیز حدیث میں آنسوؤں کی حقیقت کا بیان میں بعض سبب قریب کا بیان ہے۔ شارع علیہ السلام کو ان چیزوں کی تحقیق سے کچھ غرض نہیں بلکہ سبب قریب بگادینا مقصود تھا تاکہ اس کو مہر کے غلام سمجھنے کا شہدہ دیا جواسے۔ واللہ اعلم

(۱۵۹) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ گریہ زاری بہت کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی صلی علیہ وسلم نے گریہ کو، جس رحمت کا اثر قرار دیا ہے جو قلوب میں دھکی گئی ہے۔ چنانچہ جن عورتوں سے منقول ہے کہ وہ بہت رو دیا کرتے تھے جس سے اُن کی آنکھوں میں آشوب ہو گیا۔ لوگ کسی طیب کو نہانے اُس کے نام میں اس شرط سے علاج کر سکتا ہوں کہ جب تک آشوب کا اثر باقی رہے آپ دفناؤ وقت کر دیں۔ فرمایا ایسی آنکھیں کس کام کی جس سے رو دیا جائے۔ بخدا میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا اور مجھے تمہاری دعا کی بھی ضرورت نہیں بلکہ روستے دوستے مراؤں گا اور بھلا غمزدہ کی تسلی کا سامان آنسوؤں کے سوا کچھ کسی چیز میں ہے؟

ف اور بہت بلا جا چکا ہے کہ رحمت کا اثر حقیقت میں دل کا دونوں ہے۔ آنسوؤں سے دردناک درد نہیں۔ اگر کسی کا دل دوتا ہو آنسو نہ نکلے ہوں اس کو پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ مقصود حاصل ہے۔ جب اس میں شک نہیں کہ اگر دل کے رونے سے ساتھ آنکھیں بھی رونے لگیں تو اس میں ظاہر و باطن کا اجتماع ہے اور یہ عورت افضل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں گریہ کا سبب و درجہ ذکر، اللہ تعالیٰ سے فضاہمت دینا کا یہ قیامت میں جن سات شخصوں کو عرش کا سایہ نصیب ہو گا ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا تو اس کی آنکھیں بننے لگیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کا رونا بھی پسند ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ من بعد نبی، خیب کو کہ تم کو رونا آئے تو رونے کی عادت ہی بنانا کرو۔ اسی وجہ سے صوفیہ کو گریہ و زاری محبوب ہے اور میں وہ اپنی آنکھیں جاتی دہنے کی بھی برداشت کرتے تھے۔ ۲۰ مترجم

خدا پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ وہ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر ان کے دلوں میں ایسی الفت پیدا ہوئی کہ اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی ہو گئے اور یہ صفت چوں اتفاقی کے نہیں ہو سکتی اور اتفاق خود غرضی اور ذاتی عناد سے قطع نظر کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ سب بھی ہو سکتا ہے کہ بہت دینا و علاقہ دنیا سے پاک پاک ہو جائے اس لیے ارشاد ہے کہ یوں احد کدھ حق عجب لایعہ حاجب لایعہ لایعہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے واسطے وہی نہ چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے۔ مہارگی یہی شان حق و یونہی و علی انفسہم ولو کان بھدھ خاصا۔ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ خود ان کو کیسا ہی فائدہ ہو اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے کرتے تھے۔ ولینیت یا توینیت کے جذبہ سے ذکر کرتے تھے۔ صوفیہ مسلمانوں کو ایسا ہمارا بنانا چاہیے ہیں جو معنی اللہ تعالیٰ کے واسطے کام کرنے والے ہوں۔ مگر لوگ ان کی تعلیم کا ٹھکانہ بن گئے اور دوسرے طریقوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ اور برابر بالائی کا گڑھ دیکھتے ہیں۔ یہ کتنا غلط ہے کہ صوفیہ متعین رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے عروج کا وہ کون سا زمانہ ہے جس میں صوفیہ جہاد سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے ہندوستان میں تو صوفیہ نے بڑے بڑے کارنامے کئے ہیں اور تاریک گواہ ہے کہ ان ہی کے دم سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت نے یادہ ہوئی ہے۔

ف یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صوفیہ نے جو مہادہ نفس اور ترک لذات و ترک علاقہ کی تعلیم دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ساری عمر ترک لذات اور ترک علاقہ ہی میں گزار دے۔ بلکہ خود کو دلوں کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یادوں میں اچھی طرح پیوست ہو جائے۔ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت ہو۔ کبھی کام میں خواہش نفس کا میل نہ ہو جو کام ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ حق ان علاقہ و نسکی و معیای و معانی

خدا کا جو نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے یہ وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ وہ اسلام تو فتوحات اور حصول سلطنت کا دین ہے جس کے لیے علاقہ دنیا کا بیگانہ نام ہے۔ اور صوفیہ ہے جو اسلام پیش کیلئے اس میں ترک علاقہ دنیا لازم ہے جو رہبانیت ہے اور دونوں میں جو فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دنیا کی بہت اور اس کے علاقہ دلی میں باقی رکھ کر فتوحات اور حصول سلطنت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔ بلکہ قلب کو حب دنیا اور اس کے علاقہ سے پاک کرنے کے بعد جہاد کی تعلیم دی ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے واللہ اعلم بہن یقاتل فی سبیلہ اللہ فی خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں جہاد کرنے والا کون ہے؟ یعنی جو شخص نام و نمود یا بخت قوم و رعیت وطن کے لیے قتال کرتا ہے وہ مجاہد ہی نہیں۔ اب ہم کو یہ یاد رکھنا ہے کہ یہ درجہ اخلاص و طہوس کو اس شخص کو پہنچا کر حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل حب دنیا اور علاقہ دنیا سے پاک نہیں۔ پس صوفیہ جہاد ہی سبیل اللہ کے منکر نہیں بلکہ نام و نمود اور عرض نفسان کے لیے جہاد کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنے حاجی و عالت بناؤ جو مجاہد کی حق دجالی لایعہ بھ مجاہد و لامی عوت دکوانہ و اقام الصلوٰۃ و اتیاد الزکوٰۃ یمتثل فیہ القلوب و الابصار۔ وہ اپنے لوگ تھے جن کو بیعت و شہداء اور دنیا کے تمام کاروبار اللہ کی یاد سے لگا کر پابندی سے زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتے تھے۔ وہ اس دن سے ڈرتے تھے جس میں ہمیں انکس اور دل آٹ پٹ ہو جائیں گے اللہ کی مٹکاحی الارض فاما الصلوٰۃ و اتیاد الزکوٰۃ و اعموا بالمعروف و نہوا عن المنکر۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر سلطنت عطا کر دیں تو نماز کی پابندی کریں، زکوٰۃ دیں لیکن کاموں کا اہل کریں۔ بڑے کاموں سے روکیں۔ یعنی جہاد سے ان کی غرض معنی اللہ کا ہوں بلکہ ان کا اور زمین کو فوٹاں اور فساد سے پاک کرنا تھی۔ و فکر و النعمۃ اللہ علیکم اذ کنتہم اعداؤ فاعنجنہم قلوبکم فاصبحتموہم و انہوہم

رکھا ہے۔ ایک نے مدارس کو اور تبلیغ و اشاعت اسلام سے کسی کو بھی ہرکار نہیں۔ یہ جو وجہ شک خلافتِ سنت ہے۔ صوفیہ کو لازم ہے کہ اپنی خانقاہوں سے اصحابِ فخر و قدس قدر کو مختلف مقامات میں تبلیغ احکام و اشاعت اسلام کے لیے تعینات کریں۔

مقلدانہ پر فرض ہے کہ ایک جماعتِ مسلمین کی تیار کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرے کہ جہاں تک کامِ تحصیلِ جہد نہ ہو، بلکہ خدمتِ اسلام و تبلیغ احکام ہو۔ اگر اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے تو امید ہے کہ مکی زندگی مٹی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔



اللہ رب العالمین اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کچھ دنوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترکِ علق اختیار فرمایا ہے۔ کمان بھٹوانی خادجہ معتمدہ فیضا، آپ بخت سے پہلے خادجہ امین غلوت کے لیے جایا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی مکی زندگی تمام تر مہمِ پادشاهت اور ترکِ علق ہی میں گزری۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائے کہ بیچ و شراد اور دنیا کا کاروبار اندھا سہ لکے یا دوسرے غافل نہ کر سکیں اور دست بکار و دلی بے یار کی شان ہو جائے تو اب ترکِ علق اور غلوت وغیرہ کی حاجت باقی نہیں رہتی بلکہ اب صوفیہ اس کو خدمتِ خلق کی تعلیم فرماتے ہیں۔ فرمائیے اس میں کوئی سی بات خلافِ سنت ہے؟

**ف** یہ تو قہور انوں کے مشتبہ کا جواب تھا باقی اس میں شک نہیں کہ جن صوفیہ کے طریقہ عمل سے ان نوجوانوں کو تعقوف پر اجازت پیدا ہوا ہے وہ بھی تعقوف کی اصل حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔ انہوں نے بعض اذکار و اشغال و مراقبات ہی کا نام تعقوف رکھ لیا ہے۔ مانا کہ یہ امور مستحجہ محض واجبات و فرائض کی تکمیل کے لیے تعقوف میں اختیار کئے جاتے ہیں۔

جب واجبات و فرائض میں شانِ احسان پیدا ہو جائے تو اب ایک خاص وقت غلوت کا ملہ کا مقرر کر کے بقیہ اوقات میں واجبات و فرائض اور خدمتِ خلق بجالانا چاہیئے۔

جس کی ضرورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لیے دو نمونے ہیں۔ ایک مکی زندگی دوسرے مدنی زندگی، جہاں سلمان برسرِ حکومت ہوں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کو مشعلِ ماہ بنانا چاہیئے۔ جہاں برسرِ اقتدار نہ ہوں وہاں مکی زندگی کو رہبر بنانا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ مکی زندگی میں بھی باوجود حکومت نہ ہونے کے جو محض مدنی تھا، بلکہ تبلیغ احکام و اشاعت اسلام میں سچی و سرگرمی برابر جاری تھی۔ یہ جو صوفیہ اور علماء میں اس وقت جو محض ہے کہ ایک جماعت نے خانقاہوں کو سفیال

## حدیث

## الرؤیا فی تعذیب العصاة

سورة بن جندب رضى الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (صبح) پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تو قرع من کر دیا کرتا تھا آپ کچھ تفسیر ارشاد فرمایا کرتے۔ عادت کے موافق ایک بار ہم سے پوچھا کہ رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔ فرمایا آج کی رات میں نے دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارض مقدس کی طرف لے چلے۔ دیکھتا رہا کہ ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں توبہ کا زبور ہے، اس بیٹھے ہوئے نے کلمے کو اس سے جبریر بابہ بیان کیا کہ گدی تک جا پہنچنا ہے۔ پھر دوسرے نے کلمے ساتھ ہی دیکھا کہ وہ اپنے اوڑھ تو اس کا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے آگے چلو، ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر ہوا جو لیٹ ہوا ہے اور اس کے سر پر ایک شخص بڑا بھاری پتھر بٹھے کھڑا ہے۔ اس سے اس کا سر زبردست چھڑتا ہے۔ جب وہ پھر ملتا ہے پھر اڑھک کر دوڑ جاگتا ہے وہ اس کو اٹھانے کو جانتا ہے تو لوٹ کر واپس نہیں

کہنے پاؤ کہ اس کا سر اٹھا گا جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہوا ہے اور وہ پھر اس کو اسی طرح چھوڑا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے اور ایک غار پر پہنچے جو خود کی طرف تھنیے سے پڑا اور پر سے تنگ اس میں آگ بجلی۔ یہی ہے اور بہت سے نئے مردانہ کی عورتیں اس کے اندر (بہرے ہوئے) آگیاں جس وقت آگ اور پر کو آشتی ہے وہ سب بھی اور پر کو آشتی ہیں۔ یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں، جب آگ بجنے کو تھج جاتی ہے وہ بجی بجنے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک نر پر پہنچے جہاں میں ٹوٹن بھر ہے ایک شخص اس میں کھڑا ہے نہ کہ دریاں کنارہ پر دوسرے شخص کھڑا ہے اس کے سامنے پتھر پڑے ہیں۔ جب وہ پہلا شخص کنارہ کی طرف آگیا اور نہر سے نکلن چاہتا ہے دوسرا اس کے کند پر پتھر مارا ہے اور جہاں سے آتا ہے اسی جگہ لٹا دیتا ہے۔ جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح پتھر مار کر واپس کر دیتا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز باغ میں پہنچے جہاں میں بڑا درخت تھا اس کی ٹہریں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس بہت سے بچے تھے اور درخت کے پاس ہی ایک اور شخص تھا جن کے سامنے آگ تھی وہ اس کو بھڑکا رہا ہے۔ یہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھے اور ایک گہر میں لے گئے جس سے زیادہ خوبصورت مکان میں نے نہیں دیکھا اور اس میں بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے عورتیں بھی بیٹھے بھی تھے۔ پھر اس سے نکال کر دوسرے گہر میں لے گئے، وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھا اس میں بھی کچھ بڑے تھے کچھ جوان تھے۔ میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا۔ اب یہ بتلاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یہ کیا تھا؟ بولے ہاں اب بتاؤ۔ وہ شخص جس کا کھڑا چڑھا رہا ہے وہ جھوٹا آدمی ہے جس کی نبوت بات کوئی سن کر تمام جہان میں پھیلاتے ہیں۔ اس سے قیامت نکلا

یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس کا سرچھوڑا جا رہا ہے وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا۔ وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر سوتا ہے اور دن میں بھی عمل نہیں کرتا۔ اس سے قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس لوگوں کو آپ نے توبہ میں دیکھا ہے وہ فراموش ہیں۔ اور جس کو آپ نے خون کی نثر میں دیکھا ہے وہ خود غور ہے۔ درود رفت کی جڑ میں جن بزرگ کو دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد جو چنے دیکھے یہ لوگوں کی اولاد ہیں (جو بچپن میں انتقال کر گئے) ان کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں، اور جو شخص آگ میں گر کر رہا ہے وہ مالک دار و قہر ہے اور جس گھر میں آپ بیٹھے گئے تھے وہ عام نوٹسین کا مقام ہے اور یہ دوزخ گھر شہداء کا ہے اور میں جبرائیل ہوں یہ دوسرے یکساں ہیں۔ اب ذرا اپنے سر کو دیر آٹھائیں۔ میں نے سر اٹھایا تو اپنے اوپر بادل کی طرح ایک چیز دیکھی۔ کیا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے اپنے گھر میں جاسنے دو۔ کہا ابھی آپ کی کچھ عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا، اگر آپ کی عمر پوری ہو جاتی تو اپنے گھر میں پہنچ جاتے۔

**تشریح** ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کے بعد صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اور آپ ان کی غرابوں کی تعبیر بھی دیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو بخیر نہ اپنے اس خواب کو بیان فرمایا اس نے کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، اس پر چند وجوہ سے غلام ہے۔

(۱۵۹) خواب کا اور اس کی تعبیر کا اہتمام یہاں چند سوالات ہیں نمازی ہیں یا کوئی ایک نماز۔

(۱۶۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کے خواب دریافت فرمایا کرتے تھے اس میں کیا حکمت ہے؟

(۱۶۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب کس لیے بیان فرمایا؟

جواب یہ ہے کہ بظاہر نماز سے پہلے کی نماز اور ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ میں نہی مکملہ الخیلة مذکور ہے۔ آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ شیخ کی نماز کے بعد ہی بولے جاسکتے ہیں اس سے یہ علمی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ امام نمازیوں کی طرف منہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں یہ بھی قیام کے قائم مقام ہے بلکہ (جب نمازوں کے بعد سنت ماکوہ نہ ہو ان میں امام کا اپنی جگہ پر نمازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا) یہی سنت ہے اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں زمام کو اپنی جگہ سے کھڑا ہونا لازم ہے۔ یہاں تک کہ مجھے متقطع امام نماز سے عارض ہوتے ہی ایسے ڈھیر (اگر) کھڑے ہوتے ہیں مجھے کوئی چوٹ کی ٹھٹھک سے کھڑا ہونا ہے اور اس کو وہ دہی سمجھتے ہیں۔ وہ گند اس طرح دو عظیم الشان خیرات سے فوت ہو جاتی ہیں۔ ایک تو مالک کا استغفار کرتا رہنا جب تک نماز کی جگہ بیکار رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مالک ہر اس شخص کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے جب تک حدیث کر کے وہ کہتے رہتے ہیں اللھم اغفر لھ اللھم ارحمہ۔

اسے اللہ اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ دوسرے اس سنت کی مخالفت ہوتی ہے جو اسی حدیث میں صراحت مذکور ہے کہ حضور جب نماز سے فارغ ہوتے ہمارے طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر حضور کھڑے ہو کر توجہ ہٹا کر تے تو حدیث میں اس کا ذکر مزور ہوتا کیونکہ حضرات صحابہ نے اس سے بھی چھوڑی باتوں کو بیان کیا ہے، ماکوہات آپ کی تہذیب کر کے دگر اس تک قیام ثابت ہوتا تو صحابہ ضرور بیان فرماتے نہیں آئیں میں جس بڑے مقتدا علمائے ملا ہوں ان کو نماز کے بعد قیام کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ وہ دونوں قیام کے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے و مترجم کہتا ہے کہ ہمارے اکابر علما کا عمل بھی علما ائیس کے مطابق ہے (۱۶۱)

معلوم ہو جائے جس کا پہلے اسے علم نہ تھا وہ اس کے حق میں ایک نعمت ہے۔

دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خواب بیان کرنا تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ کا خواب وحی ہے۔ کیونکہ انبیاء و علیہم السلام کا ہر خواب باجماع علماء وحی ہوتا ہے اور وحی کو چھپانا آپ کو جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے ایک حکم ہے اور حکم الہی کا سچنا یا رسول اللہ پر لازم ہے۔ دوسرے اس خواب میں جیسا اللہ تعالیٰ ہم بتلائیگا کہ اللہ کے لیے بہت سے احکام مقرر دیے اور فوائد مکمل ہیں۔ تو حضور نے ان احکام اور فوائد پر (امت کو) مطلع کرنا چاہا۔

قوله ملأ علی المراد بها المعصوم وحی الخمس اود اعادة متھالی قوله فارادوا لاجلہ بتلائی الاحکام والغزائد -

**ف** بیان سے حریف کے اس عمل کی کہ وہ بھی اپنے متعلقین کے خوابوں کو ہتھام سے لے لیتے اور ان کی تعبیر دیتے ہیں اصل معلوم ہو چکی کیونکہ جن لوگوں کا سلوک موافق نبوی علیہ السلام ہے ہوتا ہے ان کو حصول نسبت سے پہلے دے دینے والی مادہ بکثرت نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ ان خوابوں میں عجیب عجیب معلوم اللہ ہوتے ہیں تو شائع ان خوابوں سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس سالک کا سلوک سنت نبوی کے موافق ہے اور عقرب اس کو نسبت میں اللہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ خدا میں بیعتی ذکر میں جھوٹ بھی بولتے ہیں اور جھوٹے خواب مگر شیخ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور بیعتی جھوٹ نہیں بولتے مگر ان کے خواب پریشانی خیالات ہوتے ہیں۔ اس لیے شاخ ابلی قسیتی آج کل کے خوابوں پر زیادہ قوت نہیں فرماتے۔ خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ لوگ اچھا خواب دیکھ کر ہی اپنے حسن حال پر قانع ہو رہے ہیں تو سختی کے ساتھ خواب پر توجہ کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ میں نے لوگوں کے ہزار ہا خوابوں میں سے ایک دو کو اس قابل پایا کہ اس کو خواب کہا جائے کہ وہ سب

دعا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل پر دوام فرمانا کہ ہمیشہ دونوں لوگوں سے یہ پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب اہل نبوت سے ہے (مگر ایک جزو کے وجود سے کل کا وجود نہیں ہو جاتا۔ کل کا وجود جملہ اجزاء کے اجتماع سے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو قرآن کا ایک جزو یاد ہو جائے تو اس کو مافوق قرآن نہ کہا جائے گا۔ جب تک پورا قرآن حفظ نہ ہو تو جب تک کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس کے ہتھام (اور ہتھام) کی ترویج دیتے تھے۔ کیونکہ جب حضور کو اس کا ہتھام تھا تو ہم پر آپ کا اتباع واجب ہے اگرچہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے بھی نہ ہوتا چہ جائیکہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے (خواب تو زیادہ ہتھام پہنچے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ابتدا وغیرا سی سہ ہوئی ہے۔ کیونکہ نبوت سے (۷۰) پہلے آپ سوتے ہوئے سچے خواب دیکھتے تھے (جو کہ نبوت کی تہمید تھی) جیسا کتاب کے شروع میں پہلی ہی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ دس احادیث الایمان اپنے دقیق سے اچھا بڑا ذکر نا بھی ایمان میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن حمد کی دعا غایت کرنے والا کون ہو گا؟ آپ کا ایمان تو سب سے زیادہ قوی کامل ہے۔ رہا آپ کا (خواب میں شکر) تعبیر دینا جو اس میں صحابہ کو تعلیم تھی ان کو تعبیر خواب کا طریقہ بتلانا تھا۔ کیونکہ جس کو یہ علم آجائے وہ بھی اس کے حق میں اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جیسا حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمکنا صبا علمنی دینی۔ یہ علم (تعبیر) ان علوم میں سے ہے جن کی ہر سرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے اور انسان کو جو بات خدا ہی دیتی کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ "فرح بک شیعہ ہاتھ میں لکھے رہے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت اب تو آپ کو شیخ کی جنت نہیں ملے تو فرمایا اس کی برکت سے تو حاجت میں نہیں فرمایا اس رفیق کو چھڑ دوں؟ اوکا قال ۱۱۷ ۱۱۸



خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے بھی نہیں ہوتی۔ ان پر خواب میں علوم و محکمہ کا القا ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل میرے دو پر خواب میں علوم کا القا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بار ایک تریکسٹ (بلرزغاس) بھی خواب میں مجھ پر کھٹکتا ہوا تھا۔

(۱۶۰) گناہ کا خیال آنے پر ان وعیدوں کو یاد کرنا چاہیے

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے جن کو اس پر ایمان اور تصدیق حاصل ہے ایک بڑا فائدہ ہے بشرطیکہ تصدیق حقیقی ہو ورنہ کچھ بدلے سے وہ حضور کے اس خواب کو دیکھ کر الٹی سمجھتے ہوں (وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت نفس یا شیطان کی طرف سے ڈانگن ہوں میں سے جن کا عذاب یہاں مذکور ہے کسی گناہ کا رادہ دل میں آئے اس وقت اس ہلاکت خیز منزل کو یاد کرے تو نفس سرکش سے لڑک جائے گا اور ایسے ہی فراموش کے لیے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ہم کو اس تفصیل سے مطلع فرمایا ہے۔ کیونکہ جو شخص کو عذاب کا بعض اجمال علم ہو مقدار و کیفیت کی خبر نہ ہو وہ اس کے برابر نہیں جو تفصیل سے باخبر ہے اس کو پہلے سے زیادہ خوف ہوگا۔

چنانچہ ایک عابد نامہ کا فقر بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے بعض شیعیان آدمیوں کو محد قحواہ کہ بارگاہِ حالت سے (دل ہی دل میں) ملتے تھے تو چاہا کہ (کسی ترکیب سے) ان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیں تو انہوں نے ایک بہت ہی حسین جیلِ محبت کو (اس کام کے لیے) تیار کیا۔ اُس کو خواب میں پڑھادی کہ تو پہلے اس سے یہ کہنا پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنا اس کے بعد اُس کو باخبر کر عذاب کے پاس لے گئے (اور وہاں جا کر) آپس میں جھگڑنے اور لڑنے لگے جسے یہ عورت ان میں سے ایک کی بیٹی ہے اور اُس کے بارے میں جھگڑا ہے (خواب کرتا ہے کہ اس کو میرے گھر کیوں نہیں بھیجتے؟ آپ کتابت نہ اسی یہ نصرت کے قابل نہیں اور تو نے مجھے تو سب سے شریف پوری دنیا میں مقرر فرمایا۔

مناجاتِ اعظم پر پیشانی طاعت ہی پائے۔ اھ

بعض جملے ہمارے منہ پر آتے جو اپنے زمانہ کی حالت سے واقف نہ تھے معنی منت صوفیہ کہہ کر اپنے متعلقین کے خواب و رزاقِ اہتمام سے سنا کرتے تھے اور ان کے متعلقین ایسے جو سنے جاتے خواب و رزاقِ تصنیف کیا کرتے تھے کہ جن کے نہ سر نہ پاؤں۔ مگر وہ سب کی تصدیق کرتے تھے اور اگر کوئی نیریدہ کہنا کہ میں نے خواب میں غلہ بزرگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہر سے سختی رقم لے کر ہمارے مزار پر آؤ تو یہ حضرت فرزاہ رقم اس کے مال کر دیتے تھے۔ میں خواب کے ساتھ میں چٹا کوئی قدر جو مان بننا چاہیئے۔ اگر عظیم الامت کے سامنے کوئی ایسا خواب بیان کرنا۔ تو تو کسی کو اس قسم کی جرأت ہی نہ تھی تو وہ یقیناً یہ جواب دیتے کہ وہ بزرگ جب خود مجھے حکم دیں گے اُس وقت رقم دوں گا۔ اس کی کیا وجہ ہے خواب میں تم سے فائدہ لگے اور مجھ سے کچھ بھی نہ لگتا۔

ف اللہ کی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا بطور شکر کے ان کا اظہار لازم ہے و اما من بعد ذلک فذلت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ اس ناچیز کے خوابوں کی بابت حضرت اقدس سیدی سیدی مژدہ مولانا غنی احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ مولوی ظفر احمد کے خواب تو واقعتاً جیسے ہیں اور حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ فرماتے تھے کہ یہ بندہ کے بعض خواب اپنی مجلس میں بطور استدلال کے بیان فرماتے اور متعدد خواب تربیت اساتذہ میں نقل کرتے ہیں اور احمد لکھ کر بدہ کوئی تعالیٰ نے تم کو تعبیر سے بھی مناسبت عطا فرمائی ہے۔ اللھم فلت الحمد و الذل انشکرت ذلکم ما لکما محبت و قرضی۔

ف مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرغن و غات میں مجھ سے فرمایا کہ مونا ناہی تدبیر کر دو کہ مجھے نیند آئے کیونکہ آج کل مجھے جب نیند آتی ہے چاہا خواب آتا ہے اور اگر خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ جن لوگوں کو

پھر لڑائی جھگڑے کے بعد عابد کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ حضرت آج ایک رات کے لیے آپ اس لڑکی کو اپنے گھر کے ایک کونہ میں جگہ دے دیں کل کو جب ہمارا بیٹھل ہو جائے گا، ہم اسے لے جائیں گے اور اس کی قسم کی دوسری باتیں بنائیں۔ عابد نے انکار کیا تو یہ لوگ اصرار پر ہمارے گئے۔ یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عابد نے ان کی بات مان لی اور محنت کی محنت تک نہ دیکھی (ویسے ہی بدیون دیکھئے) اس سے کہہ دیا کہ جاہر میں کسی جگہ آرام کر۔

جب رات زیادہ گزر گئی اور یہ عابد برابر ان عبادت میں مشغول رہا (محنت کی طرف تو راجی انتہات تک) کہ وہ نہ اندھا نہ کور نہ اس کے پاس پہنچی اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے تو گھر میں تنہا رہنا پڑتا ہے۔ آپ سے پاس تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ مقصود یہ تھا کہ اپنا چہرہ عابد کو دکھائے اور نہ کھول کے اسی کے پاس جیسے (تاکہ محنت دیکھ کر اس کی شہوت کو بھانجیں) چنانچہ پاس پیچھے کر اس نے (دوسرے دوسرے کی باتیں کر کے) عابد کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ پھر کچھ گفتگو میں مقصود ظاہر کر دیا (کہ میں تو آپ پر عاشق ہوں تمہارے وصل کیلئے مجھے یہاں کچھ کر لائی ہے۔ یہ لڑنے جھگڑنے والے میرے باپ یا شوہر کچھ نہیں ہیں بلکہ سب میرے دوست آشنا ہیں۔ میں نے ہی ان سے درخواست کی تھی کہ اس بھلے سے مجھے آپ تک پہنچا دیں) اور بے حیائی کے کلمہ پر اس کو بھلے نہ گئی۔

جب عابد نے اس کی طرف سے اس قسم کی کوشش (اور کوشش) دیکھی تو کہ اچھا متوڑی دیر کے لیے منت دے۔ پھر چراغ میں تیل ڈالا اور اس میں مٹی سی بجی ڈالی۔ جب اس کی کو تیز ہو گئی تو اس میں اپنی اٹھلی دے دی اور کچھ دیر تک برابر اسے آگ میں رہنے دیا جب اٹھلی خوب جلنے لگی اور آگ کی شعلیں ناقابل بردست ہو گئیں تو بدینہ مار کر بے ہوش ہو گئی عورت پر اس کی اس حالت سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے سچے معاملے سے رعب طاری ہو گئی اور وہ بھی ستارے کے آواز سے بے حرکت ہو گئی۔

جب تک ہوئی اور وہ شیطان آدمی اسے اپنی ساتھی لے گئے تو رات کی کیفیت دریافت کی (عورت نے سارا ماجرا سنا دیا) (اور بتلادیا کہ واقعی اس شخص کا معاملہ خدا کے ساتھ سچا ہے اس کو پریشان کرنا اچھا نہیں) تو وہ شیطان بھی اپنے زادہ سے باز آگئے کسی نے (اسی معنوں کو) شعر میں اس طرح ادا کیا ہے۔

نفسی علی العبد دلیس تقویٰ ولا ملی یسر الخسران  
فکذب تقویٰ - لمدمانہ وقور حاننا والنجارۃ  
میرے نفس کو ذمہ داری کی سہارے نہ مقوی کسی گرمی کی۔ تو اس کو اس آگ کی کو نہ سہار ہوگی جس کا اندیشہ آدمی ہیں اور پتھر۔

قرنہ ولیہ فائدہ کبرف۔ القور حاننا والنجارۃ۔  
فحادث مؤفیہ کرام کی یہ تعلیم ہے کہ جب گناہوں کی طرف نفس کا میلان ہو تو ان آیات و احادیث کا مطالعہ کیا جائے جس میں گناہوں پر عید اور عذاب شدید مذکور ہے اور نفس پر یاس و قنوط کا غلبہ ہوئے لگے تو آیات رحمت اور ثواب جنت کو یاد کر کے خوف کو معتدل کرنا چاہیے۔ یہ حدیث الہی کی مؤید ہے۔

حدیث کا یہ جملہ کہ میں کا  
۱۷۷) قیام لیل واجب ہے یا مستحب مرہوڑا ہمارا ہے یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے تو وہ رات کو اس سے اعراض کر کے سوتا ہے اور دن میں بھی اس پر صلی نہیں کرتا قیامت تک اس سے یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ عمل اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیام لیل عہ و قور کا ترجمہ اس سے ایسا کیا جائے کہ اس کا ترجمہ سنا ہے جس سے آگ ہو سکتی ہے جیسے جیسے اور ایک پیشی وغیرہ جس طرح ٹوٹا گی آگ ان چیزوں سے ہو سکتی ہے اور ٹوٹا گی آگ اور پتھر سے ہو سکتی ہے۔ عود اللہ صحت حاننا رومنا عقبہ لیسار و فضل العبر۔  
الغافیہ من العزیز الظار و فی الدینا و فی دارالقرار امین ۱۷۷۔

مستحب کا چھوڑنا تو گناہ کی کسی قسم میں داخل نہیں اور مختلف فیہ مستحب کا چھوڑنا ایک قبیح برکت کو کچھ نہیں مگر دوسرے قول پر گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے ہم نے ترک قیام میل کو صنف میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحب ہے، مگر بعض علماء اس کو واجب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (سب سے پہلے) بندہ کی نماز کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کو (اچھی طرح) بجالایا ہو، بٹھا اور اگر گناہ میں نقص ہو، اتوار اللہ تعالیٰ فرشتوں سے) فرمائیں گے۔ میرے بندہ کے اس عمل کو (اچھی طرح) دیکھو۔ اگر اس نے کچھ فرائض بھی ادا کئے ہوں تو ان سے اس کی نماز کو کمی) کو پورا کر دو۔ اسی طرح تمام اعمال کے ساتھ معاملہ ہوگا کہ اگر فرائض کو کامل طور سے ادا کیا گیا ہو اور اس میں کسی کو نواقص موجود ہوں ان سے فرض کی تکمیل کر دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (محض فضل و رحمت کا معاملہ ہے)۔

تو جب اس شخص نے قیام میل کو ترک کر دیا جس سے ان نمازوں کی تلافی ہو سکتی تھی جو اس نے دن میں خانے کی قمیص تو ترک قیام میل پر عذاب دیا گیا۔ کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس سے فرض کی تلافی ہو جاتی تو اس پر عذاب ہونا دراصل اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ عذاب تو درحقیقت فرض کے نقصان پر ہوگا مگر قیام میل سے اس نقصان کی تلافی ہو کر عذاب مٹ جاتا ہے۔ جب عذاب کو مٹانے والا کام بھی نہ ہو تو اسی کی طرف عذاب کو منسوب کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

ان ناشئة الليل هم اشد وطأ اقوم قبلا۔

۱۱ رات کا اٹھنا (نفس کو) بہت پامال کرتا ہے اور رات کو بہت صاف (اور سیدھا) کرتا ہے۔

(تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے میں بڑا مجاہدہ نفس پر ہے اور اس وقت جو

رات کو بیدار رہے، نماز میں قرآن پڑھنا) مستحب ہے اور ترک مستحب پر عذاب نہیں ہوتا تو ترک قیام میل پر عذاب کیسے ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ قیام میل کے واجب ہونے (نہ ہونے) میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں مگر وہ بدر فوق ناقہ کو واجب کہتے ہیں ذرا وہ نہیں قدر فوق ناقہ تاحق اشدت کو کہتے ہیں جس میں دودھ نکالنے سے پہلے اونٹنی کے بچ کو جن سے دھوایا جاتا ہے تاکہ وہ دودھ اٹا دے۔ پھر ہلدی سے اس کو لگ کر دیتے ہیں اور یہ مدت عادت و تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں کم از کم دو تین رکعت ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ناہد من قیام باللیل ولو قد فوق ناقہ قیام میل ضروری ہے اگرچہ فوق ناقہ کے برابر ہو) اس قول پر تو کسی سوال اور بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ حدیث بھی ان علماء کی ایک دلیل ہے (جو قیام میل کو واجب کہتے ہیں)۔

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ قیام میل مستحب ہے۔ جمہور (فہما و علماء) اسی طرف ہیں۔ اس قول پر بے شک وہ سوال وارد ہوگا کہ ترک مستحب پر عذاب کیوں ہو؟ اس سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ جب کسی کو کہ ترک پر عذاب ہوگا تو ان کے ساتھ صنف میں عذاب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان تجتنبوا کثرہ تنجون عنہ کفرہ کثرتہ ميثا تکرہ۔

۱۲ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہمیں سے تم کو نجات کیا جا رہا ہے

تو ہم تماری سیئات (صغائر) کو معاف کر دیں گے۔

جس سے (بطور منہج منالعت کے) معلوم ہوا کہ اگر کبار گناہوں سے بچا گیا تو صغائر معاف نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے معاف ہونے کی شرط کبار گناہوں سے بچنا ہے بلکہ اس صورت میں سب پر عذاب ہوگا اور حقیقی علیہ مستحب کو چھوڑنا مختلف فیہ مستحب کے چھوڑنے کے برابر نہیں (بلکہ دونوں میں فرق ہے متفق علیہ

تیسرے نبوت کے نظر آتے تھے اسی طرح معراج جہانی سے پہلے خواب میں چند بار معراج روحانی ہوئی ہے تاکہ طبیعت معراج جہانی کی عمل ہو جائے۔ یہ حدیث بھی غالباً معراج روحانی سے متعلق ہے اور معراج جہانی سے پہلے قیام میل ہی فرض تھا۔ جیسا مسودۃ الخیزم کی تفسیر سے واضح ہے۔ معراج جہانی کے بعد جب پانچ وقت کی نمازی فرض ہوئیں قیام میل کی فریت منسوخ ہو گئی۔ پس اگر مان لیا جائے کہ یہ عذاب ترک قیام میل ہی کی وجہ سے ہو تو یہ حکم اس وقت ہے جبکہ قیام میل فرض تھا۔

اور چنانچہ جواب یہ ہے کہ قیام میل جب سور کے نزدیک بھی واجب ہے مگر قیام میل سے نماز تہجد نہیں جو عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر جاگنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریفین میں وارد ہے ما کان بعد العشاء فہو من قیام اللیل۔ نماز عشاء کے بعد جو نماز بھی ہو وہ قیام میل میں شامل ہے، اور نماز عشاء کے بعد نماز وتر عقیقہ کے نزدیک واجب ہے، تو جو شخص عشاء کے بعد نماز وتر ادا کرے گا اس کو تاک قیام میل نہیں کہا جائے گا تاک قیام میل وہ ہے جو عشاء چھو کر سو جائے اور وتر نہ پڑھے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اگرچہ وتر کو واجب نہیں کیا مگر فراتین کے بعد اگر آکسین رتق نہ سوتوں سے زیادہ مؤکد فرمایا ہے جس کے ترک کی وہ بھی اجابت نہیں دیتے تو اشکات معنی عقلی ہے۔ تمام سنن مؤکدہ سے زیادہ مؤکد جو سننے ہوگی وہ واجب ہی ہوگی۔ پس وہ عید ترک مستحب پر نہیں ہے ترک واجب پر ہے۔

ہمارے اکابر حضرت قاضی شفاء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ مالا بدہ منہ میں نماز تہجد کو سنن مؤکدہ میں شمار کیا ہے اور مواظبت نبویہ سے اس پر استتلا کیا ہے اور غالباً اُن سے پہلے ابن ہمام نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت عکرم التت قدس سرہ کا بھی کچھ مدت تک یہی قول تھا۔ لیکن حب احقر نے اعلیٰ آکسین میں وائیل سے ثابت کیا کہ یہ قول غلط اجماع ہے۔ فقہاء

کچھ پڑھا جاتا یا ڈھکا جاتی ہے یا ذکر کیا جاتا ہے سب دل سے نکلے ہے اس لیے قیام میل کی بڑی غفلت ہے اور یہ عمل ایسا ہے جس سے فرض نمازوں کی کوتاہی کی تلافی ہو جاتی اور عذاب مل جاتا ہے تو جس نے فرض میں کوتاہی کر کے اس افضل ترین عذاب کو بھی ترک کر دیا ہو اس کے عذاب کو ترک فرض کے ساتھ اس عذاب کے ترک پر بھی حوالہ کیا جائے گا، اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم؛ اسی لیے علماء نے ہر فرض کے ساتھ اسی نوع کے نوافل کی تکمیل کو مستحب فرمایا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے فرض میں کچھ کمی رہ جائے (تو نوافل سے پوری ہو جائے گی)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قیام عید باللیل (وہ رات کو قرآن سے اعراض کر کے سوتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ سو کر رات کی نماز میں غفلت کرتا ہے تو کوئی نفا عام ہے مگر مراد خاص ہے یعنی قیام میل مستحب کا ترک مراد نہیں بلکہ نماز فرض کا ترک مراد ہے کہ رات کو قرآن کے احکام سے اعراض کر کے عشاء سے پہلے سو رہتا ہے اور بنگ کے بعد تک سوتا رہتا ہے۔ نہ عشاء کی نماز پڑھتا ہے نہ صبح کی۔ اس غفلت میں عذاب ترک فرض پر ہونا نہ ترک مستحب پر۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ یہ ہے کہ اس شخص کو خدا نے قرآن کا علم دیا تھا چودہ صدیوں میں اس پر عمل کرتا تھا نہ رات میں نہ بعدین فیہ بالانہاد سے دن میں عمل نہ کرنے کو بتلایا گیا اور نام عید باللیل سے رات میں عمل نہ کرنا مراد ہے کیونکہ کسی چیز سے اعراض کر کے سو رہنا کال ترک پر دلالت کرتا ہے۔

قوله وهذی صا وھو کف یقع العذاب علی ترک القیام

باللیل الی قوله لانہ ابلغ فی الترتب۔

اور پانچویں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معراج جہانی سے مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نبوت سے پہلے تھے خواب بطور

ف

ادب میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا، جملہ فقہاء نے تہجد کو فرائض میں ہی شمار کیا ہے اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ تہجد تو سنت غیر مذکورہ ہے مگر قیام لیل بقدر وتر واجب ہے تو حضرت نے اس تحقیق کو پسند فرمایا۔ اہل علم اس بحث کو تفصیلاً علاء السنن میں علامہ فرمایں گے تو زیادہ مطلع آئے گا۔

**ف** اس میں شک نہیں کہ عرویفہ کو تہجد کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور اسی لیے حدیث کے اس فائدہ پر تہجد کر دی گئی کہ اسی سے عرویفہ کے اس اہتمام کا دلیل نکلتی ہے۔ اُن کا قائل ہے کہ جس کو جو نعمت ملی ہے وقت تہجد ہی میں ملی ہے۔ عارف فرماتے ہیں کہ

و دوش و شب عز و قدر بہ نام دادند  
و در آن وقت شب آب میام دادند

اس لیے تہجد کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ اگر کبھی صامت کو اُسے کی ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں زیادہ پڑھ لی جائیں کہ اگر تہجد حاصل نہ ہو تو قیام لیل ہی حاصل ہو جائے۔ قیام لیل اور تہجد کا ثواب قریب ہی قریب ہے۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا بھی امر ہے۔ یا ایہا المؤمنین قعد الیل الا قلیلاً۔ اور تہجد کا بھی امر ہے۔ ومن الیل فہجد بعدہ ناخلة لثقت۔ تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر بیدار ہو جائے اور وضو وغیرہ کر کے نماز میں مشغول ہو جائے۔

قیام لیل کے لیے عشاء کے بعد سونا ضروری نہیں۔ فرض عشاء کے بعد جو نماز بھی پڑھی جائے گی قیام لیل میں داخل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام لیل کی افضل محدث تہجد ہے۔ مگر جس کو سونے کے بعد بیدار ہونے کی ہمت نہ ہو اُس کے لیے عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں پڑھ لینا مناسب ہے کہ یہ بھی قائم مقام تہجد کے ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ نے قیام لیل اور رمضان (تراویح) کے لیے عشاء کے بعد ہی کا وقت رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قیام رمضان آخر شب میں کیا تھا مگر چونکہ سب لوگوں کا آخر شب میں جمع ہونا دشوار تھا اس لیے تراویح کا وقت بعد عشاء کے رکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد نفلیں پڑھ لینا بھی تہجد کے قائم مقام ہے اگرچہ اُس کے برابر نہ ہو۔ تو جسے افضل محدث کی ہمت نہ ہو اُسے بالکل بھی تو تہجد سے محروم نہ ہونا چاہیے۔ اور پہلے ایک حدیث گزرنے لگی ہے کہ جو شخص رات کو سورۃ بقرہ کو دوایوں کے ساتھ قیام کرے تو یہ دو آیتیں اُس کے لیے تمام رات کے قیام کے کفایت کر دیں گی۔

تو جو لوگ عشاء کے بعد تہجد پڑھنا چاہیں اُن کو دو رکعتوں میں سورۃ بقرہ کی یہ دو آیتیں بھی ضرور پڑھ لینا چاہئیں (اُس الرسول سے آخر سورۃ تک)۔ انشاء اللہ وہ تمام رات کی شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ حدیث پر سچے دل سے یقین و اعتقاد ہو۔ اسی واسطے میں نے لفظ انشاء استعمال کیا ہے ورنہ مجھے بعد انشاء اس میں نہ بھی شبہ اور شک نہیں۔

(۶۲) علم کو حال بنانا چاہیے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو ہر دم مستحضر رکھے کچھ وعدہ اور وعید مذکور ہے اُس پر ایمان (اور یقین) کیا جائے اور بہت کامان کرنے کے لیے کام کیا جائے۔ اسی فائدہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے معنائین پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے اہل طریق روضہ کرام کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ علم کو حال بناتے ہیں کسی حدیث یا آیت کو پڑھ کر ہر سر کی طور سے نہیں گزر جاتے بلکہ اُس میں اس قدر تامل اور فکر کرتے ہیں کہ وہ دل پر جم جاتی اور ہر دم اُس کا معنی مستحضر اور پیش نظر رہتا ہے۔ علم کو حال بنانے کا یہی مطلب ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ قتب اُس حدیث یا آیت کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے

اور یہی علم سے مقصود ہے درجہ معنی لفظی علم ہوگا۔

چنانچہ ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ صحت دلوں تک اپنے شیخ (کی مجلس) سے غائب رہا پھر ایک مدت کے بعد آیا تو شیخ نے فرمایا برخودار! اتنی مدت تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟ کہ حضرت نے میں سے آپ سے دو آیتیں سنیں تھیں اُن پر عمل کر رہا تھا تاکہ اُن کو پہنا حال بناوں۔ چنانچہ میں نے اس عرض کے لیے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور اُن دو آیتوں کو میرا حال بنا دیا یا اسی کے قریب کچھ اور الفاظ تھے۔

شیخ نے فرمایا برخودار وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ کہا۔ ایک تو یہ آیت ہے: **فَمَنْ يَعْلَم مَثَلًا ذُرَّةً خَيْرًا مِّمَّا يَسْتَحِبُّ** یعنی مثقال ذرہ خیر از مہم سے عمل مثقال ذرہ شر میں۔ جزرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو دیکھو سے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا۔

دوسری یہ آیت ہے **وَمَنْ جَاهِلٌ فَاِنَّهُ لَافْعَلٌ لِّدَعْوَانِ** یعنی مستقر جاو مسود دھما۔ زمین میں چلنے والا کوئی جاہل نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دُستے اُس کا مذق ہے اور اللہ تعالیٰ جاہل ہے اُس کے ذمہ کہ جگہ کو بھی اور اُس کی دولت و نصیب کچھ کو بھی (جہاں وہ بغور لمانت رہتا ہے)۔

یعنی نے مستقر کی تفسیر میں اس کے معنی سے اور مسودہ کی تفسیر آپ کی بخت سے کہ ہے اور جو کتا ہے کہ مستقر سے مراد وہ گھر جو جہاں انسان سات کو قرار پکڑتا ہے اور مسودہ سے مراد جاننے دہن جو جہاں مرنے کے بعد رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تو میں نے نفس کے ساتھ اس بات کے لیے مجاہدہ کیا کہ نیک کاموں کا استراہ کرے اُن میں سے ذرہ برابر بھی نہ چھوٹے پاسے اور میرے کاموں کو چھوڑ دے۔ اُن میں سے ذرہ برابر کامی اور شکاب نہ کرے اور میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ زمین پر چلنے والوں میں سے ایک جاہل نہیں بھی ہوں تو میرا مذق اللہ تعالیٰ کے دُست ہے۔ وہ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے

تھکنے کو بھی تو اب تمہارے مذق کے ساتھ نفس کے تعلق اور مکار کو قطع کر دیا اللہ تعالیٰ کے وعدہ نیل پر مجرور نہ کرے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے چنانچہ حق تعالیٰ عزوجل نے اب میرے لیے مذق کو آسان کر دیا ہے۔ وہ اپنے حسن طبع اور وعدہ کے کوافی کے روزانہ مذق پہناتے ہیں۔

شیخ نے کہا برخودار میں! شہاد کہ جو تم کو عابدین سے فوقیت دے گئے۔ اُن کا اُن غلاموں سے یہی تو مقصود ہے کہ غلام اپنے اُستاد کے ہو کر رہیں اور اُدھر غفلت نہ کریں کہ اسی بے کسی کئے والے نے کہا ہے۔

**اِذَا كَانَتْ عِدَّتُكَ بِالْمَرْقُ لَا يَنْفَعُكَ وَحِدِيَّتُكَ اَلَا مَرَحُ فَعِدَةٍ لَا يَفِيْعُ**  
فحسبى تصديق وعدك لا يخلصك واشتغالي بامر غيره عني لا يعيرت۔

جب مذق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ غلامی میں کر سکتے اور کسی دوسرے سے بھی کوئی چیز طلب نہیں کی جاسکتی تو مجھے اُس وعدے کی تصدیق کافی ہے جو خدا نے میں سے جو کتا اور اُدھر عابدین اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول ہیں وقت سے میں ہو گا۔

**ف۔ صاحب حال کے لیے تاک اسباب ہونا ضروری نہیں**

علم کو حال بنانا تو سب کے نزدیک ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے وعدے اور وعید میں دل پر ہم جا تھا کہ ہر دم مستحضر اور پیش نظر رہیں، مگر حال کا یہ اثر کہ صاحب حال تاک اسباب بھی ہو جائے ضروری اور لازم نہیں۔ حضرات صحابہؓ سے زیادہ کامل الیقین کو نہ ہو سکتا ہے؟ مگر تم دیکھو کہ اہل صحابہؓ بلکہ قریب قریب تمام تر صحابہؓ اسباب معاش میں مشغول تھے۔ کوئی تاجر حق کوئی کاشت کار، کوئی صنعت و حرفت سے روزی کما تھا کوئی بیت المال سے وظیفہ لیتا تھا۔

ہر حال شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ شہداء اُن اسباب معاش کو ترک کر دیں

ظن غالب یہ ہے کہ اُس کے اہل و عیال کو ترک اسباب سے پریشانی کا سامنا نہ ہوگا اور ان احکام کا مدراظن غالب ہی پر ہے۔

(۷) اگر کسی کے ترک اسباب سے اُس کے اہل و عیال کو تنگی اور پریشانی فائدہ وغیرہ کی پیش آنے لگے تو اُس پر اسباب میں مشغول ہونا واجب ہے۔ مگر یہ کہ اہل و عیال سب بائٹ ہوں اور وہ بھی اس کی طرح صاحب حال ہوں تنگی و فائدہ پر راضی ہوں تو اور بہت ہے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو اپنی حوائف پر مجبور کر کے پریشان کرنا جائز نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا گناہ گار ہوگا اور اہل و عیال کو اپنے عقد کے لیے کاغذی کی عدالت میں اس پر دعوے کرنے کا حق ہے۔ تعین کے لیے احیاء العلوم باب تنوکل ملاحظہ ہو۔

**ف۔ شرائط توکل و ترک اسباب پر نظر کرنے کے بعد نو جوان تعلیم یافتہ طب کا یہ کہنا کہ صرف توکل کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ عقل کی تعلیم دیتے ہیں بالکل غلط ہے جس حالت میں حونیہ عقیدت توکل بصورت ترک اسباب کی اجازت دیتے ہیں اُس وقت یہ شخص ترک اسباب پر مجبور اور اختیار اسباب سے معذور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ معطل نہیں ہوتا بلکہ سلاطین سے زیادہ فنی اور مستثنیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ اُن کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک دامدوشہ قتل کرنے لپے، مراد وزراء اور اہل دربار کو کٹ کر دیا کھڑک حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں کوئی نہ جانے ہائے نہ کوئی اُن کو بد نہ تدارک پیش کرے۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ سلطان بھی کا مگر جو مقصد دینے ہو رہا ہے کہ دونوں وقت تین چار ہزار روپے لکھا کھاتے ہیں اور مخلوق برابر اُن کی طرف کھینچتی آ رہی ہے۔ اس کا دماغ میرے اہل و وزراء و اہل دربار کے ہدایہ پر ہے۔ اگر یہ ہدایہ اندر نہ لے نہ ہو گئے تو نگر بند ہو جائیگا اور نگر بند ہو جانے کے بعد مخلوق کا بیان بھی اس طرف کم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایک میز تک تمام ہدایہ اور ہڈی نہ بند ہے لیکن نگر صریح بند ہو جاوے پلے سے بھی زیادہ ترقی پر تھا۔**

جو قدرت نے کسی نعمت سے اس عالم اسباب میں حصول مرق کے لیے مقرر فرمائے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب کو مضر نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہوس کی قید میں خلق و مرق کی طاقت نہیں ہے اور جن اہل حال پر ترک اسباب کا دھیرہ غالب ہوتا ہے اُن کو بھی اسباب یقینہ کے ترک جائز نہیں۔ صرف اسباب فقیر کا ترک جائز ہے۔ تفصیل کے لیے تربیت السامع حکیم الامت ملاحظہ ہو۔

**ف۔ ترک اسباب کے شرائط** کی چند شرطیں ہیں :-

(۱) قلب پر ترک اسباب کا شدید تقاضا ہو جس کی مخالفت دشوار ہو جائے یا شیخ کا حکم ہو۔

(۲) مخلوق سے نفرت بالکل اٹھ جائے۔ کسی شخص کے بغض و کدات آنے پر یہ خیال دلی میں نہ آنے پائے کہ یہ کچھ دیر سے خواہاں ہے۔

(۳) ایسا نہ ہو کہ ترک اسباب کے بعد ہر دیر قبول کرنے لگے بلکہ قواعد شرعیہ سے جو ہر دیر واقعی ہر دیر قبول کیا جاسکے درجہ درجہ دیکھا جائے۔

(۴) تارک اسباب کا عزم اور توکل اس قدر بلند ہونا چاہیے کہ سلاطین و اغنیاء سے زیادہ اپنے کو فنی سمجھے۔ کیونکہ اُن کی حاجتیں تو دوسروں کے ہاتھ میں ہیں اور توکل کی ہر حاجت خود اسی کے ہاتھ میں ہے کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آئی پاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور حاجت پوری ہو گئی۔

(۵) صاحب اہل و عیال کو ترک اسباب جائز نہیں مگر یہ کہ اُس کے اہل و عیال بھی اسی کی طرح صاحب حال ہوں اور اگر ترک اسباب کے وقت صاحب عیال نہ تھا۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے بائٹ فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد صاحب اہل و عیال ہو گیا تو اس میں کچھ گراہت نہیں۔ گو اُس کے اہل و عیال صاحب حال نہ بھی ہوں۔ کیونکہ باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد

## باب ہفت

## حدیث

## لاحدا فی اشتین

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 یقول لا حد الا فی اثنتین رجل آتاه الله مالا فسلطه علی ملک  
 فی الحق ورجل آتاه الله حکمة فهدی فیها وعلیها الامتاس -

ترجمہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے بڑا بھائی  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قابل رشک دو ہی (شخصوں کی) حالتیں ہیں۔ ایک وہ  
 جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اُسے (مال) حق میں خرچ کرنے کی توفیق  
 دی ہو۔ دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ رکھی ہو (یعنی قرآن و  
 حدیث کا علم دیا ہو) پھر وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُسکی  
 تعلیم (دیتی) دیتا ہے۔

شرح (ابن مسعود سے ہے کہ ان دو شخصوں میں حد جائز ہے ان کے سامان  
 کسی اور صفت میں جائز نہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-

(۱۶۳) حد اور غلبہ کے احکام  
 یہاں حد سے کیا مراد ہے ؟  
 بلکہ ہر شے کا معنی مراد نہیں، بلکہ  
 مجازاً غلبہ (اور رشک) مراد ہے۔ جس کے مستحق بن گئے فرماتے ہیں۔  
 و فی ذلک فلیست فاسد الامت فاسد۔ رشک کرنے والوں کو اسی میں رشک

معلوم ہوگا کہ عزت کی فتوحات کا دار انسانوں کے ہدایہ وغیرہ میں نہیں، اگر ساری مخلوق  
 اپنا ہاتھ روک دے جب بھی اُن کے کام انشاء اللہ بند نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی  
 دوسری مخلوق کو ان کی خدمت کے لیے سخر کر دیا ہے۔ ان کو تو ایسا بدل قوما غلبہ  
 نہ دلا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تو قریب واقع ہے اور ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ  
 ایک زمانہ میں جبکہ تحریک خلافت کا ہندوستان میں بہت زور تھا اور حضرت عظیم الدین  
 شہرکت ہندو کی وجہ سے اُس سے الگ تھے تو بعض اہل خلافت نے یہ کوشش کی  
 کہ حضرت مولانا کی خدمت میں جو لوگ ہدایہ اور اندازے بھیجتے ہیں، اُن کو اس سے  
 روک دیا جائے ماس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال ہمیشہ سے بھی زیادہ ہدایہ اور اندازے  
 آئے کہ پہلے تو اوسط ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا تھا اُس سال تین سو روپیہ ماہوار کا  
 اوسط ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو زیادتی کی تھی وہ برابر برعکس ہی لڑی یہاں تک  
 کہ اخیر میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا تھا۔ حالانکہ مولانا جی بھی کہتے  
 حضرت قدس سرہ کے یہاں قبول ہدایہ سے زیادہ ہدایہ کا اوسط تھا۔ وہ ہدایہ قبول  
 کم کرتے تھے واپس زیادہ کرتے تھے کیونکہ شرائط قبول سخت تھیں جن کی پابندی  
 کرنے والے عورتوں سے ہی ہوتے تھے اس پر بھی کسی کے کم کرنے سے اُن کی آمدنی کم  
 نہیں ہوتی تھی بڑے ہیں۔ ومن یقن الله یجعل لہ مغربا ویرزقہ من حیث  
 لا یحسب ومن یتوکل علی الله فهو حبہ ان الله بانہ امرہ قد جعل الله کل  
 شے قدادہ ۔





طرح چاہے کہ اُس کو ضرر اور نقصان پہنچے۔ شلاہمی کے پاس دینی ساز و سامان دیکھ کر یہ تھا کہ جانے کہ یہ سامان میرے پاس آجائے اور محسوس ہو جائے یا تم ہو جائے یا شہر سے نکال دیا جائے وغیرہ ایسے انتقال کی قضا جائز نہیں) یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اذ احصت فلما تبصر لاکہ حد میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی دوسرے کے نقصان کی قضا نہ کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ کسی سے حد بالکل ہی نہ کی جائے۔ اُس کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا ہرگز نہ چاہو۔ اگر کسی کی کوئی چیز تم کو پسند ہو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ اپنے فضل سے تم کو بھی یہ نعمت عطا فرمادے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو اور تمہارا دل اسی چیز کا بے حد طالب ہو تو اُس کے ہزر اور نقصان کی قضا نہ کرو کہ یہ حد سے تجاوز ہے اور (یہی وہ حد ہے جو) بہت بڑا گناہ ہے۔

نیلے تاج پہنیں (ایک واقعہ) دیکھا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ساز و سامان بہت کچھ دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر ایک مسکین نے گلی کوچوں میں بازاروں میں یہ صدالکائی شروع کی کہ اسے اللہ! مجھ پر بھی مدد کا دروازہ اسی طرح کھول دے جیسا فلاں شخص پر کھول دیا ہے اُس مایہ ناز کا نام لے کر پکارتا۔ تو اُس نے مسکین کو بلکہ کہہ گا کہ تو میرے پیسے کیوں پڑھیں؟ تجھے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے واسطے یہی بات رہ گئی کہ مجھ جیسا ہونا چاہتا ہے۔ اگر تو میرا نام لین میں چھوڑے گا تو میری شہرت زیادہ ہو جائے گی (دنیا میں میری تو گھری کا چرچا ہو جائے گا) جس سے ممکن ہے کسی وقت مجھے تکلیف کا سامنا ہو جائے (چرو یا ذکا کو میرے درپے جو گئے تو بڑی مصیبت ہوگی)۔ مسکین نے کہیں تو اپنی حد کو نہیں بدلوں گا۔ میں نہ سمجھتا تھا کہ یہ بڑا گناہ ہے (اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں) تو جو میرے ہی میں آئے گا، دعا کروں گا (دعا سے کسی کو روکنے کا حق نہیں) اُس نے کہا اچھا بھلا تو روزانہ

کرنا چاہیے۔ حد کی حقیقت یہ ہے کہ جو شے عاقلہ، ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اُس کا اپنی طرف منتقل ہونا اور دوسرے سے نہ ملنا ہوتا چاہے یہ جائز نہیں۔ اسی کے منتقل ہونے کا ارشاد ہے:-

فلو جال نصیب منہ، لکنسبوا، والنساء نصیب مصالکسبوا واشلو  
اللہ صحت فضہ۔

مردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور کسب) سے حصہ ہے اور مردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور عمل) سے حصہ ہے (تو ایک دوسرے کی حالت کی قضا نہ کرے) اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت دی ہو تو اُس شخص سے اُس نعمت کو طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ میں اُس کو نعمت دی ہے تم کو بھی اپنے فضل سے عطا فرمائے۔ کیونکہ جس کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ خدا کے دے نہ کسی کا کچھ آتا ہے نہ کسی کا کوئی استحقاق ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذ احصت فلما تبصر۔ اگر تم کو کسی سے حد پیدا ہو تو حد سے بڑھو۔ کیونکہ ہم بتلا پیچے ہیں کہ حد میں ایک سے دوسرے کی طرف نعمت کا منتقل ہونا مطلوب ہوتا ہے اور (انتقال کی دوسری چیزیں ہیں) کہیں اس طرح سے انتقال ہوتا ہے کہ صاحب نعمت کو پہلے سے بھی زیادہ خیر حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس کپڑا دیکھا اُس کو تنہا ہوتی کہ یہ کپڑا مجھے مل جائے اور اُس سے مانگ بھی لیا۔ خدا نے کپڑے والے کو اُس سے بھی بہتر (کپڑا یا اور) کوئی چیز عطا فرمادی اور اُس نے یہ کپڑا حسد کو حد ذکر دیا یا اُس کے ہاتھ بیچ کر دیا۔ اس صورت میں حسد کا مقصد بھی پورا ہو گیا اور عسود کی نعمت میں ترقی ہو گئی (ایسے انتقال کی متنا حد حرام نہیں)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا اس

(۱۶۴) حکمت مراد قرآن وحدیث کی فہم ہے بظاہر یہاں حکمت

کی سمجھ (قرآن وحدیث کی فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یؤت  
الحکمۃ فقد اوتیٰ خیرا کثیرا جس کو حکمت دی گئی اُس کو بڑی خیر دیدی گئی۔

علاوہ (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے اس  
کی دلیل خود اسی حدیث کے اس لفظ میں موجود ہے کہ وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرنا  
ہے اور (درد و غم و غم) اسلام کے بعد کوئی شخص اپنے فیصلے میں غلو کا مستحق جب  
ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ  
کرے اور کتاب اللہ کی فہم میں سنت رسول کی بھی فہم داخل ہے۔ کیونکہ دونوں

حکمت کا موافق ہیں اور دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یہی  
وہ دو قیمتی و ذی چیزیں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
ان تفلوا ما حکمتہ بعدا کہ جب تک تم ان دونوں کو غم و غم سے بچاؤ

دو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے اور اگر گمراہی ہو تو کبھی ان کی تبلیغ دی جائے یہ تو درجہ  
کمال ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے (ان کی) فہم دیا گیا ہو اور اس پر خود بھی  
عمل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہو وہ قوائے مقامات پر فائز ہے۔ یہی

لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جائے تو اُس کا عمل ختم ہو جائے مگر یہ چیزیں کا  
ثواب ختم نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام (ایک نوازا یا نوازی) جو اُس کے لیے دُعا کرتا رہے۔ دوسرے  
صدر جاریہ (محمد مصدق و سرسائے شرفانہ کنواں نور و خیر و جو اس کے بعد بھی  
چلتے رہیں)۔ تیسرے وہ علم جس سے اُس کی محنت کے بعد لوگ نفع حاصل کرتے  
رہیں اور ان میں اعلیٰ (واقف) علم ہے اور وہ علم جس میں یہ اجماع عظیم  
حاصل ہوتا ہے وہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے۔ یادہ جو اُن سے

اپنے واسطے کتنی رقم چاہتا ہے۔ مسکین نے کوئی مقدار بتلائی۔ اللہ نے کہا کہ اتنی  
مقدار دو زائد کچھ کو میرے یہاں سے پہنچ جایا کرے گی تو اپنے گھر میں بیٹھ۔ نہ  
میرا نام لے نہ کسی سے سوال کر۔

چنانچہ مرتے دم تک اُس نے یہ احسان جاری رکھا کہ ایک دن ہند نہیں کیا  
تو اس طرح کی دُعا بھی لکھا کہ پکارا کہ بازاروں میں گھومیں گے کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس  
میں دوسرے کی نعمت کی طلب اُس کو ضرر پہنچا ہے کہ غم و غم چور ڈاکو  
اُس کے پیچھے لگ جائیں۔

قوله هل هذا الحسد هنا حقيقة او مجاز ان قلہ بقیہ جرح علیہ  
ذلت المعروف حتی قونی۔

فت۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو حد کی حقیقت مشہور ہے کہ دوسرے کی  
نعمت کا ذوال چاہا جاسکتے یہ تو مجرب ہے مگر طلب ذوال مطلقا گناہ نہیں۔ گناہ  
یہ ہے کہ طلب ذوال دوسرے کے غم کے ساتھ ہو۔ اگر غم کے ساتھ طلب  
ذوال نہ ہو تو یہ حد حرام میں داخل نہیں تو خلاف اُولیٰ ضرور ہے۔ ضبط اور  
رہش میں دوسرے سے ذوالی نعمت کی تن نہیں ہوتی صرف اپنے لیے اُس  
جیسی نعمت کی طلب ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے اور اس میں بھی تفصیل ہے جو  
تفسیر بیان القرآن میں مکتبہ آیت ولا تقل بفضل اللہ بہ بعدک علی بعضی۔  
مذکور ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

فت۔ چونکہ حدیثی اُن امر اخصی غلبہ سے ہے جس کے ازالہ کا ضمیمہ کو بہت  
اہتمام ہے اس لیے اس تحقیق کو بیان کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ آج کل اس  
مرغی سے اکثر ضمیمہ بھی غالی نہیں۔ الا ماشاء اللہ جہاں کسی کی طرف لوگوں کا  
دورج زیادہ ہو اہل لوگ اس کے درپے ہوئے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تقویٰ  
کی بنیاد اخلاص پر ہے اور حسد کے ساتھ اخلاص کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جس  
لیے اس مرغی سے غافل نہ ہوتا چاہیے۔

مستند ہو (یعنی علم فقہ)۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھتا ہے اور (اس کے بعد کسی جگہ) بیٹھ کر فرائض کی تعلیم دیتا ہے اس کو آسانی یا دشاہت میں تعلیم (بڑا سردار) کا لقب دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب (و سنت) کی فہم سے کیا مراد ہے؟ اگر ادا و نواہی اور عدل و ظلم کا سمجھنا مراد ہے اور کچھ نہیں تو یہ حکمت تو متقدمین کو حاصل ہو چکی۔ پھلوں کے پھلے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اصولی قائم ہو چکے احکام ثابت (دروغ) ہو چکے (اب پھلوں کا کام صرف تناسل ہے کہ ان ہی قواعد و اصولی و فروع سے سننے سننے حادثات کا حکم معلوم کرتے رہیں اور گو یہ بھی حکمت ہی میں داخل ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمت مجتہدین اور اُن کے اصحاب کے حصہ میں آ چکی ہے) یا یہ کہ ادا و نواہی کا علم حاصل کر کے احکام کی حکمتوں اور ان کے امراض کو بھی معلوم کیا جائے۔ قرآن کی امتثال و قصص کے فوائد کو سمجھا جسے کہ ہر ہر مثال اور قصہ میں کیا حکمت (اور کیا راز غیبی) ہے؟

اگر یہ مراد ہے تو یہ حکمت تو قیامت تک ختم ہونے والی نہیں۔ اس سے پہلے اور پچھلے سب اپنی قسمت کے موافق حصہ لے سکتے ہیں۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔  
لا تنقضن عبادہ ولا یخلق علی کفر ولا یدل علیہ الذمہ العبادہ۔ قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوں گے وہ باوجود بار بار پڑھنے کے پورا نہیں ہوتا زہر و زہر تازہ ہر تازہ معلوم ہوتا ہے اور علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے بلکہ برابر نئے نئے علوم حاصل کرتے رہیں گے۔

اس کی مثال مائے علیہ السلام کے فقہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:  
فقد اراد لمحمد ان قال اصحاب موسیٰ انما لک ذکر ان قال کلامی ربی سیدین\*  
فادینا فی موسیٰ ان ضرب بعصا الی البحر فانشق نکات کل فرق کا لفظ والعظیم

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں (یعنی بنی اسرائیل اور بنی قریظ) تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا یقیناً ہم تو کچھ لے گئے (کیونکہ اُن کے ہاتھ میں ہے اور تجھے دشمن) فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ یقیناً میرے ساتھ میرا ہر دروازہ ہے۔ وہ سمجھے (نبات کا) طریقہ بتلائے گا۔ پس اہم نے (فرش) ڈھکی بھی کہ اسے موسیٰ اپنے عصا کو سمندر پر بار دے۔ (اس کا مدنا تھا) کہ فرش اس سمندر چھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ بڑے پھاؤ کی مانند (کھڑا) ہو گیا اور درمیان میں ٹھیک ماسٹ بن گیا۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ کیسے بیان فرمایا اور اس سے کیا بات سمجھی گئی جس میں ہم کو روضہ علیہ السلام کی تقلید کرنا چاہیے؟

میرے علم میں علماء متقدمین نے اس حقیقت سے غور نہیں کیا، علماء کرام کو اس فقہ کا مطلب بنایا گیا ہے اور یہ واقعات بے فائدہ ہمارے سامنے نہیں بیان کئے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاقصص قصصہم یتفکرون۔ ان واقعات کو روگوں کے سامنے بیان کیجئے تاکہ وہ (اُن میں) غور کریں۔ پس علماء نے اس فقہ کا فائدہ یہ ہے کہ جو کچھ موسیٰ بنی اسرائیل کو سنا دیکر بدوئے حکم خداوندی کے نہیں نکلے تھے۔ پھر سمندر اُن کے سامنے مائل ہو گیا اور پیچھے سے (دشمن کی) جماعت پہنچ گئی۔ ایک نے دوسرے کو دیکھ کر قیامت جلدی کے موافق بنی اسرائیل کو یقیناً ہو گیا کہ وہ کچھ لے گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے (نبات کا طریقہ) معلوم کرنا چاہا کہ شاید اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کے لیے کوئی خاص ہدایت ہو جس پر دشمن کا سامنا ہونے کے وقت عمل کرنے کا حکم ہو کر دیکھ کر اُن کا یہ کہنا کہ ہم تو کچھ لے گئے۔ (کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو انھوں نے دیکھا تھا) اگے سمندر ہے اور پیچھے دشمن ہے اس سے مقصد ہجر اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ ضروریات کا ہوا اسے معلوم کیا جائے (مدرت حان سے ان کو طے کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ

صورت مال تو ان کے سامنے بھی تھی۔ یہی یہ جزیرہ حقیقت میں انشا میں استفادہ ہوتا ہے ہر مومن علیہ السلام کے پاس بھی کوئی جزیرہ نہیں جس سے وہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے۔ اس آیت کے پاس اس آیت میں ہے ہر مومن جس کے پاس وہ دشمن کے سامنے نہ ہو تو اس کو (دشمن سے) نکلنے کا حکم دیا۔ ہر مومن کو تمیل کی توفیق دی کہ وہ ان کے ساتھ ہے اور وہ ان کو دشمن کے حوالہ دے کر دے گا۔

دوسری علیہ السلام نے عادات جاریہ وغیرہ پر نظر نہ کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت کی پابند نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں۔

اس لیے انہوں نے (وقت یقین کے ساتھ) جواب دیا کہ ان معی دینی سیہیں ہرگز نہیں (ہیں) کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے (جائز) کا، راستہ بتلائے گا۔ گو مومن علیہ السلام کے پروردگار کا حاصل یہ تھا کہ اسے قوم بائیس کے پاس تم سے زیادہ کوئی چیز بجز قربت ایمان کے نہیں ہے۔ مجھے اپنے دہ پروردگار اور سچا یقین ہے کہ وہ مجھے تیری اور تمہاری سب کی بجائے کاراستہ بتلائے گا۔ چنانچہ وہ جواب سے نہ رکتا بھی نہ ہٹوئے نہ کہ خود اوجی نازل ہوئی فادھینا فی موسیٰ ان اعزبنا علیہما لیسرنا انہما کہ اپنے عطا کو سمندر پر مارو۔ اس میں فادھ تعقیب بتلا دی ہے کہ جواب کے ساتھ ہی وہ نازل ہوئی اور یہ کہ ہر مومن علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق (خاص) کی خبر دی اسی وقت ان کو (طریق نجات کی) ہدایت ہوئی جیسا باعظمت و جلال ہستی کی شان کے لائق ہے۔ جب کوئی کمزور اسی پر ہر و سر کرے (اور اس کی پناہ میں آجائے تو وہ اپنی شان کے مناسب ہو گیا کہ اسے) چنانچہ اس کے بعد ان کا اور ان کے دشمن کا جو

انجام ہوا وہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیا ہے وہ کوئی علیہ السلام کے لیے سمندر کا پاؤں چھٹ کر شک راستہ بتلا گیا اور دشمن اس میں گھس کر پانی برابر ہو گیا اور غرور ان اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اسی طرح اسے عذاب جس کے سامنے یہ قہر بیان کیا گیا ہے اگر تو تم اپنے پروردگار کے حکم کی پوری حذر و تمیل

کے ساتھ جیسا کہ کو حکم ہوا ہے اور خدا کے سوا کسی چیز سے اپنے دل کو نہ اٹھائے گا تو وہ ہر ضرورت کے وقت پر نصرت و کامیابی سے تیری مدد کرے گا۔ جسے موجب ہر بخیر عادت ہمارے ہر نیک کے گہرا ناز ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا (یہ یقین کے ساتھ یہ کہہ لینا چاہئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ ضرورت کا سہارا اپنی قدرت سے عطا کر عادت پیدا کر دے گا) پس تم کو اپنے ایمان میں موسیٰ امثل ہونا چاہئے اور عقل موسیٰ کا فیصلہ ہی تھا کہ عادت اور اسباب کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ خلاف عادت بھی سب کچھ کر سکتے ہیں) تو تیری ہوائے فحشا کی کافروں اللہ کی سرکاری سے دیا ہے باکت میں غرق ہو جائے گا اور ایسے ہی ہر وہ شخص بھی (تباہ ہو جائے گا) جو تیرے ساتھ برائی کا قصد کرے گا۔ کیونکہ تم نے قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں وہاں حقا علینا نعرلہ منین ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے فتنے حق ہے۔

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ فقرہ اسی وعدہ کی تصدیق کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جو فقرہ وعدہ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اس سے وعدہ کی تصدیق و تاکید ہی مقصود ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان نضرہ واللہ یصرکہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی ہے کہ اس کے امر کا اتباع کرے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے دور رہے (اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کیونکہ اللہ و فرعون ہی اللہ کی پابندی میں بندہ ہی کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نفع نہیں مگر یہ ان کا نفع و کرم ہے کہ اس کو اللہ کی مدد فرمایا)۔

اس فقرہ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی نیک اپنی کی تمیل کرنے والا ہو باقی سب اس شخص کے مطیع ہوں تو سب کی مدد (اللہ کی طرف سے) کی جائے گی۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب یقین ان کے سوا کوئی نہ تھا مگر چونکہ وہ سب ان کے مطیع تھے تو اس

عجیب و غریب نفرت کی برکت سب ہی کو حاصل ہوگئی۔

اس میں، ایک اور بھی اشارہ ہے جو اس معنوں (سابق) کو نوک کر رہا ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تعین حکم میں سبت کی، کہ اللہ کے حکم سے میرے نکل پڑے، تو انہوں نے سچے یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ حکم دینے والا اپنے بندہ کا ساتھ میں چھوڑے گا جو اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے کیونکہ یہ خود وہ خدا ہی ہے اور وہ خدا فی جناب حق میں ممال ہے۔ پس جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں حکم الہی کے موافق کر رہا ہوں جیسا اُن کا حکم ہے (وہیابی کر رہا ہوں) اور تعمیل حکم کا منشا محض ایمان اور طلب ثواب ہے تو اس کو نفرت، الہی میں شک نہ کرنا چاہیئے اور کچھ بھی دوسرہ اور شریک میں نہ لائے۔ اگر اُس کے دل میں شک سے راہ لی تو تعصبات میں خلعت ہوگا اور تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور ایمان کی گزری خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے۔ گو اس کو شعور نہ ہو، وہ بد دشمن کی چال ہے۔ (شیطان اسی طرح انسان کو غریب دیا کرتا ہے) یعنی وہ اس شک ہی کی وجہ سے

نفرت میں دیر ہوتی ہے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس کا ضعف یقین بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ شقاوت عقلی (بڑی بد کنی) کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی دشمن کی ایک بڑی چال ہے (کہ اسی طرح وہ مومن کو کفر تک پہنچاتا جانتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے یقین پر جے رہے۔ جیسا ہم نے ابھی بتلایا۔ پھر ان کا کیا عہدہ انجام ہوا۔ تو ہم کو بھی اس بات میں اُن کی تقلید کرنا چاہیئے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَدَّتْهُمْ إِلَى الْيُسُفَىٰ وَنَحْنُ مُعْطِيهِمْ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

کے یقین و ایمان کو (اور بھی) بڑھا دیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا فی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ پس (اس یقین کا) انجام یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (کسیاب) واپس آئے اُن کو ذرا بھی کلفت نے نہ چھوڑا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضامندی اُن کو حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والے ہیں۔

**ف۔** قرآن کی امثال و قصص سے ایسے فوائد معلوم کرنا جس سے مسلمانوں کو اپنی حالت کی اصلاح و استقامت میں مدد ملے علم اعتبار کلمہ ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا استنباط ہے۔ جیسا آیات احکام سے فقہاء استنباط کرتے ہیں اس کو قرآن کی تفسیر میں کمانا چاہیئے بلکہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ان فوائد سے مستفید ہونا چاہیئے۔ بعض ناواقفوں نے موفیہ کے ان اشارات اعتادات کو قرآن کی تفسیر سمجھ لیا ہے یہ اُن کی غلطی ہے۔ تفسیر دینی ہے جو لغت عرب اور محاورات عرب کے موافق کلام کا مدلول ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ہوگا استنباط و اعتبار کلمہ لائے گا۔

**ف۔** قرآن و حدیث میں جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے اُس سے مراد دین کی سمجھ ہے یا ہر وہ بات جو دین کے لیے نافع ہو۔ فلسفہ کو حکمت کمانا اور فلاسفہ کو حکماء کمانا بد کی اصطلاح ہے۔

**ف۔** قرآن کی امثال و قصص سے اس قسم کے فوائد و لطائف استنباط کرنا جو اس مقام پر مذکور ہیں محض اشارت موفیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وہ حکمت ہے جو قیامت تک ختم نہ ہوگی۔ یہاں سے نقیض کی اہمیت ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۶۵) تمنائے خیر بھی مفید ہے گو وہ خیر حاصل نہ ہو

شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ دنیا یا آخرت میں کس

کتاب ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (جانبی مالدار) کی طرح کام کرتا  
 (میرے بڑا، اور بیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا) تو یہ اپنی نیت کے ساتھ ہے۔  
 ان دونوں کا حق برابر ہے۔

اس حدیث میں علم سے مراد یہ ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق معلوم  
 ہو اور انی علم تو قریب قریب ہر شخص کو ہوتا ہی ہے بجز معدود سے چند کے  
 اور جب یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جی مال میں حق ہے مگر اس کے ادا کرنے  
 کا طریقہ معلوم نہیں تو اس کو غلطی سے دریافت کر کے ان کے حقوق کے  
 موافق عمل کرنا چاہیئے۔ پس اول تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مالی میں اللہ تعالیٰ  
 کا حق ہے پھر اس کے ادا کرنے کا عزم ہونا چاہیئے۔ پھر اس کا طریقہ دریافت  
 کرنا چاہیئے۔ پھر طریقہ واجہ اور مستحب میں مال خرچ کرنا چاہیئے۔ جس کو یہ علم  
 حاصل ہو اس کو عالم کمال کہاجئے گا (کیونکہ حقوق مال کے متعلق جتنا علم ضروری  
 ہے وہ اس کو حاصل ہے)۔

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اہمیت کے ساتھ بے انتہا  
 فیروہی واضح ہے کہ آپ اُن کو ہر اس چیز کی ہدایت فرماتے ہیں جس سے دونوں  
 جہان میں نفع حاصل ہے۔ چنانچہ ان دو چیزوں میں صدقہ اور رشک کو جائز  
 فرمایا تاکہ رشک کرنے والے کو بھی یہ بلند درجہ حاصل ہو جائے جس کے عمل  
 ہونے کا طریقہ اُس کو معلوم نہ تھا (کیونکہ مغفلس اور بے علم آدمی کیونکہ سمجھ سکتا  
 ہے کہ مجھے اغلاس اور جبل کی حالت میں بھی مالداروں اور مالکوں کا برابر درجہ  
 مل سکتا ہے)۔ حکایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن سخت طوفان کا  
 ایک عابد ریت کے ٹیلے پر سے گزرا اور دل سے یہ فتویٰ کہ اگر میرے پاس  
 ریت کے اس ٹیلے کے برابر نفع ہوتا تو میں اسرائیل پر صدقہ کرتا۔ سچی نیت سے  
 فتیٰ کی حق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا معاملہ سچی تھا تو اُس نے بدلے کے نبی  
 پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ فلاں عابد سے کہہ دو کہ میں نے اُس کا عہدہ

سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہم کسی ایسے مالدار کی حالت کی تفتیش کریں جو واقعہ غیر میں اپنا  
 مال خرچ کرتا ہے یا کسی عالم کی حالت کی تفتیش کریں جو علم سے فیض کرتا اور دوسروں  
 کو تعلیم بھی دیتا ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اہلیت میں تو جو شخص بھی  
 ممکن نہیں جانتا وہ کیونکہ ایک عالم کی حالت کی تفتیش کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا  
 ہے کہ میں کسی طرح اُس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب یہ ہے کہ وقت تو مالی کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ تو امریکہ میں اُن کی تفتیش  
 ہر درجہ آسانی ہو سکتی ہے (پس اگر یہ شخص اللہ کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کر کے ریت  
 دل سے) اُس کی حالت کی تفتیش کرے گا اس کو اس کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دُنیا پارِ ثغور کے لیے ہے (یعنی دُنیا  
 میں چار قسم کے آدمی ہیں) ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مالی بھی دیا علم بھی دیا  
 وہ اس مالی (کے) حاصل کرنے اور خرچ کرنے میں اپنے خدا سے ڈرتا ہے۔  
 (حرام طریقہ سے کمانے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے سے بچتا ہے) اُس سے  
 اپنی قربت کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا  
 بھی حق ہے درگزر و صدقہ وغیرہ اور اُن حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے)  
 یہ تو سب سے افضل (و اعلیٰ) درجہ میں ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے  
 علم تو دیا مالا مال نہیں دیا تو وہ سچی نیت کے ساتھ اللہ سے کتاب ہے کہ اگر  
 میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (مالدار عالم صالح) کی طرح کام کرتا۔ ان  
 دونوں کا ثواب برابر ہے۔

ایک وہ جس میں کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا علم نہیں دیا اور وہ جبل کی  
 وجہ سے مال میں ٹوٹ بڑکتا ہے۔ نہ اُس (کے) کمانے اور خرچ کرنے میں  
 اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نہ اُس سے صلہ رحمی کرتا ہے۔ نہ اُس میں وہ  
 اللہ تعالیٰ کا کچھ حق جانتا ہے یہ سب سے بدتر درجہ میں ہے۔ ایک وہ  
 ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا اور وہ (اپنے دل میں) بیوں

اس میں اور ان میں کسی قدر مشابہت (اور موافقت) ہو جائے گی والتمش بہ  
پنکرام فحاح اور بزرگوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنا بھی فحاح (اور  
کاسیاتی) ہے اور یہی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ سچا ہوا تو  
بظہر قرق عادت کے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے علم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔  
جیسا خروج الشام میں یونقارۃ اللہ علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے کہ وہ عربی زبان  
بالکل نہ جانتے تھے جب مسلمانوں نے اُن کا قلعہ فتح کر کے اُن کو قید کر لیا تو  
شیخ کو وہ عربی بولنے لگے اور قرآن حکیم کے چند سورتیں حفظ پڑھنے لگے اور  
اسلام لے آئے۔ مسلمانوں کے امیر نے پوچھا کہ یہ حالت تم کو کیوں کھوٹا  
ہوئی؟ تو بتلایا کہ یہی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں  
دیکھا تھا۔ آپ نے مجھ کو عربی زبان سکھادی اور قرآن کی سورتیں یاد کرائیں۔  
پھر مسلمانوں کو اُن کے اسلام سے بہت نفع پہنچا۔

یہ حکایت ہم نے صرف اس لیے بیان کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم  
بظہر قرق عادت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے (تو اُس کی تہا اور بے فائدہ  
نہیں ہو سکتی) یا اللہ تعالیٰ اس (تقا کرنے والے) کو اُس کی برکت سے  
اُسی طرح مال دے دیتے ہیں جیسا مال دار کو دیا ہے (تو یہ گناہی بے فائدہ  
ہیں۔ کیونکہ مال تو شیخ و خدام آئے جاسے و ادا ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ  
دم کے دم میں کسی مفلس کو مال دار بنادے خصوصاً جبکہ اُس کی نیت یہ ہو کہ  
مال حاصل ہونے پر نیک کاموں میں خرچ کرے گا۔ غریبوں کی امداد کرے گا۔  
قربت داروں کے ساتھ ملہ رنجی کرے گا۔

اگر بظہر قرق عادت کے بے مالدار نہ بھی ہو تو اس نیت کا ثواب تو اُس  
کو ملتا ہے گا۔ پس ہم نے جو بات اُدھر کی تھی وہ (اچھی طرح) واضح ہو گئی  
کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کے ساتھ غایت  
شفقت اور حسن تعلیم پر دلالت ہے (کہ حضور نے اپنی اُمت کو وہ تمام باتیں

قبول کر لیا ہے۔ میں مستند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہل کہ ہم کو بھی طبع  
پر ایہ میں حمدہ تعلیم سے خیر ہے وہ تمام خزانے بتلا دیں ہو چلی اُنہوں نے حاصل کئے  
تھے۔ اس طرح اگر کسی شخص کی ہر علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی وہ اگر کسی  
عالم کی حالت کی تقا کرے گا اُس کو اس نیت اور عزم کا ثواب ملے گا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
مومن کی نیت اُس کے عمل سے زیادہ (اللہ کے یہاں) پہنچنے والی ہے۔ ایک  
دین دار بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ایک بھائی کو اپنے پاس (بیجا دیکھی کر)  
لگے تو تیار نہ کیا قصداً کہ اپنے کہ ہم سب مل کر کچھ کو چلیں گے۔ پھر سب ملکر  
جہاد کریں گے۔ پھر سب مل کر سرحد اسلام کی حفاظت کریں گے۔ بزرگ نے کہا  
بھائی صاحب! آپ کی حالت تو یہ ہے کہ (بستر سے لگے ہوئے ہیں اور ارادے  
یہ ہیں) کہ اگر زندہ رہے تو ارادہ پورا کر کے رہیں گے اور مر گئے تو ہم کو  
نیت کا ثواب ملے گا جبکہ چھی نیت ہو (پتہ دل سے ارادہ ہو) یہ لوگ ہیں وہ  
جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی بات کو سمجھتے ہیں۔

پھر اس کے ساتھ اس تقا سے دو باتیں اور بھی حاصل ہوں گی۔ ایک اپنی  
عمر بڑھ جائے برزخامت ہوگی (کہ میں نے فلاں عالم کی طرح اپنی عمر کو تحصیل  
علم میں کیوں خرچ نہ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ  
توبہ "ندامت ہی کا نام تو یہ ہے۔ دوسرے اس کو ابلیخیر سے محبت ہوگی  
دوسروں سے اُن کو افضل سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
لما مع من احب۔ آدمی اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرے گا۔

(مراد صاحب مقلی ہے محبت جی نہیں۔ پس اگر کسی کو کسی کا فریاد فاسق عورت سے  
عشق بلا اغتیار ہو جائے مگر عقداً وہ اللہ و رسول اور اہل اللہ سے محبت  
رکھتا ہے تو وہ اہل اللہ کے ساتھ ہی رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اور کبھی  
کسی بات میں جو اُن سے سنے گا اُس کو اُن کی اتباع بھی نصیب ہو جائے گی۔

اس لیے (کسی عادت نے) فرمایا ہے جب میرا نفس آپ کا غلام ہو جائے  
اور آپ میرے ہو جائیں تو میں دونوں جہنم کا مالک ہوں۔ دونوں جہنم  
میرے ہیں۔

قوله وقد يقول السامعون اد بعضه دع فانك لاتا الى قوله  
فانا صاحب الدارين وهما في

فت۔ واقعی فقہاء اور موفیہ ہی جتنے مکتاد ہیں۔ دیکھو اس حدیث سے اُن  
عجیب و غریب فوائد کو معلوم کرنا کتنی بڑی محنت ہے جو اللہ تعالیٰ نے موفیہ کو  
عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! میری منتہی دل سے یہ ہے کہ میری بیہ عمر و بی زکات  
اور درسی حدیث میں تمام ہو اور عالیت اور راحت و طمانینت اور دل جمعی مدد  
اتم مجھے عطا ہو۔ زندگی و نیاں بھی اور موت کے وقت بھی اور موت کے بعد قبر میں  
بھی اور میدان حشر میں بھی اور اے اللہ! مجھے اور میرے اہل و عیال و اصحاب  
کو بھی یہ دونیں عطا ہوں۔

و بنا الخ فلاتا و فلاتا و اسرافنا و امرنا و ثبت اقدارنا و انصرنا  
على القوم انكافين في۔



بتلاوی میں ہیں جس سے اُن کو دونوں جہانوں میں فائدہ حاصل ہو) اس حدیث سے  
چند علمی مسائل اور بھی معلوم ہو گئے۔

ایک یہ کہ حدیث و قرآن کے سمجھنے میں پوری کوشش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ  
ان دونوں ہی میں بڑی غیر دیرگت ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کو اپنے ماتحتوں پر  
کچھ بھی ولایت (اور حکومت) حاصل ہو اُس کو سوچنا چاہیئے کہ وہ اُن کو کس  
طرح اپنے حسن تعلیم سے غیر (اور نفع) پہنچا سکتا ہے تاکہ سیدنا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء (اس سنت میں بھی) ہو جائے نا اگر اور کسی پر  
زور نہ ہو تو اپنے نفس پر قبضہ شخص کا زور ہے (تو کم از کم اپنے آپ ہی کو  
نفع اور غیر پہنچانے کے طریقے سوچا کرے)۔

حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ علم سے بُرا نفع بدون عمل کے  
حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ واقعی بھلا  
کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے تو وہ اُس کے موافق فیصلہ  
کرے تا کہ (معلوم ہو) کہ عالم کی حالت قابل رشک اُسی وقت ہے جب  
وہ اُس پر عمل کرتا ہو)۔

اور اس میں موفیہ (کے اس عمل) کی بھی دلیل ہے کہ اُن میں سے ہر  
شخص دوسرے سے یہ سوال (پہلے کر) کرتا رہا مقام (آج کل) کون سا  
ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ یہ سوال وہ اس لیے کرتے  
ہیں تاکہ اس ترقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو۔  
دیکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس شان برابر ترقی میں وہے تنزل نہ ہونے  
پائے۔ اگر مگر اُس سے ترقی نہ کر سکے تیرت خیر ہی سے ترقی کرے) اور تاکہ  
ایک کو دوسرے کی حالت پر رشک ہو (تو وہ بھی اُس مقام کے لیے کوشش  
کرے جو دوسرے کو حاصل ہے۔ اگر وہ مقام حاصل نہ بھی ہوا تو کوشش اور  
تیرت کی برکت سے ہی اُس کے برابر ہو جائے گا)۔



باب

حدیث

## فصل الصدقة

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دل میں) کہا میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کروں گا۔ وہ اپنے صدقہ (غیر کامل) کے لئے نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ چور کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے مجھ ہے۔ میں (آج) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زنا کار عورت کو دے دیا۔ شیخ کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے مجھ ہے۔ میں (آج) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک غنی کو دے دیا۔ شیخ کو چرچا ہوا کہ آج غیور غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے مجھ ہے چور (کے صدقہ) پر اور زانیہ (کے صدقہ) پر اور غنی (کے صدقہ) پر، تو اُس کے پاس پیام پہنچا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا (بیکار نہیں کیا)۔ امید ہے کہ وہ چوری سے باز آ جائے اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں کیا)۔ امید ہے کہ وہ زنا سے باز آ جائے اور غنی پر صدقہ (بھی بیکار نہیں کیا)۔ امید ہے کہ اُس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت سے غرور کرنے لگے !

شرح علامہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محض معاملہ کو جاری رکھنا رفت ورجات کا سبب ہے۔

(دیکھو اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اُس پر برابر جاریا۔ ایک صدقہ کے بعد عمل صرف ہونے کے بعد دوبارہ اور سہارہ صدقہ کرنا اور اُس کے درجہات قرب میں ترقی ہوتی رہی در ہر صدقہ قبول ہوتا رہا کوئی بھی بیکار نہ کیا اگرچہ بیکار ہے عمل صرف ہوا تھا)۔

(۱۶۶) صدقہ ناکہ چھپا کر دینا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ چھپا کر دینا کوئی گناہ ہے اور بعض اصحاب اس کی تفسیر بھی ہے) منہا الدلیل علی صدقۃ الصالحی قولہ فاصبح الناس یعدونہ۔

ف منہا قولہ کما استہتم ہے مگر یہ حکم صدقہ ناکہ کے لیے ہے۔ فرض کا انشاء بہترین اُس کو علانیہ دینا چاہیئے جیسا نماز میں سئل کا انشاء افضل ہے و فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔

(۱۶۷) اپنے دل سے نیک عمل کے متعلق باتیں کرنا ناجائز ہے

معلوم ہوا کہ اپنے دل سے اچھے کام کے متعلق باتیں کرنا ناجائز ہیں۔ کیونکہ اُس شخص نے کہا تھا کہ میں آج ضرور صدقہ کروں گا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کسی سے کہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے دل سے کہا تھا اور اس میں ناغہ یہ ہے کہ نیت چھپ کر ملحق (اور مضبوط) ہو جاتی ہے۔ وغیرہ دلیل علی جواز عفو ذنوبہ المراجع فیہ الا قولہ تحقیق النیۃ۔

ف اس سے فقہاء حنفیہ کے اس قول کی دلیل واضح ہو گئی کہ نادر وغیرہ میں زبان سے بھی نیت کر دینا اچھا ہے۔ اہل عاصر نے اس کو بدعت کہا ہے مگر اُنہوں نے

اس حدیث میں غور نہیں کیا۔

(۱۶۸) غل میں اخلاص کا اہتمام ہی کامیابی کا وسیلہ ہے حدیث سے  
کہ غل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا اور آئینرش (نفس و غرض) سے پاک کرنا  
ہی کامیابی کا بڑا وسیلہ ہے۔ دیکھو (اُس شخص نے خاص رہنے حق کے لیے غل کیا  
تو) اُس پر سب فضل ہوا اور کسی بشارت دی گئی کہ امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا  
ہو، امید ہے ایسا ہو۔ جب اُس نے اپنی کسی خوش خیر کروی اور مقدر سے  
جو کچھ پیش آیا اُس پر رخصی رہا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہر صدقہ قبول فرمایا اور  
اسی کے برعکس ہونے کی بشارت دی) اور یہ۔ سے معلوم ہوتا کہ صدقہ کے لیے  
معرفت خیر کا تلاش کرنا اپنی شریعت میں بھی مطلوب تھا جیسا ہماری شریعت میں  
ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تحبوا الصدقات تکمل  
اپنے صدقات کے لیے معرفت خیر کا تلاش کرو اور اس حدیث میں بھی ہے کہ  
جب اُس شخص نے گناہ اس کا صدقہ غیر مستحق کے پاس پہنچا ہے تو اُس نے  
صدقہ کا اعادہ کیا۔ و ذیہ لدین علی ان تحقیق العمل لله تعالیٰ فی قولہ  
فی غیر مستوجب لہا۔

فت۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کا اذیت ہے کہ یہ صدقہ نفل تھا یا فرض۔  
حضرت شامی کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض نہ تھا بلکہ مستحب تھا کیونکہ میری  
دندہ بھی اُس کا صدقہ ہے محض ہوتا تھا۔ پھر اُس نے اعادہ نہیں کیا۔ اگر فرض  
ہوتا تو پھر اعادہ کرتا۔ مگر یہ امام مالک و مزا اللہ علیہ کا مذہب ہوگا۔ حنفیہ کا مذہب  
یہ ہے کہ جب صدقہ کرنے والا اپنی طرح سوچ سمجھ کر گناہ کرے کسی کو صدقہ دے کہ  
یہ تقیر مانتا اور مستحق ہے بعد میں معلوم ہو کہ مستحق نہ تھا تو صدقہ ادا ہو جائے گا  
خود فرض ہو یا نفل البتہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صدقہ لینے والا اس کا بیٹا یا  
نکا یا بیوی یا شوہر ہے تو فرض کا اعادہ نہ ہے کیونکہ صدقہ گناہی میں لوٹ آیا

ہے باہر نہیں گیا اور اگر صدقہ نالغ ہو تو اعادہ لازم نہیں۔ کیونکہ صدقہ نفل ہر شخص پر  
ہو سکتا ہے خواہ اولاد و اہل و عیال ہی کیوں نہ ہوں اور اُس شخص نے جو صدقہ کا اعادہ  
کیا تو یہ عزیمت تھی اور عزیمت پر غل کرنا نفل ہے یا گناہ ہے یہی امتوں کے لیے  
اس شخص میں اعادہ لازم ہو۔ آج کل صدقہ کے لیے معرفت کا تلاش کرنے میں بہت  
کوتاہی ہو رہی ہے۔ عام طور سے صدقات و زکوٰۃ کا رویہ سائلوں کو یا چند  
مانگنے والوں کو دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کے زیادہ حق وہ لوگ ہیں جو خود  
نہ اپنے واسطے سوال کرتے ہیں نہ کسی مدرسہ اور انجمن کے واسطے جہاد کرتے ہیں۔  
للفقر والدین احدہما فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا خلف الدین

عجب۔ الجاہل اخذہما من المتعفف ۵۔  
مولانا محمد الیاس صاحب دوحۃ علیہ السلام نے مرض وفات میں فرمایا کہ زکوٰۃ  
کا درجہ میرے سے کمتر ہے (گو زکوٰۃ فرض اور میرے سے کمتر ہے مگر حسن دفعہ نسبت  
فرض سے بڑھ جاتی ہے جیسے تلاوت قرآن نسبت ہے اور اُس کا سنت اُس شخص  
پر جس کو آن زہینچ رہی ہے فرض ہے مگر تلاوت کا درجہ سماع سے زیادہ  
ہے۔ اسی طرح ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا فرض ہے۔  
مگر ابتداء سلام کا درجہ جواب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر  
وہ مال کو پاک کرنے والی ہے اور میرے سے کمتر ہے مگر وہ قلب مسلم کو نوکھیں  
کرنے کے واسطے ہے اسی لیے اس کا درجہ زکوٰۃ سے بڑھا ہوا ہے۔  
پھر فرمایا زکوٰۃ دینے والوں پر معرفت کا تفقد لازم ہے۔ جو شخص جس قدر  
اللہ تعالیٰ نے پھر دوسرے کے ممبر کا تپا ہے اسی قدر اہل سوال پر بقدر اُس کے  
ممبر کے اُس کی امداد لازم ہو جاتی ہے یہ ہیں اصل معارف زکوٰۃ کے۔ مگر یہ  
اہل اموال سائلین کو اور چندہ و انون کو دے کر سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔  
پھر فرمایا کہ جس شخص کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد برکت نہ ہو تو  
لو کہ اُس نے زکوٰۃ معرفت میں نہیں دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

یہاں، اللہ العزیز اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں اور حدیث  
کو پڑھتا ہے اور اللہ کا وعدہ پتا ہے۔

(۱۶۹) ظاہر پر ہی حکم لگایا جائے گا حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حکم ظاہر  
پر لگایا جائے گا موجب ملک اس  
کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ کہ تمام ارباب (مذاہب) میں اسی پر عمل کیا گیا  
یہ شخص رات کو نکلا اور ان لوگوں کو (جن پر صدمہ کیا گیا) بظاہر مسکین کہا تو اس نے  
ان کی ظاہری حالت کے موافق عمل کیا اور صدمہ دے دیا۔ جب اس کے گمان کے  
خلاف ثابت ہوا تو اس نے عمل کا اعادہ کیا۔

حدیث میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے یہ سچے دلی سے کوئی  
چیز فریاد کرے اور مال عدل دیب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا نہیں فرماتے بلکہ  
اس کی خیرات کو اس کی تجویز سے بہتر معرفت میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ حدیث کے  
آخر میں بشارت کے معنوں سے واضح ہے، ورنہ اس میں جو امید کا لفظ ہے یہ شک  
کے واسطے نہیں بلکہ یقین کے واسطے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے۔  
جس سے معصوم و سنی ہے اور سنی تفسیر خبری سے ہو سکتی ہے (مگر عبادات شاہی میں  
وعدہ کے موقع پر امید ہی کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مطلب یہ نہ سمجھے کہ اس کا  
حق بادشاہ پر ہے بلکہ وعدہ شاہی کو غرض نفس و دکر سمجھے۔

اس نوٹ کے مناسب ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کے دل  
عجیب حکایت میں یہ بات آئی کہ اللہ کے لیے سوداگر (اخریان) خیرات  
کر دو۔ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے بتائیے یہ خیرات کس  
کو دوں؟ فرمایا کہ کوہر کے شہر تانہ پر پہنچ جاؤ جو شخص سب سے پہلے تم کو  
ملے اس کو دے دو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو سب سے پہلے ایک شخص ملا جو  
دینا دار (مادار) مشہور تھا اور اس کی حالت سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس  
اور ظاہری شان سے بغیر مسکین معلوم نہ ہوتا تھا اس نے دل میں کہا کہ اس خنی کو

حدیث کو بخیر و بد، پھر خیال کیا کہ کچھ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں، ان کے دشاو  
پر عمل کرنا پائیے) چنانچہ مال اس کے حوالے کر دیا۔ مال دینے سے بعد دل میں  
ظلمات پیدا ہوئے تو اس نے کہا خدا میں بھی اس کے پیچھے رہوں گا و لہذا یہ کیا کرتا  
ہے؟ چنانچہ دیکھ کر اس نے پیچھے چھوڑ دیا اس کو غصہ ہوا تو دیکھا کہ اس نے  
ایک دروازہ میں جا کر اپنے کپڑے پیچھے سے کوئی چیز نکال کر پھینکی ہے اس نے  
وہاں جا کر دیکھا تو ترس بھری نظر سے دیکھا کہ اس کے پاس پتلہ جہاں سے وہ گھر  
میں داخل ہو گیا تو اس نے دروازہ کے دیکھے کھڑا ہو کر کان لگا کر اور سننا کہ  
وہ اپنے بالی بچہ سے کہہ رہا ہے خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے  
فوزات بھیج دی ہیں اور سارا نقد بیان کیا۔

وہ سب خوش ہوئے۔ پھر وہ بازار گیا اور گھر وادوں کے لیے کھانا خریدا۔ یہ بھی  
اس کے پیچھے رہا اور ساتھ ہی لہو ٹوکھا۔ یہ کو دیکھ کر بالی بچہ کی خوشی میں دیکھیں  
ان کی باتیں نہیں تو معلوم ہوا کہ سب فاقہ سے نکلے۔ اس نے اس پر اس کی  
بلکہ جب یہ شخص کو اپنے پیسے سے فارغ ہو کر آیا تو قسم دے کر اس کا حال  
پوچھا۔ اس نے کہا میں دن سے ہمارے گھر میں کھانا کچھ نہیں کھا رہا سب فاقہ  
سے نکلے، میرے پاس کوئی چیز نہیں رہی تھی کہ جو بچہ کر سکا، کھانا، عرصت یہ  
کھڑے دن پر تین ماہ سے اپنا پردہ پرشی کرتا رہا۔ یہ لوگ اس شاندار لباس کو  
دیکھ کر کچھ مایوس ہوئے۔

آج میں گھر سے نکلا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس کے ذریعہ ان کا فاقہ توڑا  
تو میں نے دھڑکی مری ہوئی پانی جس کو تم نے مجھے بھیجے ہوئے دیکھا۔ میں نے  
دل میں کہا، اللہ کا شکر ہے آج ہم اس سے کچھ سہارا کر میں۔ یہ کل کو سنہ نہا،  
اور کچھ دے گا۔ میں اس کو ملے کہ مارا ہوا تھا کہ تم نے مجھے وہ۔ یہ وہی قواب  
مردار ہمارے واسطے حرام تھا۔ میں نے اس کو پیسہ دیا اور تمہارے عہد  
سے کھانا خریدا، اب تو یہ شخص بڑا خوش ہو گا اور جا کر شیخ سے سارا نقد بیان کیا۔

فرمایا برغور و برمن! جہالت تھانے کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اس کے ساتھ  
 اللہ تعالیٰ کی شہادت (اور عادت) یہی ہے کہ اس کے واسطے سب سے بہتر اور عمدہ  
 حالت تجویز فرماتے ہیں۔ قولہ ذلیقہ دلیل علیٰ انہما مطلقا انی قولہ  
 خبرناہما و احسنھا

فتاویٰ حریز من! تمام تر حار سچائی اور غلوں پر ہے اس کے لیے اہل طریقت نے  
 یہ ریاضات و مہابدات تجویز فرمائے ہیں جو مونیف میں مانج ہیں۔ مگر کچھ کو ریاضات و  
 مہابدات خود مطلوب نہیں بلکہ ان کے ذریعہ مدق و غلوں کی تحصیل مطلوب ہے۔  
 اگر یہ حاصل نہ ہو تو ریاضات و مہابدات سب بیکار ہیں اور یہ حاصل ہو جائے  
 تو سب کارآمد ہیں اور اگر بدون مہابدہ و ریاضت کے کسی کو یہ دوست  
 نہ جائے تو اس کو مہابدہ و ریاضت کی اصلا حاجت نہیں۔ پس غور سے و  
 کثرت ذکر کا ہے۔

فتاویٰ کا ہر حکم لگا ہوا مونیف کے یہاں بھی معمول ہے۔ پس جو لوگ مشائخ کے  
 اعمال و احکام کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ غلط ہے حقیقت الام کی خبر لڑھکتے  
 ہی کو ہے مانیف سب ادا ہو اور معلوم بخبر غی کے کوئی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا  
 ولی ہو۔ مونیف کو اپنے مشائخ کے ساتھ محبت و عقیدت تو لازم ہے مگر عقیدت کو  
 حد سے بڑھانا چاہیئے۔ جب عقیدت حد سے بڑھ جاتی ہے عنایت پرستی پیدا  
 ہو جاتی ہے جو تقسیم اسلام کے خلاف ہے۔

(۱۰۰) تقسیم و رضا کی برکت مونیف اس شخص کی کوشش بنا ہر ہر دفعہ  
 ناکام رہی۔ مگر وہ نگل نہ ہو ورنہ دفعہ تقسیم و رضا کی شان سے اللہ تعالیٰ  
 کی حمد کرتا رہا اور اپنے معاملے کا اعادہ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو  
 شامت سے نوازا گیا۔ ذلیقہ دلیل علیٰ برکتہ التقسیم والرضا انی قولہ  
 فاعلمہ تدریج البشاد

فتاویٰ تقسیم و رضا کا وہ مولانا مونیف ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے  
 اور اس کی رضا پر راضی رہے۔ مونیف کی یہ خاص شان ہے  
 غیر تقسیم و رضا کو چارہ در کعب شیر زخو سفاورہ  
 حدیث سے معلوم ہوا  
 (۱۰۱) مالداروں میں حرص زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر مالداروں میں  
 حرص کا مارہ زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو اس شخص نے آخر میں جس کو مدد دی وہ فنی  
 تھا۔ اس نے مدد سے کہا۔ حالانکہ وہ اس کا مستحق نہ تھا اور اگر مالداروں  
 میں حرص زیادہ نہ ہوتی تو ان کے پاس مال ہی نہ جمع ہوتا (اما شاء اللہ) ذلیقہ  
 دلیل علیٰ غلبۃ الشیطان علی الغالبین۔ اذنی قولہ ما اجتماع مال  
 لہم فی ما قلب منہم۔

فتاویٰ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مالداروں میں حرص نہیں ہوتی۔ کیونکہ  
 ان کے پاس تو بہت کچھ ہے ان کی نیت بھری ہوتی ہے۔ دل فنی ہے۔ مگر واقعہ  
 یہ نہیں جو مالدار باقاعدہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں ان کا تو دل فنی ہوتا ہے  
 مگر جو زکوٰۃ نہیں نکالتے ان میں غریبوں سے زیادہ حرص ہوتی ہے۔ اس لیے  
 اہل اموال کے ہدایا میں غریبوں کے ہدایا سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔  
 اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ بڑھوں کی فکر جوانوں سے زیادہ پاک ہوتی ہے۔  
 یہ بھی غلط نہیں۔ بڑھوں میں شہوت زیادہ ہوتی ہے گو بھوتی ہی شہوت ہو۔  
 جوانوں میں شہوت کم ہوتی ہے مگر عجب ہوتی ہے کتنی ہوتی ہے۔ جیسے بڑھوں  
 کو ٹھیکر زیادہ گنتی ہے گوان سے کیا نہیں جاتا بہت تھوڑا اکھاتے ہیں اور یہ  
 بھوتی بھوک ہے جو ان کو بار بار رستا ہے۔ ان کو بھوک کی سہا نہیں ہوتی  
 اور جوان کو بھوک زیادہ نہیں گنتی۔ اپنے وقت پر گنتی ہے اور کتنی بھوک گنتی ہے۔  
 پس بڑھوں سے جوان عورتوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ یہ کہ بالکل  
 خود کار حریز ہو گیا ہو تو وہ غیر دانی الاربعہ من الرجال میں داخل ہوگا۔ بیان

کوئی چیز نہیں۔ بکتر اور ریاء سب سے اخیر میں صدیقین کے دماغ سے باہر ہوتی ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ میں دقت دینی سلسلہ کا نہیں لی مگر بدو ان اہل بدعت۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ میں آپ سے اپنے دل کو خالی کر لوں تو مجھے تو آپ سے چارہ نہیں خواہ آپ رو کر دیں (یا قبول کریں)۔

قلہ وفيہ دليل لاهل العقودۃ الذين يقولون لا تقم خدمۃ الی  
قلہ وان ابدعت۔

فت۔ اس شخص نے تو وحی آنے پر بھی عبادت کو قطع نہ کیا حالانکہ وحی مطلقہ کا موجب ہے۔ پھر کسی کو اپنے کشف یا الہام پر اعتقاد کر کے عبادت قطع کرنے کا کیا حق ہے؟ ایک بزرگ کے پاس ان کا مرید آیا اور عرض کیا کہ صبح میں ذکر کرنے بیٹھا ہوں یہ آواز آتی ہے کہ تو کا فر ہے۔ بزرگ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے مجبور ہیں کہ عادت سے ہوشیار ہو کر پریشان کیا کرتے ہیں۔ کام میں لگے رہو اور اس آواز پر التفات نہ کرو۔ (غالباً کافر سے مراد کافر باطلا غوث تھا) مگر یہ گہرا دیکھو وہ مسمیٰ مشہور ہے کہ منقول کرنے لگا) شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک بار وحی میں اس کو جہنمی کہا گیا دوبارہ جہنمی کہا گیا اور دونوں میں مستقبل کی خبر ہے تو ان متعارض خبروں کو کیوں کھرج کیا جانے لگا اور اگر ایک کو ساقط کیا جائے تو لازم الہی میں خطا و کذب لازم آئے گا۔ تعالیٰ شہد ہے ولتھلاک کثیرا۔

جواب یہ ہے کہ کبر شمع کے لیے ایک جگہ جہنم میں بنی ہوئی ہے ایک جگہ جہنم میں۔ اگر ایمان نصیب ہوگی تو اس کو جہنم کی جگہ پہلے دکھائی جاتی ہے کہ اگر تم ایمان دلاؤ تو تمہارا ٹھکانہ یہاں ہو ورنہ گمراہ یہ جگہ کسی کافر کو دی جائے گی اور تمہارا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ پھر اس کو جنت کا درجہ دکھلایا جائے تاکہ زیادہ خوشی اور قدر ہو۔ اسی طرح کافر کو پہلے جنت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے کہ اگر تم ایمان لاؤ یہاں پہنچ کر اب تیرا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ پھر اس کو جہنم کا درجہ دکھلایا جاتا

ہے ان لوگوں کی عقلی داغ ہو گئی جو اپنی عورتوں کو پردوں کے سامنے بے پردہ لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت تو توبہ کر رہے ہو گئے ہیں ان سے برہم کی عزت ہے اور ان مشائخ کی عقلی بھی داغ ہو گئی جو مومنہ بالہماروں کے پایا کو ملموس پر مبنی سمجھتے ہیں۔

(۱۶۲) بندگی کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر قبول کی امید نہ ہو!

اس حدیث میں موفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر اس کے قبولی ہونے کی امید نہ ہو یا قبولی نہ ہونا محقق بھی ہو جائے کیونکہ غلام کو اپنے مولیٰ کی خدمت سے چارہ نہیں۔

دو قسم خدمت ہماری سے قبول کی امید کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے وقعات میں مذکور ہے کہ ان میں ایک عابد نے ہروں شرعاً نے کی عبادت کی تو جس زمانے کے نبی پر وہی کی کہ میرے فداں بندہ سے کہہ دو جتنی چاہے عبادت کرے وہ مجھ سے ہے۔ بنی اسے اس کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ اس نے تمہارے پروردگار کے فیصلہ پر افریں ہے پھر اپنے گھر واپس آیا اور پہلے سے بھی نہ زیادہ عبادت کرنے لگا اور عرض کیا کہ خداوند! میں تو آپ کی عبادت اس دلت میں کرتا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھ میں کچھ بھی اہلیت نہیں تو اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دوزخ کا بل بنا دیا ہے (دوزخ بھی تو آپ ہی کی سے نسبت اب بھی باقی ہے تو مجھ میں کچھ تو اہلیت ہے کہ آپ کے ساتھ کسی قدر تعلق ہو گیا) چنانچہ وہ عبادت میں سرگرم رہنے لگا اور پہلے سے زیادہ کام کرنے لگا تو اللہ نے اسے ایسی ہی پیغمبر کے پاس پھرونی بھیج کر اس عابد سے کہہ دو جو چاہے (محل) کرے وہ جتنی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے کو کسی قابل نہیں سمجھا (حقیر و ذلیل بنا) اللہ اللہ خدا کو تو اس شخص کی قدر پسند ہے یہی راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہے مگر قوام سے زیادہ دشوار بھی

ہے تاکہ حسرت اور غم زیادہ ہو۔

پہلی بار دوزخ میں کیا گیا کہ جو چاہے کہ تو جنتی ہے۔ اس سے جنتی حقیقی مراد نہیں بلکہ جہنم یعنی خدا کے تیری جگہ جہنم میں بھی جو تیرے کی ہوئی ہے۔ اگر ایمان نہ ملے اور دوسری وجہ میں جنتی ہے حقیقی جنتی مراد ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ مہارزا ہر مومن کو جنتی اور ہر کافر کو جنتی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی جگہ جنت اور دوزخ دونوں میں نامزد ہے۔ دہا یہ کہ مجازاً جنتی کہنے کی ضرورت کیا جنتی؟ بجا بجا مٹوئے کے مذاق پر تو یہ ہے کہ یہ دشتام محبت جنتی جو عشاق کے استحقاق کے واسطے دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو امتحان کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو اس قسم کے واقعوں سے عاشق کے صدق و غلوں کا علم ہو جائے اور فقہاء کے مذاق پر جواب یہ ہے کہ لوگوں کو یہ مسئلہ بتانا مستعد تھا کہ اگر کسی کو اپنے جنتی ہونے کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عبادت اور تقویٰ مع اللہ کو قطع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے یقین کے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتلانا تھا کہ خدا کو تو واضح پسند ہے۔

ف۔ اس شخص کے اس قول سے کہ اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنا دوزخ کا اہل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب خانقاہی کے ایک قول کی تائید ہو گئی۔ مولانا کے زمانے میں ریاست دہلی میں ایک ڈاکٹر مشعل کو بحالت قہقہہ یقین ہو گیا کہ میں شیطان ہوں۔ غریب بہت پریشان ہوا اور اسی پریشان کے عالم میں دہلی میں ایک بزرگ سے ملے گئے۔ اُن سے اپنا حال عرض کیا کہ حضرت میں تو شیطان ہوں۔ انھوں نے بھانے شفیق اور دستگیری کے جواب دیا کہ اگر تو شیطان ہے تو خدائی ولا قوتہ الا باللہ۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی شیطان ہو گیا ہوں کہ اتنا بڑا بزرگ بھی مجھ پر لا حول و پرہیز ہے تو اس نے اگر اس نے خود کشی کر لی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ ہم تو فلاں صاحب کو بزرگ اور عارف سمجھتے تھے مگر معلوم

ہوا کہ وہ تو کورسے ہی ہیں۔ اگر وہ شخص میرے پاس آتا اور مجھ سے کہتا کہ میں شیطان ہو گیا ہوں تو میں یہ جواب دیتا کہ پھر کیا جزا شیطان بھی تو اسی کا ہے نہت اب یہی قطع نہیں ہوئی۔ اس جواب کے ساتھ ہی اُس کا یقین سہل بہ سہل ہو جاتا اور ملاکت سے بچ جاتا (محدثہ من سیدی حکیم الامت) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر روح سے بھی کسی کو جنتی کہا جائے پھر بھی وہ جنتی ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح پر جواب ہے تو حشر کسی بزرگ یا نیچے کے بڑا کہنے سے کسی کو بڑا نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک خود اُس کے اعمال بڑے نہ ہوں۔ ایسے طریق اس معاملہ میں بہت فلوک کہتے ہیں کہ شیخ کے اقوال کو آیت وحدیث مجھ کو فیصلہ کرنے لگتے ہیں خود تحقیق نہیں کرتے حالانکہ مشائخ بھی بشر ہیں بشریت سے بری نہیں۔ اُن کی بہت سی باتیں بشریت سے ناشی ہوتی ہیں جن کو جاننے والے جانتے ہیں۔

ف۔ چور کے متعلق جو کہا گیا کہ امید ہے وہ اس صدق کی وجہ سے چوری سے باز آ جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کیونکہ انسان غولانگی اور فقر کی وجہ سے چوری کرتا ہے اور چور کا چوری سے رنگ بانا بڑی چیز ہے کیونکہ دشمنان اس کے حشر سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقہ سے بھی افضل ہے اور زانیہ کے متعلق جو کہا گیا کہ شاید وہ زانیہ سے توبہ کر لے یہ بھی اسی وجہ سے ہے کیونکہ بعض عورتوں کو زنا کاری پر فقر و احتیاج ہی براہینتہ کرتا ہے جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور زانیہ کے زلیہ روپیہ کمائی ہیں۔ ایسی عورت کو جب کچھ رقم دے دی جائے گی تو وہ اس حرکت سے باز آ جائے گی ہمیشہ کو نہیں تو کچھ دنوں کو ہی اور کسی کے ذلیل زانیہ کا زانیہ سے توبہ کر لینا حد سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یعدی اللہ باث و لا واحدنا غیر اللہ من حرام النعمہ۔ تمہارے زلیہ سے اللہ تمہارے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت نہ دے گی یہ تمہارے واسطے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (جو عرب کا قحطی مال ہے) ہاں جو عورتیں غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کرتی ہیں اُن

کوہدہ دینے سے یہ امید نہیں کہ زنا سے باز آجائیں گی (قللہ المذبح فادجہ)  
اور گواہ معنوں کو مسائل تعقوت سے متعلق نہیں مگر اوپر جو معرفت زکوٰۃ کی تحقیق  
اور عقیدہ کی تاکید کی گئی ہے اس سے تعلق ہے اور علو ثابت لوگ اس سے غافل  
ہیں۔ لوگ زنا کار خور تویں کوہدہ نہیں دیتے۔ نہ چوروں کو حال نکالت کوہدہ دینا  
زیادہ ثواب ہے کہ شاید وہ گناہوں سے توبہ کر لیں۔

مولانا جمال الدین مرحوم وزیر ریاست بہوپال کو کسی نے خبر دی کہ آج بہوپال  
میں ایک بڑی خوب صورت منڈی آئی ہے تو فوراً آپ نے اپنے منشی کو اس کے  
پاس بھیجا کہ تم کو وزیر صاحب بلاتے ہیں۔ وہ وزیر صاحب کے بیان پہنچ گئی۔ آپ  
نے اس کو ایک دو منزلہ مکان پر ٹھہر دیا اور کھانے پینے اور دیگر ضروریات رہائش  
کا انتظام کر دیا۔ اس کے روزانہ میں پانچ سو روپیہ ملتی تھی۔ یہ نہیں بھی ہر دن اس کو  
پہنچاتے رہتے اور نوکروں سے کہہ دیا کہ اس کے پاس کوئی آئے چائے تو اس کو  
روکنا نہ جائے مگر کچھ اطلاع دی جائے کہ کون آیا اور کون گیا۔ وزیر صاحب  
کے مکان پر بس کی ہمال تھی جو اس سے ملنے آتا۔ غرض ایک مہینہ تک اس کو  
اپنے مکان پر رکھا۔ روزانہ میں دی۔ مگر کسی کو اس کے پاس پہنچنے نہ دیا۔ ایک مہینہ  
کے بعد اس نے خود ہی اجازت طلب کی کہ میں بہوپال سے باہر جانا چاہتی ہوں۔

تو آپ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ اسی دن بہوپال سے باہر چلی گئی۔  
لوگوں کو معلوم تھا کہ مولانا جمال الدین وزیر بڑے نیک اور سخی ہیں۔ انہوں نے  
اس منڈی کو اپنے مکان پر صرف اس لیے رکھا ہے تاکہ بہوپال کے نوجوان خواتین  
نہ ہوں مگر ظاہر میں ان کا یہ فعل ایسا تھا جو کسی سخی سے نہیں سنا گیا تو شہر میں  
بہت کچھ چوچکیاں ہوئیں جب وہ منڈی چلی گئی تو مدیر بہوپال نے مولانا  
سے پوچھا کہ سننا ہے آپ نے مہینہ بھر تک منڈی کو اپنے مکان میں رکھا اور  
روزانہ نہیں بھی دی۔ فرمایا ہاں صحیح ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ بازار میں  
رہی تو میری ریاست کے نوجوان عورتوں کے گناہ کے تباہ و برباد ہوں گے ان

کی صحت بھی خراب ہوگی اور رقم بھی مٹانے ہوگی تو میں نے اس کو اپنے گھر پر  
ایک دو منزلہ کمرہ دے دیا تاکہ ریاست کا کوئی آدمی اس سے تعلق نہ ہو اور شہر  
کے فضل سے ریاست کی عازرت سے نہیں ملے بہت کچھ روپیہ کمایا ہے تو میں  
نے ریاست کے چرنوں کو بچانے کے لیے ایک مہینہ میں پندرہ ہزار روپے اس  
پر خرچ کر دیئے۔ مجھے یہ رقم کچھ بھی معلوم نہیں ہوئی اور میری ریاست کے آدمی  
اس بلا سے محفوظ رہ گئے۔

زمین پر مولانا کے اس بیان پر بہت گہرا اثر پڑا اور کہا مولانا واقعی آپ  
نے ریاست کی خبر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو آپ نے ایسا کام کیا جس کی طرف  
کسی کا خیال ہی نہیں رہتا پھر مولانا کو ایک بڑی رقم نذر کی اور خلعت شادانہ سے  
نوازا۔ مولانا جمال الدین مرحوم کی نظر اس نکتہ پر پڑی تھی کہ زانیہ کوہدہ دینا افضل  
ہے تاکہ وہ بھی زنا سے باز آجائیں اور سلطان نوجوان بھی اس بلا سے بچے رہیں۔  
انہوں نے اس کا عمل اہل اموال کو اس طرف توجہ نہیں۔ ان کو لازم ہے کہ  
آئینہ کے ذریعہ یہ قانون مسلمانوں کے واسطے پاس کر لیں کہ ہر مسلمان مرد،  
عورت کو سینا، خمیر وغیرہ دیکھا نہ جرم ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کو شہر اس کی  
خبر نہ دے ورنہ عفت اور امتحان جرم ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے زنا کار کی کو  
ذریعہ کبھی معاشی جانا جرم ہے۔

قانونی طور پر ان افعال کو جرم قرار دیا جائے اور ان پر سزائے تازیانہ یا  
قید خانہ مقرر کرائی جائے اور مسلمان ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے  
واسطے ایسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیئے۔ نیز زنا کار خور تویں کو شادی  
پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو، صدقات وغیرات سے ان  
کی خبر گیری کی جائے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک منڈی کا خدایہ  
کو میں نے آپ کی کتاب پیش کی تو فرمایا کہ زنا سے توبہ کر لی ہے مگر سزا

کہ یہ حال دروغ (عظائمات)۔ (آمین)۔

قوله فيه دليل على ان جميع محتاج الدنيا حبة من الله الى قوله  
من الله عينا بها بلا محنة بمنه۔

۵۔ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرنا اہل طریق کا خاص وظیفہ ہے۔  
برکھنے ہام شریعت برکھنے سندان مشق

ہر دو سنا کے دو داند جام و سندان بخت

اہل طریق کو علماء کا ہر سے اسی امر میں امتیاز ہے کہ وہ شریعت  
اور حقیقت دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ علماء کا ہر من شریعت کا اہلدار کرتے  
ہیں حقیقت کا نہیں۔



پیشہ کے میرے پاس کوئی زریر کسب۔ انا کا نہیں۔ دُعا کیجئے کہ میرا اپنا توہم  
قائم رہوں۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ میں تمہارے سامنے دُعا کرتا ہوں اور جب  
تمہاری شادی نہ ہو۔ اسے ماہوار پندرہ روپیہ برابر تمہارے پاس پہنچے تو میرے  
چنانچہ بہت دُور تک یہ رقم جاتی رہی۔

(۱۷۲) مسلمان کے پاس جو کچھ بھی ہے عظیم حق تعالیٰ ہے

حدیث سے معلوم ہوتا کہ دنیا کا تمام سامان جو کچھ بھی (انسان کے پاس)  
ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطیہ ہے۔ خدا تعالیٰ پر کسی کا کچھ حق  
نہیں۔ اس کی دلیل حدیث کا یہ ٹکڑ ہے فیسئلہم ما اعطاهم اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے  
جو کچھ اُسے عطا فرمایا ہے اُس میں اس سے خرچ کرے۔ تو سب کو عطیہ قرار دیا گیا ہے۔  
یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور یہی حق ہے۔

حدیث سے اس حدیث کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کیونکہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کے فعل کو مباح کے سامنے بیان فرمانا اس کی دلیل  
ہے کہ حضور اُس کے اتباع کی ترویج دے رہے ہیں کہ جو مومن کو بھی ایسا ہی  
کرنا چاہیے) اور فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے شریعت اور حقیقت  
دونوں کو جمع کر دیا۔ کیونکہ جب اُس نے صدقہ کی اور فقیر اُس کی بھینٹ سے  
موافق نہ ہوئی (کہ جس کو صدقہ کا مستحق سمجھا تھا وہ مستحق ثابت نہ ہوا) تو اُس  
نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تسلیم و رضا سے کام لیا یہ تو حقیقت پر مبنی عمل تھا  
اور اسی کی برکت سے اُس کا عمل سالم رہا (مناجی نہ ہوا جیسا بعد میں پیام الہی  
نے بتلایا) اور شریعت کا ادب یہ تھا کہ اُس نے صدقہ کا اعادہ کیا اور مین  
بار اعادہ کیا۔

ہر دفعہ میں شریعت و حقیقت کو جمع کرتا رہا اور یہ بڑا بندہ حال ہے جیسا  
پیشہ بھی کئی جگہ بتلایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے بلا مشقت



عرفان چیزوں میں نیکی نہیں کی جاتی بلکہ عورت کو اجازت اور وصحت ہوتی ہے اور ان چیزوں کا دینا مستحب بھی ہے۔ حدیث میں اس شخص کے متعلق جو کسی کو نیک دیر سے وارو ہوا ہے کہ اس کو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس کھانے کو حد تک دے جو اسی نیک سے تیار ہوا ہے۔

شمیر دینے والے کے بارے میں بھی ایسا ہی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی کسی کو آگ دے دے تو جتنا کھانا اس آگ پر پکایا جائے گا اس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور کسی کو ہانڈی دے دے تو جتنا کھانا اس ہانڈی میں پکے گا جب تک بھی پکنا رہے گا اس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق بہت احادیث ہیں جن سے تو حرمی کی چیز کے دینے پر بہت ثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان چیزوں سے انکار نہ کرنا تو مرد جن معاشرت کے بھی غلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاقدم مکادم الاخلاق میں مکادم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ تو عرفان عورت کو ان چیزوں کے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لیے ان چیزوں کا مانگا میوہ نہیں اور ان میں بکلی کرنا سخت میوہ شمار ہو رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حادثی بہ المرأۃ عرۃ کتب لہ صدقۃ۔ جس چیز کے ذریعے انسان اپنی آبرو کو بچائے اس میں بھی اس کو حد تک کا ثواب ملتا ہے۔ مگر یہ کہ مالک یا شوہر کی طرف سے کوئی علامت ایسی پائی جائے جو عرف کے صریح خلاف ہو۔ اس صورت میں اصل پر عمل کیا جائے گا اور عورت کو ان چیزوں کا دینا منع ہو گا یا اسکی مرضی سے نیا دے دینا ہو گا۔

بیان سوال یہ ہے کہ جب مال شوہر کا ہے تو عورت کو کس بات کا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ عورت بھی اپنے شوہر کی خزانچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخازن الذی یعطی ما احسن بہ طیبۃ بفسہ احد المستعدين کجی خزانچی اس چیز کو خوش ہو کر دیدے جس کے دینے کا اسے علم

## حدیث صدقۃ المرأة من مال زوجها

”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انفقتم المرأة من طعام بيتها غير صدقة لان لها اجرها بما انفقتم ولزوجها اجر بما کتب وللغدا من مثل ذلك فانقص بعضهم اجر بعض شيئا“  
(ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خرچ کرے بشرطیکہ گھر کو بر بادی نہ لگائے تو عورت کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کھانے کا ثواب ملے گا اور خزانچی کے لیے بھی جیسا حکم ہے۔ ایک گھر سے کہ ثواب کو خزانچی کم نہ کرے گا۔

شرح: ظاہر حدیث کا مطلب واضح ہے مگر دونوں جگہ مالک کی اجازت شرط ہے۔ کیونکہ کسی کا مال بدون اس کی اجازت کے خرچ کرنا ناجائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لعلی حال احسن المسلمۃ الا مع طیب نفس عند کسی مسلمانہ کا مال بدون اس کی خوشی کے حلال نہیں۔ ہاں اجازت میں زبان سے ہی ہونا شرط نہیں بلکہ عرف و عادت بھی کافی ہے۔ جیسے مائل کو روٹی کا لکڑا دے دینا یا کسی کو تنگ یا آگ پانی دے دینا یا روٹی کے لیے خیر دے دینا کہ

اور اُس میں سے تو ہڈی مقدار کے خرچ کرنے کا اُن کو حکم ہوا ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی میں برکت کا اور اگر خرچ نہ کرے تو عذاب کی وعید ہے اور باقی مال سے برکت کے اٹھ جانے کی وعید ہے۔ پھر بھی حد و ناجہ ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اسی طرح خزانچی جانتا ہے کہ اُس کے قبضہ میں جو کچھ ہے مالک کا ہے اور اگر وہ مالک کے حکم کے بعد کسی کو دینے میں دیر کرے گا مجرم ہوگا اور اگر جلدی کرے گا سہولت سے دے دے گا تو ثواب ملے گا پھر بھی تم بہت کم لوگوں کو ایسا پاؤ گے جو لوگوں کو پریشان کئے بغیر رقم دے دیں۔ کیونکہ اُن کو مال کے ساتھ تحقیق فہمی ہو جاتا ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان جب تک مکر شیطان کے جبر سے بچے نہیں توڑ لیتا اس وقت تک صدقہ نہیں کرتا مطلب یہ کہ شیطان اُس کے مال پر دانت بیٹھنے دیتے ہیں۔ جب یہ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کو روکے ہیں اُن کا منہ توڑ کر یہ صدقہ کر پاتا ہے۔  
(الشیطان یعدکم الفقر ویأسکم بالفشاد واللہ یعدکم

مغفرة منه وفضلاً)

مگر مالک اور خزانچی میں فرق یہ ہے کہ مالک تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اُس کے ہاتھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ قیامت تک اُس کا حساب اسی کے ہاتھ سے دہے گا اور خزانچی یہ سمجھتا ہے کہ مالک اُس کو معزول کر کے اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور اگر مال اُس کے پاس ہی رہا تو اُس کا فائدہ مالک ہی کو پہنچے گا۔ پھر بھی حرص و طمع کی وجہ سے کسی کو دینے میں حیل و حجت نہ ملے۔ اس میں بھی حکیم کی حکمت ہے۔

(هذا خلاصة حاشیہ الشارح فی شرحہ)

ہوا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا (تو عرض کرتے ہو) خزانچی کی طرح صدقہ کا ثواب ملے گا۔ وہی خزانچی کے لیے ثواب کی علت (تو) کیونکہ جب اُس نے خوشی سے دے دیا اور جس کو دینے کے واسطے کیا گیا تھا اُس کو پریشان نہ کیا بلکہ حکم کے ساتھ فوراً ہی دے دیا تو اسے سلطان کا دل خوش کرنے کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ دیر کرنے میں (ایک تو لینے والے کو پریشان ہی ہوتی ہے دوسرے) یہ بھی احتمال ہے کہ دینے والے کی نیت بدل جائے تو دیر کرنا محتاج کے حرمان کا سبب اور جلدی کرنا احسان کا سبب ہوگا۔ کیونکہ دے دینے کے بعد اگر مالک کی نیت بدلے گی تو یہ بہت بعید ہے کہ وہ اُس کے ہاتھ میں سے واپس لینے کی کوشش کرے تو جرحہ خزانچی خوشی کے ساتھ جلدی دے دینے میں مالک کی اعانت نیک کام میں کر رہا ہے اس لیے ثواب کا مستحق ہوگا۔ پھر خزانچی جس قدر سہولت اور جھلت کے ساتھ رقم دے گا اسی قدر لینے والے کو خوشی اور فرحت ہوگی جس سے احسان میں زیادتی ہوتی ہے اور جس چیز سے احسان میں زیادتی ہے وہ بھی احسان ہی کا ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ واضح ہو گیا کہ خزانچی بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (حبیب کہ خوشی کے ساتھ وہ رقم دے دے جس کے دینے کا اُسے حکم ہوا ہے)۔

نیز ایک اور حقیقت بھی ہے وہ یہ کہ نفس انسانی کی فطرت میں حرص اور بخل ہے۔ اُس کے قبضہ میں دنیا کا جرم مانا ہی ہو وہ اُس کو اپنے ہاتھ سے نکال نہیں چاہتا۔ اگرچہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ یہ اُس کی جھلک نہیں ہے، تو جب وہ کچھ خرچ کرے گا ثواب ملے گا۔ کیونکہ خرچ کرنے میں نفس کی طبیعت حالت کی مخالفت اور حکم الہی کی موافقت ہے۔

دیکھو تمام عالم جانتا ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس دنیا کا سامان ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اُن کے ہاتھ میں بطور عاریت کے (اعانت) ہے

(۱۷۳) مخالفتِ نفس میں ثواب ہے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو!

اس حدیث سے توفیق کے طریق کی غوثی (اور فضیلت) ظاہر ہے کیونکہ رائے کامل اسی پر ہے کہ جس کام میں نفس کی مخالفت ہو اور شرعاً ممنوع نہ ہو اس میں ثواب ہے۔ اس قاعدہ کی قواعدِ شرعیہ کے موافق جن قدر بھی حقیق کرو گے انشاء اللہ صحیح پاؤ گے کہیں ٹوٹے صحت نہیں۔ اس لیے اہل طریق نے مخالفتِ نفس کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہے یہاں تک کہ ایک نعرانی راہب نے اسی واسطے اسلام قبول کر لیا کہ اُس نے مخالفتِ نفس کا حکم رکھا تھا تو ایک مسلمان عالم نے اُس کی حیرتِ عبادت دیکھ کر تعجب کیا۔

نعرانی راہب نے اُس سے پوچھا۔ آپ نے یہ حال کیسا پایا؟  
فرمایا۔ بہت اچھا ہے مگر ایک بات کی کسر ہے۔ کہا وہ کیا؟ فرمایا میں یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

نعرانی نے کچھ دیر کے لیے سر جھکا لیا پھر اسلام لے آیا۔ اس پر اُس کے مہربانانے شور کرنے لگے۔ اُس نے کہا۔ بتلاؤ مجھے تمہارے اندر یہ دہرہ کس چیز سے حاصل ہوا؟

سب نے امانتِ قلم کا کہا کہ مجاہدہ اور مخالفتِ نفس کی وجہ سے کہا اس چیز نے مجھے اسلام پر مجبور کر دیا کیونکہ جب اس عالم نے میرے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو میرے نفس نے اسی کو قبول نہ کیا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اسلام حق ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے نفس کی مخالفت سے پایا ہے تو میں نے مخالفتِ نفس ہی کے لیے اسلام قبول کر لیا اور سمجھ گیا کہ اسلام دینِ برحق ہے کیونکہ نفس حق ہی سے جھاگتا ہے۔ اس کے بعد اُس کا سلام بہت اچھا ہو گیا۔

”قوله فيه دليل لحسن طريق اهل الصوفة الى قوله

وحسن اسلامه“

ف۔ اصل مجاہدہ مخالفتِ نفس ہی ہے۔ کیونکہ نفس اکثر شہوات و محرکات کی طرف راغب ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا اور سونا بھی چھوڑ دو کہ نفس تو ان کاموں کی طرف بھی راغب ہے۔ کیونکہ یہ رغبتِ شہوتِ حرام نہیں بلکہ مامور بہا ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں کی محبت اور ولہاری بھی رغبتِ حرام نہیں بلکہ مامور بہا ہے۔ ان چیزوں میں مخالفتِ نفس جائز نہیں۔ البتہ ان میں حدود کی رعایت لازم ہے۔ حد سے زیادہ رغبت میں نفس کی مخالفت کی جائے اور اس کے حدود کا اجمالی علم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واعظ ”حفظ الحدود“ اور ”حقوق الیت“ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے ان کو پیشِ نظر رکھا جائے۔



# حدیث

## امتلاف اموال الناس

بحاری رحمہ اللہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال اس نیت سے (قرض) لے کر اُن کو ہم عمر کر جائے گا اللہ تعالیٰ اُس کو برباد کر دیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سلطان نہ ہو اُس کو قرض لینا جائز نہیں۔ اسی طرح جس کے بیوی بچے ہوں اُس کو اپنا تمام مال صدقہ کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے بال بچوں کا قرض ہم عمر کر کے اُن کو پریشان کرے گا مگر یہ کہ وہ صبر کے ساتھ معرفت ہو اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود خالق سے ہو۔ جیسا حضرت صدیقِ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنا تمام مال صدقہ کر دیا اور مگر پر اللہ اور رسول کے نام کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ اسی طرح انصار نے صحابہؓ کو ترجیح دی (خود تنبیٰ اُٹھائی صحابہؓ کو راضی پہنچائی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے (خواہ اپنا مال ہو یا دوسروں کا) پس کسی کو یہ جائز نہیں کہ عہدہ کے بھاء سے لوگوں کا مال ضائع کرے (یعنی عہدہ کرنے کے لیے لوگوں سے قرض لے اور قرض لے کر ادا نہ کرے۔ عہدہ کے لیے ہی قرض لینا ایسے شخص کو جائز نہیں جس کے پاس ادائے قرض کا سامان نہ ہو۔ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں تعلیق یا معلق کہلاتی ہے اور بخاری کی تعلیقات حجت ہیں جبکہ جہنم کے

ساتھ مذکور ہوں کیونکہ وہ دوسرے طرق سے موصول ہوئی ہیں۔  
 ترجمہ: اگرچہ حدیث کا لفظ عام ہے مگر لوگوں کا مال ایسے سے مراد قرض لینا ہے۔  
 ترجمہ: کیونکہ قرض لینے کی بند شری میں ہیں جن کی بہت لوگ رعایت نہیں کرتے جن کی وجہ سے لوگوں کے اموال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فقہانے قرض لینے کے لیے جو شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں۔  
 (۱) اس کے پاس تناسل سامان ہو جس سے ہر حال میں قرض کو ادا کر سکے۔  
 (۲) یا مضطر ہو کہ اُس پر عین وقت کا خافہ گزر چکا ہے جس کی وجہ سے دوسروں کے مال میں اُس کا حق واجب ہو گیا ہو۔ کیونکہ ایسے محتاج کو اگر کوئی دینے سے انکار کرے تو اُس کو لڑکر اُس سے کیا نہ وغیرہ لینا جائز ہے۔ اگر مالدار مارا گیا تو وہ بُرا مقتول ہو گا اور مضطر مارا گیا تو شہید ہو گا۔ پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ فراخی میسر آنے کے بعد مضطر کو وہ مال جو اُس نے جبراً دوسرے سے لیا ہے وہیں کرنا واجب ہے یا نہیں (اختیار کا قول یہ ہے کہ واپس کرنا واجب ہے اور یہی قرنی حملہ کا ہے) غرض کہ یہ قرض لینے کی چار ضرورتیں ہیں جن میں سے تین جائز ہیں۔  
 ایک ناجائز ہے۔  
 (۱) یہ کہ اُس کے پاس اتنا سامان موجود ہو جس سے قرض کو ہر حال میں ادا کیا جاسکے (رنج زندگی میں بھی مرنے کے بعد بھی) اب تو باتفاق جائز ہے۔  
 (۲) دوسرے یہ کہ اُس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہیں۔ مگر اُس نے قرض دینے والے سے اپنا مال بیان کر دیا کہ میرے پاس اس قرض کے ادا کرنے کا کچھ سامان نہیں اگرچہ میرے پاس آگیا ادا کر دوں گا۔ ورنہ مجھے مسئلہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے جو بعض علماء کا اس کے جزائز میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ ناجائز ہے۔  
 (۳) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو مگر اس میں وہ اوصاف مجتمع ہوں جو صدیق اکبر اور صحابہؓ میں و انصار رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ یعنی

مرد توکل اور کثرت سخاوت اور بدون ضرورت خرچہ کے قرض دے اور ضرورت سے زیادہ قرض نہ لے اس صورت میں بھی قرض لینا جائز ہے۔ قواعد شرعیہ اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو، نہ ضرورت شرعیہ موجود ہو نہ مال و سب سے اپنا مفلاس بیان کرے اس صورت سے قرض جائز نہیں اور یہی صورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو عداوی ہے۔ کیونکہ شرعی ضرورت کو بہت لوگ نہیں جانتے۔ غم ہی میں بلکہ علماء ظاہر بھی نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ قاعدے خود بنا لیے ہیں جو شرعی ضرورت میں شمار کر لیا ہے (شفا مہلک نزل) اور نگر خانے کا جادہ کی کرنا کہ جب) ہم سے کوئی ملے آتا ہے تو اس کو کھانا کیسے نہ کھلایا جائے حالانکہ ممان وہ ہے جو قربات کی درجہ سے ملے آئے یا اس کا مقصد صرف طاقت ہو۔ کوئی اور غرض نہ دیکھی یا دین نہ ہو جیسے طلب اصلاح نفس یا تعلیم و تلقین و ذکر صل کرنا یا کسی مبتدع و غیرہ کے لیے دھار کرنا یا خود و غیرہ کو کئی غرض کے لیے آئے والا سامان نہیں ہوتا اور جو مہمان ہو اسی کے لیے بھی تکلف کرنا اس وقت تک جائز ہے جبکہ وسعت ہو ورنہ جو کچھ گھر میں ہو چرہ چوری ممان کے سامنے پیش کر دینا چاہیے۔ اس سے زیادہ تکلف نہ کیا جائے اور اگر فاقہ ہو تو ممان سے کہہ دیتا چاہیے کہ میرے بیان آج فاقہ ہے تم بھی فاقہ کرو۔ جب خلتانی دے گا ہم بھی کئی نہیں گئے تم بھی کھانا، مگر تم کو کچھ دے کہ علماء بھی ان شرط کا اٹھانا نہیں کرتے ممان تو ذی اور نگر خانے کے لیے قرض پر قرض لیتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے لوگوں کا مال لینا اپنے لیے سزا سمجھتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ ہم مضطر ہیں لوگوں کے مال میں ہمارا حق واجب ہو چکا ہے۔ ہم کو قرض لینے میں کوئی عیب نہیں کیونکہ جو کچھ ہم لے رہے ہیں ہمارا حق ہے۔

اس پر مام بخار دیتی ہے یہ قید بڑھا کر تنبیہ کی ہے کہ بدون سامان ادا کرنے قرض لینا کسی شخص کو جائز ہے جو صبر کے ساتھ معروف ہو۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے

وقت خود اپنے دل سے یہ سمجھ لے کہ میں قرض لے کر نفس کو مجاہدہ میں ڈالوں گا اور لوگوں کے تنگ کرنے پر صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ ان کا حق ادا ہو جائے اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ سب حدیث النفس ہے اور نفس بڑی ضیانت کرنے والا ہے۔ صابر وہ ہے جس کو عام خود پر لوگ صابر کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود اپنے دل سے اپنے کو صابر کہنے لگے اور ضرورت شرعیہ وہ ہے جس کو شریعت کے ہانے والے فقہاء ضرورت کہیں۔ خود تمہارا اپنے دل سے کسی ضرورت کو شرعی ضرورت قرار دینا کافی نہیں) پھر معروف بالعبر ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ صبر ایثار کی شان سے ہو اور ایثار بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا فانی ضرورتوں پر مقدم کرنا ہو۔ یہ نہیں کہ شریعت کے واسطے یا غرض نفسانی کے واسطے صبر کرنا ہو یا مجبوری کا صبر ہو کہ اس کے پاس کچھ ہے نہیں (اس حالت میں صبر نہ کرے تو کیا کرے) اس حالت میں صبر نہ کرنے یا کم صبر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ پان یہ ضرور ہے کہ صبر کرنا، صبر نہ کرنے سے اچھا ہے۔ اگرچہ ایسا صبر کرنے والا مردوں کی صف میں گوارا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو اپن و فانی شمار کیا جائے گا۔

صابر وہ ہے جو صبر کے ساتھ ایثار میں بھی معروف ہو کہ دوسروں کو اپنے خاؤ پر ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقہ اور احتیاج اور تنگی میں مبتلا ہو۔ ان شرطوں کو دیکھو اور ان میں خود کرور کیا اس زمانے میں اُن کا وجود کسی میں ممکن ہے؟ (بالکل نہیں) مگر یہ کہ شاید اور ذرا کسی ایک دو میں ہوں تو ہوں! پس ہم نے جو قرض کی چار محدثیں بیان کر کے تین کو جائز اور ایک کو ناجائز بتلایا ہے یہ فحش تقسیم ہے کیونکہ احکام بیان کرنے والے پر قیامی احکام کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ تمہاں میں سے کوئی ضرورت نادرسی کیوں نہ ہوں جس کا تو قرض ممکن نہ ہو۔ اسی لیے یہ تقسیم بیان کر دی گئی۔ دہ ہلکی حاکم کے اعتبار سے تو صرف دو ہی محدثیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں۔ کیونکہ تیسری ضرورت میں

و غر کے دو رکعتیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے  
ذلیل و رسوا نہ کیجئے۔ پھر فرمایا ہر ایک اٹھا کر دیکھو کیا اُس کے نیچے کچھ نظر آتا ہے ؟  
انہوں نے پوچھا اٹھایا تو اُس کے نیچے بہت مال تھا فرمایا اپنے مال کے برابر لے لو۔  
انہوں نے (شراکیت تو) اُس کو برابر سزا پڑایا۔ تو ان بزرگ کے واقعہ میں چند احتمالات  
ہیں ایک یہ کہ اُن کا (مذق کے بارے میں) حق تعالیٰ کے ساتھ خاص معاملہ تھا انہوں  
نے اُس کے موافق عمل کیا اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے من ذق من  
بابہ فلیزر جمہ جس کو تمس دروازے سے روزی حتی ہوئی کو چٹا دے اور اہل  
توفیق میں بزرگ ان دین اُسے فرمایا ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ فرقی عادت  
کے طور پر کوئی دروازہ خیر کا کھول دیں تو شرعاً اُس کے ساتھ مخصوص ہے (دروہ  
کو اس کی تعظیم جائز نہیں) اور یہ بھی اُنہیں ہے کہ وہ بزرگ مستجاب الدعوات ہوں اُن  
کی دعا قبول ہوتی ہو اور نہ ہوتی ہو اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ساتھ معلوم  
ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا تو اُن کا  
صدقہ قبول ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے صدقہ قبول کر لیا تو وہ حاجت کے وقت  
اپنے بندہ کو کھانے کرنے والے عین حقے حادث و کذا (اور صدقہ کا قبول ہو جانا صدق  
تیت اور ظہر سے معلوم ہو سکتا ہے)۔

پس جس شخص کو یہ حالت نصیب نہ ہو اُس کو ان جیسے بزرگوں کی تعظیم (ایسے  
افعال میں) جائز نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کے حالات (و کمالات) کو تو تسلیم کیا جائیگا  
مگر ان کی تعظیم نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر احترام قریب کیا جائے گا۔ کیونکہ (پہلے  
ائمہ) وہ حال نہیں جو ان اعمال کا سبب ہے۔ اسی لیے بعض اہل طریق کا ارشاد ہے  
جب تم نے اپنے مناسب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور تمہارا دل اُس کے دروازہ  
سے چرٹ گیا اور تمہارا ہاتھ دنیا سے الگ گیا اور تمہارا حال اللہ تعالیٰ کے امر و نہی  
سے منکر رہ گیا تمہارا کوئی حال مرعی الہی کے خلاف نہ بچاؤ تو تم دنیا سے الگ  
ہو اگرچہ دنیا میں گئے رہے۔ غرض صحت حال کی علامت انہوں نے یہ بتلائی کہ

میں حضرت مدنی کبیر اور حضرت صاحبزادہ کے ارشاد کو دلیل میں بیان کیا گیا  
ہے اچانک جان نہیں کیونکہ اُس کی شرطیں اس زمانہ میں عام طور سے منقود ہیں۔  
(حذافہ ما ذکرہ کا اشارہ فرمادہ)۔

(۱۷۱) بلا ضرورت قرض لینا ہی ممنوع ہے جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم  
نے (اپنا دار) دوسروں کا  
مال ضائع کرنے سے ٹوٹنا منع فرمایا ہے تو تم کو اس عوم کی تخصیص کا حق نہیں کہ یوں کہنے  
لو کہ میں تو صدقہ کرنے کے لیے قرض لے رہا ہوں اور یہ اعانت مال میں داخل نہیں۔  
بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ بھی سرسرا اعانت ہے۔ جب تک تم دوسرے کو عانت  
صحت نہ پہنچاؤ کہ میں یہ قرض صدقہ کرنے کے واسطے لے رہا ہوں۔ میرے پاس  
اس کے ادا کرنے کا کوئی سامان بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے پاس کچھ بھیج دیا  
تمہارا قرض ادا کر دوں گا اور نہ مجھ پر کوئی مصائب تیار نہ ہوگا۔ اگر وہ اس پر رضی ہو جائے  
تو خیر و نہ صدقہ کے واسطے بھی قرض لینا جائز نہیں۔

اس میں علاوہ اس کے کہ تم اپنی دانستہ سے شارع علیہ السلام کے عام لفظ  
کو خاص کر رہے ہو ایک علقہ اور مجھ سے وہ یہ کہ تمہارے ذمہ پر تو ایک حق  
لازم ہو گیا اور جو صدقہ تم نے کیا ہے اُس کا قبول ہونا یا نہ ہونا تمہارے حق  
حق ثابت ہو چکا ہے اُس سے ایک مشکوک اور بھی چیز کیونکہ تم کو بری کر سکتی ہے۔  
(پس یہ خیالی لغو ہے کہ اگر قیامت میں قرض دینے والے نے مطالبہ کیا تو میں وہ  
ثواب اُس کو دے دوں گا۔ جو صدقہ سے مجھے ملا ہے۔ کیونکہ ثواب ملنا قبول ہونے  
کی فرع ہے اور قبول ہونا ممکن ہے) تو شرعاً و عقلاً (کسی طرح) یہ صورت جائز نہیں۔  
تم کو اس خطر کی صورت کے ارتکاب پر اُن حکایات سے جرأت نہ کرنا چاہیے جو  
بعض بابرکت حضرات سے منقول ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے زمانے  
میں سخت قحط ہوا تو انہوں نے بہت سامان قرض لے کر اور اس سے قرض خرید کر  
مسکینوں کو تقسیم کر دیا۔ جب مال والے اپنے مال کا مطالبہ کرنے آئے بزرگ نے

ہر ہے۔ ایسی حالت میں بھنوں ٹھہر کر کھا جانا اور بدوں نذرانہ دینے چھے جانا چاہئے کو  
تکلیف ہی دینا ہے۔ چنانچہ بے پاروں کو اپنے مذاق کے خلاف ایک دین کے پاس  
مقابلہ لے جانے کی نوبت آگئی۔

نیں کہتا ہوں یہ بھی غیبت ہے کہ ان بزرگ کو قرین ادا کر کے کی تو فکر ہوئی۔  
مجھے تو اس کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ سمجھ کر کہ ہم نے تو حد کے واسطے قرین  
لیا ہے اگر ادا نہ ہو تو کیا ہے قیامت میں قرین والا مواخذہ کرے گا تو وہ ثواب  
اُس کو دے دیں گے جو حد سے ہم کو ملا ہو گا۔ سبحان اللہ! اور اگر ثواب ہی  
دلا ہو بلکہ عذاب لکھا گیا ہو تو کیا دے دوں گے؟ یہ سب نفس کے ہلنے ہیں ان سے  
وہ گناہ کو بڑا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ہلانے اور بے اودہ  
دلیلیں نہیں چل سکتیں۔

پس سائیکس کو قرین سے بہت بچن چاہیئے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے  
اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کے قریب بھی نہیں جوتا۔ اگر دیکھتا ہو سکے  
تو قرین اپنی وسعت و تمت سے زیادہ نہ کیا جائے اور نگر کر کے جلاواں جائے  
بلکہ حدیث کی وعید سے محفوظ رہیں۔



کہ ہر طرح اور وہی سے بھرا ہوا ہو۔ یہی سب باتوں کا خلا ہے (یہی نقیض کا حامل  
ہے) اور یہی وہ امر حق ہے جس پر تمام اہل مال و مال کا مال (موجودہ علماء متعلق)  
ہیں (سب کے نزدیک کمال اس کا نام ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ادا و وفا ہی کی  
تعمیل میں بدرجہ کمال لگا دے) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کرے جس پر یہ  
الفاظ آوازے ہیں۔ اللہ ولی حمید قرلہ اذا احسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصناعۃ  
مال الخیر کو مالی قرلہ ولی حمید۔

فت۔ حضرت حکیم الامت اور الشرف قد فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک بزرگ  
ہناب کے آئے جن پر چار ہزار روپیہ قرین ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے ایک دین کے نام  
مفادش چاہتے تھے۔ میں نے مفادش کر دی۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کے ذمے کتنا  
قرض کو نگر ہوا؟ کہا میرے یہاں لنگر خانہ ہے جتنے بھی مرید آتے ہیں لنگر خانہ سے  
کھانا کھاتے ہیں۔ پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کھاتے بھی تھے اور نذرانہ بھی دیتے  
تھے۔ اب کچھ دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ لوگ لنگر خانہ سے بھنوں کھانا کھا جاتے  
ہیں اور کچھ دیتے نہیں اس لیے قرض ہو گیا۔

یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ میں نے وہی واسطے اپنے یہاں  
لنگر خانہ نہیں لکھا۔ میں جوتا ہوں اس کو نہ دیا جاتا ہے کہ قیام کی جگہ یہ ہے اور  
طعام کا انتظام فلاں فلاں کرتے ہیں ان سے معاملے کر لو۔ لنگر خانہ کے کون  
یہ دوسرے ٹولے کہ کس نے کتنے دن کھانا اور کس نے کیا؟ اب اگر کوئی مجھے کچھ  
بھی نہ دے تو مجھے دوسرے نہیں آنا اور جو دیتا ہے بڑے نغز سے لیتا ہوں کہ اس  
میں ہر یہ کی شرائط بھی موجود ہیں یا نہیں؟ لنگر خانہ کرنے کے بعد یہ تحریر بھی ہوتا  
ہے کہ ہر یہ میں شرائط و ظروف کی تمت کی جائے اللہ شاد اللہ۔ دیکھئے یہ پیارے  
لنگر خانہ کر کے کس قدر پیشان ہوئے اور مریدوں نے بھی غضب ہی کیا کہ آئے  
کھائے اور وہی دیا کچھ بھی نہیں۔ جب اُن کو معلوم تھا کہ شیخ کے پاس نہ زمین ہے  
نہ جائیداد ہے اور نہ کوئی اور آمدنی ہے، لنگر خانے کا مدار یہی ہے کہ نذرانہ

## حدیث

## الامر بالصدقة علی کل مسلم

ابن مردہ اپنے باپ (مردہ) سے روایت کرتے ہیں (روحی اللہ عنہما) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی (صدقہ کے لیے کوئی چیز) نہ پائے (یعنی مفلس غریب ہو تو وہ کیونکر صدقہ کرے) فرمایا اپنے ہاتھوں سے (کچھ) کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا اگر کوئی (اُس کی بھی طاقت) نہ پائے (اُس کا کوئی دست کاری میں آتی ہو) فرمایا وہ کسی محبت مند پریشان کی حد کرے۔ عرض کیا اگر اُس کا بھی موقع نہ پائے (خواہ اس وجہ سے کہ اُس کے سامنے کوئی محتاج معیبت زدہ نہیں ہے یا جس قسم کی ہرد کی اُس کو ضررت ہے اُس سے یہ عاجز ہے) فرمایا تو وہ نیک کام کرنا ہے برے کاموں سے بچنا ہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔

حدیث کا لفظ ہے کہ اُس میں صدقہ کا امر ہے اور صدقہ کرنے کے شمع کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے اور بظاہر یہ امر استجابی ہے و جوبی نہیں۔ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں بھلا اس کے بدلہ میں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لاحدقة الماھت نلھرق۔ صدقہ نہیں ہے نگران کے بعد۔ اور یہاں ہر مسلمان کا صدقہ بیان کیا گیا ہے تو یہ واجب نہیں نیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی دو رکستوں کی بابت فرمایا کہ وہ اس حد تک گوارا کرتی ہیں (جو یہاں مذکور ہے) جبکہ صدقہ پر قدرت نہ ہو اور اس حدیث کے مضمین پر حضور نے یہ فرمایا ہے کہ نیک کام کرنا ہے برے کاموں سے بچنا ہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے تو یہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ صدقہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ بڑا کام کرنا اور اچھا کام چھوڑنا کسی حال میں جائز نہیں۔ لیکن (یہ بھی کہا جاسکتا ہے) یہاں نیک کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب سے زیادہ ہیں اسی طرح برے کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو کیا کر کے علاوہ ہیں اور ذہانت سے زیادہ کا کرنا اور کیا کر کے علاوہ ہمارے بھی بہنا) یہ صدقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگرچی ہمت بھی صدقہ ہے اور ماستہ سے تکلیف کی چیز بڑا دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بشارت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے۔ اوکھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ دین سارے کا سارا ہی مطلوب ہے۔ فرض بھی اور مستحب بھی اور دونوں کا شریعت میں پورا اہتمام ہے۔ حدیث میں صدقہ کی فضیلت پر بھی دلالت ہے (ہذا خلاصہ ما ذکرہ اشارۃ فی شرحہ)۔

(۱۷۵) تعویف کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہے

(کے طریق) کی بھی دلیل ہے، جنہوں نے اپنے طریق کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہی قائم کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رات کو ان کے گھر میں صدقہ کی کوئی چیز آئے دیکھنا کہ اس سے پہلے پہلے اُس کو خیرات کر دیتے تھے) فیہ دلیل اہل الصوفیۃ الی قولہ من الصدقة المعلومۃ فی بیوتہم۔

(۱۷۶) لوگوں میں فقیہ کم اور غنی زیادہ ہیں سو گروہوں میں (فقیر کم درختی)



زیادہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاق کے ساتھ ہر مسلمان پر صدقہ لازم فرمایا ہے حالانکہ یقیناً بعض ایسے بھی تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں (تو اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ لوگوں میں مال زیادہ رشتی ہوتے ہیں غریب کم اس لیے آپ نے اہل مطلقاً ہر شخص پر صدقہ لازم فرمایا۔ شافعیوں کا خیال ہے کہ اس لیے کیا گیا۔ جب صحابہ نے عرض کیا کہ کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس وقت فقیروں کا حکم بیان کر دیا گیا)۔

بعض علماء نے مساکین کی قلت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ واجبہ میں صرف چالیسوں شخص پر فرض کیا ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ بقدر نصاب مال ہونے پر واجب کیا ہے کہ چاندی یا پانچ اوقہ (دو سو درہم یعنی ساٹھ ہاون تولہ) ہو اور سونا بیس دینار (یعنی ساٹھ سے سات تولہ) ہو اور عظیم رجم (جس کا علم بھی کامل ہے اور دعت بھی کامل ہے) اپنے (غریب) بندوں کے لیے ایسی مقدار مقرر نہیں کر سکتا جو ان کے واسطے کافی نہ ہو حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے الا لیصلہ من یصلہ وہو علیین کیا جس نے یہاں کیا ہے وہ بھی نہ جانتا کہ وہ بڑا یا کم ترین اور بُری طرح یا خیر ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے کو معلوم تھا کہ مساکین کم ہوں گے اور یہ بھی معلوم تھا کہ (جتنے بھی ہوں گے) ان کو (اغنیاء کی دولت کا) چالیسوا حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرض کر دی گئی اور اغنیاء سب کے سب اس مقدار زکوٰۃ کو جو مدتہ تعالیٰ نے ان پر واجب کی ہے نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

قرآنہ ذیل علی، لا یسلطہ فی الناس اغلب الی قولہ

ما استاجب حکم لان یسل احدہ۔

ف۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ تو یقیناً صحیح ہے کہ اغنیاء مسکین کی دولت کا چالیسوا حصہ اور زمینداروں کی ہیر وازمین کا عشر عشر یا مسکین کے لیے کافی

ہے اور اگر اغنیاء زکوٰۃ و عشر نکالتے رہیں تو کسی مسلمان مسکین کو بیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں مسلمانوں میں فقیر کم اور اغنیاء زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت فقیر زیادہ ہوں اور اغنیاء کم مگر ان کی دولت اتنی زیادہ ہو کہ اس کی زکوٰۃ اور عشر تمام فقراء کے لیے کافی ہو جائے۔

پس اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء باقاعدہ پوری زکوٰۃ اور عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض اغنیاء میں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے جاری رہا ہے۔ اس کی یہ صدیوں سے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کے اشتراط سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیک مانگنے کو عیب سمجھنے کے بجائے بُتر سمجھ لیا اور اس کو مشتعل پیشہ بنا لیا ہے۔ ان کو لاکھ کما جائے کہ پٹے کٹے تندرست آدمی کو بیک مانگنا مزہ نہیں۔ تم کو مزدوری کرنا چاہیے یا دستکار کی سیکہ کر بیٹ پالنا چاہیے مگر ان کی عقلیں منہ ہو گئی ہیں وہ بیک مانگنے ہی کو بُتر سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مالداروں کی قیامت کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے اور ہر گز ہزار ہا روپیہ جمع کرنے کے بعد بھی بیک مانگنا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ جب وہ مرتے ہیں ان کی جو پٹریوں میں سے ہزار ہا روپیہ نکلتا ہے۔ پس ان کو غریب اور فقیر سمجھنا غلط ہے اور ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا دقہم بر باد کرنا ہے۔ پس مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا انتظام کرنا چاہیے پھر ہر شہر اور ہر قصبہ کے افراد کو اپنی بستی کے فقراء کی تحقیق کرنا چاہیے تحقیق کے بعد زکوٰۃ دی جائے اور ان سے کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کی دقہم کے بعد دوسرے ہی پر نہ دو بلکہ پونچھ اس وقت تم کو دیا جا رہا ہے اس سے تجارت یا اور کوئی کاروبار شروع کرو۔ تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانے کے فقراء ایسے ہی تھے وہ ایک دفعہ زکوٰۃ لے کر اس سے کاروبار کرنے لگتے تھے۔ البتہ قسیم پتے اور عوہ

دیکر اپنے کو نفع پہنچانا مقدم ہے کیونکہ سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے اور اہم کو مقدم کرے۔ اس کے بعد صدقہ کرے۔ پھر یہ لفظ انسان کی تمام ضرورتوں کو عالم سے خواہ اس کی فست سے متعلق ہوں یا اہل و عیال سے یا اپنے گھر کی حاجت سے جو عادت بشر کو لاحق ہوتی ہیں بشرطیکہ شریعت کے موافق ہوں کہ یہ قید تو تمام حالات میں لازم ہے۔ و فیہ دلیل علی فضل انکب الی قولہ فان هذا اصل فی کل ما صدقہ۔

**ف۔** تم دیکھتے ہو کہ شریعت میں صدقہ کا کس طرح اہتمام ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ بھی اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرے اور اپنی حاجت کو پورا کر کے کچھ صدقہ کسے اس کی وجہ ایک تو یہی ہے کہ شریعت مسلمانوں کے اغلاس کو مودہ کرنا چاہتی ہے۔ شریعت اس کو گونا گویا نہیں کرتی کہ ستر درست ہٹا کٹ آدی ہو دوسروں کے ہاتھ کو دیکھے بلکہ اُسے خود کسب معاش کرے دوسروں پر صدقہ کرنا چاہیے۔ اگر تندرست مسلمان اس پر عمل کرے لگے اور کوئی بھی بیمار نہ رہے کسی دیکسی کام میں لگ جائے خواہ مزدوری ہی کرنے لگے یا جنگل سے گھاس اور کلتری کاٹ کر بیچے یا اور کوئی محنت و حرفت اختیار کرے تو یقیناً مسلمانوں میں شیک مانگنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ صدقہ کے اہتمام کی یہ ہے کہ اس سے نکل کا مادہ نکل جاتا اور سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص صدقہ کا اہتمام کرے گا اور روزانہ کچھ نہ کچھ خیرات کرنے کا التزام کرے گا تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُس میں سخاوت کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ جو اخلاقی عیدہ میں اخلاقی درجہ کی صفت ہے۔ نیز صدقہ کی عادت سے دنیا کی محبت بھولنے سے نکل جائے گی اسی لیے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ سخاوت زہد کا دوا زہ ہے بلکہ وہی عین نہ رہے۔ صدقہ کا اہتمام وہی کرتا ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت ہو بھی تو صدقہ کی عادت سے انشاء اللہ دل اس گندگی سے پاک

عمر میں یا بزرگی اور پانچ مجوزا زکوٰۃ کے عرصہ پر پہنچتے تھے جن میں سے شہیم بچے تو تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر عیب مانے ہو جاتے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بڑے عورتیں دوسری شادی کو عیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دلوں کے بعد زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا دواج پوری طرح ہو جائے تو بڑے عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ اور خیر ہرے کے پانچ اور مسند کی تعداد زیادہ ہیں۔ اس طریقہ پر انظام کے ساتھ عمل کیا جائے تو یقیناً مال دار اور زمین دار مسلمانوں کی زکوٰۃ و عشر مسلمانوں کا اغلاس دور کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔

(۱۶۷) **کسب معاش کی فضیلت** حدیث سے کسب معاش کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو اور اُس سے دین میں مدد ملے جو نفع فعلیہ بعد اس پر مال ہے جس سے ان تمام مفقودات کو جو مضموم ہو تھامے جو ہاتھ سے کی جاتی ہیں بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ حدیث میں یہ بھی بتلایا گیا کہ اپنی ضرورت کو صدقہ پر مقدم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ ارشاد ہے بعمل بیدہ فیمنغ نفعہ ویتصدق (جس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے پھر اپنے کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ تو حضورؐ نے دستکاری کے بعد اپنے کو فائدہ پہنچایا پہلے بیان کیا پھر صدقہ کو بیان کیا۔ اس میں تم غور کرو گے تو عجیب اشارہ پاؤ گے۔ کیونکہ اگر آپ صرف اتنا کہ دیتے عمل بیدہ ویتصدق کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور صدقہ کرے تو صحابہ کے سوال کا تو جواب ہو جاتا۔ کیونکہ وہ تو صدقہ ہی کے ہاتھ میں مل کر رہے تھے مگر کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ بس میں تو صدقہ کرنے کے واسطے کام کروں گا اور خود اپنی دست کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کروں گا جو وہ دیں گے لے لوں گا۔ حضورؐ نے فیمنغ نفعہ بڑھا کر بتلایا

ملے گا۔ پس وہ ٹرسے گا مومن سے بچتے رہیں۔ اور یہ تسلی دینی ہی ہے جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ فقہاء اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہالدار (صحابہ) صدقہ کی وجہ سے ہم پر بہت بے گئے (ناراض) روزہ وغیرہ تو وہ بھی کرتے ہیں، ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ صدقہ بھی کرتے ہیں اور ہم اس سے عاجز ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو ایسی بات بتاتا ہوں جو صدقہ سے بھی (تبار سے واسطے) بہتر ہے۔ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار ایشاء اکبر اور ۳۳ بار ایشاء اللہ کہو اور لا الہ الا اللہ صدقہ لاشریک لہ والملك ولا اله الا اللہ کو علی کسی شکل (تبر) کہہ کر سو کا عدد پورا کر دیا کرو یہ (صدقہ سے بھی) بڑھ کر ہے۔ اغنیاء صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بھی ہر نماز کے بعد یہ عمل کرنے لگے۔

فقہاء میر حضور کے پاس آئیں کہنے اور کہ یا رسول اللہ! اغنیاء دینے تو وہ عمل بھی شروع کر دیا (جو آپ نے خا من ہم کو بتلایا تھا) حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرے (یعنی اب تم کو یہ توفیق نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فضیلت دے دیں، ولا تخفوا ما فعل اللہ به بعضکم عن بعض) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ شریعت ہم سے پورے دین (پر عمل) کا مطالعہ کرتی ہے قوانین کا بھی نوا مل کا بھی اور سجدت کا بھی۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ آؤنا فرض کو مقدم کیا جائے پھر سجدت و فرائض میں جو عمل ہو اس کو اختیار کیا جائے اور جو سب ہی کو بھی لائے (سبحان اللہ) اس کے کیا کہنے ہیں اور جو سجدت میں سے ادنیٰ کو بھالائے اعلیٰ کو چھوڑ دے اس نے پسندیدہ طریقہ کو چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ خیر سے محروم نہیں ہو گا اور جو فرض سجدت میں سے کچھ بھی نہ بھالے اس نے اپنے کو بہت خسارہ میں دکھا تو اب وہ ٹرسے گا مومن ہی سے بہت رعب اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ کیا تو اس کے ہاتھ سے دین جاتا۔ ہاں اس کے پاس دین کا کوئی نشان نہیں۔ نساں اللہ! اعانہ ہستہ۔ قرلہ مخفہ و

ہو جائے گا وجب الدیاد اس کا خطبہ، دنیا کی محبت ہی تمام گن ہوں کی جز ہے۔ جب یہ دلی سے نکل جاتی ہے، پھر گن ہوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

(۱۷۸) نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے (حدیث کا مفہوم تمام انواع کے بعد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس کا نفع متعدی ہے جب اس سے عاجز ہو تو اس کے قریب یا اس کے قائم مقام کی ترغیب دی کہ (ہاتھ سے) کام کرے پھر خود بھی نفع حاصل کرے صدقہ بھی کرے کیونکہ اس کا نفع بھی متعدی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے تو اس کے قائم مقام اس امر کی ترغیب دی کہ کسی عاجت مند پریشان کی مدد کرے اور اس کا نفع بھی متعدی ہے) اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نیکے کاموں میں ان جیسا دن کے برابر کوئی کام نہیں۔ لیکن جو معروف یعنی جو بھلائی بھی ہو سکے کرے۔

معروف سے مراد وہ عمل ہے جو شرعاً پسندیدہ اور مستحب ہو اگرچہ اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں کے دستانے میں سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے یا چاق کدو کرکٹیں پڑھ لیا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مستحب کام سے خالی نہ رکھے۔ کوئی مستحب کام (فرائض و واجبات سے زیادہ) کر لیا کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو (معمولی ہی درجہ کا ہو) کیونکہ اس میں بھی صدقہ دین کی ثواب ہے اور اگر تم کسی مستحب پر بھی قدرت نہیں رکھتے تو کہہ دو شریعت کو کہ جانا لینے بڑے کاموں کو جو شرعاً ممنوع ہیں چھوڑ دینا جب صدقہ سے اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تسلی دی ہے جو فرائض و واجبات سے زیادہ (سجدت کے بھالانے سے عاجز ہوں) بشرطیکہ واقعی عاجز ہوں خواہ (عاجز بننے نہ ہوں) کہ ان کو شریعت بچنے میں بھی ثواب

الحديث على هذه التوقيعات الى قوله نساى الله العافية -

فت ہ حوفی اور فہام میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ کائنات متعدی لازم سے افضل ہے۔ اکیسے اُن اعمال کو افضل کہتا ہے جن کا نفع متعدی ہے۔ مگر یہ بھی لینا چاہیے کہ یہ قاعدہ مستحبات و فرائض میں ہے۔ فرائض میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ زکوٰۃ نماز سے افضل ہو جائے گا کہ بالاتفاق ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل نماز ہے حالانکہ اُس کا نفع لازم ہے اور زکوٰۃ کا نفع متعدی ہے۔ مگر فرائض میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں۔ یہ قاعدہ مستحبات میں ہے کہ جس مستحب کا نفع متعدی ہو وہ اُس سے افضل ہے جس کا نفع لازم ہے اور مستحبات میں بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر ہے کہ بعض دفعہ شیخ بمقرطالبتی کے لیے اُن اعمال کو ترجیح دیتا ہے جن کا نفع لازم ہے۔ اس کو دیکھتی سمجھتا ہے جس کو امرائے قلب پر پوری نظر ہے وہ جانتا ہے کہ جس شخص کی اصلاح نفس پوری طرح نہیں ہوئی اس کو نفع متعدی کا اہتمام مفید نہیں ہوتا بلکہ عجب و کبر کا سبب بن جاتا ہے اس لیے جتنی ملوک کو ضرورت خلق کے خیال سے بھی روکا جاتا ہے۔

جیسا بعض لوگ ذکر و شغل و اصلاح باطن میں اس قصد سے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے۔ یہ خیال عجب و سیر سے پیدا ہوتا اور اُس کو بڑھاتا ہے۔ جتنی ملوک کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیے یہ وسوسہ بھی نہ لانا چاہیے کہ بعد میں دوسروں کی اصلاح کرنی گا۔ اسی طرح اس کو واعظ کہنے سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعظیم و تکمیل سے اُس کا دماغ غراب ہو جاتا ہے و اعظا میں غلو پیدا نہیں ہوتا۔

وہ ایسی تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے جس سے لوگوں میں تعریف ہو نام مشہور ہو تو ایسا نفع متعدی کس کام کا جس میں اخلاص نہ ہو۔ جملہ اعمال کی مدوح اخلاص ہے۔ اگر اخلاص نہیں ہے تو عمل مقبول نہیں خواہ اُس کا نفع لازم ہو یا متعدی۔

میں نے حضرت حکیم الامت نور الدین قادری سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دیوبند کانپور میں خدام کے اہرام سے وعظ کے لیے کھڑے ہوئے۔ اُس وقت اتفاق سے کسی مسئلہ منطقی کی تقریر در بیان میں آگئی۔ حضرت مولانا نے اس مسئلہ کی ایسی تشریح فرمائی کہ علماء و منطق نے بھی مدحی ہوئی۔ استاد تقریر میں ایک بہت بڑے منقول عام تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا کی نظر جو اُن پر پڑی فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ گئے۔ جب جلسہ منظر ہو گیا تو ایک بزرگ نے عرض کیا کہ آپ نے غلام صاحب کے آئے پر تقریر کیوں بند کر دی؟ یہی قوسح اس تقریر کا تھا تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ علما دیوبند منقول و منطق میں بھی کسی سے کم نہیں۔ فرمایا ہاں یہی خیال تو میرے دلی میں بھی آگیا تھا کہ اب موقع بھائی لیے تقریر بند کر دی۔

مطلب یہ تھا کہ جب و عطا میں اس خیالی سے کوئی تقریر کر جائے کہ اب موقع ہے اب میں غلو کو بھی ہمارا کمال معلوم ہو گا تو غلوں کہاں باقی رہا۔ اس وقت تقریر بند کر دینا چاہیے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات اہل اقلوب تھے نفس کے مکد کید پر ہر وقت اُن کی نظر رہتی ہے۔ اگر ہم جیسے ہوتے تو کسی کی سی تاویل سے غلوں کا دعوے کر لیتے اور تقریر بند کر دیتے۔ شادی می تاویل کر دیتے کہ ہم اپنا کمال نہیں ظاہر کر سکتے بلکہ اپنے بزرگوں، درویشوں کا کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تاویلیں نہیں چل سکتیں۔

خلق را گیرم کہ بفسر ہی تمام در غلط اندازی تا مہر خاص و عام با خدا تدبیر و میل کے رفاست

کار باورداست پایہداشتن رایت اخلاص و صدق فرشتن

پس صدق کرنے والے کو بھی اخلاص کا اہتمام کرنا چاہیے اسی لیے صدق و نافذ کو چکار دینا افضل ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

پریشان ہو تم میں کسی تسلی و تعزیت کے لیے اور ہر آدمی کی باتیں کرنے لگو اور اس کا کام غلط کر دو قرآن کو کس قدر راحت ہوگی۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی مالی امداد نہ کرے وہ ان طریقوں سے کسی پریشان آدمی کی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام کرے تو اس کو بھی حدیث کا ثواب ملے گا۔

پہلے بزرگوں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا اندھوٹی میں لائقیت تھی۔ ایک دفعہ آپ پیادہ سفر کر رہے تھے اور عادت کٹر پیادہ سفر کرنے کی تھی۔ راستہ میں ایک بوڑھے کو دیکھا سر پر لکڑی لادے ہوئے جا رہا ہے۔ اور بوچھل کے وجہ سے سانس بھول رہا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور اس سے کہا بھائی تم تنگ گئے ہو۔ لاؤ کچھ ڈور۔ تنگ ہیں یہ بوجھ سے لوں۔ اس نے مقدس صورت دیکھ کر کہا کہ تم بھی تو بوڑھے ہو مجھ سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مگر میں خالی ہاتھ سفر کر رہا ہوں اس لیے تم سے زیادہ تھکا ہوا نہیں۔ اس نے کہا مگر تمہاری صورت شریفہ نہ ہے تم نے بوجھ اٹھانے کا کام کیا ہوگا؟ فرمایا میں بھائی کام تو سب ہی کو کرنا پڑ جاتا ہے غرض بہت اہل کے ساتھ اس سے لکڑیوں کا بوجھ لے کر اس کے گھاؤں تک پہنچایا۔ اس کا گاؤں ایک دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ راستہ میں باتیں ہونے لگیں تو وہ بوڑھا پوچھتا ہے کہ کیا تم مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی جانتے ہو جو کاندھل میں رہتے ہیں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ کہا مجھے اُن سے ملنے کا بہت ہی شوق ہے۔ نہ معلوم وہ آج کل کاندھل میں یا کہیں باہر ہیں۔ جب اُس کا گاؤں آگیا اور اُس نے آپ کے سر پر سے بوجھ اتار لیا اُس وقت فرمایا کہ بھائی مظفر حسین تو میرا نام ہے کاندھل رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں لوگ مولوی مظفر حسین بھی کہہ دیتے ہیں۔ میں کہ بوڑھا بیروں میں گر پڑا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کیا حرج ہے۔ مسلمان مسلمان کے کام کا ہی جانا ہے۔ یہ بھی حاجت مند پریشان کی حدیث کی ایک صورت ہے۔ اور تم سوچو گے تو

(تنبیہ) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے۔ علانکہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد کرنے میں ملتا ہے۔ خواہ حاجت مند جو یا نہ ہو۔ کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اہلہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے۔ جو آپ یہ سب کہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد میں ملتا ہے مگر جب محاسبہ صدقہ کی افواہ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اُن کو ایسے اعمال بتا دیں جن کا ثواب صدقہ کے برابر ہو۔

موتی ہر سچے کی حاجت مند پریشان کی مدد میں ثواب زیادہ ہے اگر حاجت مند نہ ہو تو ثواب کم ہے۔ اور حاجت مند ہو پریشان نہ ہو جب بھی اس قدر ثواب نہ ہوگا جتنا حاجت مند پریشان کی مدد میں ہے۔ پس اس صفت کے زیادہ ہونے سے حد کا ثواب اس قدر ہو گیا کہ صدقہ فیتہ ہونے کی تلافی ہو جائے گی۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہاں مدد سے مراد مالی امداد نہیں کیونکہ یہ عمل اُس شخص کے واسطے بتلایا گیا ہے جو صدقہ مالیر سے بالکل عاجز ہے۔ مدد سے یہاں مراد یہ ہے کہ پریشان آدمی کو پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتلادیا جائے اگرچہ اپنے پاس سے کچھ نہ دو۔ مثلاً اُس سے یوں کہہ دو کہ میں تم کو ایک صورت بتا رہا ہوں جس سے یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ تاکہ کتنے سے ہی پریشان آدمی کو اس درجہ خوشی ہوگی کہ صدقہ لینے سے نہ ہوتی۔ مثلاً ایک آدمی راستہ میں گیا ہے تم اس سے کہو کہ آؤ میں تم کو اُس جگہ پہنچا دوں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ یقیناً تم کہہ دو کہ تمہاری اس بات سے سب سے حد خوشی ہوگی یا کسی ہر متمدن کا تم ہو گیا ہے تم اس سے کہو کہ میں تم کو فلاح نہیں کہ پاس پہنچانے دیتا ہوں وہ تمہاری سفارش حاکم سے کر دے گا۔ خود کو پناہ دے کہ اتنا کہنے سے پریشان آدمی کو کس قدر تسلی ہوگی یا کسی کا کوئی عزیز قریب مر گیا ہو اور وہ اُس کے غم میں

اور بہت سی خصوصیات سمجھ میں آ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ اپنے حاجت مند پریشان بھائیوں کی پریشانی دُور کرنے کی تدبیریں سوچا کریں اور ان کی مدد کی کریں۔ اگر سب مسلمان بھائیوں میں یہی ایک وصفت پیدا ہو جائے تو ان کے دن پھر جہاں اور یہ ضرورت حال بدل جائے جو اُس وقت اپنا دُور ہوا کی حرج منقطع ہے جس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہر شخص کو اپنی فکر سے دُوروں کی فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی طرف کا بندہ ہے۔ اپنی ذاتی منفعت کو قوم کی منفعت پر مقدم کرتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ مرض موجود ہے وہ کبھی دُنیا میں عزت و راحت حاصل نہیں کر سکتی۔

(۱۷۹) دُوروں کو پریشان کرنا گناہ اور خود کو پریشان کرنا ثواب ہے

اس جگہ ایک بات پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ شریعت کی حکمت میں خود کو دُور کروانا درست پہنچانا اور ان کا دل خوش کرنا ثواب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کیا جائے اور دُوروں کو ضرر پہنچانا اور پریشان کرنا گناہ ہے مگر خود اپنے نفس کو پریشان کرنا اس کو مجاہدہ (اور مشقت میں ڈالنا) ثواب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا جائے۔ چنانچہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے (بطور حجت کے فرمایا تھا وزعرا بالظہر قلبہ فان ذلک مما یرضی دلت۔) اپنے دل کو خوف سے مجرہاڑتے دیکھو کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ خود کروا میں کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم پہلے کئی بار کہ چکے ہیں کہ مکہ کوئی کام بدون حکمت کے نہیں کرتا (تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہے) چنانچہ اس کی حکمت ظاہر بھی ہے اور غفی بھی۔ وہ یہ کہ (واللہ اعلم) اگر تم اپنے آپ کو خوش کرو گے اگرچہ یہ دُورانی بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کرنا ہے تو یہی نفس کے دسیور (اور غفی کید) سے بہت کم سالم رہو گے کیونکہ اس

میں نفس کو خطا حاصل ہوتا ہے اور جس عمل میں منہ نفس شامل ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا بہت دشوار ہے۔ اس لیے اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب نہیں بلکہ اس کو مجاہدہ و مشقت میں ڈالنا ثواب قرار دیا گیا) اور یہ سزا دینے کی جس سے ہے جو کہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جو چیز کسی وقت شر کا ذریعہ بننے لگے اس کو شروع ہی سے روک دیا جاتا ہے یہ میں کہ ذریعہ بننے کے وقت منع کیا جائے اور پہلے جاننا کرنا جائے) اس کی ایسی مثال ہے کہ حق تعالیٰ نے نگہ کو نہنگ رکھا کہ وہاں کھیتی نہیں ہوتی اور وہاں تک پہنچنا بھی مشقت سے خالی نہیں تاکہ وہاں جاہ اور قیام کرنا خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کیونکہ اُس میں (دنيا ہر) کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس (کی لذت اور حرام) کے مناسب ہو اور اگر برکس معاملہ ہوتا کہ کچھ سرسبز اور شادابی اور دلکشتی و نوا کے میں دمشق جیسا ہوتا تو وہاں جانا اور قیام کرنا خالص عبادت کے لیے نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کی سرسبزی میں منہ نفس اور تفریح بھی شامل ہو جاتی (اسی طرح یہاں سمجھو کہ اپنے نفس کو خوش کرنے میں جو کہ خطا نفس کی بھی آمیزش ہے اس لیے اُس میں ثواب نہیں بلکہ دُوروں کو خوش کرنے میں ثواب ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فیروز کو خوش کرنا اگر خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو تو اُس میں نفس کو کچھ نہ کچھ تعب ضرور ہوتا ہے۔ کم از کم یہی بات ہے کہ ہر شخص کا دل ہر قسم کی بھلائی کو اپنے واسطے چاہتا ہے تاکہ اس سے اب گمراہی کے لیے ایشاد کرے گا اور اس کو کچھ بھلائی دینا چاہے گا) تو دل پر تعب ہوگا اور یہ (دل کا) تعب ظاہر کے تعب سے کچھ زیادہ گہرا ہے۔ تو (اس صورت میں) عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگی اور عبادت کی جڑا خالص ہی تو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: غفصین۔ اے امدیت کہ اللہ کے لیے غفصین کے ساتھ عبادت کا امر کیا گیا ہے) تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے غفصین کے اسباب بھی بتلا دیئے تاکہ اس کی برکت سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مسلمان کو خوش ہونا چاہیے اور کچھ اللہ ہر مسلمان کو اس کی خوشی کے وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا وارث اور اس کے آخری پیغمبر کا امتی ہے۔ مگر یہ خوشی وہ نہیں جس سے یہاں بحث ہو رہی ہے۔ یہاں ایسی چیز پر خوشی مراد ہے جو کسی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے اپنا علم و عمل و عبادت وغیرہ۔

اور حدیث میں سترت سے مراد وہی سترت ہے جو بے اختیار نہنگل سے ہٹا کر کرتی ہے۔ جیسے جٹ ہٹے ایک قسم کی پریشانی اور وحشت و رنگ بھی ہر مسلمان کو ہے اختیار ہو تا ہے۔ غرض حدیث میں سترت اختیار ہی مراد نہیں اور شارح کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی خاص حالت سے اپنے نفس کو قصد اغوش کرنے میں ثواب نہیں۔ اس پر کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کیونکہ بعض دند اپنی کسی خاص حالت سے بھی اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی پر بحالت قبض حزن و غم یا خوف کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ یا اس کے قریب حالت پٹخ مائے اس وقت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو خاص اپنے اوپر ہیں سوچ کر دل کو خوش کرتا اور یا اس کو ڈر کر سکے جا کی کیفیت پیدا کرنا ثواب ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت سے یا اس اور نا امید کی گھر ہے اور رجا ایمان ہے تو جو خوشی کلمہ سے بچا کر ایمان کی طرف لائے قینا اس میں ثواب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو اپنے ساتھ مخلص میں سوچا اور ان سے خوش ہونا ثواب ہے۔ کیونکہ یہ خوشی غلبہ محبت الہی کا ذریعہ بن۔ یہی ہے جو کثر فرما مطلوب ہے یہی وہ احوال ہیں جن کے لیے شیخ محقق سے وجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہی کچھ سکتا ہے کہ کس کے لیے اپنے دل کو خوش کرنا ثواب ہے اور کس کے لیے اپنے نفس سے مجاہد کرنا ثواب ہے۔

ف۔ اوپر کہا گیا ہے کہ کون کون ایسی چیزیں جو نفس کی لذت

مدد پہنچے۔ اسی لیے یمن بن ازیق رحمتہ اللہ علیہ نے جو دونوں جماعتوں کے بڑے ہیں (علماء کے بھی حویلی کے بھی) فرمایا ہے کہ میں نے عبادت کے معاملہ میں نظر کی تو غربت (یعنی گھر چھوڑنے) سے زیادہ کئی چیز کو اس میں عین نہیں پایا۔ کیونکہ وطن اور اہل و عیال اور ہمسایوں کے پاس رہنے میں نفس کو بہت سے موانع (اور مخلوط نفسانہ) پیش آتے ہیں (جو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے ہیں) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر وطن سے دور رہنے میں میرے دین کی اصلاح ہو تو اللہ تعالیٰ وطن اور اہل و عیال (کے پاس رکھ کر) اپنے سے مجھے متوش رکھے جبکہ میری محنت (اور توجہ) اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے اور میرا ارادہ اپنے دین کی درستی کا ہے۔ قُلْ وَهَذَا بَيْنِي وَهَذَا الْمَنْعُ الرَّغْبَةُ الشَّرْعِيَّةُ قُلْ وَهَذَا بَيْنِي وَهَذَا الْمَنْعُ الشَّرْعِيَّةُ

ف۔ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ وَهَذَا بَيْنِي وَهَذَا الْمَنْعُ الشَّرْعِيَّةُ فلیفر جو احوال مدد جمع ہوں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن ایسی چیز ہے پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس نعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے اور اس کو دولتِ عظیمہ سمجھ کر لینا چاہیے وہ اس دنیا سے بدرجہا ستر ہے جس کو ملے کر رہے ہیں اس آیت میں نعمت قرآن سے خوش ہونے کا امر ہے اور جس بات کا امر ہو اس کے بھالانے میں ثواب یعنی ہے۔ تو اپنے نفس کو خوش کرنے میں بھی ثواب ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے اذا صرثت حسنہ صرثت و صاء صرثت صرثت فانت صرثت جب تم کو اپنے نیک عمل سے خوشی ہو اور اگر تم سے کام سے رکھا ہو تو تم مومن ہو۔ اس میں نیک عمل سے خوش ہونے کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے اور ایمان کی علامت کا مطلوب ہونا اور عمل مطلوب پر ثواب کا ہونا ظاہر ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں تو قرآن سے اور اسلام سے خوش ہونے کا امر ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے جس سے ہر

چلا آ رہا ہے۔ ممکن ہے اُس وقت حجاج کی شمار کم رہی ہو مگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج واداع کے بعد سے تو آج تک حجاج کی شمار ہر سال ماکہ و مکہ لاکھ سے کم نہیں ہوتی۔ اب سوچو کہ جن مقامات پر ہزاروں برس سے اس قدر بے شمار کنگریاں پڑتی چلی آتی ہیں وہاں تو ان کنگریوں سے پہاڑ بن جاتا۔ مگر مشاہدہ ہے کہ شام تک کنگریوں کا جس قدر انبار عظیم نظر آتا ہے یہ کنگریاں کون اُس کا نشان بھی باقی نہیں رہتی۔ تھوڑی سی عدد دے چند کنگریاں بڑی رہ جاتی ہیں باقی سب غائب ہو جاتی ہیں شاید تم کو کہ حکومت نے اُن کے اٹھوانے کا انتظام کیا ہو گا۔ ہرگز نہیں! کسی کا دل چاہے تو رات دن پیرہ دے کر دیکھے اُس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حکومت کی طرف سے اُن کے اٹھوانے کا کوئی بندوبست نہیں۔ پھر یہ کنگریاں کہاں چلی جاتی ہیں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جو قبول ہو جاتی ہیں اُن کو فرشتے اٹھا لیتے اور جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور جو قبول نہیں ہوئیں وہ یہیں رہ جاتی ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے جو زمانہ رسالت سے اب تک باقی ہے اور جب تک خدا تکبر کا کالج ہوتا رہے گا باقی رہے گا۔

**ف۔** ادب امام یحییٰ بن زرق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مذکور ہوا ہے کہ اصلاح حال اور عبادت کے معاملہ میں غربت یعنی گھر چھوڑنے سے زیادہ اُنہوں نے کسی چیز کو معاون نہیں پایا۔ یہ وہ چیز ہے جس پر اس نہ مانے میں عہدِ انبیاء کے صلہ کو کہہ سکتے ہیں ہمارے یہاں قبولِ پردہ ہوتے ہیں اور مرد و مرسلہ کم۔ پس وہ جو کچھ سے ہر سال کئی شے اور عام روزہ نبوی کے نام سے ایک اشتہار شائع ہوتا ہے وہ باطل فطرت اور اسرارِ حق ہے۔ یہ نہ تو کوئی بیکار شے اور عام روزہ نبوی نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ کس طرح حرکت ہے جو ہر سال جو کچھ اشتہار شائع ہوتا ہے۔ مسکون کو اس پر ہرگز فرق نہ کرتا چاہیے اور جس کو یہ اشتہار نہ

اور نوا کے مناسب ہو۔ میں نے یہاں بظاہر کہ قید اس لیے بڑھادی ہے کہ باطن میں جمالی کعبہ معتقد اس قدر کشش اور دلربائی رکھتا ہے کہ جب مومن کسی اُس پر پہلی بار نظر پڑتی ہے تو سفر کا تمام تکیان جاتا رہتا ہے۔ اور اُن تمام مشقوں کو بھول جاتا ہے جو وہاں پہنچنے تک پیش آئی تھیں۔ پھر نہ پوچھنے کو پہل نظر سے دل میں کس قدر شگ و اور آشرب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں چھ معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ یہ کعبہ معتقد دنیا میں جنت ہے جس طرح جنت میں قدم رکھتے ہی انسان اُن تمام مشقوں کو بھول جائے گا جو جنت تک پہنچنے میں برداشت کی تھیں اور بے ساختہ کہے گا:

الحمد لله الذی هدانا لهذا الھدون انما كنا لن ندرکہ لولا ان ھدانا لولہ۔ یہی حال کعبہ معتقد کو پہلی بار دیکھ کر ہوتا ہے اور اس کا احساس جس طرح مومن کے دل کو ہوتا ہے کعبہ کے دوس کو بھی ہوتا ہے بشرطیکہ دل میں کچھ احساس نیک و بد کا باقی ہو۔ غلبہ مادیت سے بالکل ناز ہو گیا ہو۔

کعبہ معتقد میں علاوہ الوار بالینہ کے ظاہری اجازت بھی پہلے جس سے مومن کا ایمان کامل ہوتا اور کافر کو ایمان کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے اگر وہ اہل حق سے کام لے۔ ایک یہ کہ کعبہ معتقد کی حرمت کی وجہ سے چاروں طرف کچھ دور تک مخصوص قلعہ کو زہین حرم قرار دیا گیا ہے جس میں شکار کرنا بھی ممنوع اور درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس زہین حرم میں بھیڑیا اور بکری ساتھ ساتھ پھرتے ہیں وہ بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اُس پر طرک کرتا ہے۔ زہین حرم سے باہر نکلتے ہیں پھر بکری بھیڑیے کا شکار دیتے۔

نیز تم دیکھو گے کہ ہزاروں پرند کعبہ کا چکر لاکھ لاکھ لپکتے ہیں اُس کے اوپر سے کوئی نہیں جاتا۔ دوسرے تم متخی میں دیکھو گے کہ تین پتھروں پر تین دن تک کنگریاں ماری جاتی ہیں اور یہ سلاطینِ اہم علیہ السلام کے وقت سے



ہمارے محترم بزرگ اور مخلص دوست مولانا محمد ایسا س صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت دور دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ اپنے گھر پر وہ کچھ اور اصلاح نہیں ہوتی۔ لوگوں کو دین کے واسطے گھر چھوڑنے کی عادت کرنا چاہیے کیونکہ گھر پر کچھ ایسے مشاغل مکان اور دکان اور تعلقات کے لگے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پوری طرح انسان کا دل دین کے واسطے فارغ نہیں ہوتا یا ہر وہ مشاغل اور موانع نہیں ہوتے تو جتنا وقت دین کے واسطے باہر نکل کر دیا جاسے گا اُس میں دل کی توجہ کامل ہوگی اور قلب دین کے واسطے فارغ ہوگا۔ اسی لیے مولانا اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ گھر سے نکلو اور ایک چٹے یا دو چٹے یا جتنا وقت بھی سہولت سے دیا جاسکے گھر سے باہر نکل کر دین کے واسطے دو اور اس تمام وقت کو اس طرح تقسیم کرو کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ ہو۔ کچھ دیر تقسیم دین حاصل کرو۔ کچھ دیر ذکر اللہ میں مشغول ہو۔ کچھ وقت تبلیغ میں صرف کرو کہ ناواقف مسلمانوں کو کلمہ اسلام اور اس کے معنی بتاؤ۔ بنی زبوں کو نرمی اور شفقت سے نمازی بنانے کی کوشش کرو۔ کچھ دیر تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول ہو۔ غرض یہ سارا زمانہ صرفت کا ایسے گزارو کہ چند دنوں کے لیے عجز و استعجاب کا فائدہ نہ جاوے۔ واقعہ ہے کہ مولانا کے حلقہ تبلیغ سے فریضہ تبلیغ بھی ادا ہوتا ہے اور خود اپنے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ اُن اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے جو مولانا نے بتلائے ہیں۔ و مثل هذا فلیعمل، الدعاءون۔

(۱۸۰) ترک عمل پر بھی ثواب کی جب ترک کرنا واجب یا مستحب ہو

اس حدیث سے بعض اصولیں کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ترک عمل پر ثواب نہیں ہوتا (صرف عمل پر ثواب ہوتا ہے یعنی جسے کام کے چھوڑنے پر ثواب نہیں) کیونکہ وہ عمل نہیں (بلکہ عدم عمل ہے) یہ لوگ ماسرے سے بڑک گئے

اور گراہی میں بہت کدورت پڑ گئی۔ وہ محض اپنی عقل سے ثواب (کا قاعدہ) مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب اور سنت کو نہیں دیکھتے، چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے ان ینکھوا بغیر لہجہ، فاخذ سلف (ان کا قرون سے کہہ دو کہ اگر وہ دیکھیں۔) باز آجائیں گے تو ان کے پیچھے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور باندہ رب کا عمل ہی تو ہے اس میں کچھ شک نہیں (مگر اس میں ایک اشکال ہے) جن فراموش ذکر ہوگا، اور حدیث (ایک دو نہیں اور بھی بہت ہیں) بلکہ اُن کے، ایک تو یہی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے ویصلی عن الشرفا نہ لہ صدقۃ اور شرف سے بچتا رہے کہ یہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نیک اعمال کو قلبی حاصل بالمعروف میں جمع فرمادیا ہے کہ نیک اعمال کرتا رہے، اور جلد اقسام شمر کر اسی لفظ میں جمع فرمادیا ہے ویصلی عن الشرف۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک اعمال میں سے کوئی سائل کرے یا بُرے اعمال میں سے کسی عمل کو ترک کر دے، ہر صورت میں اُس کے لیے صدقہ (کا ثواب) ہے۔ یہاں تمنا سے دل میں یہ شک نہ ہونی چاہیے کہ صدقہ (کا ثواب) مجموعہ پر ہوگا یعنی نیک عمل کرنے کے ساتھ بُرے عمل کے چھوڑنے پر ثواب ہوگا تھا بُرے عمل کے چھوڑنے پر نہ ہوگا۔ کیونکہ اصلاً حدیث اس مفہوم کو ادا نہیں کرتے اور یہ تو معجزانہ کا مذہب ہے اُن کا قول ہے کہ نبی اُس وقت تک مقبول نہیں ہوئی جب تک بُرے عمل کو نہ چھوڑا جائے۔ نبی و سنت (کا قول) اس کے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

فمن عمل مثقالاً ذرۃ خیراً یا لا و حسن یعلم مثقالاً ذرۃ شراً یا لا جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (یعنی اُس کی جزا پائے گا) اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (اب اگر نیک عمل کی جزا بُرے اعمال کے چھوڑنے پر موقوف ہے تو لازم آئے گا کہ ذرہ برابر نیکی کچھ

کام نہ آئے گی۔ حالانکہ یہ نفس کے خلاف ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں، اق معاد معہ تکلیف العبد الناس۔ اللہ کی حسد ہم کی ہوئی چیزوں سے بچنا وہ تو سب سے بڑا عابد بن جانے کا (اس میں بھی عمل خیر کی شرط نہیں صرف عمل شر سے بچنے پر زہادت دینی گئی ہے) اور آیات و احادیث اس باب میں بہت ہیں تو سبحان اللہ! یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کس قدر محروم ہو گئے۔ قوله و فیہ روحی بعض الاصولیین الی قوله فی سبحان من حرہمہ طریق الرشاد

فت۔ میں نے اس مسئلہ کو مابلی تعزوت میں اس لیے داخل کر دیا کہ صوفیہ نے اس سے اپنی کتابوں میں بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ متاخر میں سے نہیں۔ مگر مسئلہ مشکل ہے جس میں علماء امت نے بحث کی ہے اور کہنے سے آج کل بھی اصول نقد پڑھنے پڑھانے والے اس کو مشکل سمجھ رہے ہیں اس لیے جی چاہا کہ اپنی بساط کے موافق اس کو حل کر دو کیا عیب ہے کسی کو خاندہ پہنچ جائے۔ اب سنئے۔

حضرت شارح نے اس حدیث سے اُن اصولیین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک فعل پر ثواب نہیں ہوتا۔ نہیں معلوم کر سکا کہ یہ اصولیین کون ہیں؟ کیونکہ اصولی متذہب میں یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری کتب اصول میں ثواب و عقاب سے اس مسئلہ میں بحث ہی نہیں کی گئی۔ اصل بحث صرف یہ ہے کہ انسان اور امر شرعی میں تو بالا اتفاق فعل کا مکلف ہے۔ یعنی جس بات کا شریعت میں امر ہے انسان اُس کے کرنے کا مکلف ہے لیکن جن اشیاء سے منع کیا گیا ہے جن کو ناپاکی کہتے ہیں وہاں فعل کا مکلف ہے یا عدم فعل کا؟ اصولیین کہتے ہیں کہ وہاں بھی فعل کا یعنی نفس کو گناہ سے روکنے کا مکلف ہے اور یہ فعل ہے۔ معترکہ کہتے ہیں کہ منیات میں فعل کا مکلف نہیں بلکہ عدم فعل کا مکلف ہے کہ وہ کام و جہد میں نہ آئے خواہ نفس کو روکنے کی وجہ سے وجود

میں نہ آئے یا اس لیے کہ اُس کا ارادہ عدم کے ساتھ متعلق ہو۔ اصولیین فرماتے ہیں کہ ارادہ اور شدت کا تعلق عدم سے نہیں ہو سکتا۔ پس اگرچہ شریعت کا مقصود تو یہی ہے کہ فعل ممنوع وجود میں نہ آئے مگر خود عدم کوئی شے نہیں جس سے منیت کا تعلق ہو سکے۔ اس لیے ضرور ہے کہ منیات میں انسان کو کلفت النفس کا یعنی نفس کو روکنے کا مکلف کہا جائے تاکہ اس سے منیت متعلق ہو سکے اور اسی طرح قدرت کے تحت میں آسکے۔ نفس عدم سے تو نہ منیت متعلق ہو سکتی ہے نہ وہ قدرت کے تحت میں آسکتا ہے اس کا مکلف کیونکر کہا جائے گا؟ معترکہ کسی دلیل سے یہ تو ثابت نہیں کر سکے کہ عدم فعل قدرت کے تحت میں آسکتا ہے۔ انہوں نے اصولیین پر یہ اعتراض کر دیا کہ تمہارے قول پر لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو فعلی حرام کی طرف میلان ہی نہ ہو۔ جیسا حضرت صدیق سے منقول ہے کہ میرے دل نے شراب کو کبھی نہیں چاہا نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں۔ تو ان کو کچھ منیت حاصل نہ ہو کیونکہ کلفت النفس نہیں پایا گیا۔ نفس کو روکنا تو اُسی وقت ہو سکتا ہے جب خواہش ہو۔ اصولیین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں گو کلفت النفس نہیں پایا گیا مگر اس سے اعلیٰ درجہ عصیت کا موجود ہے جو کلفت النفس سے بھی افضل ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا رنکاپ اس لیے نہیں کیا کہ اُس کو حرام کا خیال ہی نہیں آیا تو چاہیے کہ وہ گناہ ہو کیونکہ اس نے نفس کو روکا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب تک اُس کو حرام کا خیال نہ آئے وہ کلفت النفس کا مکلف ہی نہیں تو گناہ گار کیوں ہو۔ جب خیال آگئے اُس وقت نفس کو روکنے کا مکلف ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو زنا کی طرف میلان پڑا اور اُس نے نفس کو میلان سے نہ روکا مگر زنا کیا بھی نہیں تو اس کو گناہ بھار چو تا چاہیے۔ حالانکہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے ارادہ پر تو ثواب لکھا جاتا ہے علیٰ ہذا نہ ہو مگر سنیہ کے ارادہ پر گناہ نہیں لکھا جاتا

جب تک عمل نہ ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ سے اُس کو گناہ گار ہونا چاہیے۔ مگر حدیث کی وجہ سے ہم اُس کو گناہ گار نہیں کہتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ارادہ سے مراد قصد جہد میں ہے بلکہ حدیث النفس ہے کہ دل میں خیال آیا مگر اس کو پکڑ نہیں ہو سکتا۔ خیال ہی کے درجہ میں رکھا تو یہ معاف ہے۔ کیونکہ اُس کا رد کو مذکور ہے الا لعین عصبہ۔ اللہ اور اگر قصد جائز ہو گیا تو اب اگر گناہ کا صدور اس لیے نہیں ہوا کہ اُس نے خدا کے خوف سے نفس کو روک دیا تو یہاں گفت النفس ہو چکے۔ وہ ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر اس لیے صدور نہ ہوا کہ کوئی مانع جسی پیش آ گیا۔

مثلاً عورت راحی نہ ہوئی یا تنہائی کا موقع نہ ملا یا روک کوئی سبب پیش آ گیا، اس صورت میں یہ گناہ گار ہے کیونکہ اُس نے نفس کو گناہ سے نہیں روکا۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اُمویین نے ثواب و عقاب سے بحث نہیں کی وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح وافر میں انسان فعل کا مکلف ہے اسی طرح نوابی میں بھی فعل کا یعنی گفت النفس و ترک کا مکلف ہے۔

عدم فعل کا مکلف نہیں۔ ثواب و عقاب سے مقرر کرنے اپنے اعتراضات میں بحث کی ہے اور اس کا جواب اُمویین نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ترک بالقدہ پر ثواب کے قائل ہیں۔ ترک بالقدہ پر ثواب کے قائل ہیں۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض اویاد کا ملین گناہوں کو بالقدہ نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اس لیے چھوڑتے ہیں کہ ان کو معافی سے نفرت ہے اُن کو گناہوں کا خیال ہی نہیں آتا تو اُمویین کے قول پر لازم آتا ہے کہ ان حضرات کا ملین سے وہ لوگ افضل ہوں جن کو گناہوں کی طرف میلان ہو تا ہے پھر نفس کو روک سکتے ہیں۔ اور قائل ہیں اشکال حضرت شاردہ کو پیش آیا ہے اُس کا جواب اُمویین نے یہ دیا ہے کہ ان کا ملین کو گفت النفس سے بڑھ کر دوسری فضیلت عصمت کی

حاصل ہے۔ اس لیے ناقصین اُن سے افضل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ترک بلا قصد پر عطفاً ثواب ملتا ہے تو اُمویین اُس کے قائل ہو جائیں گے مگر اسی ایک کی نفس سے اس کا ثبوت میں ملا اور حضرت شاردہ نے جس قدر دلانی بیان کئے ہیں اُن میں کسی دلیل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ترک بلا قصد پر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ ان بابت ہوا یعنی لہرہ جہاد صلیف۔ میں کفار کو عقاب ہوا ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے اُن کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

یہاں یقیناً کفر سے باز آنے کا مطلب قبول اسلام ہے اور وہ اُسی وقت معتبر ہے جب بالقدہ ہو، بلا قصد برگز مستبر نہیں اور اگر کوئی کافر صرف کفر سے باز آجائے اسلام قبول نہ کرے اُس کے لیے برگز و حدہ مغفرت نہیں اور یہ صحت محض فریخی ہے کیونکہ بدو قبول اسلام کے کفر سے باز آنے کا تعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہاں ترک کفر بالقدہ اور قبول اسلام بالانقباض مذکور ہے۔ بلا قصد ترک کفر اور بالاضطرار قبول اسلام پر مغفرت مرتب نہیں ہوتی اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اُس میں بھی ویکس عن الشر سے قصد و اختیار کے ساتھ گناہوں کا چھوڑنا مراد ہے۔ بلا قصد چھوڑنا مراد نہیں کیونکہ لفظ "اسک" مستدرک ہے جس کے وہی معنی ہیں جو گفت النفس کے معنی ہیں اور اس پر اُمویین ثواب کے قائل ہیں۔ اسی طرح اتفاقاً معاذ اللہ میں بھی اتفاقاً مستدرک ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ارادہ و اختیار سے محرم اللہ کو چھوڑ دے۔ اس کا حاصل یہی وہی گفت النفس ہے۔ البتہ ایک حدیث بظاہر اہل اصول کے خلاف ہے: وهو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی بعض احد کعبہ لصدقة قالوا یا رسول اللہ هل فی بعض احد ناصیۃ قال نعم۔ راایتہ لوجعلھا فی حرامہا کا علیہ وذر قالوا نعم قال فکذبت او کا قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کرنا اور اُس سے پناہ لینا فتویٰ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے و اما من غات مقام وہ و تہا النفس من اجود فی ذلک الجنتی حی ما وی ذلک جہنم کے لئے لکھا ہوا ہے سے ڈرا اور نفس کو خواہش (نفسانی) سے روکنا اور اُس کا شک کا ثابت ہے۔ اس میں ترک ہوئی پر وعدہ ثواب کی تصریح ہے اور یہ حدیث میں کی شرعی کارہی ہے عراض اس پر دلالت کر رہی ہے کہ بڑے کاموں سے رگنا صدقہ ہے اس سے پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے جس میں سات شخصوں کے لیے قیامت میں سات عرصوں کی بشارت ہے جن میں ایک وہ شخص بھی ہے جس کو کسی خوبصورت معزز عورت نے اپنی طرف بلایا اور وہ یہ کہہ کر رُک گیا کہ نہیں اللہ تمہارے سے ڈرتا ہوں۔ یہاں بھی ترک پر ثواب کا وعدہ ہے۔

اسی طرح حدیث فارسی بھی یہی معنوں ہے جو پہلے گزر چکی۔ پس یہ کہنا ترک پر مطلقاً ثواب نہیں سراسر نفوس کے خلاف ہے البتہ ترک کا قصد پر ثواب کی تصریح کسی روایت میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی معنی روایت اس معنوں میں مراد ہو تو وہ اصولیوں کے قول سے مقدم اور رائج ہوگی کیونکہ اس باب میں قیاس کوئی چیز نہیں اس کا مدار معنی نفوس پر ہے اور اللہ تمہارے کے دم و دھرم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سب مسلمانوں کی حسنات کو سنیاں پر غالب کر دیں۔ خالصہ برد و ذوق دہیم۔

اوپر معامی سے غفلت کے متعلق ایک سوال و جواب مذکور ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص معامی سے غافل ہو اُس کو گناہ نہیں کیونکہ غفلت کی حالت میں وہ گفت النفس کا متکلف نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اُس کو ثواب ملے گا یا نہیں۔ اصولیوں کے جواب میں ثواب سے کچھ تفرق نہیں کیا گیا۔ میرے نزدیک اس میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دیکھنا چاہئے کہ معامی سے غفلت کا منشاء کیا ہے؟ اگر مراد طاعات و حسنات میں کوتاہی ہے تو اس غفلت پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس غفلت کو اللہ تعالیٰ نے مدح و

فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے (بیکہ بیوی یا شرمگاہ باندی سے مشغول ہو) صیہ سے اس پر تعجب کیا کہ رسول اللہ ایک شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے؟ فرمایا بلاق اگر وہ حرام جگہ میں اُس کو سنبھال کر تا تو اُس پر گناہ نہ ہوتا؟ عرض کیا ہاں گناہ ہوتا۔ فرمایا تو ایسے ہی (جب محل جگہ استعمال کیا ثواب بھی ہوگا) اس سے دیکھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جانے میں اس لیے ثواب ملے گا کہ حرام جگہ سے باز رہا تو حرام سے بچنے میں مطلقاً ثواب ہوا خواہ اس قصد سے بیوی کے پاس گیا ہو یا نہ گیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو عرف و امتیابی معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب ہے اور حرام جگہ جانے میں گناہ ہے۔ پھر اُس کی وجہ بتلا دی گئی کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب اس لیے ہے کہ وہ نہ تاسے بچنے کا سبب ہے اور جو محل کسی حرام سے بچنے کا ذریعہ ہو اس میں ثواب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تو محل پر ثواب ہے۔ بلکہ ترک محل کا قصد پر تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیوی کا دیکھنا حق ہے کہ مرد کا ہے گاہے اُس سے ہم بستری کرے تاکہ اُس کی خدمت و عظمت محفوظ رہے۔ اسی طرح خود اپنے کو حرام سے بچانے کے لیے بھی قضاء و نفوت ضروری ہے، تو چونکہ بیوی کے پاس جانے میں اُس کی اور اپنی غفلت کی حفاظت بھی ہے اور بیوی کے حق کی ادائیگی بھی ہے۔ اس لیے ثواب ہے اور خدا پر ہے کہ ثواب محل پر ہے یعنی ترک حرام کا قصد پر نہیں اور یہی حکم باندی کے پاس جانے کا ہے جبکہ شرمگاہ باندی ہو کیونکہ اس کی غفلت کی حفاظت بھی کوئی پر واجب ہے۔

یہ تو اصولیین حنفیہ کا مذہب ہے اصولیوں کا کہ مذہب مجھے معلوم نہیں کہ وہ مطلقاً ترک محل پر ثواب کا انکار کرتے ہیں یا ترک کا قصد پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسے مطلقاً ترک پر ثواب کے منکر ہیں جیسا حضرت شارد کے بیان سے واضح ہوتا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ گناہ کو بالقصد ترک

۱۱۰۰: ت۔ تہا بہ اور اسی نعمت کی مکر وہ میں انہماک سے بنے جیسے طرح  
یا کھیل کو میں ایسا انہماک۔ تہا بہ جس کی۔ حوت اور معاش کا خیال ہی نہیں  
آتا تو اگر یہ انہماک فراموش و واجبات نہ کی نفس امارت ہوتا ہے تو اس غفلت  
میں گناہ ہے اور اگر فراموش و واجبات میں غفلت نہیں ہوتا تو اس غفلت میں نہ ثواب  
ہے نہ گناہ۔ ہاں یہ شخص اُن نوروں سے اچھا ہے جو معاش میں منہمک رہتے ہیں۔  
اور اگر کسی ایک گناہ میں ایسا منہمک ہے جس کی وجہ سے دوسرے گناہوں کی طرح  
النعمت نہیں ہوتا تو یہ غفلت بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا منہمک دنیا کی العیبت  
ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اے اللہ! ہمیں ایسا بنادے جیسا آپ چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں  
اپنے دین کی خدمت کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہمارے ذریعے سے اپنے دین  
کو عزت اور غلبہ دے۔ اللہم اجعلنا کما تعجب وترحمہ واجعلنا آخرتہ  
خیرا من الاولی۔ آمین !



شما کے موقع پر بیان فرمایا ہے ان الذین یروون العصمت العظمت  
المومنات لعنوا فی الدین والآخرۃ۔ (جو لوگ پاکدامن غافل بنے عزیزوں  
عورتوں کو لعنت لگاتے ہیں اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے) یہاں غافل  
ہی مطلب ہے کہ وہ بڑے کاموں کو جان ہی نہیں دیتا۔ بس اپنے دینی مشاغل  
اور گھر کے کاروبار میں لگے رہتی ہیں اور اگر غفلت کا مشاء دُنیا میں انہماک  
ہے کہ اس کو اپنی بخت یا مذمت کے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی  
تو گئی ہوں کی طرف النعمت ہو۔ تو اگر بیمار دست یا ملازمت وغیرہ موافق شریعت  
ہو اور فراموش و واجبات میں اُس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتی ہو تو اُس میں  
بھی ایسا انہماک جو معاشی سے روک دے خود ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن مسعود  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ ان الله یغفل الریبل، البطل۔ اللہ تعالیٰ  
بے کار آدمی سے نفرت کرتے ہیں (کیونکہ بے کاری ہی میں گناہوں کی فرصت  
ملتی ہے) جب بے کاری ناپسند ہے تو کام میں لگے دینا اللہ تعالیٰ کو پسند  
ہے اور جو چیز ان کو پسند ہو اُس پر ثواب مزدور ہے مگر گو اس قدر نہ ہو  
جس قدر اطاعات و حسنات میں مشغول رہنے سے ملے اور اگر مسلمان کسب  
معاش میں بھی اپنی نیت درست کرے کہ اہل و عیال کا حق ادا کرے اور  
فقراء کی امداد کرنے اور دین کی خدمت کرنے کے واسطے دُنیا کٹے توفیق بھی پھر  
حسنات میں داخل ہو جائے گی۔ مگر یہ نیت صرف لغووں سے نہیں ہوتی بلکہ سچے  
عہ ایک حدیث میں ہے ان صحت اللذین یؤملوا بالیکفرھا ملعونۃ ولا یعوم ولا یحج  
وکیفرھا اللہ فی طلب المعبیۃ، فطیرانی وابونعیم صاحب الذبیۃ والذکا  
المعنفت فی بہجۃ، النفوس ما یکفرھا الا انکد علی۔ السیال ص ۱۹۴۔

گناہوں میں سے جس گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے نہ روزہ سے حج سے  
اُن کا کفارہ طلب معاش میں فکر سے ہوتا ہے۔ ایک نکتہ میں یہ ہے کہ اُن کا کفارہ عیال کے  
بے مشقت کرنے سے ہوتا ہے۔



یہ ہے وہ ناپ ہے۔ کو اس کی پاس بہت کچھ ہو مگر دل اس کی محبت سے خالی ہوا اور  
مال سے دین کے کاموں میں مدد دیتا اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔

تقویٰ اور زہد کی حقیقت غیر دانش سے مزید نہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھروسہ  
رکھنا۔ اور برحالت کی باگ تقویٰ میں درسا کے ساتھ میں دے دینا اور دروازہ کرم کے  
گھٹنے کا مشورہ ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرنا اور حق تعالیٰ سے ڈرنا  
وہنا اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

آج کل کے مشائخ میں زہد کی پہچان یہ ہے کہ جو ہر دیر قبول نہ کرتا ہو مگر معنی  
کو قبول کرتا ہو معنی کو رد کر دیتا ہو۔ جو شخص کسی کا ہر دیر نہ کرتا ہو سب کو بھی قبول  
کر لیتا ہو وہ زہد نہیں۔

**ف** - ہم نے اہل اللہ کے کھانے میں کئی کچھ برکت کاٹ دیا ہے۔ یہ  
حالات بڑے سہانہ تھے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ صبح وقت پر زیادہ سہانہ آگے تو گھر  
میں ہو کر یا موجود تھا وہی اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا اور سب کے سب اُس سے میر  
ہو گئے۔ حالانکہ جب کتا سامنے آتا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ اسنے بڑے مزہ کو یہ تھا  
کہ کتا کھانے کا کافی ہوگا۔ مگر ہم نے کھانے کے کتا شرمناک کیا تو کافی سے بھی زیادہ ہو گیا۔  
اہل اللہ کے میان کا کھانا اہل دنیا کے کھانوں سے لہجہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور  
اُس سے قلب و دماغ و جسم کو وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جو اندازوں کے مشن  
قیسی کھانوں سے نہیں ہوتی۔

(۱۸۲) زہد سلوک باطن کا پہلا دروازہ ہے کسی دلیل پہنچنے کے  
حدیث میں فضیلت مضمون  
طریق کی بنیاد یہی زہد پر ہے کیونکہ وہ سلوک کا پہلا دروازہ ہے اسی لیے یمن بن زرق  
رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم ہمارے دل میں فقر اور فنا کا اندیشہ نہ رکھو  
ہو اور منصب و ریاست کی طلب ہو تو ہر قدم دین کے راستہ میں نہیں چم سکتا۔  
یہ روحانی فقر (اور محرومی) کی لہجہ ہے۔ قولہ و ذیلہ دلیل الفضل اہل الصوفیہ

پوری نہ ہوئی۔ تم اس کا شہدہ حتی طور پر یوں کر سکتے ہو کہ اہل دنیا کی جان (دست و پاؤں  
پر) دیکھنے میں کتنا بہت زیادہ ہے اور کھانے وقت (مختصر سے میں) بہت میں ہر ایک  
بہت زیادہ کھانے سے پیٹ بڑھتا ہے اور جتنا کھایا جاتا ہے اُس کی نسبت سے  
(دین اور دنیا و قلب میں) طاقت کم کرتی ہے اور اس میں تو بڑھان کا کھانا دیکھنے میں  
کم ہوتا ہے مگر اُس سے بڑی جماعت کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جتنا کھاتے ہیں اُس کی  
نسبت سے اُن میں قوت اور طاقت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اہل دنیا کو اس  
پریشانی اور مشقت کے ساتھ دوسری مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ اُن میں باہم حدود اور  
کینہ اور نسبت اور بغلی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بخل کی وجہ سے دوسروں کے  
حقوق ادا نہیں کرتے یا کم ادا کرتے ہیں یا اپنے حقوق پوری طرح وصول کرتا چاہتے  
ہیں کہ پانی پانی کا حساب کرتے ہیں) ان تمام مصائب اور مشکلات کے علاوہ آخرت کا  
خداوند بھاریا۔ جس میں عذاب بھی ہے اور نعمت بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہیں  
اُس سے بچائے (۴۱۶) قولہ یہ دلیل قدیم الخند مع الاحذ الخ قولہ  
اعاذنا اللہ منہا ینہ -

**ف** - بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زہد کے معنی یہ ہیں کہ مال و دولت سے بالکل  
کٹ کر کس ہو جائے۔ مال کو یا تو بھنی نہ لگائے۔ کسی کا ہر بھی قبول نہ کرے نہ تجارت  
و عداوت اور صنعت و حرفت میں مشغول ہو یہ غلط ہے۔ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ  
دنیا کو دل سے چھڑ دے اور اُس کی پرواہ نہ کرے کہ کس نے اس کو کیا۔ زہد کثرت  
کم کرنے کا نام ہے۔ زہد وہ ہے جس میں اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ  
سے غافل کرتی ہیں۔ تم دیکھو کہ جسے ظاہر میں غفلت و غیور ہیں مگر بھی خداسے  
غافل ہیں اور جیسے ظاہر میں مالدار ہیں مگر اُن کا باطن دوام حضور اللہ تعالیٰ سے  
مال مال ہے۔

حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بتلایا گیا ہے کہ جو اس مال کو اثر ان  
نفس یعنی حرص و طمع سے دیکھے وہ زہد میں اور جو سماعت نفس یعنی استغناء سے

انی قولہ خدا طاف مہما ۴۲ لایلد ۔

ف ۔ اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے کہ زہد وہ ہے جس کا دل محبت منبع وغیرہ طلب ریاست سے پاک ہو اگر بلا طلب اور بدو ن محبت کے کوئی منصب مل جاوے اور غلاب شریعت نہ ہو اُس کا قبول کرین غلاب نہ پڑیں محلات عظام، راشدین سے زیادہ زہاد کون ہوگا مگر سب کے سب صاحب منصب غلاف تھے۔ اسی طرح بہت سے ادویاء کرم صنعت و حرفت وائے تھے۔ کسب حلال کے لیے اپنے ہاتھ سے کام کرنے تھے۔ یعنی ادویاء کرام صاحب خاندانہ تھے مگر ان کے بیان کثرت سے ہلایا اور نڈرانے آتے تھے ہر ایک وجہ سے ان کا دربار شاہ معلوم ہوتا تھا مگر ان کے قلوب تختہ کوئی نہ پاک تھے جس پر ان کے اعمال و واقعات شاہ تھے۔

(۱۸۳) مثال بیان کرنا جائز ہے

یہ ایسی مثال کرنا جائز ہے جس سے وہ اچھی طرح بات سمجھ جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک ہی اہل بیان فرمائی ہے کہ جو شخص حرص کے ساتھ مال جمع کرتا ہے اُس کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور اُس کا حال ایسا ہوتا ہے کہ جیسے بونہری کھانا ہے مگر اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کیونکہ عام طور سے اکثر آدمی خصوصاً اس زمانہ کے لوگ برکت کی حقیقت نہیں جانتے۔

برکت کی حقیقت ۔ اُن کے نزدیک برکت یہ ہے کہ (دیکھتے ہیں) کوئی شے زیادہ چومائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرما کر جس کو سب جانتے ہیں بتلادیا کہ برکت ایک خاص چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جو عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں۔

اب تم اس مثال میں غور کرو کہ کھانے سے شرف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے تاکہ ٹھیک کی تکلیف باقی نہ رہے مگر پیٹ بھرنا خدا سے اعتدال میں نہیں۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ تم کو

نظر بھی نہیں آتی۔ چنانچہ بعض دفعہ آدمی بہت کھائے کے بعد بھی ٹھوکار ہوتا ہے۔ اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اسی طرح اشتقاق کی بیماری میں بہت پانی پینے سے نگہ پیاس بھی بگھتی۔ اسی طرح برکت بھی خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ کوئی مخصوص چیز نہیں (ابہر گز کوئی آدمی بہت کھائے کے بعد بھی ٹھوکار ہے تو اس کا کھانا خسارہ ہی کا خسارہ ہے۔ کیونکہ جس فائدہ کے لیے اُس نے کھایا تھا کہ پیٹ بھر جائے اور ٹھوکار جاتی رہے وہ حاصل نہ ہوا۔

اسی طرح مال کی ذات میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ مقصود وہ نتائج ہیں جو مال کے خریدہ سے حاصل کئے جاتے ہیں (یعنی راحت قلب و بدن وغیرہ) تو اگر مال زیادہ ہو اور یہ فوائد مقصود حاصل نہ ہوں تو ایسے مال کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تم اس حالت کا مشاہدہ اہل دنیا اور اہل دین میں اسی طرح کرو گے کہ اہل دنیا اپنی ضرورتوں کو (محمول سے مال سے پوری نہیں کر سکتے بلکہ بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کو مال خرچ کرنے کے سوا (اور کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مال و دن اُس کے سوا) اور کچھ دھندائیں ہوتا اُن کی نفرت سے وہ چیز غائب ہوتی ہے جو اس کے علاوہ ہے (یعنی اُن کی نگاہ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ضرورتیں محمول سے مال سے بھی پوری ہو سکتی ہیں جبکہ اُس میں برکت شامل ہو جائے) اور دین داروں کو دیکھو کہ وہ ان ہی ضرورتوں کو جن میں اہل دنیا بہت زیادہ مال سے پوری کر سکتے ہیں بہت محمول سے مال سے پوری کر لیتے ہیں اور بعض دھندائیں سے بھی اچھی طرح پوری کر سکتے ہیں اور یہ (یعنی نقد میں بلکہ بکثرت مشاہدہ میں آکر) ہے بشرطیکہ کوئی خوراک تامل سے کام لے۔ قولہ و فیہ دلیل علی جواز ضرب المثل انی قولہ هذا موجود کنشیرین تامدہ و نظرح ۔

ف ۔ ہم نے اہل اللہ میں اس کا مکمل انکشاف مشاہدہ کیا ہے اور اہل دنیا کو یہ کئے مشاہدہ کے ہماری آمدنی قرتخواہ کی بھی ہے اور زمین کی بھی اور فلان کی تنخواہ کی تنخواہ ہے زمینداری کچھ نہیں اور تنخواہ بھی ہم سے بہت کم ہے۔ مگر بھی



پائی جاتی ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علماء اور علماء ہیں۔ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عذیبہ سے فرمایا تھا کہ بیت یلعذیبینہ اذا ترکتم بدعۃ قاتلوا ثلاث سنۃ۔ اسے عذیبہ اس وقت تھرا کیا حال ہوگا جب تم کسی بدعت کو چھوڑ دو گے تو لوگ کہیں گے کہ اس نے سنت کو چھوڑ دیا۔ حضرت عذیبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہوں تو ان اقرضہ من حرمتک لعلہ فقدث فریائک کو اپنی آبرو پر حلا کرنے دو اس دن کے (وفا کے)۔ یہ بیہ تم دنیا میں نہ ہو گئے مطلب یہ ہے کہ تم حق اور سنت پر عمل کرتے رہو اور ان کو جو وہ چاہیں بچنے دو۔ کیونکہ تم کو قرآن میں تو اب ہی ثواب ہے جب وہ نافع تماری آبرو پر نازل کریں۔ (حدیث صحیحہ حاکمہ الشیخ فی شرحہ اذعنہ فی انفراد لحدہ۔ تعلقہ علی علی بن المواظفہ)۔

**تنبیہ** :- یہ تو شروع نہ اپنے زمانے کا حال تھا ہے۔ اب ذرا ہم اپنے زمانے کا حال بھی دیکھنا چاہیے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جس کی رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اگر کوئی دنیاوی مولود نہ پڑے بلکہ مسکے کے نالائق ذکر رسول کریم کے کورسہ جہنم میں کیا جائے؟ کیا اگر کوئی میلاد منیام نہ کرے اس کو وہابی کہہ کر بدنام نہیں کیا جاتا؟ اور اگر کوئی عالم صوفی قوم کے ہادیہ اور تعدادوں پر رو کر شکرانہ پر اپنا بار نہ لے لے پہلے بلکہ عذر صحت و عجز و کمزورتی کے سبب ملان کرنا چاہے اس کو حب و ناسا سے بدنام نہیں کیا جاتا؟ حالانکہ جو ترک اسباب کے لیے شرط ہے کہ انسان مجرور ہو صاحب خیال نہ ہو اور غلام سوزن میں مبتلا ہے جس میں تعلیم دین پر اجماع نہ ہو۔

(۱۸۳) بلند ہاتھ پست ہاتھ سے اچھا ہے اور اسکی تحقیق معلوم ہو کر

اس کے ٹکرا کا نام سم سے اچھی اُس کے بگوں اور گردن کا لباس ہمارے پاس ہے  
اچھا یا ہمارے پاس ہے۔ یہ ہم انھی دولت کے ساتھ ہی وہ کام نہ کر سکے جو اس نے  
عزیزی ہی اُٹھائی کر لیا ہے۔

یہ برکت میں تو اور کیا ہے؟ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جو ہر پرانے لوگوں سے  
غیر ہمارے بلکہ وہ قدر کی دی ہوئی غنی نعمت ہے جسے کھانے پانی پینے  
کے بعد میری اور میری غنی چیز ہے۔ جس کو وہ جانتا ہے جس کا بیت ہمارا ہے اور  
پاس بھی ہے، دوسرے محسوس نہیں کرتے۔ اسکا فروغ ہے برکت بھی غیر محسوس  
ہے جس کا مشاہدہ آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ اہل دین و اہل دنیا کی حالت کا موازنہ  
کرنے سے ہوتا ہے۔

**ف**۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہی جو مال کے ذریعے برکت کا خدا کی طرف سے  
ہونا بتلایا گیا ہے یہ صحابہ کے کھانے کے لیے نہیں کیونکہ ہم کو یقین کے ساتھ معلوم ہے  
کہ صحابہ برکت کی حقیقت سے واقف تھے ان کو اس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وعلیہ وسلم کے واقعات میں اور خود اپنے واقعات میں بار بار ہو چکا تھا (جہ ایک دفعہ  
میں بلکہ متعدد بار دیکھ چکے تھے کہ ایک دو آدمی کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
دعا سے پورے لشکر کو کافی ہو گیا اور سب کے سیر ہوئے کے بعد بھی کچھ رہا۔ بعض دفعہ  
کھانا کھا کر جوئے صحابہ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھانا کچھ سے خود بخود زیادہ ہوتا چلا آ  
رہا ہے۔ کھانے والوں کے نفوس کے نہیں ہوتا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا) پس  
یہ مثال دوسروں کو کھانے کے لیے بیان کی گئی ہے جو صحابہ کے بعد آئے وہ نہ تھے۔  
اس تشریح اور بیان کے بعد اب اس امر پر بھی توجہ کر دو کہ کمال عالم طور  
سے ان لوگوں کی حالت کیا ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں دوسروں کا تو ذکر یہی کیا؟  
اسی طرح یہی بدل گئے اور بہت سے امور میں حق مشکوک ہو گیا یا اس کا انکار  
کیا جائے لگا دیا جائے تم اہل علم میں سے ہیں کہ برکت کی حقیقت سے ناواقف یا  
مشکوک پاؤ گے جس کا سبب وہ کبریٰ عاذیں ہیں جو کثرت سے ان ہی لوگوں میں

بلند ہاتھ بہت ہاتھ سے بہتر ہے۔ اُس کی شرع میں علما و ائمہ و فقیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ ہاتھ دینے والا ہے اور بہت ہاتھ لینے والا۔ مولیہ پر مکتس کئے ہیں کہ ہند ہاتھ لینے والا ہے اور بہت ہاتھ دینے والا۔ کیونکہ لینے والا تم کو خود ہی کسی چیز کے عوض بہت سا ثواب دیتا ہے (یعنی ثواب کا ذخیرہ بننے کے لئے) اگر ایک کے بدلے دس اور (یعنی دھم) سات سو تک (ثواب دلواتا ہے) اور دینے والا ثواب دہی کے لئے دیتا ہے تو وہ اس کا منتظر اور محتاج ہے۔ اور میرزا غیاثی کہتے ہیں کہ دونوں قولوں کو اس طرح چُن لیا جائے کہ ہاتھ دینے والے کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تم سے اپنے علیہ کے قبضہ کرنے کی درخواست کرتا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ تم سے درخواست نہیں کرتا بلکہ تم اُس سے سوال کر رہے ہو۔ اس صورت میں تو دینے والے کا ہاتھ بلند ہے اور (لینے والے کا بہت ہے کیونکہ) تم کو سوال کی ذلت پہنچ چکی۔ اور (نام نہاد) آیا ہے کہ ذلت ہر سوال میں ہے چاہے وہ سستہ بھی کا سوال ہو اور جس کا انکار کر دے وہ باہرست کا انکار کرنا ہے اور اگر وہ تم سے اپنی عطا کے قبول کرنے کی درخواست کر رہا ہے تو اُس نے تمہارے سامنے اپنی عزت و ماہ کو گمراہ کر دیا کہ وہ تم سے لڑی دروغ ست کر رہا ہے جس میں تم مختار ہو اور وہ محتاج ہے یا تو اس سے لے کر وہ اپنے ذمہ سے واجب شرعی ادا کرنا چاہتا ہے یا اس لینے کے وہ اس دینے کے ذریعے دنیا یا آخرت کی بھلائی کا مقصد وار ہے۔

اس صورت میں وہ اپنے دینے سے تم پر احسان کا قصد نہیں کرتا بلکہ اپنی بھلائی کا قصد کر رہا ہے تو تمہارا اُس کو قبول کر لینا احسان ہے اور دینے والا سائل و محتاج ہے اس کا ہاتھ بہت ہے اس لئے والے کا ہاتھ بلند ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ہماری دعوت کرنا ہے تو (پہلے) اُس کا احسان ہے پھر اگر ہم دعوت قبول کر لیں تو اب ہمارا (اُس پر) احسان ہے اور جس حدیث کی ہم شرع کر دے ہیں اُس کا ہاتھ بھی اسی کا تاکہ کہتا ہے (کہ دینے والے کا ہاتھ بلند ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یہ ارشاد

(ابید علیہ السلام) میں ابید السلفی (سائل ہی کے مشتق فرمایا ہے جبکہ اُس نے یاد ہر سوال کی (تو معلوم ہوگا کہ) بہت ہاتھ سائل ہی کہتے۔ تو ابید علیہ السلام) میں ابید السلفی غنا و عافیت بین العباد و اهل المعونۃ ان فی ہذا حکم۔  
مواہدہ ص ۱۱

ف۔ بعض احادیث میں تصریح ہے و ابید العیب المنفقتہ و اسلفی المسئلۃ روا مسلم اور نبی ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نبی ہاتھ مانگنے والا ہے۔ اس لئے دینے والے کے ہاتھ کو نبی کا بننا ہر چیز میں نہیں البتہ بعض روایات میں بھائے المنفقتہ کے المتعفف بھی وارد ہے (رواہ ابو ذر) جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہے اور نبی ہاتھ سوال کرنے والا ہے۔ اس روایت پر لینے والے کے ہاتھ کو بھی اُس کا ہاتھ کہتے ہیں جبکہ وہ سوال نہ کرے بلکہ دینے والا خود اُس سے قبول کر دے کہ درخواست کرے اور ہر حال میں نبی ہاتھ سوال کرنے والے کا ہے۔ پس شارع کی تجویز پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ بھی بعض الفاظ حدیث سے مؤید ہے۔ و افعلہ قلعاً علیہ۔

ہمارے حضرت علی صاحب الفکر سرزن فرمایا کرتے تھے کہ ان سائلین کو اختیار نہ سمجھو۔ یہ کہوئے جس میں کہ تمہارے سوال کا ہر جواب ہمارا آخرت میں پہنچاتے ہیں تو یہ تمہارے مزدور ہیں تمہارے کام کے نہیں بلکہ محال آخرت میں (کا نام سیدہ) حکیم الامتہ رحمہ علیہ صاحب کا یہ مطلب نہیں کہ سائلین کا ہاتھ اُس کا ہاتھ جیسا بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو اپنا جس جگہ کہہ کر دو گے تو ثواب کامل ہوگا جتنے کہ کہہ کر دو گے تو صرف کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اگر سائل کے ہاتھ کو اُس کا ہاتھ تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ سائلین کو گناہ سے روک لے گا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کی مثال اُن کا ہاتھ اُس کا ہاتھ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ میں بین الخوفا کا سائل کے ہاتھ کو اُس کا ہاتھ کہہ کر دے دے والے کے لئے ثواب کا ذخیرہ بننا ہے ہر چیز میں سائل کا ہاتھ اُس کا ہاتھ ہوتا ہے کہ کسی

وقت دینے والے کا ہاتھ نہی ہو جائے جبکہ وہ کما کو ہدیہ دینا چاہے اور وہ قبول کرے پھر اس کے اصرار سے یا درخواست و انتہا سے قبول کرے اللہ اعلم۔ حضرت شادہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی اپنے دینے والا بھی اور لینے والا بھی البتہ دینے والا زیادہ اچھا ہے کیونکہ حضور نے بلند ہاتھ کو خیر فرمایا ہے جو اہم فضیلت کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں بہت اچھا) اور اس کا متضاد بھی یہ ہے کہ نفس میں دو دوسرا شریک ہیں اور ایک میں خودی زیادہ ہے جیسے ہم کہیں زید عیسیٰ محمد زید وغیرہ سے بہتر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عمر میں کچھ بھی خودی ہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ زید کا درجہ اُس سے بڑھا ہوا ہے۔ کسی طرف بیان سمجھو کہ یہ دونوں ہاتھ اچھے ہیں کیونکہ ان سے نیکی کی گئی ہے (ایک نے احسان کیا دوسرے نے احسان قبول کر کے) اُس کو ثواب کا مستحق کیا، پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت دوسری وجہ سے ہو گئی تو نفس فعل پر نظر کر کے یا ماں پر پائنت و قعدہ پر نظر کر کے یا ان سب کے مجروح سے۔ ان سطحوں پر کسی وجہ سے (علاء و عوفیہ میں) خلاف واقع ہوا۔ اہم مگر یہ استدلال اس وقت صحیح ہو گا جبکہ غلط تفسیر کو اہم فضیلت مان لیا جائے روز محوارات میں بکثرت اس کا استعمال صوفی تفسیل سے غالی ہو کر بھی آتا ہے۔

(۱۸۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت فرماتے ہیں !

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا ارشاد (الید العلیا عید میں الصفی) کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان لوگوں میں سے ہونا چاہیے جن کا ہاتھ اُڑ چکا ہے اُن میں سے نہ ہو جن کا ہاتھ ٹہپا ہے۔ مگر یہ (تعلیم) مقامات و دہلیز میں ہے دنیا اور دنیا کے مسلمان میں نہیں (کیونکہ) دنیا میں تو بقدر ضرورت و کفایت پر بس کر کے کسی تعلیم سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ وقت مطلب دو تھا اولیٰ دنیا میں سب سے اُوں پہنچا ہونے کی تعلیم میں۔

قوله فیه دلیل علی ارشاد و ارشاد علی الی الی الخ ان قوله لا فی الدنیا و حقا مہم۔  
وقت۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کو دنیا اور دین دونوں کے لیے علم کما جائے جب بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں سب کہ دُن میں سب سے زیادہ مالدار ہونا چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اُڑ چکا ہو نا چاہیے یعنی سنا سے بچنا اور دوسروں کو زیادہ چاہیے اور یہ حالت یقیناً محمور و مطلوب ہے دنیا کے سامان میں بھی کسی کام میں اور درست مگر ہونا اچھا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے المؤمن القویٰ عیر من المؤمن الضعیف و فی کل غیر۔ مسلمان صاحب قوت کمزور سے بہتر ہے اور یوں دونوں ہی اچھے ہیں اس حدیث میں موصوفہ کی جستہ جستہ وہ بھی مقامات عالیہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہر کام میں عزت اور فضیلت حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں حتیٰ الامکان جامع ضرورت و دنیا حالت پر توجہ نہیں کرتے نماز کو بھی کامل کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اور خدمت خلق کو بھی و لا هذا الفیاس۔

(۱۸۵) اہل فضل و یشادوں سے سوال کرنا جائز ہے حدیث سے

کہ اہل فضل اور اہل سامان اور یشادوں سے سوال کرنا جائز ہے۔ اس میں کچھ وقت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سوال سے کچھ تعریفیں فرمائی ہیں اُن کو ایک قاعدہ فقہی بتا دیا کہ استفتاء کے ساتھ مال لینے کا یہ غرو ہے اور عرض کے ساتھ لینے کا یہ نتیجہ ہے، اور اگر اُس کے سوال میں کوئی بات (کہاہت یا حرمت کی) ہوتی تو آپ اُن کو بھی نہ چاہتے بلکہ اُسے کچھ دیتے بھی نہیں جب تک سوال کی کہاہت نہ ہو (غرو) نہ بتلا دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرع کے بیان کرنے والے ہیں اور ضرورت کے وقت سے بیان کو توڑ کر کرنا جائز نہیں۔ پس آپ کے ارشاد کی شوکت بتلا دی ہے کہ سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا اور مانگنا (دوسرے سے لینے اور مانگنے)



دین کا نام مٹ جانے کا۔ ہندوستان میں دین کا جو کچھ نام و نشان باقی ہے، اُن ہی کی برکت سے باقی ہے۔ اُن ہی عز و تہن کرنا چاہئے کہ حقیقی مدارس اور خانقاہیں کون سی ہیں؟ اور نام و نمود کون سی ہیں؟ سب کو ایک ہی نامی سے ہلکا طاقت ہے۔

(۱۸۷) سوال تین بار تک جائز ہے کہ کیا ہمارے جو کہ تین بار تک سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ دوسری دفعہ سوال کرنے پر دیتے ہیں اور خاموش رہتے اور تیسری بار سوال کرنے پر بھی وہی اور علی مسئلہ بتا کر اُس کے بعد سوال کرنے سے روک دیا کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں وقت ایمان کی وجہ سے اس قدر فہم اور ذکاوت تھی کہ ان کو اُن کا اشارہ بھی روکنے کے واسطے کافی تھا (اس لیے کہ حضورؐ نے آئندہ سوال کرنے سے ممانعت نہیں فرمایا بلکہ سعادتِ فتن کی تعلیم دی اور جس مال سے روکا تھا اشارۃً آئندہ سوال کرنے کی سے روک دیا گیا جس کو جانی بچھ گئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کی سے بھی سوال نہ کروں گا چنانچہ وہ مالِ نبوت میں سے اپنا حق کسی بھی غلیظہ سے نہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعلان کرنا پڑا کہ لوگو! گو وہ یہودیوں کی ہم جن کو اُس کا حق دینا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں لیتے)۔

اور اس میں اُن کو حدیث کی بھی حجت ہے جو زبیر کے قاتل ہیں کہ اگر کسی درویش کو کھانا کو دو تین دن تک موقوف نہ ہوں اور پاک نہ کا دیکھتے ہوتے لگے تو وہ زبیر کے ہاتھ میں لے کر نکل سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں زبیر کے لئے نکلنے کی شرط یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا قصد کر کے نہ چلے اور نہ کسی سے نقد دے کر مانگے اور نہ قسم کھائے بلکہ صرف اللہ کے واسطے سوال کرے۔ پھر اگر تقدیر اُسے کسی کے گھر پر یا کسی آدمی کے پاس پہنچا دے تو اُس سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی شرط ہے کہ بدوین سخت حرصت کے نہ لگے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

چاہا دیکھا میں اپنے بچے کو شغلِ معاش میں لگانا چاہتا ہوں کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں۔ میری آمدنی پورے گھر کے خرچہ کو کافی نہیں ہوتی۔ یہ بڑا بھی کچھ کماتے لگے تو گھر کا خرچہ پکڑا ہوگا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ابھی یہ بچے ہیں اور کچھ علم بھی حاصل نہیں کیا، تم کو ان سے کتنی آمدنی کی امید ہے؟ اس نے کچھ مقدار بتلائی۔ امام صاحب نے فرمایا تم اس کو جہاں سے پاس پڑے دو اور جتنی رقم تم نے بتلائی ہے اس سے بھی زیادہ ہم تم کو ہر مہینہ دے دیا کریں گے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور امام ابو یوسف اطمینان کے ساتھ تعلیمِ علم میں لگے رہے۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ وہ کس درجہ کے امام ہوئے۔ امام ابو حنیفہ نے اسی طرح بہت سے طلبہ کو اپنے پاس سے دے کر پڑھایا ہے۔ جو ان کے بعد بڑے درجہ کے مفتی اور قاضی اور عالم ہوئے۔

اسی حکمت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے مدارس وغیرہ میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ غریب طلبہ کو مدرسہ سے کھانا پڑا کرنا میں مفت دی جائے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تحصیل میں لگے رہیں۔ ورنہ اس وجہ سے اہل طریق نے اپنی خانقاہوں میں غریب سالکین کے لیے امداد کا سلسلہ جاری کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں افنیاد کو تفصیلِ علم شرعی اور طلبِ طریق باطن کا شوق نہیں رہا۔ اب اہل دُنیا کی عقل مند ی دیکھو کہ اس پر اعتراض کسے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان طلباء اور سالکین کو کسبِ معاش میں مشغول ہونا چاہئے۔ یہ تو گھر کے اوپر بار ہیں۔ تو ان کو کچھ لینا چاہئے کہ کسبِ معاش کی فکر میں مشغول ہو کر تحصیلِ علم اور طلبِ طریق پوری طرح نہیں ہو سکتی اور جو گھر کی کچھتے ہوں کہ یہ طلباء اور سالکین قوم پر بار ہیں وہ اپنا ہاتھ روک لیں اور دیکھیں کہ خدا اُن کو روزی پہنچاتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھو ان مدارس کا ادارہ اللہ تعالیٰ کے ہر دوسرے پر ہے وہ خود ایسی جگہ سے اُن کو روزی پہنچاتا ہے جہاں گمان بھی نہیں ہوتا اور کچھ لوگ اگر یہ مدارس اور خانقاہ ہیں ویران ہو گئیں تو ہندوستان سے اسلام اور

ابا پاس ان پیشکو الخواص حاجت و غیہ الخواص اس میں کچھ فرق نہیں کہ مسلمان اپنی حاجت کو اپنے بھائی مسلمان کے سامنے ظاہر کر دے (توسخت مجبوری میں سوال کرنا جائز ہے) پھر جس شخص کے پاس تقدیر نہ لے کر پہنچا دیا اگر اس نے دید یا تو بہتر اور نہ دیا تو یہ بھی اچھا ہے اب وہ دوسرے کے پاس جائے اور میرے کے پاس جائے اگر تینوں نے کچھ نہ دیا تو آگے نہ بڑھے اور کچھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا مقدر یہ ہے کہ میری تسلیم سے کام لے۔ اب اپنی جگہ واپس آ جائے کسی اور سے سوال نہ کرے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے پاس قوت و حاجت پہنچا دیں یا جو ان کی مرضی ہو کر ہی۔

اب قرآن و کجی تو کہ آج کل اہل علم اور اہل حال دونوں میں سے کوئی بھی اس راستہ پر ہے جس کو اس کے بزرگوں نے کتاب و سنت سے مستنبط کیا ہے جب ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس حدیث (تہ شرح) میں بھی کچھ فقرہ مذکور ہے، تین خفا قسم! (آج کل کوئی جماعت بھی اپنے بزرگوں کے راستہ پر نہیں) راستہ بدل گئے اور (سید سے راستہ پر) چلنے والے کم رہ گئے طائفہ دانا ایہ واجعون، قوله و فیہ دلیل علی جواز السؤال ثلاثا والاربعہ حشرہ انی قوله فان الله اعلم۔

یہ ہمارے کارہے مالکیں کو سوال سے مطلقاً فرمایا ہے۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو اس کو مزدوری کے پیش پالنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ خانقاہ اہل بیت و جوں کے معین خدام اسٹیشن پر مزدوری کئے جاتے اور مزدوری کر کے اپنا کام چلاتے تھے، سوال ہرگز نہ کرتے تھے۔ اسی طرح جو شخص تبارک اسباب ہو اگر کسی وقت اس کو قوت و حاجت حاصل نہ ہوں تو قوت و حاجت نہ ہونے سے اس کو کچھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ترک اسباب پسند نہیں آئے کسب معاش کا کوئی میذ کرنا چاہیے۔

زینیل کے کہ سوال کے لیے ہرگز نہ چلے اور مولانا دوم نے شیخ شیرازی کا جو واقعہ لکھا ہے وہ ان کا خاص حال تھا جس میں وہ معذور تھے۔ اہل حال کے حال کو تسلیم کیا جائے گا مگر ان کی اقتدار نہیں کی جائے گی جب تک کسی پر ویسا ہی حال غالب نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



فت۔ حرث شاد نے مجھے معاف فرمائیں۔ اس حدیث میں اہل زینیل کے لیے کوئی حجت نہیں اس میں اشارہ ہے مسئلہ مذہب کے جس سے سوال کیا جائے تین دفعہ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ مگر یہ اس میں کہا ہے کہ زینیل سے کہیں نہ کرنا جائز ہے اور جو زینیل کے کہنے والے وہ تین آدمیوں سے آگے نہ بڑھے اس کے لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسلام میں زینیل کی کوئی اصل نہیں۔ یہ مروت و اہمیں اور جڑوں کا طریقہ ہے۔ اسلام کا اصول پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان پر صدمہ ہے اگر کوئی صدمہ نہ کر سکے تو اپنے ہاتھوں سے کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور دوسروں پر بھی صدمہ نہ کرے اسی

## حدیث

## کراہیۃ السؤال

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی برابر لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں آئے گا اس حالت میں کہ اُس کے چہرہ میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

**شرح** ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ زیادہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مراد ہر سوال میں گوشت علی

سوال تو مامور ہے۔ حق خالص فرماتے ہیں۔ غلبوا اهل الذکر، انکفتمہ لا تعلمون۔ اگر تم کو (کوئی حکم) معلوم نہ ہو تو اپیل دو کہ سے سوال کرو (یعنی اُن سے حکم شرعی دریافت کرو)۔ یہی طرح درست کا سوال بھی اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ حکم کردہ ماہ کو درست بتانا مامور ہے (اُس کا دریافت کرنا بھی جائز ہے)

اب صرف دُنیا کے سامان کا سوال باقی رہ گیا دُنیا میں مُراد ہے (یعنی بیک مانگا کسی سے روپیہ پسیر کا سوال کرنا) اور یہ بھی ہر حالت میں مَنوع نہیں کیونکہ ضرورت کے وقت سوال جائز ہے (بلکہ بعض کے نزدیک لازم ہے جبکہ بدون سوال کے جان پہچانے کی کوئی صورت نہ ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا اے مسلمان! بیشکو حاجتہ ونبیہا الخوض۔ مسلمان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی حاجت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ جس شخص کو سخت مجھوکہ (بے ہدایت کا اندیشہ) ہو اُس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ اُس

کے لیے مکر یا فعل ہے (کہ اسے سوال نہ کرے) یا راجح کر جائے، تو شدید ہر گاہ کیونکہ حق تسلیٰ فرماتے ہیں وہ صبر فکد دہشت ناک ہے۔ اپنے رب کے لیے صبر کرنے، نہ ہو کیونکہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو (جس سے معلوم ہوگا کہ اللہ کی تقدیر کا منتظر رہنا چاہیے کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے) یا اُس کو سوال کر کے جان پہچان، فعل ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنی حالت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ ضرر گیا تو اُس نے خود کوئی کاسمان کیا تو اب جماعت کے قول پر گناہ ہوگا (اور یہ اختلاف اس مُحدث میں ہے جبکہ اُس کے پاس فاقہ زور کرنے کی کوئی چیز نہ ہو اور اگر وہ ضرورت ہو جس کو آج کل ٹھیک بیزناس کہا جاتا ہے نہ کہ اسے شینے کاسمان موجود ہے اور بطور سیاسی حربہ کے مجھوکہ پڑتا ہے۔ اس میں اگر مکر سے گناہ تو سب علماء کے نزدیک خود کوئی گناہ ہوگا خوب سمجھ لو)۔

پس حدیث میں دُنیا کا سوال اُس وقت جبکہ بدون حاجت اور سخت ضرورت کا ہو اُس پر وعید ہے (جبکہ مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو) اور اگر توبہ کر لے تو اُنیس ہے کہ اس معصوم میں داخل نہ ہوگا (اور وہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ عجب عاقبت لہا۔ توبہ اُن تمام گناہوں کو ماقط کر دیتی ہے جو توبہ سے پہلے کئے تھے۔ ہاں یہ سوال باقی رہا کہ توبہ کے وقت جو مال اُس کے پاس سوال حرام سے چھوٹا جاتا ہے یا نہیں؟ اُس کو کیا کرے؟ ہو ظاہر ہے کہ مال حرام کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اب اگر اُن لوگوں کو یہ جاننا ہے جو اسے سوال کیا تھا تو اُن کی کوئی دُنیا کے ورثہ کو یا پس کر دے اور اگر ان میں یہ پہچانتا تو اس مال کو وراثت کر دے (اور صدقہ کا فایز اُن کو بھیج دے، تو یہ حقیقت میں اُن کی طرف سے صدقہ ہوگا اپنی طرف سے نہیں۔ پس اُس حدیث کے خلاف نہ ہوگا جس میں ورد ہے ناقبل صدقۃ من غلوا کر حرام مال سے صدقہ

قبول نہیں کیونکہ وہ اس ضرورت میں ہے جبکہ جسم مان کو اپنی طرف سے صدقہ دے اور  
راز اس میں یہ ہے کہ جب مال کا مالک معلوم نہ ہو تو اس کے دروازہ معلوم ہوں، تو یہ  
لافاصلہ کا مال ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کے وارث فقراء ہیں تو فقراء کو پہنچا  
دینا اصل مالک کے وارثوں کو پہنچانا ہے کیونکہ فقراء کے ذریعہ سے اس کو ثواب مل  
جائے گا ثواب بخیر ہو اور یہ حکم جیسا مردود کے لیے ہے ویسا ہی تو تولد کے لیے ہے  
اگرچہ حدیث میں لا جہاں موجب وارد ہے، جس سے بظاہر مردود کے ساتھ حکم  
کا خاص ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر غرض اس حکام شرعیہ میں مردود کا ذکر فقہیت کے  
ہونا ہے اور مردود میں بغیر مردود ہوتی ہیں۔ نیز یہ دھرمی شخص کے لیے ہے جو سوا  
کی عادت کے جیسا لا یرزا الرحمن کے دفعہ سے خارج ہے تو اگر کسی نے ایک دو  
بار سواں کیا جو عادت نہ کی ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں (گو بلا ضرورت  
سواں کرنے کا گناہ اس کو بھی ہوگا۔ مگر قیامت میں بدنام نہ کیا جائے۔ پس تو یہ  
اس کو بھی لازم ہے۔ ہذا محل عاذ ذلک است درج فی شرحہ)۔

(۱۸۸) علم دین کی سب کو ضرورت ہے  
ہے کیونکہ سب سے کہ دین کے لوگ بیک ماننے والے ہیں ان کے پاس دنیا کا کچھ  
راز و سامان نہیں ہوتا ان سے بھی سوال پر حساب کیا جائے گا کہ ان کا سوال علم  
شرعی کے موافق تھا یا خلاف تھا فقراء و مردود کا کیا حال ہوگا؟ (میاں سے ان  
لوگوں کو پہنچ لینا چاہیے جو بدو علم شرعی کے شیخ یا مولا بنے ہوئے ہیں) حدیث  
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر عمل سے کوئی مردود نہ ہوگا (یعنی یہ قدر نہیں سنا ہائے گا  
کہ ہم کو ضرورت تھی ہم جاہل تھے کیونکہ جب یہ ماننے والے بھی باوجود اپنی کمزورت کے  
مضطرب نہ ہوئے، ان سے بھی سواں کے متعلق باز پرس ہوگی تو اور لوگ کیسے  
مضطرب ہو سکتے ہیں۔

اور میاں سے معلوم ہوا کہ علم تمام فضیلت کی  
علم تمام فضائل میں فاضل ہے چیزوں سے افضل ہے جبکہ اس پر عمل کیا

جائے کہ اسی سے مغز اور ذیل میں امتیاز ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ  
(ضرورت کے وقت) غیر مسلم سے مانگنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم  
فرماتے ہیں ما یزال الرحمن لیسال انسان سمیعاً آدمی کو سواں سے برابر مانگتا  
رہتا ہے اور یہ فقط مسلم اور غیر مسلم دونوں کو عام ہے۔ اسی لیے ایک بزرگ اپنے  
گھر سے بدو ضرورت (اور سخت حاجت) کے نہیں نکلتے تھے اور جب نکلتے تو غیر مسلم  
کے سوا کسی مسلمان کے گھر پر نہ جاتے تھے۔ اُس سے کہنے اس کی وجہ کو بھی تو فرمایا  
کہ میں بدو ضرورت و امتیاز کے گھر سے نہیں نکلتا۔ اب اگر مسلمان کے دروازہ  
پر جاؤں تو اندیشہ ہے کہ وہ میرا سوال دکر دے، تو اس پر کوئی بلا نازل ہو  
جائے کیونکہ اس پر شرخیابی جان کا پھانسا واجب ہے (اس واجب میں کوتاہی کر  
گا تو بلا نازل ہونے کا اندیشہ ہے) تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان  
کو تکلیف پہنچے اور ذی (غیر مسلم) میری جان بچانے کا تکلف نہیں۔ اگر وہ مجھ سے  
بہبودی کرے گا اُس سے اس کو ٹھکانا یا پناہ جائے اور اگر میرا سوال دکر دے گا  
تو میری وجہ سے کسی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوگا (مسلمان اللہ! ان بزرگ  
کی نیت کا کیا کنا اللہ مالے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کا بُرا نہیں چاہتے بلکہ  
حدیث سے اس بات کا استحباب واضح نہیں کیونکہ حدیث میں سائل کی مذمت کی  
گئی ہے حدیث میں کی گئی۔ تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ خدمت میں اس بات کو بھی  
دلیل ہو کہ وہ سب ہی سے سوال کرتا رہا۔ نہ مسلم کو نہ کیا نہ غیر مسلم کو۔

فخدا حضرت نے لاف کی مزدوری اور خدمت کرنے میں بھی یہ قید لگائی ہے  
کہ جائز کام میں خدمت یا مزدوری ہو اور اس سے مسلمان کی ذلت نہ ہوتی ہو  
جب مزدوری اور خدمت میں یہ شرط ہے تو غیر مسلم سے مانگنا کیونکہ جائز ہوگا  
کہ سوال تو خود ہی ذلت ہے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم شریف اور سخی اور نیک دل ہو



مشہدہ کروں جب اس کے پاس پہنچے تو جیسا سنا تھا وہی پایا اور دیکھی وہ تو  
پھر نکلا پھر رہا ہے، پوچھا اسے کہنے وہ کہتا کیا کیا جو میں نے دیا تھا وہ تو جیسا  
قیچی تھا اس کو بیچ کر تو اب کی جگہ چاہا پانچ کپڑے بنا سکتا تھا مگر تو پھر بھی نکلا  
ہے، اس نے جواب دیا کہ پانچ کپڑا اس سے مانگوں تو تم نے دیا ہے اور مجھے اس  
کے ساتھ رہنے دو جس کی میں تا فرماں کر رہا ہوں۔ فرمایا ہے نہ تو نے پانچ کما۔ پھر  
اس کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس آئے (گھر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بزرگ  
نے اس سال کو پھر بھی کچھ دیا۔ لیکن سب کے متفقہ حال کے بعد پھر شریا ہوا اور اس کے  
جواب کو اس نے یہ روایتیں کیا کہ اس نے معقول بات کو بھی کہہ جب تم کو اب کی نیت  
سے حد تک پہنچے اللہ مجھے سخی سمجھ کر دے مجھے تو تہا۔ جواب میں گیا پھر اب  
تم کو مجھ سے باز پرس کا حق ہیں، اگر میں نے اس کو ناجائز کام میں صرف کیا اس کا  
میں ذمہ دار ہوں گا آپ فتنہ نہیں تو حد مقررہ ضابطہ کے متعلق یہ بات بھی ہے جیسے  
پہلے ایک حدیث میں گور چکا ہے کہ کسی نے دائرہ، چہرہ اور منی کو سات کے  
اندھیرے میں صدف سے دیا تھا تو وہ قبول ہوگا۔ ہاں! آئندہ کے لیے ایسے  
شخص کو دنیا جائز ہیں جو میلہ دیکر سے سوال کرتا ہے اور سوال کر کے بدنامی  
کو تباہ ہے ۱۲۔

جب تم اپنے نیک کام میں جتنے اندھیرے ہو تو میں کے ساتھ قلماء معاملہ ہے  
اس کے فضل میں رہو وہ بھی تم کو تپا فتنہ (دے دے گا اور مقرب) خاص بنائے گا۔  
قرآن و حدیث دلیل علی ان جہیم انما صحت جہنم الی العلوانی قولہ  
معدنا مغلنا۔

۱۳۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مراد علم دینی اور علم احکام ہے۔ جب مسلمانوں  
کے دن اچھے سے آئی ہر عزت و ذلت کا دار کا دار کا قہر آج اس علم کی وجہ عزت  
یا قیام نہیں رہی جس میں کچھ تو علماء و شہسب کی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر  
متمم کر دیا ہے اور کچھ علماء کی بھی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دنیا کو نذرانے

مزدت میں سوال کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھا ہو بلکہ عزت کرتا ہو تو اس سے  
سخت احتیاج کی حالت میں سوال کا معاملہ میں اندھیری طیر مسلم اکثر ایسے ہی  
ہوتے تھے کہ شرفداروں کی عزت کہتے تھے باقی آج کل تو مسلمان بھی سوال کرنے  
وہی کی عزت نہیں کرتے، خواہ کیسے ہی حاجت مند اور کیسے ہی شرفدار  
ہوں۔ غیر شک کو کیا کریں گے۔ پس ایک زمانے کو دوسرے پر قیاس  
نہیں کیا جاسکتا۔

سائل کو بلا وجہ جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے  
دیا دہ ان کو جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث  
میں سوال کرنے دے کی تو مذمت کی ہے مگر دوسروں کو پتہ آئے کہ جھوٹے مانوں  
میں فرق کیسے کریں فرمایا دین اس کو ناجائز ہے کہ ہر سوال کرنے والے کا سوال  
پتہ کر دیں۔ مگر یہ کہ کسی کے متعلق تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہو کہ اس نے  
سوال کو پیشہ بنالیا ہے تو اس کو دنیا جائز نہیں ہے کما حقہ حاشیۃ الترمذی  
عن ابی الدرداء وغیرہ۔

چنانچہ ایک بارکت بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک دن چلے جا رہے تھے،  
ایک شخص کو دیکھا کہ باطل نکلا ہے لوگوں سے اللہ کے واسطے کپڑا مانگ رہا ہے  
اپنے، پنا ایک کپڑا مانگا کہ اس کو دے دیا۔ یعنی لوگوں کو اس شخص کی عادت  
معلوم تھی کہ وہ میلہ اور ملکر تباہی (کپڑا پائیں ہوتا ہے پھر بھی نکلا ہو کر یہ کپڑا  
مانگتا ہے) اور اس کو بیچ کر ناجائز کاموں میں صرف کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ  
واپس ہوئے تو کسی نے خبر دی کہ میں نے اس سائل کو فلاح سمجھ دیکھا تو اس کے  
بدن پر آپ کا دیا ہوا کپڑا نہ تھا وہ پھر نکلا پھر تباہی، اور میں ہے اس نے  
آپ کے کپڑے کو بیچ کر ناجائز کاموں میں اس کی قیمت کو استعمال کیا ہو۔ بزرگ  
کو یہ سن کر فتنہ آیا اور پھر فرمایا ذرا بچے اس تک پہنچاؤ کہ خود اس حالت کا

اور اس خبر کا غائدہ یہ ہے کہ لوگ اس بڑی رسوائی اور ذلت کے عذاب سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان کے وعدہ ان سب سے بڑا دیں۔ کسی نے کہا ہے اپنا انجام اچھا بنا اگر تجھے کچھ عمل ہے اور اس دن کی رسوائی سے بچ بہت ہی محنت و محبت لگ ہے۔ جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تقویٰ ہے جو ہمیشہ تجھ پر انجام کرنا اور تیرے عمل کی قدر دانی کرتا ہے۔

قوله ما لمحمد ف كانه ياتي يوم اقامه و له مظنة ل محمد و جهنم قوله تقوى مولى ل محمد و له مظنة ل محمد و جهنم

ف۔ موفیہ کا کشف ہے کہ دنیا میں جو امور معانی و اغراض کی قسم سے ہیں۔ آخرت میں جو امور محسوس ہوں گے۔ اسی معنوں کو کسی نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ کو دنیا میں بھی اُس کے ساتھ ساتھ ہے یعنی اعمالِ صالحہ جنت ہیں کہ یہی اعمالِ آخرت میں اُس کو موجب ثواب و عفو و اشکال میں نظر نہیں آتے جس سے راست پہنچے گی اور اعمالِ سیئہ دوزخ ہیں کہ یہی آخرت میں خوف ناک موقوع ہیں اُس کے ملنے آئیں گے اور ستائیں گے۔

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موفیہ بھی فاسد کی طرح جنت و دوزخ کو خیالی چیز سمجھتے ہیں موجود اور مشاہد نہیں مانتے۔ موفیہ کے کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ موفیہ کے نزدیک جنت و نارہ اس دنیا سے الگ موجود اور مستقل مخلوق ہیں۔ چنانچہ بعض نے اپنے کشف سے جنت و دوزخ کی پیمائش ایک بیان کر دی ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور نعمتیں انسان کے اعمال سے ملتی بنتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خود بخود لے گا کہ نیت فلاں عمل کا صلہ ہے اور یہ نعت فلاں عمل کی منزل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو صورتِ شاعر نے بیان فرمایا ہے کہ جو امور دنیا میں معنوی تھے وہ آخرت میں محسوس و مشاہد ہو جائیں گے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جنت دوزخ محض خیالی ہیں بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو چیزیں دنیا میں خیالی بھی جاتی ہیں، وہ

دعوت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر علماء و لوہاء بعض تبلیغ کی نیت سے دعا کریں اور معاوضہ یا نذرانہ قبول نہ کریں بلکہ واپس کر دیں تو ان کی عزت بڑھ جائے۔ ہدایت اور غلو کی ہر عمل میں ضرورت ہے یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے اور قبولِ بارگاہِ الہی میں قبول ہو جائے اُس کا ثمرہ آخرت میں تو یقینی ہے دنیا میں بھی مل کر رہتا ہے۔

(۱۸۹) عمل کی جزا و جزا اُس کے من سب ہوگی کہ آخرت میں اُس پر معنویہ محسوس

ہوں گے اس میں کیا حکمت ہے کہ اس سال کے چہرہ میں قیامت کے دن جو کشت مذہب کا سوا ہے یہ ہے کہ چہرہ کا کھن گوشت ہی ہے اس لیے مونا ہے سے چہرہ کا کھن بڑھ جاتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اُس کے چہرے میں قہر و برتری نہ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے دنیا میں اپنے چہرہ کی آب و تاب کھوئی تھی یہی حیا کو تار کر کے دیا تھا جو چمک مانگنے سے روکتی ہے جب اُس نے بل ضرورت حیا کو تار کر دیا تو آخرت میں اُس کا کھن ظاہری زائل کر دیا جائے گا کیونکہ آخرت میں وہ چیزیں محسوس و مشاہد ہوں گی جو یہاں معنوی (اور باطنی) ہیں کیونکہ حکمت اس کو معنی ہے کہ دنیا میں جو کشت کا سنے کیا ہوگا آخرت میں اُس کا ایک نشان ہوگا جس سے سب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے یہ کشت کیا ہے تاکہ عذاب کے ساتھ ذلت بھی ملے ہو جائے کہ تمام عالم میں اس کی شہرت ہو جائے۔ چنانچہ بھولتی گواہی دینے والے کے ہاں سے میں وارد ہوا ہے کہ وہ قیامت میں اس حال سے اُسے ملے گا کہ اُس کی زبان سے اُسے نکلتی ہوگی اور خود عذاب و تہریر ہوتا ہوگا۔ جیسے مست اُنٹ مستی میں ہاتھ پیر مارتا ہے اور بچوں کا مال کھانے والا کہ جسے اس طرح اُنٹے ملے گا کہ اُس کے شکم میں اس کی ناک سے ماس کے ساتھ نکلے ہوں گے اسی طرح اور بہت گناہ ہیں جن کے صفت قبولِ اللہ صلی علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ (اُن کے لیے قیامت میں خاص علامتیں ہوں گی

باب

حدیث

## اقران الحج والعمرة

حوت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دہری حقیق میں سنا فرماتے تھے کہ آج اوقات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک قاصد آیا (جس نے یہ پیام پہنچا یا کہ) اس مبارک میدان میں غار پر چڑھئے اور کہئے کہ عمرہ بھی مجھے کے اللہ ہے۔

شرح حضرت شارح کو اس حدیث پر ایک اشکال واقع ہوا ہے جس کا جواب صریح بھی اپنے مذہب کے موافق دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ عمرہ فی حجة (عمرہ بھی مجھے کے اللہ ہے) سے یہ مفہوم آتا ہے کہ عمرہ کو احرام لگنے کے بعد طے کیا گیا حالانکہ قواعد شرع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمرہ کو احرام لگنے کے بعد نہیں کیا جاتا بلکہ حج کو ہی بعد کیا جاتا ہے مگر مفہیم کے مذہب پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک افعال حج شروع کرنے سے پہلے عمرہ کا احرام اور اعمال عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام ایک دوسرے کے ساتھ طے کیا جاسکتا ہے اور اگر افعال شروع کر دیئے گئے تو حج پر عمرہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، عمرہ پر حج کا اضافہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک اعمال حج یا عمرہ شروع نہیں کئے تھے بلکہ کبھی تک آپ مکہ منظرہ نہیں پہنچے تھے اور اعمال حج و عمرہ مکہ پہنچ کر ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ

آخرت میں خدائی نہ ہونے کی جگہ محسوس و مشاہدین جائیں گے۔

بعثت لوگوں کو اسے شیخ ابن عربی کے کلام سے یہ سمجھانے کے کہ دوزخ کچھ مدت کے بعد فنا ہو جائے گا اور کفار و مشرکین کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سو جان لینا چاہیئے کہ شیخ کے کلام میں یہ مضمون ملاحظہ کرنے لائق کر دیا ہے، شیخ کا یہ مذہب ہرگز نہیں وہ نصوص قطعہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے البواقیت داخرو میں تصریح کر دی ہے کہ شیخ کی نصوص کا جو مجموعہ نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ ہاں بعض نسخوں میں کچھ باتیں خلاف شرع ملتی ہیں موصوفیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں ملاحظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔



کو فتح کا کسی کو افراد کا تاکہ سب محرموں کا جو نام معلوم ہو جائے۔ ناقلین نے اس امر کو آپ کا نقل قرار دیا اور محرمات میں ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وجہ النہی صلی اللہ علیہ وسلم ماحر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحر کو ہم کی مانند کر کے اپنے سے خود رحم نہیں کی طرف حکم دیا تھا۔ اسی طرح بولا جاتا ہے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابرے سے فلاں شہر بنایا۔ حالانکہ وہ خود نہیں بنایا، صرف حکم دیتا ہے۔ مگر حکم کو فعل کہہ دینا محرمات میں شائع ہے۔

تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نیت کی تھی اور قارن پر یہ واجب نہیں کہ تلبیہ میں ہر دفعہ حج و عمرہ دونوں کا نام لیا کرے بلکہ ایک دفعہ دونوں کو جمع کر کے پھر ایک کے ذکر پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔ تو آپ نے بھی تو ایک بعمرہ و نعت کہا جس نے اس کو سنا اس نے کہا حضور قلنا کہ تھے بھی فرمایا لینک مجھے جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ مفرد ہیں۔ اس نے افراد کی روایت کی۔ بھی فرمایا لینک بعمرہ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ متبع ہیں۔ اور اس سے تو حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا جس نے بھی اس کو سنا محفوظ رکھا اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دیا۔ اب یہ مجتہد اور محقق کا فرض ہے کہ کتاب روایا کو جمع کر کے راجع اور درجہ کو معلوم کرے چنانچہ انہوں نے محققین کے ثبات کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا کہ تھے۔ کیونکہ میں سے اوپر صحیح اور درجہ جدید میں اس پر دل ہیں اور دوسرا وجہ سے ان روایات کو دوسری تعلیقات پر ترجیح ہے میں کو تفصیل کا شوق ہو زوال المعاد ابن القیم ص ۱۹۷ کا مطالعہ کرے۔ یا اطوار اسلم ص ۱۲۷ سے مزاحمت کرے۔

(لطیفہ) حضرت حکیم الامت خداوند مرقہ نے ہود والنواد میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک عالم سے جو کہ فارسی میں، اہل حق کے استاد ہیں، ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کمی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے

دو ای معتقد کا ہے معنی ذوالغیضہ کا جو دھڑکے چل رہا ہے اور مدینہ والوں کی مریت ہے۔ اکی جگہ سے وہ احرام باندھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اکی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام میں باندھنا نہ کا نہ عمرہ کا کہ رات کو بندھنا نہ کی طرف سے فرشتہ نے یہ پیام پہنچا یا کہ اس وادی مبارک میں نماز پڑھنے اور نماز کے بعد عمرہ و حج دونوں کا احرام ساتھ ساتھ باندھنے جس کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ حدیث حنیفہ کے اس دھڑکے کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مفرد یا متبع نہ تھے۔ اس کے بعد شارح نے ملاحظہ کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ ۱۰ اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے۔ اور اس کی کیفیت میں اس قدر اختلاف و دایہ ہے کہ کوئی کہتا ہے آپ قارن تھے کوئی کہتا ہے مفرد تھے کوئی کہتا ہے متبع تھے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے صحابہ کی نقل پر وثوق نہیں دیتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو پڑی طرح ضبط نہیں کر سکے۔

جب کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹ کا احتمال خبر میں ہو سکتا ہے استدلال اور نظریہ میں ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر بطریق اعتدال یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے قرآن کیا ہے یا نفع۔ اگر ایسا ہوتا اور پھر بھی صحابہ نقل میں اختلاف کر سکتے تو اشکال ہو سکتا تھا اور سب ایسا نہیں بلکہ ہر شخص نے آپ کے انصاف سے ارادہ و نیت پر استدلال کیا ہے، استدلال میں اختلاف ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ بن عام کے ساتھ اپنے قارن ہونے کو اس لیے ظاہر نہیں فرمایا کہ ہر سب ہی قارن بننے کی کوشش کرتے اور سب کے لیے قرآن مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں احرام طویل ہو جاتا ہے طویل مذمت تک موقوف احرام سے پہنچا ہر اک کو آسان نہیں۔ پھر قارن پر قرآنی بھی واجب ہے جس کی سب کو استطاعت نہیں۔

دوسرا جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قرآن کا حکم دیا کسی

انہوں نے منع فرمایا۔ اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں مستحق طہارت ہو جاتا۔ انہوں نے جو ب دیا کہ یہ دلیل ہے ان کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا عموماً جبکہ محل تحقیق معانی ہوں جبکہ مادیات مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے۔ ص ۴۴

نہیں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ کے اہتمام فعل کی دلیل صحیح ہی کے واقعہ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو بھی نہیں چھوڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک کس وقت کہا تھا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض فرمایا کہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں بھی اختلاف ہے کہ آپ نے کس وقت نیک کہا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی موقع کی امتثال فرمائی ہے ان میں اختلاف ہو گیا۔ میں سب سے زیادہ اس کو جانتا ہوں (تو کہہ لوں) آپ کے قریب تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے ارادے سے تشریف لے چلے جب آپ نے مسجد نبوی اعلیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اُسی جگہ احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد نیک کہا۔

کچھ لوگوں نے مشنا اور اس کو محفوظ کر لیا (ان کی روایت یہی ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد نیک کہا) پھر آپ ناکہ پر سوار ہوئے جب ناکہ آپ کو ملے کہ کھڑی ہو گئی اس وقت بھی نیک کہا۔ بعض لوگوں نے اسی وقت آپ کا تلبہ سنا کیونکہ جمع بہت زیادہ تھا سب آپ کے پاس نہیں رہ سکتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے پاس سے گزرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ حضورؐ نے اس وقت نیک کہا جب ناکہ کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ آگے بڑھے جب بداد کی بندی پر چڑھے اس وقت بھی نیک کہا۔ بعض لوگوں نے اس وقت آپ کا تلبہ سنا ہے نہیں سنا تھا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیڑہ کی

بندی پر چڑھتے ہوئے تلبہ کہا اور دعا کی قسم! حضورؐ نے اپنی نماز (احرام) کی جگہ (بچے) نیک کہا اور ناکہ کے گھرنے کے وقت بھی (دوبارہ) نیک کہا اور بندی بداد پر بھی نیک کہا (کیونکہ احرام کے بعد تو ہر اختلاف حال میں نیک کہنا مستحب ہے) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں لوگوں نے ابن عباسؓ کی روایت کو یہ وہ اسی جگہ نیک کہتے ہیں جہاں (احرام) کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا۔ ورنہ مسلم پر بھی کہتا ہے۔ فقہی نے اس کی تائید کی ہے اور یہ روایت نہیں اپنی وہ فقہ میں ہی ہے اور اب فقہ کا عمل اب اسی ہے۔

اسی طرح آپ کے حج کی ہر ہر بات کو صحابہ نے محفوظ کر کے روایت کیا ہے مثلاً حنین سے کس دن خروج ہوا؟ کس وقت کوئچ ہوا؟ غمر کمان پر مٹی عمر کمان پر مٹی؟ راستہ میں کس مقام پر نزول ہوا؟ کتنی جگہ چراؤ ہوا۔ ہر منزل پر آپ کس جگہ پر گھڑے ہوئے کمان پیشاب کیا؟ کمان اونچی کو مگر دیا؟ کس جگہ فصل کی کس جگہ دعا کی؟ مکہ میں کس راستے سے داخل ہوئے؟ کس دن اور کس وقت داخل ہوئے مکہ میں داخل ہو کر کس دروازے سے بیت اللہ میں آئے آتے بھولے کیا کام کیا؟ مکہ میں کتنے دن قمر سے؟ کس تاریخ کو کئی کی طرف چلے؟ کئی جماعت کئی نمازیں پڑھیں؟ وہاں سے عرفات کی طرف کب چلے؟ عرفات کس وقت پہنچے؟ وہاں کیا خطبہ دیا؟ وہاں سے کب لوٹے؟ اور کس راستے سے واپس ہوئے؟ راستہ میں کمان وٹوکی؟ کمان پیشاب کیا؟ مزدلفہ کب اور کس وقت پہنچے؟ مزدلفہ میں کتنا قیام ہوا وہاں سے کس وقت کوئچ ہوا؟ کئی کب پہنچے؟ وہاں آگے ہی پہلے کیا کام کیا۔ کس قریب سے کیا؟ لوگوں نے اس تمام سفر میں آپ سے کیا کیا مسائل دریافت کئے؟ حضورؐ نے ان کا کیا جواب دیا؟ کئی میں کہتے تھے دینے؟ ان میں کیا فرمایا؟ صحابہ زیارت کب کیا؟ وہی جہاں کس طرح کیا؟ کئی سے واپس ہو کر کمان نزول ہوا؟ وہاں سے مدینہ کو کس وقت اور کس دن واپسی ہوئی۔ پھر واپسی کے عمارت سے بھی (اس تفصیل سے بیان کئے

لئے کوئی ہے جو اس اہتمام کی شان پسند کر سکے۔

**فصل فی انسان** حدیث سے انسان کی فضیلت بھی تمام مخلوقات پر مضمون ہو رہی ہے کیونکہ کسی مکان یا زمان کی فضیلت ہی انسان کے فائدہ کے لیے ہے کہ وہ ان میں عبادت کا محراب ہے اور اس کا ثواب بڑھتا ہے۔ چنانچہ اس کی تعریف حق تعالیٰ نے شانہ کے اس رشتہ سے بھی ہوتی ہے و سفر لکھ جاتی المسبوت و عاقل الارض جمیعہ انہ ان فی ذلک آیات لغوہ یفکر و جاد

اور اللہ تعالیٰ نے تمام اس واسطے اپنی طرف سے (اپنے حکم سے) اور تمام چیزوں کو سخر کر دیا (یعنی تمام اسے کام میں لگا دیا) ہے جو انسانوں اور زمینوں میں ہیں (کیونکہ اگر انسان نہ ہو تو ان کا کوئی نقصان نہیں اور یہ نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جائے۔ اس سے ہر شخص کچھ سکتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات انسان کے واسطے ہیں۔ انسان ان کے واسطے نہیں۔ تو کیا انسان اثرات و مخلوقات پر کیا کابر محض ہے اس کے متعلق کوئی کام نہیں؟) یقیناً اس میں وہ کہیں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں (وہ خود و فکر کے بعد اس تکبر پر پہنچتے ہیں کہ ان چیزوں کو ہمارے کام میں لگانا ہمارے بس کی بات تو نہیں کیونکہ چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، بادل، ہوا اور دریا ہمارے بنائے ہوئے نہیں نہ ان کے نظام پر ہم کو قدرت۔ اسی طرح زمین سے جو ہمارے واسطے فکر پل کرکاری اور اقام و انوار کی نعمتیں پیدا ہو رہی ہیں، جانوروں سے دودھ و غیر مل رہا ہے ہم نے اس میں کچھ نہیں کیا؟ پھر کس نے ان چیزوں کو ہمارے واسطے بنایا و رب کو ہمارے کام میں لگا دیا؟ اسی نقطہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا اور اس کے راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی فکر ہوتی ہے اور انسان کچھ جانتا ہے کہ جس نے میرے واسطے یہ تمام سامان کیسا ہے اس نے ضرور میرے فرائض بھی کچھ رکھے ہیں اور ایسا ہی مان مالک رکھے اندر میرے اور گراہی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد اس کو دلوں اور زامناؤں کی

کاش ہوتی ہے۔ پھر عاقل و عاقل محرم نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ جاتا اور قرآن و حدیث سے اپنی طلب کی پیاس بجھا سکتا ہے۔ ہر حق میں تمام مخلوقات سے ہیں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور جاسے ہی اوپر رحمت ہو رہی ہے۔

قرآن و ذیہ دلیل علی ان اللہ عز و جل یفضل ما یشاء من خلقه فی قله فکما الفائدة لنا و حصہ بنا۔

**فت**۔ شریعت نے تو کئی زمان یا مکان کی فضیلت اس لیے بتلائی تھی کہ ہم اس میں عبادت کر کے ثواب زیادہ حاصل کریں۔ لیکن اب اس فضیلت کو ابو و حبیب کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے یا آدمی وصول کرنے کا وسیلہ۔ چنانچہ شب قدر کی فضیلت کا یہ حشر ہو رہا ہے کہ اس رات تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے تو مسجد میں غلو پرانے کی مائی ہے۔ مسجد کا انتظام ہوتا ہے اور سجدہ میں وہ خود غلو برپا ہوتا ہے کہ مسجد کا ادب ملحوظ رکھتے نہ نماز پڑھنے والوں کی ناز کا خیال کیا جاتا ہے۔ عید و غیرت کا رون خوشی کا ہے۔ تاکہ سب مسلمان جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ذکر و تہنید کر لیں، اللہ کا بولی بالا کریں۔ اس کو بھی تاشا بنا لیا گیا۔ بہت آدمیوں کی عید تو بیکردن کی عید ہوتی ہے۔ ناز کا اہتمام برائے نام ہوتا ہے اور عید کی ناز کے بعد تو نوجوانوں کو ہونٹوں اور سینہ گھونٹوں میں دھک دیاں ملنے لگتے ہونگے استغفر اللہ! حاشوہ عرم میں روز کی فضیلت ہے اس میں وہ عزافت ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی دلم لیکہ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

دع الاقل میں ولادہ بویہ کی وجہ سے فضیلت اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دود و سلام زیادہ پڑھا جائے۔ آپ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کیا جائے مگر لوگوں نے اس کو بھی ایک شمار بتایا جس میں مولیٰ محض بیلا کے اور کچھ نہیں ہوتا اور رسول بیلا بھی اپنی طرف سے ایک خاص محدث اختراع کر کے متفق کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرتے ہی قیام

## باب ش

## حدیث

## الانابة عن الحج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج و عمرہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہو گیا ہے۔ مگر وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا تو میں کیا اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں! (کر سکتی ہو)۔

شرح: ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اب گنگویر ہے کہ شرح کیا حج فرض اور نفل دونوں میں نیابت ہو سکتی ہے؟ جیسا امام شافعی سے منقول ہے یا صرف نفل میں ہو سکتی ہے فرض میں نہیں۔ سوا س عورت نے اپنے باپ کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ سواری پر نہیں جم سکتا اس کا مقتضایہ یہ ہے کہ اس پر حج فرض نہ تھا کیونکہ نفل سے فرما لے ہیں کہ وہ استطاع ایہ صیلا (حج اس پر فرض ہے) جو دستہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس شخص کو طاقت نہ تھی تو اس پر فرض عائد نہ تھا مگر سوال کرنے والے کے سوال میں تصریح ہے کہ فریضہ حج اس کے باپ پر عائد ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔ اس سے زیادہ مزید عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ ایک شخص قبیلہ غنیم کا حضور کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے اسلام قبول کر

لیا جاتا ہے اور قیام میں لگے ظاہر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ پھر حاضرین کو عثمانیہ کی جاتی ہے اور سیلا و خوان کو نذرانہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طریقہ کو بدعت کہے تو اس کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ سیلا و خوان کے نذرانے موقوف ہوتے ہیں مگر یہ ضحوت اسی وقت تک بھی ہے جب تک سیلا و خوان کو نذرانے مل رہے ہیں اور اگر حاضر مسلمین ان سے برا پر سیلا و خوانیں اور نذرانہ بند کر دیں تو میں پتہ کتا ہوں کہ وہ خود بھی اس کو بدعت کہنے لگیں گے۔ مسلمانوں کو کچھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس زمان یا مکان کو فضیلت دی ہے اس میں عبادت مطلوب ہے۔ لمو ولوب اور شش اکائی مطلوب نہیں۔ اب وہ خود فیصلہ کر لیں کہ ان کا عمل مقصود شریعت کے موافق ہے یا خلاف۔ واللہ المستعان۔

واقعہ یہ ہے کہ ان ایام فضیلت کے آنے سے پہلے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہی ان ایام میں بھی جاتی رہتی ہے اور ان کے بعد بھی۔ ہذا ان میں عبارت کا اہتمام ہوتا ہے ہذا کے بعد جو محض ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ؟ یعنی وقسم ان ہنگامہ آرائیوں میں ہر سال صرف ہوتی ہے اگر اس کو کسی تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں کی حالت بہتر مل جاتی اور ان ایام میں اپنی حالت درست کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو نصرت خداوندی شامل حال ہوتی مگر لوگ صرف ہنگامہ آرائی کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں اہل کا اہتمام بالکل نہیں۔

اُس کے تابع ہے اور عبادات مایہ میں نیابت جائز ہے اور فرض مالی میں بلا احتکاء جائز ہے۔ باقی عبادات بدنیہ (مختصہ) میں نیابت جائز نہیں۔ صرف بعض لوگوں نے شذوذ کے طور پر خلافت کیا ہے (یعنی وہ عارف قہار ہے، الگ ہو کر ایسا کئے ہیں) کہ اگر کوئی میراثے اور اس کے خستے فرض روزہ ہو تو ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا (بلکہ قہر ادا کر سکتا ہے)۔

ایک حدیث میں (یہ نفع) وارد ہوا ہے یہو معنہ ولیہ کہ ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ بعض علماء نے اس پر عمل کیا مگر جمہور کے نزدیک اس پر علماء اجماع و طور سے ثابت نہیں ہوا۔ جمہور کہتے ہیں کہ بین صحابہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اُن کا فتویٰ خود اُس کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: لا یصلح لہ احد من اعداء ولا یصلح لہ احد من یعدوہ، ان کنتم قطعاً لصلحت احدہ اذ حدیث۔ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اگر تمیں کچھ کرنا ہے تو اُس کی طرف سے حدیث کر دیا ہدی کر دو یعنی زمانہ کے کسی عارف کو بانٹ دو۔

یہی تاویل کن چاہیے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے وہ حکم ابتدائی اسلام میں ہو گا یا یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث اُس صورت میں ہے جب میت نے وصیت نہ کی ہو یا وصیت کی ہو مگر کچھ مال نہیں چھوڑا تو وارث پر قہر واجب نہ ہوگا۔ یا ان اگر وہ چاہے اپنے پاس سے قہر ادا کر دے یا نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر میت کو اُس کا ثواب پہنچا دے اور دوسری حدیث اس صورت میں ہے جب میت نے وصیت کی ہو یا مال بھی چھوڑا ہو۔ اس وقت وارث کا نماز روزہ کا میت کو کرنا بلکہ قہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہذا هو تفصیل حاذکہ الشارح فی ملقہ ما یطہر فی الاصل و اللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ ہے۔ وہ بہت بڑا ہے سوری نہیں ہم کہتا ہے اور گ اُس پر فرض ہے تو کیا میں اُس کی طرف سے گ کر سکتا ہوں؟

فرمایا کیا تم اُس کے سب سے بڑے بیٹے ہو؟ کہا ہاں! فرمایا بھلاؤ اگر تم اپنے باپ پر کھڑی کا دین ہو تا اور تم اُس کو ادا کر دیتے تو کیا اُس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ کہا ہاں! فرمایا تو میں تم اُس کی طرف سے گ کرو۔ عافہ احمد و انسائی و قال الخافض ابن اسنودہ صالح ص ۱۲۰-۱۲۱

اس میں سوال کرنے والے نے اپنے باپ کی حالت بیان کر کے صاف کہا کہ اُس پر گ فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا رد نہیں کیا بلکہ ادا دین کی مثال دے کر اُس کو حکم دیا کہ اپنے باپ کی طرف سے گ کرے۔ اسی لیے امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ محنت بدن و امن طریق شرط واجب ادا ہے۔ شرط نفس و وجوب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من استعاض الیہ سبیلہا کی تفسیر میں موت زاد و راحلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ محنت بدن و امن طریق وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا تو میں میں زاد و راحلہ کی قدرت موجود ہے اُس پر گ فرض ہوگا۔ اب اگر مرغن اور ضعف وغیرہ بھی نہیں تو خود گ کرنا فرض ہے اور اگر کوئی مرغن یا ماسکہ کی بدلتی یا بدلتا مال ہو گیا تو خود گ کرنا فرض نہیں بلکہ بگ بدل کر دینا یا وصیت کر جانا فرض ہے یہی قول مجہ ہے اگرچہ مذہب میں ادبی دعا نیست ہیں۔ ہر حال یہ حدیث بگ فرض میں مجاز نیابت پر مانی ہے اور نقل اُس کے تابع ہے ۱۲۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ (گ کی طرف) اور طاعت بذریعہ بی نیابت جائز ہے یا نہیں؟ جیسے نماز روزہ تو مجھ سے نزدیک جائز نہیں اور میں اُٹھنے کے جاں نیابت جائز کہ ہے صرف اسی حدیث کی وجہ سے جائز کی ہے اور تم دیکھو کہ ہو کہ ان میں بھی اختلاف ہے کہ یہ حدیث بگ فرض کے متعلق ہے یا نقل کے۔ دوسرے میں گ اتفاق مال کی محنت غالب ہے طاعت بدنیہ



دیتے دیکر ایسا نہیں ہوا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا عمل بھی اسی پر ہوا کہ ان کی مجلس میں بھی ایک خاص جماعت اہل شریعت کی رہتی تھی جو حضرت خلفاء کے احکامات کو سننے اور محفوظ کر کے اور ضرورت کے موقع پر مشورہ بھی دیتے تھے۔

قولہ فیہ دلیل علی جواز التلمیذ فی العلم والی قولہ لکن یشکر ولک دیہینہ

**ف** - صوفیاء کے نزدیک بھی ایک شخص دوسرے کے متعلق سوال کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی شخصی حالت کے متعلق سوال نہ ہو۔ مثلاً یہ سوال کر سکتا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہے وہ بیماری میں اپنے معمولات پڑے نہیں کر سکتا تو کیا کہے؟ لیکن یہ سوال نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص میں بدنگاہی کا مرض ہے اس کو کیا کرنا چاہیئے یہ سوال مریض کو خود کرنا چاہیئے۔ وہ علی رضی اللہ عنہ۔

**ف** - ضرورت کے موقع پر ضرورت کو عالم کے پاس جانا اور حکم شرعی دریافت کرنا جائز بلکہ بعضی وقت واجب ہے جب کہ اس کے سوال کوئی ضرورت نہ ہو مگر عالم کو تنہائی میں عورتوں سے بات نہ کرنا چاہیئے یا تو اپنے گھروالوں کے سامنے بات چیت کرے یا مجمع عام میں۔ اگر عالم کے گھر پر سوال کرنے کا موقع مل جائے تو عورت کو عالم کے سامنے نہ آنا چاہیئے بلکہ پردے کے پیچھے سے بات کہے اور اگر عالم کے گھروالوں میں سے کوئی اس قابل ہو کہ سوال سمجھ کر صحیح طور سے عالم کے سامنے بیان کر سکے تو اجنبی عورت کو خود بات نہ کرنا چاہیئے بلکہ بواسطہ سوال کرنا چاہیئے اور اگر اس کے گھروالوں میں کوئی سوال کو میں خود سے ادا کرے پر غور نہ ہو تو یہ خود پردے کے پیچھے سے بات کہے اور مجمع عام میں سے سوال کی ضرورت ہو تو عورت کو مؤمنہ کوئی نہ کرنا چاہیئے، بلکہ یہ موقع چوش ہو کر آنا چاہیئے۔

اور اس عورت نے جن کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے نہ کھول کر اس

(۱۹۱) کسی کی طرف سے دوسرا استفاء کر سکتا ہے حدیث سے معلوم

شرعی معلوم کرنے میں نیابت جائز ہے (کہ کسی کی طرف سے دوسرا استفاء کرے) مگر چنانچہ اس عورت نے اپنے باپ کے متعلق استفاء کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی بتا دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اپنے باپ سے کو خود اگر سوال کرے؟ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت ہی دوسرے کی طرف سے حکم شرعی دریافت کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے بات چیت کرنا اور اجنبی مردوں کا اس کی آواز سننا جائز ہے اگرچہ اس کی آواز بھی عورت سے ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) جس کا سننا اجنبی کو جائز نہیں مگر ضرورت میں جائز ہے (اور یہ موقع ضرورت کا تھا کہ حکم شرعی معلوم کرنا تھا) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نے مسئلہ دریافت کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سننا اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور اس کو بات کہنے سے منع کر دیتے اور فرماتے کہ کسی محرم کے قریب سے سوال کرو) اور اس سے معلوم ہوا کہ متقی حکام اور فقہاء کے ساتھ (ان کے دربار وغیرہ میں) بیٹنا جائز ہے اگرچہ ان کے پاس مرد اور عورتیں سب ہی کہتے ہوں۔

کیونکہ جس وقت اس عورت نے سوال کیا خاص وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور دوسری احادیث میں بھی یہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں حاضر رہتی تھی (اسی طرح احکام شرعیہ) کا نظروں سے گزرنا آپ نے آپ سے میں کوئی جو کچھ بتلایا اور جس کے بھی سوال کا جواب دیا صحابہ کی ایک جماعت اس کو سننے اور محفوظ کرتی تھی۔ پھر انہوں نے بعد والوں کو احکام پہنچائے جو کتب حدیث میں جمع کر دیئے گئے) اگر یہ ضرورت دوسروں کے لیے جائز نہ ہوتے، عورت آپ کی ذات سے خاص ہوتی کہ وہاں تقریر و بیانیہ کے لیے اس کی ضرورت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور غلط فرمادیتے

یہ بات کہ وہ احرام کی حالت میں بھی اور حالت احرام میں حدیث کو نہ کھولنا جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ زمانہ گج میں جو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ عورتوں کے نہ کھولنے سے اب تک کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی زمانہ فساد پر نظر کر کے آج کل فقہاء نے حالت احرام میں بھی عورتوں کو نہ کھولنے کی تاکید کی ہے۔ مگر کچھ ائمہ سے علیحدہ رہتا چاہیے۔ جس کے لیے اس قسم کے کپڑے، پٹھے ایجاد ہو گئے ہیں جن کو سر پر دیکھنے سے نقاب چہرہ سے الگ رہتا ہے۔



## باب ۱۹

### حدیث

### ما یلبس المحرم فی العج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! محرم کون کون سے کپڑے پہن سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دھرم اقمیں وہ پہنے نہ عمار باندھے، مٹا پنہاں پہنے نہ برنس (لمبی ٹوپی کا نام ہے جو زمانہ قدیم میں استعمال کی جوتھی) نہ کر کو گردن سمیت محیط مٹی (اور نہ موزے پہنے مگر یہ کسی کے پاس فعل نہ ہو) (وہ جو نہ جھیں ہیں، یعنی نہیں ہوتے) تو وہ موزے پہن سکتا ہے، بشرطیکہ ان کو ٹخنوں سے نیچے نہ کرے، لائن دسے اور گنا ایسا پٹا نہ پہن جس کو زعفران یا دوسرے لگی ہو رہے ہیں، ایک گھاس ہے جو ٹکڑوہ جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ حالت احرام میں ان کپڑوں کا پہننا اور ایسے شکر موزے پہننا جس سے ٹخنے ٹھک جائیں وہ زعفران اور دوسرے رنگے ہونے کپڑے پہننا منع ہے اور ظاہر یہ ہے کہ مخالفت ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ بعض کو بیان فرما کر تنبیہ کی گئی ہے جو ان کے مثل ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۱۹۲) گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ مخاطب سمجھ جائے یہاں سے معلوم ہوا

اصل الذکر بہ کتب و تلامذہ -

(۱۹۳) مسائل جزئیہ کی تحقیق بھی جائز ہے جزئیہ کی تحقیق کرنا جائز ہے کیونکہ اس شخص نے جزئیات مجاہد سے سوال کیا تھا اور رضی اللہ عنہما علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا جس سے اس قسم کے سوال کا جواز معلوم ہو گیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گا کہ احکام دین کا پوچھنا عزوت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ اس شخص نے محرم کے لباس کو دریافت کیا حالانکہ وہ اس وقت محرم نہ تھا مگر اس کے مناسب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات وہ اپنے زمانہ کے ایک امام کے پاس رہے جن پر عبادت کا دریا بہا، غضب تھا۔ اگرچہ اس وقت اس کے سبھی اہل کسب مال تھا مگر پھر بھی بعضوں پر کسی ایک شان کا غلبہ ہوا تھا تو وہ امام قورات بھر نماز میں مشغول رہے اور امام شافعی بیٹھے رہے۔ جب کوئی عامل کی بیوی سے کہا کہ وہ امام شافعی ہیں جن کی آپ تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ قورات بھر نماز پڑھتے رہے اور وہ رات بھر رہے جس و حرکت بیٹھے رہے۔ ان بزرگ نے اپنی بیوی کی بات کا ذکر کہ امام شافعی سے کیا تو فرمایا کہ میں آج رات بھر استنباط مسائل میں مشغول رہا اور اس کی (۸۰) مسئلے دلیل و برہان کے ساتھ اپنے ذہن میں جمع کر لیے۔ ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ جس کے بیٹھے رہنے پر تو نے اعتراض کیا تھا اس نے اس رات میں اس کی مسائل استنباط کئے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ میری ساری عبادت سے افضل ہے کیونکہ میری عبادت تو صرف میرے لیے ہے اور مسائل کا استنباط ساری امت کو نافع ہے جس سے قیامت تک وہ دین کا راستہ معلوم کرے گی، تو تم ان حضرات کی بزرگی اور باہمی نصیحت اور علم کے احترام کو تو دیکھو اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (واقعی یہ حضرات امام تھے) اور یہی حق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ ہر عالم و دوسرے کا احترام کرے اور حضرت اللہ تعالیٰ کے

عزت کلام کرنا چاہئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کچھ گریہ ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا لیا، اس طرح کلام فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے، اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ اس کو جواب سے پوری بات سمجھ جائے تو آپ اپنی کتابت پر اتفاقاً نہ کرتے جو حدیث میں مذکور ہے بلکہ ہاں اس کے ساتھ شریف فرماتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ حدیث بخاری اور قرآن شریف میں زبان عربی کے قاعدے کے خلاف ہی طور کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی غلط نہیں۔ اسی لیے تم تسلسلے فرماتے ہیں فاعلم انہ لا یساہل لہم بشکرون (ہم نے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں) یعنی بقاعدہ زبان عربی جس مطلب کو کلام متفقہ ہے اس کو سمجھ جائیں تاکہ ان سے جن بات کا ارادہ کیا گیا ہے اس کو سمجھ کر نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں :

قوله انہ المستکم عن طلب اسائل بحکمہ ما یصلہ انہ ینہضہ عنہ الی قوله فیستذکر وہ عندہ ملک -

فت - حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ بات صاف آوے اور پوری ہوا دھوری نہ ہو تاکہ محض طلب و بھی طرح مطلب سمجھ جائے۔ جن لوگوں نے حضرت کے مکاتیب و رسائل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت حکیم امت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مختصر بھی کافی ہوتا تھا۔ موصیہ اور علماء کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

فت - جو لوگ قرآن و حدیث میں بدون ذوق عربیت کے غور کرنا چاہتے ہیں ان کی فطرت میں دماغ ہو گا۔ ان کی معنی پہلا معنی ہے۔ قرآن سے اپنے طریقہ کو قواعد عربیت کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح معنی کو حق ترجمہ کر دیکھ کر سمجھنا چاہتے ہیں۔ بیٹے غریبی صرف وہ خوب پڑھ کر قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب قرآن و حدیث میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو عربی زبان سے ذوق نہ ہو اس کو علماء و محققین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ فاسد کلام





اور جو کھن اور ضروریات دین کے (دنیائی) اور کوئی چیز ساتھ نہیں جاتی، اسی طرح حاجی اپنے اہل و عیال اور دلوں سے مفارقت کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ مل کر بیان فرمایا ہے۔ **وَلَا تَلْبِسُوا حِلْمَكُمْ** انا اقتلوا انفسکم اذا خرجوا من ديارکم كما فعلوا انا قتیلنا منہم (اور اگر ہم ان کے اوپر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جائیں سے دو یا گھر سے نکل جاؤ تو بہت کم آدمی اس فرض کو پورا کرتے، اور اُس کے ساتھ ہی بقدر ضرورت سفر کے مال ہوتا ہے۔ غالب عادت یہی ہے کہ اپنی سب چیزیں لے جاتے ہیں۔

تیز حیاتیت کو قیامت سے پہلے مختلف مقامات میں ٹھہرنا چاہیے اور قسم قسم کے فطرت پریشی کے ہیں جس سے مہین لوگ غوی جاتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ غوی دینا چاہتا اور جیسے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حج کے راستے میں بھی بہت مشقتیں پیش آتی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے **لَا تَكُونُوا بِالْحِجَةِ الْإِسْخَارِ** (میں اور یہ جانو کہ تم اسے بوجھ اٹھا کر ایسے شہر میں پہنچاتے ہیں جہاں تم بدلتے جانوں کو مشقت میں ڈالتے ہیں، جہاں پہنچ سکتے تھے) اور مہین لوگ حج کے راستہ پر ہی ہلاک ہو جاتے ہیں، جیسا وہاں بعض لوگ قیامت سے پہلے ہی ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں) مگر دونوں ہلاکتوں میں ایک فرق ہے کہ یہاں تو صرف اتنی ہی ہلاکت ہے کہ جان بدن سے نکل جاتی ہے، جس میں بعض دفعہ سعادت (اور شہادت) بھی مل جاتی ہے، اور وہاں کی ہلاکت فطرت کی کثرت سے ہوتی ہے، جن سے غلامی نہیں ہوتی، تو وہ شقاوت اور ناگاہی کی ہلاکت ہے (حج کے راستہ میں ہلاک ہونے والا اس سے محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے گھر سے نکل چکا ہو، راستہ میں موت آجائے تو اُس کا ثواب اللہ کے لئے ثابت ہوگا۔ وہ بشارتِ دائرہ محروم نہیں) مگر قیامت سے پہلے اور میدانِ قیامت میں تو لوگ نیکے کٹھڑے ہوں گے اور نیکے میں نیکے نہیں ہوتے، اگرچہ زیادہ جماعت میں اسلام سے پہلے (اکثر) لوگ نیکے ہو کر وفات

مفتقد، یہ ہے کہ اُس کی حالت مقصود کے مناسب ہو۔ دیکھو عید (کنڈ) کے لیے نکلتا چونکہ طلب رحمت کا انعام) کے لیے ہے عبادت موم پورا کرنے کے بعد تو اُس میں خوشبو لگانا چاہیے کپڑے پہننا مطلوب ہے، کیونکہ اس وقت کے مناسب یہی ہے۔ یہ حالت استقامت اور امتنان امر کی ہے، کہ امتنان امر کے بعد انعام حاصل کرنے کے لیے بارگاہِ عالی میں حاضر ہونے ہیں، تو اچھی شکل سے آجائیے، اور نازِ استقامت کے لیے نکلتا اُس معیبت کے فخر کرنے کے لیے ہے جو (خطائی شکل میں) نازل ہوئی ہے تو اُس وقت تفرغ و مسکنت (خوش و خضر) کے ساتھ نکلتا چاہیے۔ (کپڑے بھی لچھے نہ ہوں بلکہ سیلے کیلے ہوں) کیونکہ اُس وقت کئی بڑا کار نکلا کر کے بارگاہِ عالی میں آئے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے جب بندے گناہ کرتے ہیں حق تعالیٰ اُن سے باتیں کرے روک دیتے ہیں تو اُس حالت کے مناسب یہی صورت ہے کہ مسکنت و دولت کی شکل میں آئیں۔ وہ عین مارے خون کے ہاتھ جس اسی طرح آٹھائیں کہ قبیل زین کی طرف بڑھیں اسے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ہماری حالت ٹھٹھ دیکھئے۔ اسی طرح حج میں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ حج میں بہت بڑی طلب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حج میں روزِ مختصر کا نمونہ ہے کیونکہ وہاں بھی ایک ہی دن میں تمام دوسرے دن کے آدمی جمع ہوں گے (حج میں بھی ایک سارے دن میں تمام اجواف کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور جیسا قیامت میں مختلف مقامات پر ٹھہرنا ہو گا، کبھی میدان میں جمع ہوں گے، کبھی حساب کے لیے بلائیں جائیں گے، کبھی میزان عمل پر جائیں گے وغیرہ وغیرہ) اسی طرح یہاں بھی مختلف مقامات مقرر ہیں کبھی (میدانِ عرفات میں جماعہ عقیم ہے) وہی جماعہ ہو رہا ہے، کبھی منی، مزلوہ میں وقوف ہو رہا ہے (کبھی طوافِ زیارت کے لیے جا رہا ہے وہی وغیرہ وغیرہ) اور جیسا دُنیا سے آخرت کی طرف جاتے ہوئے اہل و عیال اور مال سب چھوڑ جاتے ہیں

رہے ہیں۔ جب ایک نے یہ جواب دیا کہ اس سال حرفت چھڑیوں کا چقبوں چٹوا ہے تو دوسرے نے سوال کیا کہ ہمارے پروردگار نے باقیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ چیلنے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کی سفارشیں کیا، ایک فاکہ کے لیے قبول فرمایا اس حرفت سب ہی کا چقبول ہو گیا، اب یہ بزرگ فرماں د شادمان بیدار ہوئے۔

اسی طرح قیامت میں کوئی بھات پائے والا ہے، کوئی بڑا کم ہونے والا، کوئی مقبول ہے، کوئی غیر مقبول ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا ہے کسی کے لیے سفارشیں جو وہی ہے۔ لیکن شفاعت، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہوگی اور کوئی محض فضل سے ناجی ہوگا (بدون اجازت کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا اس ذاتی از شیعی حدیث ۱۸۱۱ یاد شد) اور کسی پر فضل بھی ہوگا شفاعت بھی ہوگی۔

قوله وصاحبو وھول ھذا اسعافات الخ کلفت ھذا الحاج من قرآن لغیظہ ط قرق الطیب الی قولہ ولكن باذنه وفعلہ وقد یكون للھجوم۔

ف۔ اگرچہ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہیں مگر گنج کی تدوین کا بیان ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ کر دیا گیا تاکہ حجاج عرونا اور صوفیہ دشمنوں کا جی میں اور ملازم اس روح کو ٹھونکا کریں۔ کیونکہ نازیبا بھی گنج کی شان موجود ہے کہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے گا اگرچہ تو استقبال قبلہ کے ساتھ موت اور قیامت کا سفر سامنے ہونا چاہیے۔ پھر نشاء اللہ شخوٹ آسان ہو جائے گا اور اس شان سے گنج کیا جائے گا تو انشاء اللہ قبول ہوگا۔

(۱۹۵) قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات و عبادت اسے ہی حاصل ہوتا ہے اس حکمت کے معلوم ہو جانے سے یہ مسئلہ مستبعد ہوگا کہ قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات اور عبادات ہی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ مقام (عرفات وغیرہ) ایسا مقام ہے جہاں میں بڑے بڑے عارف کی مغفرت ہوتی ہے۔ جیسا حدیث میں وارد ہے کہ

(عرفات وغیرہ) کہتے تھے، نگراب شریعت نے اس کو مذکب دیا اور ستر ڈھانچنے کے لیے ہاں کو مودی قرار دیا اگر سبلا چڑا کپڑا اور زینت کا لباس منوٹ کر دیا گیا ہیں مردہ کی طرف ننگی اور چادر میں احرم ہونا چاہیے اور اس کو گنہ گرا ہونے نہ مانا۔ لیکن چاہیے کیونکہ قیامت کا تو قبول اس قدر ہو گا کہ کسی کو کسی کے ستر پر نظر کرنے کی صلت ہوگی اور حج میں نظر سے مایع کوئی چیز نہیں ہے تو لباس کی حرمت ہے اور قیامت میں کسی کے پاس خوشبو نہ ہوگی۔ ایسا ہی رہاں بھی زینت اور خوشبو سے منع کر دیا گیا نیز قیامت میں حکومت اور سلطنت حرفت اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور کسی کی نہ ہوگی سب کے دھمکے ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح حج میں جس شخص سے جاتے ہیں یعنی گناہوں کی مغفرت اور معافی اس میں بھی کسی کا کچھ دخل نہیں سب کے سب گردن ٹھکانے منکر کھڑے ہوتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں (مغفرت سے لونڈے اور حج کو قبول فرماتے ہیں یا انکار فرماتے ہیں۔ پھر میدان عرفات میں بادشاہ اور درویش امیر و غریب سب ایک لباس میں ہوتے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری اور ناری کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہوتے ہیں اس وقت کوئی خادم اور مخدوم نظر نہیں آتا۔ بلکہ صاف صاف ملکہ لکھ لکھ کا نقشہ سامنے ہوتا ہے)۔

ایک بزرگ سے متعلق ہے کہ انہوں نے ایک بار گنج کی۔ حج سے فدا ہو کر سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ہیں اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال ہمارے پروردگار کے گھر کا کتنے آدمیوں نے گنج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ تھے۔ اُن سے پھر سوال کیا کہ ان میں سے کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا حرفت چھ لاکھ! یہ بزرگ گھبر کر جاگ اُٹھے اور بار بار کہتے تھے کہ اسٹج بچے کوئی تھلا دے کہ میں بھی آتا ہوں چس ہوں؟ دوسرے دن پھر سوئے (مگر کچھ تعلیم نہ ہوا) تیسرے دن پھر سوئے تو ان ہی دو فرشتوں کو دیکھا کہ پھر آسمان سے اترے ہیں اور پہلے کی طرح سوال و جواب کر

عبادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ اس وقت تھا جب مسئلہ نور میں غلبہ دین غالب اور غلبہ دنیا مطلوب تھی۔ اب محاط برکس ہے۔ اس زمانے میں جو لوگ دین کی طلب میں مشغول ہوتے ہیں ان کو تھوڑے سے عبادت کے مقامات عالیہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر دوسرا دواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ اگر مسلمان دواں حصہ بھلا لیں تو کامیاب ہو جائیں گے۔

حدیث میں دواں حصہ سے فرائض و واجبات مراد نہیں کہ ان میں سے کوئی کام ترک بھی کسی وقت جائز نہیں بلکہ وہ عبادت و عبادات مراد ہیں جو شریعت نے فرائض و واجبات کی تکمیل کے لیے بتلائے ہیں جن سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ان عبادت و عبادات کا دواں حصہ بھی آج کل نجات اور کامیابی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ آج کل طلبا بن خدا کم ہیں اور آسامیاں زمین مقامات روحانی جو پہلے عقیدہ کا پرکار تھوڑی سی ہے تو آج کل جس میں طلب کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے اس کو بہت جلد کسی نہ کسی پر فائز کر دیتے ہیں۔ تو اس زمانے میں کام مٹوا کر نا ہوتا ہے اور مرتبہ بڑا مل جاتا ہے۔ دنیا بلی انقلاب و اتداد و نقار و اصحاب ولایت سے کسی وقت غالی نہیں ہو سکتی ورنہ قیامت آجائے مگر پہلے یہ مقامات بہت زیادہ کام کرنے پر عطا ہوتے تھے۔ آج کل تھوڑی سی محنت میں حاصل ہو جاتے ہیں بشرطیکہ طلب صحیح اور اخلاص کامل ہو۔ اس لیے آج کل سالکین کو ہونیا و متعین کی کتبوں کا مطالعہ زیادہ مفید نہیں کہ ان کی تشبیہ کو دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ درجہ ولایت حاصل کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہے کیونکہ اعیان العوالم وغیرہ میں ہر بات کو بڑی سختی اور باریکی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا مکمل آج کل کی طبائش سے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان ہم عمر ہے نہ زیادہ کسی دن زیادہ ذلیل اور حقیر نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہے ہیں تو اپنے سر پر ڈال دیتا اور گناہ ہے کہ جس قوم کو میں نے پچاس یا چالیس سال تک لگتا ہوں میں جتنا دکھان کو ایک ساعت میں بخش دیا گیا۔ (اوکما قال عیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ایسے مقام تک پہنچنا آسان نہیں بلکہ بڑی مشقت سے پہنچنا ہوتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کر دیں اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے مگر یہی خود غور ہے ہی ہیں اس حق مقامات عالیہ یا نہ کثرت عبادت و عبادت و ذکر ہی سے حاصل ہوتے ہیں آسانی سے حاصل نہیں ہوتے اللہ ماشاء اللہ

تازہ پروردہ تنعم نہ دروداہ بدوست

عاشقی شیوہ دہان بلاکش با شد!

اداس میں اس پر بھی تیرہ ہے کہ جس میں اس وقت رستہ میدان مشرق کو یاد کرے میں کا یہ غور ہے تاکہ کوئلے کی طرح اپنے دل سے الٹا کی توقع ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ اور رغبت اور اپنی امتیاز کا اقلہ ہو کہ کسی سے تمام خیر کی امید کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان حبیب العطر اداہہ دیکھا وہ جو صغیر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے لکھا کرتا ہے کیا اس کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں؟ اگر کوئی نہیں بلکہ لوگ نادان ہیں جو ایسے خدا کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں! اور اللہ تعالیٰ سبحانہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے (وہ صغیر و نعمان کی دعا قبول کر لیتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان میں سے کہے کہ ہم پر صحن اپنے فضل سے احسان فرمایا اور ان کو کوئی مشقت، ٹھاننا نہیں پڑی، منکے صحا کوئی پردہ نہ لگا رہا۔ تو وہ دین و ترعب علیہ معرۃ الحکمتہ الی قولہ للادب سواہ۔

فت۔ علم قاعدہ تو یہی ہے کہ مقامات عالیہ بڑے بڑے عبادات اور کثرت



نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں طالبان سلوک کو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی نصیحت کامطالعہ ہی ناسخ ہو سکتا ہے۔ حضرت نے اس زمانے کی مباحث کے موافق و تقوا العمل جو بزرگئے اور ائمہ اربعہ کتب کے معاملات بیان فرمائے ہیں جن پر عمل دشوار نہیں بلکہ ہر جا پر ہے کہ جس سلوک کو لوگوں نے بہت دشوار سمجھا تھا حضرت نے اس کو بھولنا ہلکا کر دیا ہے اور جن چیز کو کلمہ سمجھا جا رہا تھا اس کو ایسا صاف اور بے غبار کر دیا ہے کہ ہر شخص حقیقت تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس تعقوت کو حدیث قرآن و حدیث کہا جا رہا تھا حضرت نے اس کی اصلی حقیقت کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ ملحدانہ ہوسائل اسلوب اور انگشت و انفرق وغیرہ۔

فت۔ حج میں توجہ باطنی نکلیں ہیں وہ آپ نے بھی لکھی ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ میں، یہ بھی وہ نشان ہائے قدرت موجود ہیں جن میں انصاف کے ساتھ غور کرنے سے کافر بھی ایمان لے آئے۔ اور مومن غور کرے تو اس کا ایمان کامل ہو جائے اس لیے کہ کو کمل ایمان کہا گیا ہے۔

حج کی ناہری حکمتیں حجتہ النہالہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر ملت میں ایک دن اجتماع اور دوبارہ عام کا ہوتا ہے جس میں دواور نزدیک و سے سب جمع ہوتے ہیں تاکہ حکومت کے احکام پر مطلع ہوں۔ ایک دوسرے سے مل کر تبادلہ خیالات کریں اور مشاشر مملکت کی تنظیم سمجھان میں۔ اسی طرح حج تقب اسلام کا اور بارہا ہے جس میں اطراف عام سے مسلمان جمع ہوتے ہیں ان کی شوکت اور اجتماعی شان ظاہر ہوتی ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اسلامی برادری بہت دور تک پھیل چکی ہے خوش ہوتا ہے آپس میں اتحاد و اتفاق برپا ہوتا ہے۔ کلمہ اسلام بلند ہوتا اور اللہ کا بولی بالا ہو سکتا ہے اور اگر دنیا میں غلاظت اسلام کا وجود ہو تو خلیفہ کو تمام اطراف کے مسلمانوں کی عانت معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال حج کرتے تھے

اور اپنے حال (گورنوں) کو بھی ہر سال حج کرنے کی تاکید فرماتے تھے کیونکہ جب گورنر حج کو جاتا ہے اس کے ساتھ اس کے ملک اور موطوبہ کے بھی بہت آدمی ہوتے ہیں اس کے طریق خلیفہ کو ہر ملک اور ہر موطوبہ کے، مویوں سے اپنے حال و ورع (گورنوں، حاکموں) کے حال و انصاف بابت مابہرہ کی اطلاع آسانی سے ہو جاتی تھی۔ پھر ان اعمال و احوال کے اجتماع سے ملکی مسائل اور سیاسی مصالح پر بھی مشورہ کا موقع ملتا تھا اور سالانہ ہفتہ کے متعلق ایک خاص طریقہ اور داخل ملے ہو جاتا تھا۔ میں نے پہلے میں ایک انبار میں کسی امریکی ڈاکٹر کا مضمون پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ چار باتوں کے لیے مدت سے کوشش کر رہے ہیں مگر باوجود ہر قسم کے ذرائع و وسائل ممتنا ہونے کے ان کو اب تک کامیابی نہیں ہو سکی اور حیرت ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے ہی قدم میں مقدس مقامات میں ان چاروں میں ہی کامیاب ہو گئے۔

ایک یہ کہ ہم ایک مشرک میں اللہ تعالیٰ کی زبان کی تجویز میں ہیں مگر ہندو مذہب اول ہے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) عربی کو تمام مسلمانوں کی مشرک میں اللہ تعالیٰ زبان بنادیا۔ ہم کسی ملک میں چلے جاؤ ہر جگہ مسلمان عربی میں اذان دیتے، عربی میں نماز پڑھتے عربی میں خطبہ دیتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی ملک، انگ زبان کے ساتھ عربی زبان سے ملنا ڈھنڈورا ہے ان کا سلام بھی عربی میں ہے اور خطبہ نکال بھی عربی میں قرآن بھی عربی میں ہے اور دروری قوموں کے پاس تواریث و انجیل کے تراجم ہی رہ گئے ہیں اصل کتاب منقود ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے ہم ایک بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز میں ہیں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے کہ ہر سال تمام ممالک اسلام کے مسلمان ملے ملے کے یہ جمع ہوتے ہیں جو بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس ہے۔

تیسرے ہم ایک بین الاقوامی سرمایہ چین کرنا چاہتے ہیں جس میں ناکام ہیں مگر

باب ہشت

حدیث

## جواز الشرب من السقاية

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقایہ (نمزم) پر تشریف لائے یہ ایک حوض تھا جس میں لوگوں کے پینے کے واسطے نمزم کا پانی بھرا جاتا تھا، اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ حضرت عباسؓ نے کہا اسے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے دو مطلب یہ تھا کہ شہداء پانی گھر سے لاؤ کیونکہ عرب میں دیر تک برتن میں رکھا ہوا پانی فساد اور غمراہ ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔ کیا رسول اللہ! اس میں تو لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا ہاؤ بھی۔ عرض اُس میں سے آپ نے پانی پیا پھر چاہا، نمزم پر تشریف لائے جہاں لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے۔ فرمایا کام کئے جاؤ۔ تم اچھا کام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ (بجہم کہسے) تم پر غالب آ جائیں گے تو میں رسوا رہے، اگر کر رہی یہاں رکھا۔ گردن پر اشارہ فرمایا (اور خود پانی کھینچا)۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جس پانی میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہوں وہ مسموم پاک ہے اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ کسی کا ہاتھ پاک ہو کسی کا پاک نہ ہو۔ مگر آپؐ نے سقایہ سے پانی پیا کہ بتلادیا کہ ایسے احتمالات (بلا دلیل) پر عمل نہ

پہنچے۔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں بھی کامیاب تھے۔ "بیت المال" تمام مسلمانوں کا بین الاقوامی مشترک گھر نہ تھا جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق تھا اور جب تک خلافت اسلامیہ قائم رہی بیت المال بھی قائم رہا جس سے سب مسلمان فائدہ حاصل کرتے تھے۔

چوتھے ہم کو شش کر سب سے ہیں کہ بین الاقوامی وصیت حاصل کریں اور یہ رنگ و نسل اور مینوفیکر بنا دہر قوم کی تقسیم باطل ہو جائے مگر ابھی تک ناکام ہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہی قدم میں اس کو کامیابی کے ساتھ حاصل کر لیا اور فرما دیا انھا لیسوا منون اخوة۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم کو جہاں جی بھی اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ابو بکرؓ و عمرؓ نظر آتے ہیں ہر ایک کو مسرت کا احترام و حرمت کرتا ہے (خاروقہ معلم حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تھے سیدنا بلالؓ یہ ہمارے سردار ہیں)۔

مگر مسلمانوں کو کچھ دینا چاہیے کہ یہ سب یکساں ملکیت کے درج میں ہیں اصل ملت نہیں۔ فرض حج کی علت معنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر یہ یکساں نہ ہیں تو جس بھی حج فرض تھا مگر اللہ و رسول کے احکام کی یہ خاص شان ہے کہ ان میں علاوہ تکمیلِ حدیث اور احکامات کے انسان کی نوعیت مصالح بھی بہت ہوتی ہیں۔ جو شخص دین کو مضبوطی کے ساتھ تمام دین سے دینا خود بخود غلام بن کر آ جاتی ہے۔

❖

ملک سے نکال چکے تھے۔ مگر یہ بھی صدق کی طرح ہوتا تو آپ ہرگز نہ پیتے کیونکہ عقدہ آپ پر حرام تھا اور اگر اس میں کچھ کراہت ہوتی جب بھی آپ نہ پیتے۔ مگر آپ سقا یہ پر تشریف لے گئے اور اس میں سے پانی طلب کیا۔  
 قولہ قہ دلیل میں طلب شرب امدادی قولہ قاستغی۔

فت۔ اس میں کوئی مسئلہ تعقوت کا نہیں مگر جسے خشک ناہودھی ہو جاتے ہیں۔  
 ان کے وہم کا اس میں علاج ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقہ لکے ایک خادم خانقاہ کے کوئی سے دو غنیمتیں کرنے کے بیان اکثر لوگ ننگے پاؤں لہر سے آتے ہیں اس لیے کوئیوں کے اس پاس کی زمین ناپاک ہے اور کبھی وہاں ڈول رکھا جاتا ہے اور ہوا پاک کئے کوئیوں میں قوال دیا جاتا ہے۔ اس لیے کنواں ناپاک ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ کیاں پھر تم میرے پیچھے نماز کیسے پڑھتے ہو جبکہ کہ نہیں اسی کوئیوں سے دلو کرتا ہوں۔ کہنا نماز تو آپ کے پیچھے جائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وقت عام کی چیز کے استعمال میں وہم کرتے ہیں مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سقا یہ اور ترمیم اور کنواں اور سرائے و مقبرہ و خیرا چوسنا وغیرہ اور ہر اور دو عمارت کے لیے بنائی جاتی ہے اس میں فقیر و فنی سب برابر ہیں۔ اُس کو صدقہ خاصہ پر قیاس مایا جائے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے۔

۱۹۷۰ء مردوں کے سامنے عورتوں کا نام لینا جائز ہے معلوم ہوگا کہ جزدگوں اور مردوں کے جمع کے سامنے عورتوں کا تذکرہ جائز ہے۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔ دیکھو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ و سلم اور آپ کے ہمراہیوں کے سامنے کہا کہ اے افضل! اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ نے اس پر عتاب نہیں کیا بلکہ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ آج کل بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اگر عورتوں کا تذکرہ اُن کی زبان پر آجاتا ہے تو اس کے بعد عاشاک (قوبہ توبہ) بھی

یک جاتے گا۔ جب تک یہ امر محقق نہ ہو جائے کہ کسی نے ناپاک ہاتھ ڈالا ہے کیونکہ پانی اپنی ذات سے پاک ہے۔ بلکہ دلیل اُس کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ اسی لیے فقہاء نے اُن عورتوں اور مشکوں کے پانی سے وضو کو جائز کر لیا ہے جو راستوں پر بہتے ہوئے یا درگھے ہوئے ہیں جہاں سے پانی پانی پیتے ہیں اور جانوروں کی ناک کا غبار وغیرہ بھی اُن میں مل جاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کا میل بھی جس میں ناپاک کا احتمال ہو سکتا ہے مگر بعض احکام اور شک سے پانی کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ حضرت شریعت نے اس حدیث سے ماہ متعلیٰ کی طہارت پر بھی استمدال کیا ہے مگر استدلال ناقص ہے کیونکہ ماہ متعلیٰ وہ ہے جس میں ازالہ حدث کی نیت سے یا وضو و غسل کی نیت سے ہاتھ ڈالا جائے اور یہاں ایسا نہ تھا۔ سقا یہ میں عرف پینے کے واسطے ہاتھ ڈالتے تھے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

(۱۹۶) پینے کے لیے پانی مانگنا خلافِ زہد نہیں حدیث سے معلوم ہوا مانگنا محض اور مسرور دونوں میں جائز ہے۔ پانی کا مانگنا اور چیزوں کے مانگنے کے برابر نہیں کہ اُن کا سولہ ثبوت ہے خاص مشروط ہی سے جائز ہے، پینے کے لیے پانی مانگنا ہر حال میں جائز ہے، بعض فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے مگر یہ فقیر و فوری ہے کہ دوسرے کے پاس حاجت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے دوسرے سے غریب ہو ورنہ بدو نہ سخت مجبوری کے پانی کا سولہ لایا جائے۔

نیز معلوم ہوگا کہ سبیل عام کا پانی جس کو صدقہ نہ کہا گیا ہو فنی اور فقیر سب کے لیے حلال ہے یہ (وہ) صدقہ نہیں (فنی پر حرام ہوتا ہے) اس میں کسی پر خاص طور سے احسان نہیں ہوتا بلکہ وقت عام ہے سب کو اُس سے پینے کا حق ہے) دیکھو سیدنا دونوں اللہ علیہ السلام و سلم نے سقا یہ سے پانی پیا جس میں کچھ لوگ پانی بھر رہے اور کلام کر رہے تھے مگر وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے واسطے کر چکے اور پانی کو اپنی

کہتے ہیں اور اس کو تہذیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے۔

قوله وبعہ ذیل علی جواز ذکر الاسماء و بعض اهل الفضل انی قوله علی

من البدع -

فت - آج کل عام لوگوں کی تو یہ بات ہے کہ پیروں کے سامنے اپنی حقروں کو لے جاتے ہیں اور ہر صاحب سب کے سامنے حقروں سے بات چیت کرتے ہیں یہ تو نہایت بڑبڑت ہے جس کے مفاد ظاہر ہیں اور زبان خشک کی یہ حالت ہے کہ وہ حقروں کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ حضرت عظیم الامۃ بعض دفعہ اپنے گھروالوں کی کوئی بات مجلس میں کرتے تو بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقت کے خلاف ہے۔ انہوں نے تکبر کا نام و قارہ لکھ لیا ہے۔ اور یہاں سے تاخیر کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلے نہ لے کر لے کر کس قدر اہتمام تھا کہ حقروں کا ذکر بھی مردوں کے سامنے تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج کل ذکر سے تو کیا عام تو ہے حقروں کو مردوں کے سامنے لانے اور مجلسوں اور مجلسوں میں لے جانے سے بھی اجازت نہیں۔ کیہ انتقاد بظاہر ہے؟ خدا فیر کرے نہ معلوم اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱۹۸) ٹھنڈا پانی پینا بھی خلافِ زہد نہیں حدیث سے معلوم ہو گا کہ پانی کو ٹھنڈا کرنا اور ٹھنڈا پانی پینا جائز ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس لیے تو فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ کے لیے پانی ڈالو۔ کیونکہ عجلہ میں تھری دیر کا رکھا چڑا پانی ٹھنڈا اور لذت ہو جاتا ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عباسؓ ایسا نہ کہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ بات سن کر سکوت نہ فرماتے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت خاص طریق سے پوری کرنا اور تو اس کو جوہر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ کی بات قبول کرنے سے کوئی مانع اس کے صواب تھا کہ آپ ایک قاعدہ شرعیہ بتلانا چاہتے تھے کہ جس پانی میں لوگوں کے ہاتھ

پڑتے ہوں (اور تاپا کی کیفیت نہ ہو) وہ پاک ہے (یعنی وہم سے اُس کو ناپاکی نہیں کہا جائے گا۔ مگر آپؐ نے اس وجہ کو بیان نہیں فرمایا صرف اتنا ہی فرمایا کہ اس میں سے پلاؤ)۔

دوسرے آپؐ تکلف سے بھی بچنا چاہتے تھے جو آپؐ کا خاص طریقہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتیں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپؐ ہمیشہ حسن و آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو اور اس میں حضرت حمزہؓ کی دلیل ہے کہ وہ بھی ترک تکلف کی تعلیم دیتے ہیں۔

قوله و فیه دلیل علی جواز تلبید الماء الی قوله یقولون بتلید تکلف۔ فت - بعض زہدوں کا خیال ہے کہ پانی ٹھنڈا پینا زہد کے خلاف ہے گرم پینا چاہیے۔ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ سیدنا زہدین صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔ اس واقعہ میں ایک خاص وجہ سے آپؐ نے سفایہ کا پانی پیایا ہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی۔ ہمارے حامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عظیم الامۃ سے فرمایا تھا کہ میان اشرف علیؒ کی جب پڑھنا پڑھنا ہر جہت سے الحمد للہ لکھا اور گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کھل گئی مگر دل نہ کھلے گا۔ واقعی یہ فرمایا اور میرے گرم پانی صبر کے لیے معجز بھی ہے۔ اسی طرح پانی بہت ٹھنڈا بھی زیادہ برف سے نہ کرنا چاہیئے کہ وہ بھی احماد کے لیے معجز ہے۔ اعتدال ہر چیز میں افضل ہے۔ فت - حضرت عائشہؓ کی حدیث پر ایک اشکالی مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اثر تھے کہ طرف سے اختیار دیا جاتا تھا تو اس میں کسی شق کے گناہ ہونے کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ کیوں فرمایا حالانکہ ایک اشیا۔ جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو۔ اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہاں مستثنیٰ منفع ہے متعل نہیں۔ علماء کے یہ یہ جواب کافی ہے اور عوام کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جواب حضرت عظیم الامۃ نے دیا تھا جو

جیسا کہ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اچھی ماں کے پاس  
ماؤ اور اس کے پاس سے حضرت کے واسطے پانی لاؤ، اگر گھر میں حکومت اور  
تقریب کا اختیار قدرت کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو میں فرماتے کہ جاؤ خود گھر سے پانی  
لے آؤ یا کسی دوسرے کو تقریب کا اختیار دے دو تو اس کا نام بیٹے اور یہ شبہ نہیں کیا  
سکتا کہ فضل بن عباسؓ نابالغ ہوں گے۔ اس لیے دیکھا گیا کہ کچھ دنوں کا اس وقت  
بائیں مائل ہونا یا رخ سے ثابت ہے۔ وہ حضرت عباسؓ کی اور ماں سے سب  
سے بڑے تھے ان ہی کے ہم پر حضرت عباسؓ کی نسبت ابو الفضل مکیؓ اور اس سے  
یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کو بھی نیک کام میں شریک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ جب  
حضرت عباسؓ کی بیوی کو یہ خبر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کچھ سے  
پانی مانگا گیا ہے تو وہ بڑی صفائی اور پانی کی عمدگی اور شہزادی کا اہتمام کر رہی تھی  
سے کھن کو خوشی میں ہوئی اور شہزادی ملنا۔

قوله وفيه دليل على ان الله تعالى المتفرقة فيما في البيت  
التي قوله فيكون لها في ذلك اجر و صود۔

فت۔ یہ مسئلہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں مال اللہ اذیہ  
فی بیت زوجہا۔ واروہ کے گھر میں اپنے شوہر کے گھر میں گھرانہ اور حکم ہے۔  
اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مومن اور علماء پر اعتراض کرتے ہیں  
کہ ان کے گھر میں بیویوں کی حکومت ہے وہی ہر تقریب کی مالک ہیں۔ ان کو سمجھ  
لیتا چاہیے کہ شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ گھر میں تقریب کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں  
اور باہر کا اختیار دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ نفاق امی فرج قائم ہو سکتا ہے وہ علی میں ہائے  
گزارہ ہوتی ہے۔ اگر گھر کے مسلمان وغیرہ کا اختیار ایک کے ہاتھ میں نہ ہوتا متعدد  
ہاتھوں میں بٹا تو کوئی بھی اپنے کو دوسرے دار نہ سمجھے گا اور جب کوئی دوسرے دار نہ  
ہوتا تو گھر کی برابری لازم ہے اور ظاہر ہے کہ دوسرے گھر کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔  
اس کو تو غیر بھی نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کہاں ہے اور کتنی مقدار میں ہے؟ اس لیے

جو بہت لطیف ہے۔ مگر اس وقت باوجود تلاش کے نہیں ملا۔ وہیں اس کو حضرت ہی  
کے الفاظ میں لکھا ہوا تھا اگر کسی کو مل جائے یہاں نقل کر دے۔

(۱۹۹) جس کام میں دو پہلو ہوں اس میں دین کے پہلو کو مقدم کیا جائے  
حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام میں ایک پہلو کو نفس کا ہو اور دوسرا پہلو  
مصلحت دین کا ہو اگرچہ دینی مصلحت درجۃ استجاب میں ہی ہو تو دین کا پہلو مقدم  
کیا جائے گا۔ کیونکہ (واقعہ حدیث میں) تشریف پانی پینے میں تو نفس کی راحت مکی  
اور مسقاہ سے پینے میں دینی فائدہ ہے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ  
عزیز وسلم نے دین کے پہلو کو نفس کے پہلو پر ترجیح دی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی تشریح بھی فرمادی ہے۔

فقال الله في دعاء يقدّمون أعمالهم على أهوائهم و يأتون ذنبا  
بعد ذنبا يهاونهم على أعمالهم۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ایسے  
فرماتے ہیں جو میں مسلمان (دینی) اعمال کو اپنی خواہش اور خواہ نفس پر مقدم  
کر دیتے ہیں اور ایک زمانہ آنے کا جس میں مسلمان اپنی خواہش (عروضا فی ذنوب)  
کو اعمال (دین) پر مقدم کریں گے۔ قوله فيہ دليل على ان الله لا يفرق بين  
والعروضا فی الذنوب۔ اولی قولہ بعد ذنبا يهاونهم على أعمالهم۔

فت۔ وہ زمانہ بھی نیک تھا جس میں مسلمان اعمال دین بجا تو لاتے تھے مگر ذنوب  
نفس کے بعد بھی سمی۔ اب تو وہ زمانہ ہے جس میں لذت اور مصلحت نفس کے لیے احکام  
شرعیہ کو چھوڑ دیا جاسکتا ہے خالی اللہ المشتکی۔ اس حدیث میں صوفیاء کی دلیل ہے  
کیونکہ ان کے حریں کی بنا اسی پر ہے کہ ہر کام میں دین کے پہلو کو نفس  
کے پہلو پر مقدم کیا جائے۔

(۲۰۰) گھر میں تقریب کی مالک عورت ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر  
میں تقریب کی مالک عورت

میں ہاتھ ڈالتے ہیں، آپ نے اتنا ہی فرمایا، سنتے مجھے اس میں سے پانی دو، زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ سناں کا مطلب یہ تھا کہ اس میں گندگی کا احتمال ہے۔ مگر اس نے بھی اس احتمال کو صاف صاف نہیں کیا۔ حضورؐ نے بھی صاف نہیں فرمایا کہ ممکن تھا۔ احتمال سے کچھ نہیں آتا، کیونکہ مقصود دونوں جگہ واضح تھا۔

قوله وفيه دليل على ان الاختصاص بالوجوب والنسول هو الاول  
ان قوله ولله يزد حمل ذلك شيئا۔

فت۔ حضرت عظیم امت نور اللہ قدس کے جرات خود میں مختصر ہوتے تھے مگر کافی شافی ہوتے تھے۔ یہ حدیث اُن کے اس حوالے میں ہے مگر ایسا اختصار نہ ہو کہ مقصود ہی واضح نہ ہو کہ وہ بافت کے خلاف ہے۔

(۲۰۲) کھانا کھا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے، حدیث سے معلوم  
(۲۰۲) کھانا کھا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے، حدیث سے معلوم  
پینے سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا ہی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر اس جگہ سے چل کر چاہہ نزم پر تشریف لے گئے، دوسرے  
اس میں ہی حکمت تھی کہ ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔  
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پانی پیا وہاں چند احکام بیان فرمائے۔ پھر  
دوسری جگہ تشریف لے جا کر دوسری نیکی کی۔ حالانکہ دونوں مکان یکساں ہی برابر تھے۔  
وہاں بھی لوگ پانی ہی پلا رہے تھے مگر آپ کا جانا ان لوگوں کو خوش کرنے کے  
لیے تھا، جو نزم پر کام کر رہے تھے، اگر آپ اُن کے پاس نہ جاتے اُن کے  
دل شکستہ ہوتے کہ ہم اپنے کام کی وحدت سے حضورؐ کے دیدار اور شرف ہم کو کای سے  
محروم رہے، نیز (یہ بھی ہوتا کہ) لوگ سقاہ کو نزم سے افضل قرار دیتے اور  
کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقاہ پر تشریف لے گئے تھے نزم پر نہیں گئے  
تھے تو آپ کا ان لوگوں کے پاس جانا دوسری نیکی تھی (جس میں چند درجہ معارف  
ورینہ تھیں) پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ کام کر سکتے ہو تم اچھا کام کر رہے ہو

بڑی ہی کے ہاتھ میں اس کا انعام ہونا چاہیے کہ وہی حفاظت پوری طرح کر سکتی  
ہے، پس گھروالوں میں جو شخص بھی کوئی چیز لے اُس سے نوچ کر اُس کو امداد کر کے  
لے تاکہ نظام درست رہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ بڑی میں انتظام اور حفاظت کا  
سلیقہ بھی ہو۔ بہ سلیقہ کے ہاتھ میں تعریف و اختیار دینا مناسب نہیں پھر وہ اپنے  
ہی ہاتھ میں اختیار رکھے یا ولاد میں سے جس کو ہوشیار دیکھے اُس کو اختیار  
سونپ دے، فائز ثابت، فائز ثابت، خلعت، بلغیب بھاحنا اللہ، میں بھی اس  
طرح اشارہ ہے کہ عورتیں ہی مرد کے گھر کی محافظ ہیں بشرطیکہ اُن میں صلاحیت ہو۔  
فت۔ یہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی بڑی ام الفضل رضی اللہ عنہا مگر  
کے اندر عین میں نہ تھیں جس سے پردے کا ثبوت ہوتا ہے اور یہاں سے  
اُن لوگوں کے اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو پردہ کو عورتوں کی تذلیل و توہین سمجھتے  
ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت اس قدر ہے کہ گھر میں  
حکومت و اختیار اُن ہی کا ہے اور کسی کا نہیں اور اُن کو پردہ میں اس لیے دکھانا  
ہے کہ قہر شے کو چھپایا جائے جاتا ہے۔ دیکھو ہر شخص اپنی دولت کو چھپا کر بھری میں  
اور تاکوں میں لکھتا ہے تاکہ چور کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے اور یقیناً عورت کی قدر و  
 منزلت مال سے زیادہ ہے تو اُن کی حفاظت مال سے بھی زیادہ ہونا چاہیے تاکہ  
بڑا ہوسوں کی نگاہ اُن تک نہ پہنچ سکے۔ جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ باہر چھوڑتے  
ہیں معلوم ہوتا ہے اُن کے دل میں مال کے برابر بھی اُن کی وقعت نہیں۔ یا اُن کے  
نزدیک دنیا میں ماں کے چہرے میں عورتوں کے ڈاکو نہیں مگر یہ باطل مشاہدہ کے  
خلاف ہے عورتوں کے ڈاکو مال کے چہروں سے زیادہ موجود ہیں۔ جس پر وہ واقعات  
ثابت ہیں جرات و انعاموں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۰۱) سوال و جواب مختصر ہونا چاہیے، حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال و  
جواب میں اختصار ہی ستر  
ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو جائے کیونکہ جب حضورؐ سے یہ کیا گیا کہ لوگ اس پانی

بیٹھے ہی کے واسطے مخصوص ہے۔ قرآن میں ولواطعتم ذنوبکم وادعوا (جب کہنا کا ٹکڑا ہو تو چل دو) دوسرے کے ٹکڑے متعلق ہے۔ البتہ اگر گھر والا کہنے کے بعد بھی مدد کا چاہے تو پھر وہاں بیٹھے کا مضافہ نہیں کیونکہ اب اس کے حرکت اور تکلیف کو اندیشہ نہیں رہا اور حدیث میں پانی کی کربٹ دینا اسی جگہ کے متعلق ہے جہاں لوگ بھی پانی پیتے آتے ہیں۔ ہائی جگہ بھی چاہیے کہ جو پانی پیتے وہ دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دے۔ یہ آداب معاشرت ہیں جو مسلمانوں کے ٹکڑے کی دولت سے، مگر انھیں اپنے منہ سے اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان کی شریعت نے معاشرت کے متعلق کیسے عجیب و غریب اصول بتلائے ہیں۔

**ف۔** ایک بچی کے بعد دوسری بچی کو ناپا بھی اسلامی اصول سے ناکارہ نہاں بلکہ قرآن میں دے رہا ہے۔ بخوبی وہ کو اس کا خاص اہتمام ہے۔ آج کل کے منہ خیا کو بھی اس سے سبق لینا چاہیے۔

**ف۔** کسی کی تعریف سننے کر ماننے ہے جبکہ اس میں عیب پیدا ہونے کا خوف ہو۔ بچے تعریف کرنا نہیں کریں اس سے محبت و اتفاق بڑھتا ہے۔

(۲۰۳) اگر کسی مستحب پر غصہ مرتب ہوئے کا اندیشہ ہو اسے ترک کر دینا چاہیے

جو کام فرض نہ ہو بلکہ مستحب ہو اور اس کے کرنے پر کسی غصہ کے مرتب ہونے کا اندیشہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ لوگ تجھے یہ کام نہ کرنے دیں گے تو اس کا چھڑ دینا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر دو لوگوں کے جرم کا اندیشہ ہو جتنا تو نہیں اپنی گردن پر دیتی کہ کہ مذموم کا پانی پینے لیا اور لوگوں کو بلاتا، یعنی آپ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ آپ کو ایسا نہ کرنے دیں گے۔ دینی کھینچنے کے لیے سب ٹوٹ پھریں گے۔ پھر ممکن ہے جرم سے کسی کے چرچا تک جاتی۔ قرلہ دیہ جوان ترق العجل لہ یکم و فاعا لہ  
قرلہ دیہ ازی۔

یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جو لوگ (اچھا) کام ہے اور ہوں ان کو اس عمل پر رغبت دلانا چاہیے (ان کا حوصلہ بڑھانا چاہیے) تاکہ وہ نشاط کے ساتھ کام کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرماتے ہیں وادعوا علی الصبر و الصلوٰۃ یعنی اور فتویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو (اور مدد میں یہ بھی نام ہے کہ اس کام کی فضیلت بیان کی جائے جو دوسرا کر رہا ہے) مگر کام کرنے والے کی مدد کرنا اس کے خلاف ہے (وہ مناسب نہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سامنے کہنے) ایک شخص کی مدد اس کے منہ پر کی نمی تو آتا ہے فرمایا قطعتہ لہر الوصل تم نے تو اس کی کمر توڑ دی کیونکہ نہ ذات کی مدد کرنے سے بعض دفعہ دوسرے میں عیب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہم قائل ہے۔ کام کی تعریف میں یہ غصہ نہیں بلکہ اس سے تو دوسرے کو عمل کی رغبت ملتی ہے۔ مثلاً تم کسی کو روزہ رکھتے دیکھو تو اس کے سامنے دوسرے کے غفائی بیان کر دو یا عباد کر دے دیکھو تو عباد کے غفائی بیان کر دو۔ جو (قرآن و حدیث میں) وارد ہوئے ہیں اس سے اس کو اپنے کام میں تقویت حاصل ہوگی اور حضور کا ان لوگوں کے کام کو عمل صالح فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ کسی عمل کا صالح ہونا بھی ہے کہ اس پر ثواب مرتب ہو۔

قرلہ دیہ دلیل علی ان من السۃ الانصراف عند الفراغ من الشرب وادعوا علی قرلہ فائد تھا ما یقریب علیہا من التواب۔

**ف۔** کہانے پینے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا اس لیے مستحب ہے تاکہ دوسروں کو مسوم ہو جائے کہ اس کا پانی پیچے وہیں جہاں کہ بیٹھنے سے شبہ ہو کہ شاید ابھی نیت نہیں بھری کچھ کسرا باقی ہے اور اگر پنا گھر نہیں، دوسرے کا گھر ہے تو وہاں جم کر میٹھ رہنے سے اس کے کھانوں کا حرج ہوگا۔ لیکن ہے اب اس کے گھر والے اسی جگہ کہانے کا ارادہ رکھتے ہوں تمہارے بیٹھے رہنے سے ان کو تکلیف ہوگی۔ البتہ اگر پنا گھر ہے اور وہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے واسطے مخصوص ہے وہاں سے پانی کی کربٹ کہ ضروری نہیں کیونکہ وہاں سے کربٹ کہ مہر آئی گا۔ اؤ گے جب کہ وہ جگہ

کا اہتمام کریں گے کہ مجرم نہ ہونے پائے۔ جیسا واقعہ حدیث میں مختصر ہے۔ مجرم سے بچنے کے لیے اس عمل کو چھوڑ دیا جس کا ارادہ کیا تھا۔ اسی نے یونینا کا درجہ دوسروں سے بڑھا جو اسے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے اچھا لگتا رکھتے ہیں (ہر ایک دوسرے سے فیض حاصل کرنے کا طالب ہوتا ہے)۔ میں نہیں کہ ایک بستی میں جس کا نام جنتی ہے جو باربرک، جبرگ، شیخ ابوالفتحی کا وطن ہے انہ تھلے اُن سے اٹھالے سے فتح پھانے لیا تو وہاں یہ دستور دیکھا کہ جب کسی کے متعلق کسی سے دریافت کیا جاتا کہ فلاں صاحب کب ہیں تو ہر شخص اس طرح جواب دیتا کہ سید علی فلاں غلط غلط بد فی المواعید القلانی۔ وہ ہمارے سردار اللہ اُن سے فتح پہنچ گئے۔ غلطی جگر پر ہیں۔ یہ تو غائبانہ تعلیم کا معاملہ تھا کہ کسی کا نام بھی بدوں سند ہی اور طبع اللہ بہ کے دے دیتے تھے۔ مگر سامنے بجز سلام شرعی کے کچھ نہ تھا اور اگر اُس کو چکارتے تو نام لے کر چکا کرتے اور (سیدی وغیرہ) کچھ نہ بڑھاتے۔ میں نے مدت تک اپنے قیام کے زمانہ میں سب کا یہی رونا دیکھا۔ اور اس میں خدا بھی تغیر نہ پایا۔

فولہ و قدہ دلیل مطلق طلب اللہ ربنا ہمیں ان قولہ لم یغیر واعہ۔

ف۔ شاید کسی کو اس جگہ یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بڑے بد قیامت تھے کہ اپنے بزرگوں کو نام لے کر چکا کرتے تھے تو ان کو کچھ لینا چاہیئے کہ اہل عرب اس کو بد قیامت ہی شمار نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے بادشاہوں کو بھی نام لے کر چکا کرتے تھے۔ مکہ میں شریف حسین مرحوم کے زمانے تک یہ دیکھا گیا کہ اہل عرب ان کو یا شریف حسین کہہ کر چکا کرتے تھے یا بد قیامت قیامت کی بجائہ دخی میں بھی تکلف کیا اور ملازمت ملک کہہ کر بادشاہ سے بات کرتے ہیں مگر میری جگہ کی برابر تکلف نہیں آیا۔ اصل تہذیب یہی ہے کہ نیچے تعلیم کی جائے۔ دوسرے کے سامنے اپنے بزرگوں کو تعظیمی الفاظ سے یاد کریں۔ سامنے تعظیمی الفاظ سے خطاب کرنے میں ایک قسم کی انجینیت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے قدم اہل عرب اپنے بڑوں کے سامنے بے تکلف بات کرتے زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چچے کسی کے سامنے نام لیتے تو بت تعظیم سے نیتے تھے۔

ف۔ مونی، عقین کا اس پر پورا عمل ہے کہ تم دیکھو گے انہوں نے سماج سماج کو اس لیے ترک کر دیا کہ اس میں مفاسد کا فطرہ ہے۔ چنانچہ بزرگوں کے سماج سماج کے واقعات گناہ گروں نے ملزیم و مصافحہ کے ساتھ سماج شروع کر دیا۔ اور یونینا دھشت کو بد نام کرنے لگے کہ ان کا سماج ایسا ہی تھا حالانکہ وہ اُن کی حرمت کی تعظیم کر رہے ہیں اور سماج سماج کے لیے سخت شرمیں بیان کرتے ہیں جن کی رعایت اُن کی کیا ہے؟ اسی طرح عقین یونینا دے اپنے بزرگوں کا غرض بھی موقوف کر دیا کہ لوگوں نے اُن کو آمدنی کا ذریعہ بنا دیا ہے اسی طرح تہذیب کا ساتھ بھی موقوف کر دیا کہ اُن کی اس میں منافقت سے زیادہ مفاسد ہیں۔

(۲۱۴) اہل برکت سے برکت حاصل کرنا چاہیئے یہاں سے معلوم ہوتا برکت حاصل کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی کو اسی لیے تو کہتے کہ اُن کو آپ کے ساتھ گئے سے برکت حاصل کرنے کا شوق تھا۔ حالانکہ وہ ہے کہ جب کریم اپنے محبوب کا مل قبول کرتا ہے اُس کے ساتھ شریک ہونے والوں کو بھی محروم نہیں کرتا۔ اور یہ محروم کر دیں وہ تو خود فرماتے ہیں ہذا القعدہ لا یستحق جلیسہ۔ یہ وہ ہیں جنہ کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ جانب پاس بیٹھنے کا یہ فرق ہے تو کسی مل میں اُن کے ساتھ شریک ہونا کی کچھ ہو گا؟ (اور حدیث میں اس شوق و رغبت پر انکار نہیں کیا گیا صرف یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے اس شوق کی وجہ سے حضرت اُن شوق پورا نہ کر سکیں گے اور جو ہم سے کسی تکلیف کا بھی غلطہ تھا) اور یہاں سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بزرگوں سے اس اُسد پر ہر حالت میں ملنے جانے کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ ان سے فضل سے کچھ حاصل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو رحمت ہی رحمت بنایا ہے، ہم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو غنیمت سمجھیں اور اہل فضل سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کو یا ان کو جو ہم سے ایسا نہ پہنچے وہ خود اس



خود فقہاء کلام میں موجود ہے۔ انہوں نے وہ نکتہ کلام کی چار قسمیں بتلائی ہیں۔  
 علامۃ النہی۔ اشارۃ النہی۔ اقتضا النہی اور دلالت النہی۔ جب یہ معلوم ہو گیا  
 کہ موقوفہ اپنے کلام میں اشارات بھی استعمال کرتے ہیں تو اب ہر کس و ناکس کو  
 ان کی کتابوں کا دیکھنا چاہئے۔ صرف اسی کو ان کا مطالعہ چاہئے جو ان کی  
 اصطلاحات و اشارات کو بخوبی سمجھتا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے تصریح کی ہے کہ انہی  
 کو جاری کتابوں کا مطالعہ حرام ہے۔

(۲۰۴) تحقیق اختلاف و اظہار علی مستحب  
 یہاں ایک سوال ہے کہ متینہ  
 نے زمر (سے پانی بھرے) والوں کو تو فرمایا کہ اپنے کلام کو کہہ رہے ہو  
 اور نذائے بارے میں فرمایا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے  
 افضل ہے مگر فرض کے ذکر اُس کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنا افضل بلکہ ضروری  
 ہے سوال کا حاصل یہ ہے کہ زمر کا پانی بھرنا بھی تو عمل مستحب ہے اس لئے فقہاء  
 کا حکم کیوں دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ یہی سبقت و لواظ کو انہما و افتاد دونوں ہی  
 طرح کیا جاسکے وہاں تو افتاد افضل ہے اور میں سبقت کی ضرورت و وضع  
 ایسی ہے کہ افتاد کے ساتھ ان کو ادائیں کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو پانی پانا اور  
 علم دین کا درس دینا اور جہاد کرنا (جبکہ فرض میں نہ پڑا ہو) وغیرہ وغیرہ۔  
 وہاں فضیلت کا مدار نیت کی درست پر ہے (افتاد پر نہیں کیونکہ وہ کام افتاد کے  
 ساتھ ہو ہی نہیں سکتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دوسری حدیث میں) فرماتے  
 ہیں اوقع اللہ اجرہ علی قدر نیتہ۔ اللہ قسط اُس کو اس کی نیت  
 کے موافق ثواب دیتے ہیں (نیت میں جس قدر علوم ہو گا اسی قدر ثواب ہو گا)  
 اپنی سلوک کو اسی بات کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ  
 اپنے اعمال میں ترقی کے پل پر نظر رکھتے ہیں خواہ نیت سے ترقی ہو یا بات  
 سے ہو یا عمل سے ہو یا زمانہ کی برکت سے ہو یا جگہ (کی فضیلت) سے ہو یا

محل محل معاملہ برعکس ہے کہ سامنے تو بہت تعلیم ہے اور عجیبے اعتراض ہیں۔ الزمر  
 اس نکتہ سامنے اور عجیبے کیساں رہتے ہیں مگر غافل بل بہت کدیں؟ یقیناً ہم  
 آج کل تو کٹر اہل علم ہیں۔ الامام شافعیؒ۔

فت۔ پورے اگر بھی ہیں طرزِ حق کہ جس مستحب کام سے لوگوں کا بوجھ زیادہ  
 ہوتا اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ کیونکہ بوجھ میں پریشانی بہت ہے۔ اُنہی والوں کو بھیاد  
 خود کو بھی۔ اسی یہ حضرت عظیمؒ است۔ بعد دعا کے معاف سے مہر اتے تھے کہ اس  
 میں بوجھ بہت ہوتا تھا۔ پھر اس مستحب کے انجام میں کسی کی تکلیف کا خیال ہوتا ہے  
 نہ رحمت کہ بعض لوگوں کے جوت لگ جاتی ہے اسی طرح حضرت نے تلواریج میں  
 قرآن نہ بھی ایسے چھڑ دیا تھا کہ حضرت کا قرآن ٹھنڈے کو لوگ دُور دُور سے آتے تو  
 خانقاہ میں بوجھ بہت ہو جاتا تھا آخر عمر میں قرآن پڑھ کر دے تھے۔

(۲۰۵) اشارہ کنیہ سے بات کرنا خلافِ تمذیب نہیں  
 اشارہ سے بات کرنا بھی جائز ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں۔ نہ بزرگی کے خلاف  
 ہے نہ اُس سے بزرگوں کے درجہ میں کوئی نقصان یا غلط واقع ہوتا ہے نہ اس میں  
 کوئی اعتراض کی بات ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گروں مبارک پر  
 اشارہ فرمایا اور یہاں سے یہی معلوم ہوا کہ اعتبار صافی کا ہے۔ الفاظ کا تیسرا  
 اس میں اہل اشارات کی دلیل ہے یہی حضرت عوفیؒ کی کہ وہ جی اپنے کلام میں  
 اشارات استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اشارت سے کسی سے غی اور نازک بات  
 کو سمجھنا چاہیئے (جس سے غی نہت تو مطلب سمجھ جاتا ہے اور انہی کو کچھ پتہ نہیں  
 چلتا) اہل کونان باتوں سے دوسری رکھنا چاہیئے۔ وغیرہ دلیل عقل و کلام  
 بار شافعیؒ قولہ وانما باغ فیہ فیہ غنی و حق۔

فت۔ حدیث میں تو اشارہ محسوس ہے مگر اس سے معنیٰ دقیقہ پر اشارہ  
 بھی جائز ہو گیا کیونکہ اصل غلت میں اشتراک ہے اور موصوفہ کے اشارات کی دلیل

کے جہاں شریعت نے جہر مشرور کیا ہے، لیکن چھٹیہ ذکر جہر معصن ثواب کے لیے نہیں بتلاتے بلکہ ذکر کو تکب میں پیوستہ کرنے کے لیے بتلاتے ہیں اور خبر ہے کہ یہ مقصود بدون جہر کے بدلہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ایک شخص قرآن حفظ کرنے کے واسطے سبق یاد کر رہا ہو تو اس کا مقصود معصن ثواب نہیں بلکہ ثواب کے ساتھ حفظ کرنا بھی مقصود ہے تو وہ افتاد کے ساتھ سبق یاد نہ کرے گا بلکہ جہر سے کرے گا۔ کیونکہ آپسہ چڑھنے سے یاد نہیں ہوتا یا سست دیر میں ہوتا ہے۔ پس نفس جہر میں خود کوئی ثواب نہیں جبکہ شرعاً جہر کا امر نہیں بلکہ وہ ذکر کو دل میں پیوستہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ذکر کا دل میں جمانا مطلوب و محمود ہے تاکہ کسی وقت اشتغال کے ساتھ غفلت نہ ہو اور قاعدہ ہے کہ مطلوب کا مقدمہ بھی مطلوب ہوتا ہے اس طرح یا بواسطہ جہر بھی محمود اور موجب ثواب ہوگی۔ جیسا حفظ کرنے والے کا جہر محمود اور موجب ثواب ہے اسی طرح تیسرے کام میں رکھنا خود کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ وہ دل کے لیے مذکر ہے۔ تسبیح یا تہ میں پہننے سے قلب ذکر یا نہ کو ہر طرف متوجہ رہتا ہے اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے تو ان کا مقدمہ اور ذریعہ بھی بواسطہ مطلوب ہو جائے گا۔ خوب سمجھ لو۔

**ف۔** درس دہدہ میں اور وعظ و تقریر اور تحریر وغیرہ میں نیت درست کرنا ضروری ہے تاکہ ثواب سے محروم نہ ہو۔ درس و تدریس اور وعظ وغیرہ میں تبلیغ و کام کی نیت کی جائے۔ اگر ان کا دل کے لیے حاضرت کی جائے تو معصن ثواب کی نیت نہ کی جائے کہ وہ توجہ حالی میں ملے گی۔ نیت یہ کی جائے کہ میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے واسطے یہ کام کر رہا ہوں اور تنخواہ اس واسطے یتھوں تاکہ دل جمعی اور بے فکر سے اس فرض کو ادا کر سکوں۔

مجموعہ سے ہو۔ اس لیے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کف باعبادۃ شغلہ (امنان کے لیے) عبادت کا شغل کافی ہے (اس شغل کے ساتھ دوسرے اشغال جمع نہیں ہوسکتے) کیونکہ اس کی وہی حالت ہوتی ہے جو دنیا میں تاجر کی ہوتی ہے۔ جس طرح اس کو ہر وقت مال کے بڑھانے کی کوشش ہوتی ہے اسی طرح اور لکھن دہن ہے کہ اس طرح مال کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح اہل معاملات کی حالت اپنے مولیٰ کے ساتھ ہے۔ ان کو بھی رضاء حق کے بروا کوئی شغل نہیں، اس کے بغیر ان کو چین آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس آنکھ نے آپ کو نہیں دیکھا اس نے کسی دل خوشی کرنے والی چیز کو نہیں دیکھا اور جس آنکھ نے آپ کو دیکھ لیا وہ کسی ناگوار چیز کو نہ دیکھے گی۔ آپ کی جلی جلال (کامٹا ہوا) اس کی سر کو پورا کر دیتا ہے (یعنی کسی ناگوار چیز کے دیکھنے سے اگر کسی ناگوار ہی ہوتی تھی ہے تو اس میں بھی جلال بھی تو ہوتا ہے اور آپ کی ہر جملی محبوب ہے خواہ بصورت جمال ہو یا بصورت جلال ہو سچ۔

ان کو آئے ہے پار پر رخصتہ ہم کو فتنہ پر بیاد آتا ہے  
جیسے آسمان کی بارش زمین کی خشکی کو دور کرتی ہے (تو اس کی گرج اور کردک سب ہی گوارا ہوتی ہے اسی طرح جلی جلال سے زمین قلب کو جو زندگیاں شادانی نصیب ہوتی ہے وہ قہری ناگزیری کو گوارا بنا دیتی ہے، قسم ہے آپ کے علم کی حرمت کی جس کے سامنے میرا ضعف ہر سہ کے آپ کا نصرت ہی میری بدعالی کی شکست کی کو جڑوٹنے والا ہے۔ قولہ وہمنا بحث و دودہ قالی لاہی فخر مر اھملوا الخ قولہ جہر لہوب جاہلہا۔

**ف۔** یہ مشہور کیا جائے کہ عونیہ چھٹیہ ذکر جہر کی تعلیم دیتے ہیں۔ بدون دفع تسبیح یا تہ میں رکھنے کی کہتے ہیں حالانکہ ذکر آہستہ بھی ہو سکتا ہے بدون تسبیح کے بھی ہو سکتا ہے تو یہاں اللہ سے افتاد افضل ہونا چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ اگر ذکر کے قرب ہی مقصود ہو تو یقیناً ذکر خفی ذکر جہر سے افضل ہے جس میں نواحق

## باب ہشت دیک

### حدیث

## تقدیم صلوٰۃ الفجر بالمزملۃ یوم النحر

عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ کو کوئی نماز سے وقت پڑھتے نہیں دیکھا سوا دو نمازوں کے - آپ نے (مزدقہ میں) مغرب و عشا کو جب کیا اور فجر کی نماز بھی وقت سے پہلے پڑھی اور یہ حج کے موقع پر ہوا۔

مفسرین کا یہ حدیث سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت پر مقرر نہیں ہوئیں مگر وقت میں ہی ایسا نہیں کیونکہ فجر کی نماز تو صبح کے وقت میں پڑھی جاتی تھی لیکن فجر سے وقت پر آوا، لگتی مگر چونکہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہوتے ہی پڑھتی جو آپ کی عادت معروہ کے خلاف تھی تو صحابہ نے اس کو بے وقت نہ دیا مطلب یہ تھا کہ جس وقت کی عادت تھی اس سے پہلے نماز پڑھی (جس سے حنفیہ نے استفادہ کیا ہے کہ حضور کی عادت نماز فجر میں استغفار کی تھی اور وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز غفلت میں پڑھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ استفادہ کرتے تھے مگر ایسے وقت نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں تاریکی اور بیرون حصہ میں روشنی ہوتی تھی)۔

(۲۰۷) مسائل دینی کا تذکرہ مکرر بھی دین ہے اگرچہ مسند مشہور ہی

یہاں سے معلوم ہو کہ دین کے احکام کا تذکرہ اور ان میں گفتگو کرنا کیوں نہ ہو نبی دین ہے۔ اگرچہ حکم ہی ہر ہوسب کو معلوم ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کی کیفیت معلوم تھی، نہ تکبیر کی ایک کے موافق مل ہو رہا ہے مگر پھر بھی عہد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کیا۔ میں معنی بزرگوں سے ملا ہوں جو علم و عمل میں مائے درجہ پر فائز تھے۔ جب کبھی وہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو ان کی بات بہت مسائل دینی میں ہوتی تھی وہ بھی مشکل مسائل میں نہیں نہ باقی مسائل میں گفتگو ہوتی تھی، اس کے سوا اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ و رسلہ صالحین سے منقول ہے کہ وہ جب آپس میں ملے تو کتنے آؤ کچھ دیر ایمان کی باتیں کریں یعنی مسائل دینی میں گفتگو کریں کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی حالت یہ ہے کہ اس میں جب زیادہ گفتگو ہوتی ہے تو بعض وقت دل آٹا جاتا، اور پریشان اور تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر ایمان اور اس کے فروغ اور اہل ایمان کے حالات میں گفتگو سے اہل تحقیق کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے (اس لیے وہ کسی وقت بھی اس سے دل تنگ نہیں ہوئے) جسے علم کو جتنا بھی خراب کرو کر بڑھتا ہی ہے علم کے سوا دوسری چیزوں کو خراب کرو تو وہ گھٹتی ہے۔

پس تم یہاں اس افان (اور سرمایہ) لے کر جو خرچ کرنے سے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ اور مدد حاصل ہوتی ہے وہ نہ تار سرمایہ فراہم کیے ہو۔ اسی لیے بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ علم ربانی مفید ہے، علماء تم کو ایک چیز پڑھتی کی پوری دے دیتے ہیں اور ان کے خزانے میں اس سے کچھ کمی نہیں آتی کیونکہ جب کوئی تم کو علم دیتا ہے تم کو دے گا، اس کے علوم و معارف سب ہی آجاتے ہیں مگر اس کے پاس جو علم تھا اس میں کمی نہیں آتی بلکہ اس میں یک نئی قسم کی ترقی ہو جاتی ہے کیونکہ علمی تذکرہ سے خود عالم کو بھی پہلے سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے اور ثواب زیادہ ملتا ہے، ایک ماہ جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ قولہ حنیفہ دلائل علی حبہ الدین وکلمکم فی الدین فی قولہ ہدیٰ وھدیٰ من کل۔

فت۔ موفیاد اور علم کو چاہئے کہ اپنی مجلسوں کو علمی و اصلاحی تذکرہ سے خالی نہ کریں  
 سلف کا طریقہ یہ تھا۔ آج کل بعض علماء کی حالت یہ ہے کہ ان کی مجلس میں بجز اوس  
 آدمی کے فقروں یا سیاسی جھگڑوں کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ حالت تنزل دین کی علامت ہے  
 عارف کا تو یہ حال ہونا چاہئے۔  
 ماقضیہ سکندر و زمانہ غواندہ ارم  
 از ما بجز مکاتبت ہر و وہ غامض  
 ہم نے اپنے اکابر کی مجلسوں میں بجز علمی و صحافی گفتگو کے فقروں قحط نہیں دیکھے الا  
 نادر و النادر کا لمعدہ۔

۲۰۸) روایت ہی سے قطع بحث اور تسلی کامل ہوتی ہے یہاں سے یہ  
 بھی معلوم ہوا کہ احکام دین کا روایت کرنا قصہ کی جہت کو زیادہ قطع کرنے والا ہے۔  
 اگرچہ اس پر عمل نہ ہو۔ ہاں اور سب کو اس کا علم ہو کیونکہ روایت ہی سے تو یہ  
 معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی طرح صحابہ طرا  
 عمل ہو رہا ہے۔ پھر ایک دوسرے سے نقل و نقل ہوتا ہے گا تو ساری امت کو  
 قیامت تک یہ علم ہوتا ہے گا۔ اگر امام عبد بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان  
 نہ فرماتے اگرچہ اس میں کسے توفیق ہو رہا ہے تو ہم کو کس طرح یقین ہوتا کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کوئی مخالفت اگر اس کا انکار کرتا تو ہم اس کو کوی جواب  
 دیتے یا خود ہمارا دلی حقیقت حال پر عمل ہوتا چاہتا تو کیونکر تسلیم ہوتی یا کسی نے خوب  
 کہا ہے کہ دین میں کوشش کرتے رہو اور اس کو بدو نہ کسی اصل کے نہ لو اور وہ  
 کتاب اللہ ہے و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک نفع دوسرے نفع سے روایت  
 کرتا ہے اور جماع اور قیاس بشرطیکہ تم شر و فاس سے متعت ہو اور ان کے  
 سوا پانچوں کوئی طریق مشتبہ نہیں۔ قول دینیہ من الفقہ ان دو ایثہ  
 الی قولہ لیس طریقہ بالعدل۔

ف۔ یہاں سے موفیاد زمانہ کو ملتی ہیں پہلی جو علم کتاب و سنت و جماع و  
 قیاس حاصل نہیں کر سکتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو علم شریعت ہے اور ہمارا علم حقیقت  
 سینہ بہ سینہ ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ سینہ بہ سینہ بجز نسبت باطن کے کچھ  
 نہیں اور نسبت باطن بدون علم و دل کے حاصل نہیں ہوتی اور علم احکام سینہ بہ سینہ  
 حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔  
 ما اتخذہ اللہ من ولی جاہل۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتے و  
 میں موفیاد کو ان پر کہنا چاہتا ہے وہ جاہل نہ تھے بقدر ضرورت علم دین ان کو حاصل  
 تھا خواہ کن جو اسے یا سمجھتے علماء سے۔ اس کے بعد ہی ان کا عمل کامل ہوا اور عمل  
 کامل سے نسبت باطن ان کے قلب پر خالص ہوئی۔ پس جو عمل کسی آیت یا  
 حدیث یا جماع یا قیاس سے ثابت نہ ہو اس کو رد کیا جائے گا احکام اللہ سینہ بہ  
 سینہ حاصل نہیں ہو سکتے اور یہاں سے ان علماء کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو بدون شرط  
 قیاس کے اپنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ قیاس کے لیے علاوہ دیگر شرائط کے ایک  
 بڑی شرط کامل ذوق عریض ہے کیونکہ فرق کریم عربی فصیح معرب میں ناظر ہوا ہے۔  
 جس کو سب سے زیادہ سمجھنے والے و یکے سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے  
 سے قریب تھے کہ اس وقت تک ذوق عریض پوری طرح محفوظ تھا۔ تفسیر سلف کو  
 مجبور کرنا کہ جو نئی تفسیریں قرآن کی کئی جاتی ہیں یہاں تخریفات میں داخل ہیں۔

ایک مفسر کا رد جس نے واقعہ معراج میں تحریف کی ہے چنانچہ اس  
 ایک مفسر نے صحت اللہ علیہ اس میں بجد علیہ صحت المسجد الحرام  
 الی المسجد الاقصیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جہاں رحمتی و محض خواب تھا  
 بلکہ ایک دنیائی کیفیت تھی جو نبوت کے ساتھ متعلق ہے جس کی حقیقت ہم بیان  
 نہیں کر سکتے۔ مگر اس کو یہ مقلد نے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 واقعہ معراج کو مکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اس وقت

## باب ہشت و دوم

### حدیث

## الصدقة بجمال البدن وجلوها

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان آدمیوں کی جھولوں اور کھالوں کو صدقہ کر دوں جو (راج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) قربانی میں نحر کرنے گئے تھے۔

فقہاء حدیث تو یہ ہے کہ قربانی کے آدمیوں کی جھولوں اور کھالوں کے صدقہ کا تصریح حکم کیا گیا۔ اس پر چند مسائل ہیں ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لیے مقایا استنباط کے لیے؟ دوسرے حضرت علیؑ کے اس بات کے بیان کرنے میں کیا غامدہ ہے؟ تیسرے اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے لیے مخصوص کیا؟

پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امر استنباط کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ کیونکہ خود قربانی کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب نہیں جس کا حدیث سے ثابت ہے تو جہول اور کھال اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو اس لیے بیان کیا کہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ صدقہ کرنے میں کسی کو نائب بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرت صحابہؓ کو اس سے خاص فرصت اور فخر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

اہل کتبہ سے کیا سمجھا تھا؟ یقیناً سب نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراجِ جہان ہی سمجھا تھا اسی لیے تو استغناء اور مشکل اڑایا اور بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا اور ان خالوں کا حال پوچھا جو کتبہ سے شام کی طرف گئے تھے اور میں وقت حضرت ابوہریرہؓ سے یہاں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے ہدے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہومر جب عراقی جیسا غیر انا انکار یا ہنہ شکیا کہ وہ بڑے صاحب الزائے ہیں پس اُن کی ایک بات ہم کو دوسری معلوم ہوئی پوچھا وہ کیسا؟ کہا وہ کہتے ہیں کہ میں ایک ذات گندے سے بیت المقدس گیا وہاں سے آسمانوں پر گیا پھر میرے پہلے گھر واپس آ گیا۔ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آئی اس پر بیت المقدس کے پورے کے لیے کہہ دیا کہتے ہیں مجھے وہ رات معلوم ہے جس میں وہ بیت المقدس تشریف لائے تھے تفصیل کے لیے طالعہ و مہر و علیہ وغیرہ۔ غرض تو اترتے یہ بات ثابت ہے کہ تمام شریکین نے جو قرآن کے آدلی مخالفت تھے قرآن سے اور رسول اللہ کے بیان سے معراجِ جہان ہی سمجھا اسی وجہ سے انکار کیا اسی لیے نہ ثابت نہ دریافت کئے مگر معراجِ جہان کا دعویٰ نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فرماتے جو آج چاروں مری کا نیا مفسر کہتے ہیں کہ معراجِ جہان کا مجھے دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایک خاص کیفیت ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہے تم اس کو نہیں سمجھ سکتے؟ آپ کو بیت المقدس کا نقشہ بتلانے اور خالوں کی حالت بیان کرنے کی ضرورت تھی؟ دنیا جانتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر کو لقب صدیق امی دن دیا گیا جب انہوں نے معراج کی تعریف کی جبکہ بہت سے مضعاف اس بات کو سن کر مرتد ہو گئے تھے۔ اگر اس نئے مفسر کی تفسیر کو صحیح مان لی جائے تو اس کی تعریف میں کچھ بھی کمال نہ تھا نہ مضعاف نہ کو انرا کوئی نوبت آنے کی کوئی وجہ تھی۔ مگر شریکین کو مستحضر اور مشکل کا کوئی موقع تھا۔ مگر خدا اناس کو اسے اس مرحلت پر لے آیا کہ کل آدمیوں کے احقران سے فخر وہ جو کتبہ خالوں کے نئے مفسر قرآن ہی کو بدلتے گئے اور اس میں باسی تحریریں کرنے لگے جو قواعد عربین کے خلاف اور اہل عرب کی فہم سے بہت دور ہیں۔

ہو جاتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف سے حدیث وغیرہ میں  
جانب کر دیا تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے اور شکستہ نہ ہو۔ قولہ ویرثہ عیسیٰ من  
الغنیۃ انما المعنی فی الیابۃ الی قولہ افعال مرید وجہ قلب۔

**ف**۔ یہ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی معاملہ میں تھی اور ذاتی معاملہ  
ہی میں اہل قربت کو مقدم کرنا مستحب ہے جبکہ ان کو علم بھی نہ زیادہ ہو پس اس  
سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حضرت کا ذاتی معاملہ  
نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے تعلق ہے اس میں اسی کو مقدم ہو گا جسے عام مسلمان مقدم  
کریں اور یہ بدیہی مسئلہ ہے جس میں زیادہ بحث کی اصلاح ضرورت نہیں۔ ایک تلم  
پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرات غلط راہ دین کی خلافت جس طرح سے واقع ہوئی ہے  
وہی میں نکتہ اور ضرورت کے موافق تھی۔

(۲۰) حسن معاشرت یہ ہے کہ جس نے کام شروع کیا ہو اسی سے

ختم بھی کر لیا جائے ایک وجہ حضرت علی کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کی  
ختم بھی کر لیا جائے یہ بھی حق محبت (اور حسن معاشرت) کا مقتضایہ  
ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اس کی تکمیل بھی اسی کے ہاتھوں سے  
کر لی جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن کی طرف بھیجا تھا کہ یمن  
سے قربانی کے اونٹ لائیں (چنانچہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے اور ان کے کوتر پر  
تک پہنچے) تو حسن محبت کے قاعدہ سے ان ہی کو آپ نے بقیہ فتنہ بانی میں لایا  
کیا اور ان ہی کو کھانوں اور چھوڑوں کے تصدیق میں نائب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے زیادہ تر حسن محبت کی رعایت کرنے والا کون ہے ؟

وجہ وجہ حسن المحبة الی قولہ ومن احسن حرجۃ  
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**ف**۔ جب اس تقد میں وجہ نیابت متعدد ہو سکتے ہیں تو کسی ایک وجہ پر تین

کو کسی بات کے ساتھ خاص طور سے خطاب فرمائیں۔ دیکھو حضرت علی کو اپنے  
سب ناموں میں زیادہ محبوب اور تراب تھا کیونکہ یہ کیفیت حضور نے وہی حق تیز حکم  
کی پہنچ بھی مقصود ہے کہ یہ سنو کسی کے واسطے نہیں بلکہ میں نے بلا واسطہ حضور  
سے سنا ہے اور نبات خود اس کو معلوم کیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو  
اس حکم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا کہ ان کو علم زیادہ تھا اگرچہ حضرات غلطہ کسی  
علامہ تھے۔ لیکن حضرت علی کو وجہ غیر میں سے اس غیر میں فضیلت حاصل تھی چنانچہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا حدیثہ العلم وحلی باہا  
نہی علم کا شہرہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ حضرت علی کو  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے اونٹوں کے بخر کرنے میں نائب کیا تھا۔

(کیونکہ آپ نے اونٹوں میں ترسٹہ تو خود اپنے ہاتھ سے بخر کر کے بقیہ کو حضرت  
علی کے سپرد کیا تھا کہ وہ بخر کریں تو کھانوں اور چھوڑوں کے حدیث میں بھی ان ہی کو  
نائب کر دیا گیا۔ ہذا خذہ ما ذکرہ التارخ ۷ ج ۲ ح ۱)

(۲۱) اگر کسی کو کسی دینی کام میں نائب کیا جائے تو عالم اور

قربت دار کو مقدم کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور حدیث وغیرہ  
قربت دار کو مقدم کیا جائے میں اگر کسی کو نائب کرنے کی ضرورت  
پڑے تو مستحب یہ ہے کہ کسی عالم کو نائب کیا جائے کہ یہ بھی قربت کو کان کرنے  
والا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک کام واجب نہ ہوں ان میں مستحب یہ ہے  
کہ ضرورت نیابت کے موقع پر اسے عزیز بقریب کو حکم دیا جائے۔ چنانچہ حضور  
سے حضرت علی کو بخر چرائی اور حدیثہ جعل و جلود حکم دیا کیونکہ وہ حضور کے  
چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ اس نیابت سے ان کو خوش کرنا مقصود تھا اگر حضور  
کسی دوسرے کو اس حدیث کا حکم دیتے تو احتمال تھا کہ ان کی خاطر میں تشریف بردا

منہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں ہو سکتا اور  
جاء الاحتیال بطل الاستدلال -

**ف** - جس محبت و ادب معاشرت بھی دین کا بڑا اہم مشہد ہے جس کی طرف سے  
آج کل بہت غفلت ہے اور غیبت تو یہ ہے کہ اس کے ادب کو قرآن و حدیث سے علما  
بھی کم سمجھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ مسیح نور اللہ تعالیٰ کے تجدد کی کارناموں میں یہ  
بھی بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے دین کے اس باب کو زندہ کیا اور اس کی تعلیم و  
تحقیق میں بڑا اہتمام فرمایا۔

(۲۱۱) فتوحات الہیہ کو بیان کرنا چاہیے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ کب  
اور غیر کو مفتوح فرمادیں تو اس کو بیان کرنا چاہیے بشرطیکہ اس میں اپنے کسب و  
اختیار کو دخل نہ ہو (محقق وہب و فضل) ہو۔ کیونکہ جن امور میں کسب و اختیار کو دخل  
ہے ان کو بیان کرنا تو اپنا ترکہ (اور اپنے منہ سے اپنی تعریف ہے اور اس سے)  
حق تقاضے نے (منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد) فرمایا ہے خدا تو کا انفسک (اپنی  
تعریف خود نہ کرو) اور جو امور محقق وہب و فضل سے حق تقاضے عطا فرمائیں ان  
کا بیان کرنا شکر میں داخل ہے بشرطیکہ نیت طلب ماہ سے سالم ہو چنانچہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا تحدث بالنعمة شکر فتموت کا بیان کرنا بھی شکر  
ہے اور حق تقاضے فرماتے ہیں: لئن شکرتم لا زید لکم اگر تم شکر کرو گے تو  
نیں تم پر اپنی نعمتوں کو بڑھاتا ہوں گا۔

دیکھو حضرت علیؑ نے (اس حدیث میں) یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے مجھے حدیث کا امرا فرمایا جس میں اس نعمت کا ذکر ہے کہ حضورؐ نے محقق وہب و  
فضل سے ان کو اس حکم کے ساتھ مخصوص فرمایا) چاہے سچا ہی یہ بھی بتلادیا کہ (اس  
کے بعد) جو کوئی نہیں سزا دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی جی میں دوسرے  
اور نزدیک سے برأت کا اہتمام ہے۔ جیسے کوئی کسی کو حدیث کرتے ہوئے دیکھے اور وہ

کہہ دے کہ یہ حدیث واجہ ہے (نافذ نہیں) اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں  
میری تعریف کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اور پہلے زمانے کے مسلمانوں کے  
تخلیک واجبات کا ان کا تعریف کا سبب نہ تھا کیونکہ واجب کا ادھر نا تو لازم ہے  
اور واجبات کے ادھر کرنے میں سب ہی لوگ برابر رہتے (اس زمانہ میں فرائض واجبات  
کو کوئی نہیں چھوڑتا تھا تو اس میں تعریف یا کمال کچھ نہ تھا) اسی لیے بعض عابدین نے  
فرمایا ہے کہ کھانا تاکہیں صومہ کو جزائے خیر نہ دے۔ انہوں نے (خود تو نماز چھوڑ دی کا)  
ہم کو نماز پڑھتے دیکھ تو کہنے لگے یہ بڑے عابد ہیں (یعنی ان کے ترک صلاۃ نے ہم  
کو عابدین میں داخل کر دیا اگر وہ بھی نماز پڑھا کرتے تو ہمارا کچھ بھی کمال نہ تھا) اور  
صحابہ و ائمہ متقدمین جو ان باتوں کا مذکرہ (کبھی کبھی) کر دیتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ  
نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انھیں فرمایا ہے اس کا منشا و محض اپنی  
خوشی کا اظہار اور نعمت کا شکر تھا وہ دعویٰ علی سے برہنہ تھے۔

آج کل کے آدمیوں کی طرح نہ تھے جو واجبات کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے  
اور چاہتے ہیں کہ ان کو اہل برکت میں شمار کیا جائے۔ لوگ ان کو بزرگ اور  
شیخ سمجھیں) ایسے ہی لوگوں کے حلق حق تقاضے نے فرمایا ہے وجوب ان بعد  
بعالہ دفعوا (اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے) ایسے کاموں میں جو  
انہوں نے نہیں کئے) اس میں عوفیہ دیکھ لیں ہے جو فرماتے ہیں کہ اہل طہرین کو  
چاہیے کہ حق تقاضے نے ان پر برکتوں کو مفتوح کیا ہے اپنے دوستوں کے سامنے  
بیان کر دیا کہ اہل طہرین میں کوئی ایسا نہ ہو کیونکہ اس سے اہل طریق کا ایمان  
قوی ہوتا ہے اور ایمان کی زیادتی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے نیز اس سے  
ان کو نفس کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس طریق میں  
صدق (دعوتوں) سے کام کہنے والے کم ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہی سمجھ  
بیٹھے کہ یہ (طریق حقوت) ایسی چیز ہے جس کا بہتر لیٹ دیا گیا ہے اب دنیا میں  
نہ کہیں طریق کا وجود ہے ذہنی طریق کا تو یہ خیال ان کو نرنگی سے ہمت پست

کتابوں میں مقامات داخلہ کی تحدید کی تعریف ایسی تدقیق اور کاوش سے کی گئی ہے جسے دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان مقامات و احوال کا حاصل ہو جانا آج کل محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حالانکہ ان کی تحصیل دشوار نہیں۔ دشواری محض مصنفین کے بیان میں ہے کیونکہ اخلاق و عہدہ کی تحصیل اور اخلاقی رد و پذیر کا اصلاح شرفا مبر ہے اور شریعت نے وسعت و طاقت سے زیادہ کا تکلف نہیں کیا۔

لا یکتلف اللہ نفساً الاذ مسحا وما عمل علیہ کحرف الدین من حرج اس پر مراد حال ہے۔

پس تقویٰ کا حاصل یہ ہے کہ امور اختیار دیر میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاریات کے درپے نہ ہو۔ چہر اس میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ البتہ امور اختیار دیر میں غلو و صدق حاصل کرنے اور شائبہ نفس سے بچنے کے لیے کسی شیخ سے رجوع کی ضرورت ہے جس کی محبت اور تعلیم کی برکت سے قلب میں غلو و صدق جلد پیدا ہو جائے اور نفس کے مکائد پر نظر ہو جاتی ہے۔ یہ بات غور کرتے ہیں دیکھ کر جلدی حاصل نہیں ہو سکتی اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض اپنے مریض کا علاج نہ کرے دیکھ کر کہہ کرے تو دیر میں شفاء ہوگی اور اگر نہ ہے شفاء نہ ہوگی۔ بزرگ بھائی، دگر کی طبیعت مذاق کے بحالی اپنے کو کہنے کو ملے شفا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امران قلب سے شفا حبیب دعا کی سے خدیجے جلدی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد نسبت باذن کے حصول کا درجہ ہے وہ تو کتاب سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ دولت مشائخ طرق کی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو اور دیکھ اللہ بڑا مہربان ہے ایسے شائخ موجود رہتے ہیں جن کے وسیلے سے یہ دولت ظاہر ہو کر حاصل ہوتی، جتنی ہے طلب اور تحقیق شرط ہے بدون تحقیق کے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

اسے بسا اہلس آدم رو سے بہت  
پس ہر دوست نہ دایداد دست



کہنے کا سبب ہو جاتا ہے اب اگر شائخ طریق حق تھانے کی ان نعمتوں کو بیان کرتے ہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مشفق کی ہیں تو اس سے سننے والوں کی کثرت بلند ہوگی وہ ہمیں سمجھ کر اس میں وہ حالت و مقامات حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے زمانے میں حاصل ہوتے تھے۔ مجھ سے ایک شخص نے جس کو طریق سے وابستگی تھی پھر عمل میں سست پڑ گئی۔ پھر اپنے زمانے میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کے اندر اندر مقامات مثنویہ کا کچھ حصہ موجود تھا تو بار بار مجاہدہ اور خدمت میں مشغول ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کلید کا سبب مرشد ہو گیا۔ بیان کیا کہ اللہ میں کس کس کر کہتا ہوں کہ میری سستی اور کلامی کا سبب مرشد ہے چونکہ میں نے اپنے اندر کوئی بات نہ دیکھی اور نہ کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس میں وہ باتیں موجود ہوں جو مثنویہ کی کتاب میں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس طریق کا بستر لیٹ دیا گیا ہے تو میں نے کیوں خواہ مخواہ مر مارا۔ پھر جب میں نے فلاں شخص میں کچھ وہ باتیں دیکھیں جو قوم کی کتابوں میں لکھی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ طریق تو باقی ہے لیکن سانک کم ہو گئے ہیں۔ اب میں پھر خدمت اور مجاہدہ میں لگ گیا جس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی جو اب دیکھ رہے ہیں کہ کچھ اندر فتوحات الہیہ سے کامیاب ہو گیا ہوں۔

تو فتوحات الہیہ کے بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ طریق کو دشوار اور محسوس و محکم سمجھتے ہیں ان کی بہتیں بلند ہو جائیں گی اسی کے بارے میں کیا جیسے کہ جب تو اپنے حال میں پہنچا ہو تو تیرا دل اور دیکھنا دینا دیکھنے والوں کے حق میں نفع ہی نفع ہے۔ قولہ و خیر دلیل حلقہ التحدیث بما فتح اللہ بعد علی العبد الی قولہ لمن تامل فاح۔

فت۔ کتب مثنویہ میں بزرگوں کی کرامات و معجزات اور کشیدات و حالات و کیفیات کا ذکر ہوتا ہے تو ان کو دیکھ کر بعض لوگ ان کی تحصیل کے طالب ہو جاتے ہیں اور جب حاصل نہیں ہوتیں تو مایوس اور بدول ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ امور اختیار سے باہر ہیں اور امور غیر اختیار دیر کے درپے ہونا پریشانی میں پڑتا ہے اور بعض



اور جب کے آواز نے کانٹے کا ٹکڑا دیا اور کفار کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ اگر ہم کی حالت میں خوشبو لگانا اور عبادتِ منہ ہے۔ جمہور کی طرف سے جواباً محبتِ فقہ میں نہ کرے وہاں دیکھ لیا جیسے۔

## حدیث

لبس المحرم المخطط

بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عطا دہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر کوئی (محرم حالت احرام میں) بھول کر یا نہات سے خوشبو لگائے یا (جلا ہو) کپڑا پہنے تو اس پر کفارہ نہیں۔

یہ عطا کا مذہب ہے۔ متفق علیہ نہیں۔ نسیان میں تو امام شافعی بھی اُن کے تفسیر کو موقوف ہیں اور امام مالک کے نزدیک نسیان میں بھی عکادہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں سو سے بچہ سولہ زیم ہے اور اس سے نقصان کا بچہ ہو جانا ہے اسی طرح احرام میں سو و نسیان معاف نہیں بلکہ بچہ نقصان کے لیے عکادہ لازم ہے اور یہاں سو و عمدہ دونوں میں عکادہ ہے۔ نماز میں صرف سو سے بچہ سولہ زیم ہوتا ہے عمدہ میں نہیں۔ باقی جمل کی محذرت میں جہاں تک بچے معلوم ہے کسی عالم نے عطا کی موافقت نہیں کی بلکہ قرآن فی سائسہ ۱۱ اہل و عداکرت کتہہ ناقصوں و اگر تم نہیں جانتے تو جانتے والوں سے پوچھو تم کا ذکر کر رہی ہے۔ قرآن نے کسی کو جمل کی وجہ سے محذو نہیں قرار دیا اور اگر جمل محذو ہو جائے تو اس کا درجہ علم سے بڑھ جائے گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (۱) ہذا ماقالہ اشعار فی شرح اس مسئلہ میں امام مالک کی دلیل ایک حدیث ہے کہ ایک شخص عالی احرام میں خوشبو لگا کر عبا پہنے ہوئے حضور کے سامنے آیا تو نبی نے اُس کو خوشبو کے دھونے

(۲۱۲) تا اہل کو محض کتاب و دیکھ کر فتویٰ دینا یا باطنی اصلاح کرنا جائز نہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ کتابوں میں کوئی روایت دیکھ کر فتویٰ دینا شخص کو جائز نہیں یہ کام انہی لوگوں کا ہے جو اس کے اہل ہیں اور فیصل شدہ بات کے جاننے والے اور دلول کلام کے سمجھنے والے ہیں۔ اسی مسئلہ کو دیکھو اگر کوئی نادان وقت آدمی عطا کا یہ قول نقل دیکھے وہ تو اسی پر عمل کرنے لگے گا اس کے سمجھے گا کہ سب علماء کا یہی قول ہے دیکھو کہ یہاں کسی کا غلط فہم نہ ہو کہ میں نے اب وہ اپنے امام پر بحیث بات انکار کا مجرم ہو گا اور نہ صرف کوئی دھوکہ میں نہ آئے گا۔ چنانچہ ایک عالم کے متعلق جو مذہب مالک پر فتویٰ دیتے تھے ایک بھارت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ عطا کے قول پر فتویٰ دیتے (راوی اس کو مالک کا مذہب سمجھتے) ہیں حالانکہ مالک کا مذہب ہم لوگ پرستہ کرتے ہیں (کہ وہ کسی جہز میں بھی عطا کے موافق نہیں نہ دنیان میں نہ جہل میں) ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو معرفت علم کا صحیح راستہ دکھائیں اور اس پر اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق دیں۔ قولہ ویرتیب علیہ من العقہ اللہ یجوزہ لکم۔ بجزعہ الفی علی قولہ للہ صواب۔

ف۔ ہر چیز کو یہ سلاطینوں کے مسائل سے نہیں گلاس کی ضرورت ملاد اور صرف وہ دونوں کو ہے اب تک ہر عرف عام کے کہ ہیں اور ترجمہ کو دیکھ کر حکم شرعی یا باطنی بیان کرنے لگتے ہیں اور بعض تو قہم ترین بہن ہوتے ہیں۔ حالانکہ کہ ہیں اور ترجمہ دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ چڑھنے بڑھانے اور ملاد کے پاس حسرت سے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بنائے بے حساب نظر سے گوہر خود را  
ہیئی نتواں گشت بعد یق فرسے چند



فت۔ ہدیہ میں مخلص اور محبت کی تحقیق ضروری ہے۔ ہر ہدیہ کو بلا تحقیق قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ لوگ حریص اور دنیا دار مشغول گردیں گے جس سے فیض عام میں کمی ہو جائے گی اور اپنا نفس بھی معرض ہو جائے گا۔ اگر کوئی اور صورت تحقیق کی نہ ہو تو اپنے قلب سے رجوع کرنا چاہیئے۔ جس ہدیہ کو دل قبول کرے لے لیا جائے ورنہ رو کر دیا جائے۔

تحقیق مخلص کی ایک صورت وہ بھی ہے جو یہاں ایک بزرگ سے منقول ہے مگر یہ اس زمانے میں مفید بھی جب ہدیہ کرنے والے تھے ہوتے تھے وہ قسم دینے کے بعد جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ معاف کہہ دیتے تھے کہ حضرت واقعی میرے ہدیہ کا قبول کرتا آپ کے حق میں اچھا نہیں۔ ابکل ایسے تھے مرید کہاں؟

(۲۱۴) سعید انزلی کو قندہ مفر نہیں ازل میں سعید ہو چکا ہے اس کو ان قندوں سے کچھ مفر نہیں ہوتا جو اس پر گزرتے رہتے ہیں۔ دیکھو، اس قطعہ زمین کے لیے (جس میں مسجد بنائی جاتی تھی) یہ سعادت عظمیٰ مقدر ہو چکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بنائی جائے گی اسی میں آپ کا نزول ہو گا اکیس آپ کی قبر شریف ہوگی تو اس کو مشرکین کے قبضہ میں نہ رہے اور ان کی خلاف شرع حرکات کا مورد نہ بنے اور ان کی قبر گاہ ہونے سے کچھ مفر نہیں پہنچا داسی لیے کہا گیا ہے) جب انجام اچھا ہو جائے تو ہر بڑی بات ہی سہی ہے اور اگر انجام بُرا ہو تو ہر اچھی حالت بدل جاتی ہے۔ قول وہنا اشارۃ الی قول قل کل عول۔

فت۔ یہی وہ منزل ہے جس سے ہر عارف لہذاں ترماں ہے سب کو عاقبت حسنی کی طلب ہے اور اس سے پہلے وہ اپنی کئی حالت سے مطمئن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حسن ختام اور عاقبت حسنی سے مرفراز فرمائیں۔ آمین!

(۲۱۵) ہر کام اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہیئے یہاں سے معلوم ہوتا کہ

کے لیے جو کام ہے بشرطیکہ دنیا کو دخل نہ ہو اور ہدیہ کی بہت محدثیں ہیں جن کو کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو اہمیں ہدیہ والے کو بھی صدقہ والے کی طرح ثواب ملتا ہے اگرچہ ہدیہ کرنے والے نے ان حضرات صحابہ کی طرح صاف صاف نہ کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہدیہ کرتا ہوں بلکہ اور کوئی قرینہ اس کے قائم مقام ہو۔

بعض مؤلفین سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس کوئی ہدیہ آتا اور ان کو کسی قرینہ سے معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس قسم کا ہدیہ ہے تو وہ ہدیہ کرنے والے سے فرماتے ہیں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ پچ بٹلاؤ تمہارے نزدیک میرا اسس ہدیہ کو قبول کر لینا اچھا ہے یا نہ کہ دینا اچھا ہے؟ وہ قسم کھا کر جو صورت بیان کر دیتا اس کے موافق عمل کرتے تھے اور ان کے اس فعل کا شکر دعو سے پہن مٹا اگرچہ وہ جسے صاحب کشف بزرگ ہوتے تھے، لیکن محض اپنے کشف کی بنا پر کسی کا ہدیہ مردہ کر دیتے تھے تاکہ دعو کے صورت نہ ہو جائے بلکہ ہدیہ دینے والے کی قسم پر عمل کر دیتے تھے۔

قول جہادجو رطلب الاشیاء للبدیع الی قولہ وان کان علی حادی عنہ من اهل الکشف والاطلاع۔

فت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صحابہ کو سب سے مختلف کر دیا تھا جیسا واقعات صحابہ سے واضح، ورنہ دشمن نہ ہو۔ اس لیے آپ کسی چیز کو غریب نہ پا رہے اور صحابہ اس کو ہدیہ کر دیتے تو اس میں خلاف مخلص کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ مگر آج کل مثلاً شمس نے اپنے مریدوں کو سب سے مختلف نہیں بنایا وہ اگر کسی مرید سے یہ کہیں گے کہ اپنا خاندان چیز امان سے باخیز کر دو اور وہ کہہ دے کہ نہیں حضور نبی اسی کو ہدیہ کرتا ہوں تو وہ محض شرم اثری ایسا کہتا ہے دل سے نہیں کہتا۔ لا ماشاء اللہ! پس ان کو اس حدیث پر عمل اس وقت جائز ہے جبکہ مریدوں کو اپنے سے ولایا ہی مختلف بنا دینا جیسا صحابہ نے صحابہ کو بنا دیا تھا۔

زہد اختیار کرے اور اپنی تمام مملکت کو خیرات کرے گا زیادہ کرے تو جو چیزیں دین کے لیے ضروری ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گی ان کو ملک سے نکالنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ قدر ضرورت کا نہ کھانا واجب ہے جیسے دھوکا بہرین اور بدن چھپانے کے لیے کپڑا اور جاننا وغیرہ۔ کیونکہ جن چیزوں کے نکال دینے سے دین کا کوئی کام دشوار ہو جائے ان کو ملک سے نکالنا جائز نہیں۔ دین تمام چیزوں میں اہم اور اقدم ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے تم دین کی فکر رکھو اور اُس کے بعد کسی چیز کی پرواہ نہ کرو کیونکہ انسان کی عزت دین ہی سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔

قوله وفيه دليل على ان الله عاقب المرء انظر في مودينه الى قوله لا جاسوا -

ف۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ آج کل تو دین سے عزت نہیں بلکہ دنیا میں مال سے عزت ہے جواب یہ ہے کہ اب بھی دین ہی سے عزت ہے بشرطیکہ دین ہو معنی دین کی صورت نہ ہو۔ دین غلامی کا نام ہے اہل غلامی کی اب بھی عزت ہے اور ہر زمانہ میں رہے گی اور جن اہل دین کو تم ذلیل دیکھتے ہو ان میں دین کی عظمت ہی صحت ہے۔ اور وہ بھی ناقص۔ اگر ان میں حقیقی دین ہوتا ہرگز ذلیل نہ ہوتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ولم يزلوا يفتنونهم ولكن اتوا فاقين لا يعلمون -

انسان اپنے ہر کام میں دوست کے موافق عمل کرے مگر غلطی ہو تو خدا کے موافق عمل کرے۔ سنگدست ہو تو سنگدستی کے موافق عمل کرے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ساجدین اپنے دین اور مال کو چھوڑ کر دین پیسنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد بنانے کی ضرورت ہوئی تو اپنے آپ سے اس وقت کی حالت کے موافق کام کیا کہ مسجد کو کچی اترٹوں سے بنایا۔ محبت میں مجبور کی شائیں لگائیں اور مجبور کی زبانوں سے ستون قائم کئے ان ہی کو دیواریں اور پرستے لگوا یا جیسا قصص النفل قبیلہ امیہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کچی اترٹوں یا ٹوند وغیرہ سے نہیں بنایا نہ کسی قسم کا تنگھ کی جو آپ پر یا دوسروں پر کر گئی کا صوب ہوتا۔ سنگدست کا مستغنا نہ رہا ہے اور کتاب اللہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے لیستفقد سعة من سعة ہر شخص کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے خرچ میں آسان روش اختیار کرنا زیادہ کمائے سے بہتر ہے۔ قوله ولعل علی اصحاب حسن الثمرات الى قوله من الزيادة في القلب -

ف۔ حضرات موفیاء کا یہ خاص مذاق ہے کہ ہر حالت میں بہت اور وسعت کے موافق کام کرتے ہیں اُس سے زیادہ کا تنگھ نہیں کرتے دنیا و آخرت دونوں کی راحت رکھتے ہیں۔ مال زیادہ ہو اور خرچ بے تنگھ ہو تو راحت میں مل سکتی ہے اگر خرچ انداز سے ہو اور مدنی قلیل ہو تو راحت ہی راحت ہے۔ اہل اللہ کی حالت کا مشاہدہ اس کی دلیل ہے کہ اُن کے برابر دنیا کی راحت بھی کسی کو نہیں۔

(۲۱۶) انسان کو دین کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیئے یہاں سے مسلم ہوا اہتمام اپنے دین کا ہونا چاہیئے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ہی کو سب سے پہلے جس چیز پر نظر کیا وہ مسجد تھی اگر اپنے مکانات بنانے سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کا فکر نہ ہوتا تو آخرت کا کلام تھا (اور دینی ضرورت تھی)۔ یہاں سے اُن فقرہ کے قول کی دلیل بھی معلوم ہو گئی جو فرماتے ہیں کہ جب مرد دین

## باب ہشت و پنجم

## حدیث

## خروج الدجال و فتنہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال دین کے ایک سنگت (میں) (مدینہ سے باہر) پڑاؤ کے گا۔ اس وقت اس کے پاس ایک شخص جو سب آدمیوں سے اچھا ہو گا یا فرمایا اچھے لوگوں میں سے ہو جائے گا اور (اس کے لئے) کہے گا میں کو اتنا دیتا ہوں کہ تو دبی دجال ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی تھی۔ دجال (لوگوں سے) کہے گا بے ڈا اگر میں اس کو مار ڈالوں اور میرا زندہ کروں کیا اس کے بعد بھی تم میرے سامنے میں ٹھک کر دو گے۔ سب کہیں گے نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر زندہ بھی کر دے گا۔ تو وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا بھڑا کچھ سے پہلے مجھے تیرے محلے میں اس قدر بصیرت ملتی تھی اب ہے (میں) پہلے سے زیادہ وثوق کے ساتھ تیرے پھر کہتا ہوں کہ تو کذاب ہے، دجال کے گا اچھا میں اس کو پھر قتل کرنا ہوں مگر اب اس کو اس شخص (کے قتل پر) بدترس نہ ہو گی۔

حدیث کا ظاہر ہر مضمون وہاں تک ہے کہ دجال کو جو خرق عادت و عیاشی شریعت کے لئے ہو گا وہ خود اس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے خرق عادت اس کے دعوے کو پورا کرنے سے قاصر ہوں گے (چنانچہ وہ اس شخص کے دوبارہ قتل کرنے کا دعوے کرے گا مگر اس پر بدترس نہ ہو گی اپنا

منہ لے کر رہ جائے گا) دوسرے اس شخص کی قوت ایمان معلوم ہو گئی جو دجال کے پاس جانے کا (اور اس کے منہ پر تکذیب کرے گا) دجال کا سنا بڑا فتنہ اسے کچھ غرور نہ دے سکے گا۔ اس حدیث کے معانی پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

## (۲۱۷) خرق عادت کی تقسیم اور معجزہ و کرامت اور شعبہ و سحر میں فرق

حضرات علماء نے لریا ہے کہ خرق عادت کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو دعوے نبوت کی سچائی پر دلالت کرے۔ اس کا تو بستر لیسٹ دیگا اب ایسی خرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی جو صدق نبوت پر دلالت کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، مگر ہم اس کو معنی معرفت کی غرض سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا علم بھی دین ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو دنیا پر فساد کے تحقق پر دلالت کرے ایک وہ قسم ہے جو معنی مجاہدات و ریاضات کا ظہور ہے اگرچہ مجاہدہ کرنے والا فاسق اور کافر ہی ہو۔ اس قسم سے بہت لوگ بوجہ جہالت کے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو سب یہ کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ارواح کو بلایا جاتا ہے اور بعض مستداد کو سحر کیا جاتا ہے اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں (وہ ایسے لوگوں کو جبرگ سمجھتے تھے) یا حالانکہ اس کو بزرگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں)۔

ان میں سے ہر قسم کی ایک علامت ہے جس سے پہچاننے والا پہچان لیتا ہے۔ مگر وہی پہچاننا ہے جس کے دل میں تصور ایمان ہے اور ان اقسام کو ماننا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی جو نبوت پر دلالت کرنے والی ہے علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ قدی بھی ہوتی ہے یعنی خرق عادت ظاہر کرنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں ایسا کر سکتا ہوں (جو دوسرے کو نہیں کر سکتا) اگر کسی کو نبوت میں شک ہو تو میرا مقابلہ کر کے دیکھ لے اس کے بعد جب اس نے دعوے کیا تھا اس کے معاذ حق تصور ہو جائے (اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے) مگر

اب کی کو اس قسم کا دعوے کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یحب بعدی (مگر میرے بعد کوئی نہیں) اور یہ حدیث قویٰ ثبوت سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچائی ہونا وہی حق و فضل سے ثابت ہو چکا ہے تو حضور کے بعد جو کوئی بھی دعوے نبوت کرے یقیناً جھوٹا ہے، اور اس دعوے کے بعد اُس کے ہاتھ سے کوئی فرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ جتنے چیزوں کو وہ فرق عادت قرار دے گا اسی سے اُن کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا (جیسا پنجاب میں ایک مدعی نبوت اسی قریب دہائی میں ہوا تھا اور اُس نے اپنی پیشین گوئیاں سچ ہونے کو معجزہ قرار دیا تھا مگر دنیا جانتی ہے کہ اس کی حد پیشین گوئیاں غلط ہوئیں اور جن لوگوں نے اُس کے مقابلے میں پیشین گوئیاں کیں اُن کی اکثریا سچ رہی ہیں)۔

دوسری قسم جو مدعی ولایت پر دلائل کرتی ہے وہ ولی کے ہاتھوں بدو ن تعدی اور دعویٰ کے ظاہر ہوتی ہے اُس کی شریعت یہ ہے کہ اس شخص کی حالت غفلت کے موافق ہو یا متاع سنت کا بہ تمام کرنا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کسی بندہ کو ولی نہیں بنائے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کسبتم حبوبن الله فاقبونی حبیبکم الله۔ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت دیکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور اگر ولی کسی وقت بوجہ مذمت کے کرامت کا دعوے کرے مجب و پذیر شام نہ ہو تو اللہ نے اُس کے دعویٰ کو فوج کر دیتے ہیں کیونکہ ولی کی کرامت تصدیق نبوت کی برکت ہے۔ جو کرامت بھی کسی ولی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ یہ قرآن کو مدق، اتباع سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے کہ ایک بزرگ (یعنی کے ارادہ سے) سمندر (میں جہاز) پر سوار ہوئے اُن کے ساتھ اور بھی حاجی سوار ہو گئے اُن میں جہاز میں بادشاہ کا گیسو بھی لپٹا تھا چنانچہ سمندر میں لوٹاں لگایا جہاز والوں نے باہم مشورہ کیا کہ فتنہ شہادت کے درمیان تو لی کر بھی لگایے اور یہ حاجی اپنے اختیار سے سوار ہو گئے ہیں چاروں سے اوپر ان کی دستاویزی نہیں تو جہاز کو ہلکا کرنے

کے لیے) ان حاجیوں کو سمندر میں چھینک دینا چاہیے گیوں کو بچا لینا چاہیے کہ اُس کا ہم سے معاملہ ہو گا۔ یہ بات ان بزرگ کے کان میں پہنچی جب آپس نے دیکھا کہ ان لوگوں نے یہ ارادہ پزیر کر لیا ہے تو جہاز والوں سے فرمایا کہ تم (جہاز کو ہلکا کرنے کے لیے) گیوں چھینک دو۔ اُس (کے پورا کرنے) کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ انہوں نے جتنی مقدار کم کرنا چاہی سمندر میں چھینک دی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر سمندر کو سکون ہو گیا اور منزل مقصود پر سلاستی سے پہنچ گئے تو اب ان بزرگ سے گیوں کا معاملہ کیا فرمایا وہ شہادت نکالو جس میں گیوں کی مقدار لکھی ہوئی ہے اس کے بعد بقیہ گیوں کو یہ یاد سے ناپو متناکم ہو گا اُس کا میں ضمانتی ہوں چنانچہ پندرہ لکھ تا پانچ سو اسی تو اس مقدار سے زیادہ تھا وہ شہادت میں لکھی ہوئی تھی اور بزرگ کو چھوڑ دیا گیا۔

اُس وقت انہوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ واللہ میں نے یہ کرامت ضمن نزوت کی وجہ سے ظاہر کیا ہے کہ کشتیاں ان کی جان کا بچانے لازم تھا تو ایسی صورت میں ولی کو کرامت کا دعویٰ جائز ہے) اور اگر کوئی شخص غفلت کے کرامت کا دعوے کرے وہ اہل طریق کے نزدیک اولیاء میں سے نہیں بلکہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد ہے مستند جہد من حیث لا یعلمون۔ ہم اُن کو اس طرح آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں کہ اُن کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کرامت ہمارے واسطے لطف نہیں بلکہ قہر ہے اسی کا نام استدراج ہے) اللہ تعالیٰ کے بیان اُن کا قصہ بھی ہے کہ جن کرامات کا اُن سے ظہور ہو گیا (حضرت صوفیائے تصوف کی کہ ہے کہ جو شخص اس لیے بہت کرے کہ اُس سے کرامت ظاہر ہوں یا اُس کی دعا قبول ہونے لگے یا دنیا میں اس کا درجہ بلند ہو جائے بزرگ مشہور ہو جائے تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کمرہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (اُن کو بد بخت و سانی نہیں ہوتی)۔

اور تیسری قسم جو عبادات کی وجہ سے ہو کیونکہ عبادات و ریاضات سے بھی



ماؤں سے ہوتا ہے۔ اسات کرتا ہوتا ہے، ایذا رسانی کم کرتا ہے، بلکہ عین کرتا ہے، چیز جس سے محبت کرتی ہے، حتیٰ کہ وہ زمین بھی جی میں چاہتا ہے اور آسمان بھی جو اس پر سایہ کرتا ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کی مخلوق سے بھی۔ آسمان والے اس کو زمین والوں سے زیادہ پیہانتے ہیں، وہاں یہاں سے زیادہ مشور ہوتا ہے، غیبت، مبالغہ نہیں کھاتا۔ نہ بُری باتیں سناتا ہے، اس کو گزرا کر محبت سے یہی تکلیف ہوتی ہے جیسے خود اس نے گناہ کیا ہے۔ نیک آدمیوں کی معاملت سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کسی کو اس کا ثواب ملے گا۔ ظاہری مشورت میں آدمی ہوتا ہے مگر باطن میں فرشتہ نورانی مقدس ہوتا ہے۔

اس کے اوصاف کہاں تک بیان کئے جائیں اس کے لیے تو دفتر بھی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی رست سے اُن کو عطا فرمائی ہیں اور اُن کے طیلین میں ہم پر بھی رحم فرمائیں۔ وعلیہ السلام علی محمد نبیہ وعلیہ السلام۔

غرض چونکہ اکثر لوگ ابلیس طر سے تا واقعہ ہیں، جن غلاب ہو رہا ہے اس لیے میں سے بھی کوئی فرقی عدالت دیکھتے ہیں خواہ کسی قسم کی ہو اس کو بزرگ کئے گئے ہیں یا ان مسندوں کے خفا کو، باتیں سننا ہے تو قابل حقیقت پر ہی مبنی کر کے لگتا اور اُن کی کلمات کو بھی شدہ اندر فریب کئے گئے ہے اس طرح ان کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے کہ یہ کلمہ بھلائے خالی نہیں اگر یہ امتیاضے کا ہے کہ قرآن کی حالت کو کھنکھائے گا۔ ذکر معلوم یہ کہ راست ہے یا شہدہ یا ان کو ابلیس فساد میں داخل کرے گا۔ اس مشورت میں حوالہ کے ساتھ خواہ بھی ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں کے لیے بہت بھرتی آتی ہے (وہ اُن کے بُرا بھلا کئے والوں کو سخت سزا دیتے ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے میں احادیث و احادیث مارنی بالحدادۃ۔ جس نے میرے ولی کی اعانت کی اُس نے مجھے عطا بلکہ دیا ہے۔ قولہ لا فاسقۃ العاقبۃ فقد نکحہم اللہ علیہ وعلیہ اربعۃ اشخاصہ فی قولہ فقد باذنی بالحدادۃ۔

زیادہ ملتے جلتے (اور اُن ہی کو اپنے حال میں جانتے ہیں) ابلیس علم واپلی صلاح سے قدر رہتے ہیں، کیونکہ اُن کے سامنے اُن کا علم نہیں چلتا، اور میں شخص کو اتنا ہی سنع کے ساتھ خرقِ عادت ہوتا ہے وہ شاہانِ عدالت میں رہتا ہے، کسی چیز اور کسی یا کسی مادی و دنیوی مادی طاقت سے اُس کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی حالت روزانہ قریٰ بزرگ ہوتی ہے کشتی نہیں، تمام آدمی اور سارا عالم وجود اُس کے نزدیک ایک حد پر ہیں (وہ سب کو شفیق اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہے) کسی سے اللہ تعالیٰ کے ہوا میں شرمناک جس طرح چاہتا ہے میں چیز میں چاہتا ہے تعریف کرتا ہے مگر دھوکے میں نہیں کرتا۔ مگر کبھی دھوکے کرتا ہے تو پختا طاقت و وقت سے بزرگی ظاہر کر کے اللہ کی طاقت و وقت پر مجبور کر کے دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ اپنے چہرہ اندیشہ ہو جاتا ہے (کہ مباد اور بار حق سے مراد وہ ہو جاؤں) ہاں جب اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں آتی ہیں (اس وقت غرض ہوتا ہے) اس کی طاقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کا مُذکر قبول کرتا ہے مگر جبکہ دین کا معاملہ، چاروں وقت توحش سے کام نہیں لیتا بلکہ سیاست سے کام لیتا ہے۔ مگر دل میں اپنے کو دُشمنوں سے کدھرتی سمجھتا ہے، تو ظاہر شدہ حکومت و سیاست کرتا نظر آئے، وہ سب سے زیادہ مخلوقِ خدا پر شفقت کرنے والا ہوتا ہے اپنے کو کدھرتا جاتا ہے، اُس کے پاس جو خیر بھی ہے (خواہ کلمات، ہوا یا کلمات) سب کو اللہ تعالیٰ کی عطا و احسان سمجھتا ہے، اپنا کوئی استحقاق نہیں سمجھتا۔

لوگوں کو اتنا ہی سنع کی تعریف دیتا ہے (اور خود بھی سنع کا اہتمام کرتا ہے) غلاموں میں زیادہ رہتا ہے، مروت کے وقت ہوتا ہے۔ بہت ہوشیار ہوتا ہے لوگوں سے چپ نہیں رکھتا۔ آخرت کا خیال ہر وقت دل کے سامنے رہتا ہے۔ کسی چارہ کوئی حق نہیں سمجھتا، دُشمنوں کے حقوق اپنے ذمے بہت سمجھتا ہے، ہلنے میں بھی اور بیچنے میں بشرطیکہ اُطاعتِ ایلان موجود ہو، یعنی ایمان کی وجہ سے وہ ہر شے ایمان کا اپنے ذمہ حق سمجھتا ہے، مدح و ثناء سے بجا سمجھتا ہے (غیرت کچھ ہے) تنہائی اور خلوت سے



ای طرح حضرت مولانا محمد ادریس صاحب داندوری اور حضرت مولانا حکیم الامتہ خانانوی کے سامنے بھی چڑھیں اور شیعہ باندوں کی کچھ نہیں بچتی تھی اور پھر پورکرائیس مانا پڑتا تھا کہ یہ لوگ اہل حق ہیں ان کی باتوں میں خرافیت ہے۔ مجھ سے خود بعض ہندوؤں نے ان حضرات کے کمال کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں حضرات کے خلاف میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اہل باطل کے تقررات نہیں چل سکتے اور ان کو مغلوب پورکرائیس حق کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ مجاہدہ و ریاضت کا اتنا، شر ضرر ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کلمہ لیتے ہیں محبت خیمہ لہرتے۔

ف۔ جب سنت صاحب کرامت کی جو علامات یہاں بیان کی گئی ہیں الحمد للہ ہم نے اپنے اکابر میں ان کا تصور بدرجہ اتم پایا ہے۔ فوہ ان کے اتباع سنت و زہد و روح اور تقویٰ اور خشیت و شفقت علی الخلق سے واقف ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس صرف کے دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں موجود ہیں وہ اس کی شہادت دیں گے۔ اس زمانے میں ان اوصاف کمال کی جامع ہستی حضرت ہی کی ذات ہی نور اللہ مرقدہ۔

(۲۱۸) جس کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا۔ نہ ان پر حکومت کر سکتا ہے۔ نہ کچھ بھی نہیں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین ہونے کی شہادت دی ہے حالانکہ جانتا تھا کہ دجال دین کے اندر نہیں آ سکتا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تمہارا اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر بھی قوت ایمان نے اس کو دجال کے پاس جلائے اور اس کی جماعت میں موجودگی میں اس کو جبراً کشتہ پر غور کیا۔ اگرچہ وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے کے بعد اگر کھائے گا یا نہیں۔ باقوت ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ کے حکم پر قائم رہے اگرچہ تمہاری رہ گیا ہو۔ جیسا کہ بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا۔ جبکہ بعض لوگوں نے رکوع دینے سے انکار کر دیا اور دھماکہ دیا دعاء دے کر یہ انہی کے

ف۔ یہ جزم کیا ہے کہ نفس مجاہدہ سے بھی باطن نغز ہو جاتا ہے اور قلب مثل صانع شگفتہ آئینہ کے ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت شارح نے لفظ باطن اور قلب کا نفی صحت میں استعمال کیا ہے۔ ورنہ قلب اصطلاح کو بدو ان ایمان کے نواسبت نصیب نہیں ہوتی۔ نفس مجاہدہ سے صرف لطیفہ نفس کی صفائی ہوتی ہے جو بڑی بہت اور قلب و روح اور سر و عقل و فہم و تہذیب و ادب کو جوہر ہیں بدو ان ایمان کے متحد نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجدد الوعد ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ لفظ غیر باریہ بدو ان معرفت حق کے منور نہیں ہوتے اور معرفت حق بدو ان اسلام کے نہیں ہو سکتی طیب محمد نور۔

ف۔ یہ جزم کیا ہے کہ اہل حقیقت کے سامنے اہل باطن کی کچھ نہیں چلتی ہم نے اپنے اکابر میں اس کا ثبوت پایا ہے۔ ایک دفعہ مسلمانوں اور دوسروں میں مناظرہ تھا ہندوؤں کی طرف سے ایک جگہ کری پر بیٹھا ہوا تھا جس وقت مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ کے لیے کوئی عالم کھڑا ہوتا وہ جگہ سر ہٹا دیتا اور مسلمان عالم کی تقریر کو زور ہو جاتی اس کیفیت کو ایک صاحب دل نے مہربان لیا اور سیدی حضرت مولوی علی احمد صاحب قدس اندر سر کو غلطہ دی۔ اب حضرت نے بھی اپنا سر خٹکا لیا۔ عقلمندی ویر نہ گزرتی تھی کہ وہ جگہ کری چھڑ کر بھاگا پھر جلسہ میں انفرنگ نہ آیا۔ اور علماء اسلام کی تقریر پر نہ زور دار ہوئے بغیر۔ گفتار کے مناظر مغلوب ہو گئے اور مسلمان غفلت و غصہ واپس آئے۔

ای طرح ایک جگہ نے ریل میں حضرت مولانا محمود کے ایک سر پر تعریف کیا جس سے ان کے دل میں وسوسہ شیعہ خانی آنے لگے اور وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ چلتی ریل سے کودنے کا قصد کیا۔ دفعہ حضرت مولانا کی خدمت سامنے فلا آئی کہ فرما ہے میں کو جسبست اللہ و فسخہ الوبس۔ یہ کہنا تھا کہ تمام وسوسہ کا فخر ہو گئے اور جگہ کا تعارف باطل ہو گیا وہ خود کو تھکے لگا کہ تمہارا پھر بڑا کامل ہے اب تو انہوں نے جگہ کو نسبت براملا کہا اور وہ نام ہو کر خاموش ہو گیا۔

کومن ممان گناہا ہے۔ قوت ہو کہو۔

**قوت** : یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بدعت قوت ایمان سے محروم ہیں۔ گو اہل بدعت میں بعض اہل نسبت بھی ہیں۔ مگر ان کی نسبت میں وہ فرق نہیں ہوتا جو نسبت صاحب نسبت میں ہوتا ہے۔

(۲۱۹) مسلمان کی بھلائی قوت ایمان کے موافق ہے مسلمان کی بہتری اور یہاں سے معلوم ہوا کہ

ایمان : قوت ایمان کے موافق ہے (یعنی ایمان قوی ہو گا کسی قدر بہتری ہوگی جب ایمان قوی ہوتا ہے تو یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہی بیش آئے گا۔ چاہے یہ خدا ہے یا حرکت کرے پس مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا یا تحریب دی ہے اس کو قبول کیا جائے چنانچہ ارشاد ہے قل ان یسئلا الا حکمت اللہ لہا عون و عون اللہ ذلک وکل المؤمنون قواذیئہ کہ ہم کو اس کے سوا کچھ عیش نہ آئے گا جو اللہ تعالیٰ نے کچھ دیا ہے وہی ہمارا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان و اوس کو بعد و سہ کرن چاہیے۔ چنانچہ یہ شخص جس کا حدیث میں ذکر ہے) تنہا کر دجال کی تکذیب کرے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی وجہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے یعنی تو خدا نہیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے بلکہ تو جھوٹا کذاب ہے اور یہ بہت بڑا مہمہ ہے کہ حق بات کہہ دی اور اس کی پرواہ نہ کی کہ ایمان کیا ہوگا ؟

آج کل بعض لوگ جو علماء اور دیندار کہلاتے ہیں حق بات کہنا اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اُس سے دُشمنی ضرور پہنچے گا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کر کے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدترین گناہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ہم کو خبر دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی اوسن ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو مومن ہو جائے گا کو کافر ہو جائے گا شام کو دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا یہ ضرور

اس وقت ان لوگوں سے چشم پوشی کی جائے گی کیونکہ وہ دم و فاسد کا فخر ہو رہے موجود تھا، مگر صدیق اکبر نے اپنے شعلہ میں فرمایا کہ میں اس سے ضرور مقابلہ کروں گا اگرچہ میرے ساتھ ہوا بھی لڑے گا نہ ہو (یہ لفظ دہر کر کا ترجمہ ہے اور بعض نے اس کو تشدید سے ترجمہ ہے جس کے معنی نہ تو میری ہمت ہے کہ میں حضرت صدیق ثانی سے بہت پوری بھی نہ کی جی کہ نام سبھ بڑا سے (یا بھروسے) میری جی۔ یہاں تک کہ سب لوگ مجھ سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق نے بھی کہ جب میں نے حضرت صدیق سے یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ ان کی مانے حق ہے ان شرعاً نے مجھے بھی اُس لئے پر شرع صدر علی فرمایا جس پر حضرت صدیق کو شرع صدر ہو چکا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت اہل قوت ایمان کے موافق ہوتی ہے (جس قدر ایمان قوی ہوگا اسی قدر حضرت قوی ہوگی)۔ قرہ و فیہ دلیل حلالہ ان من قوی ایمانہ الی قولہ اللہ تقدیر قوتہ ایمان۔

**قوت** : جب کسی بدعت اور منکر پر کبیر کرنے والا کوئی نہ ہو تو قوت ایمان کا متعلق یہ ہے کہ اس وقت یہ نہ دیکھے کہ میں تنہا ہوں، تنہا کوئی نہ لڑے گا کہ میں انکار سے کیا ناؤں ہوگا ؟ اس وقت بدعت اور منکر پر ضرور انکار کیا جائے تاکہ حق ظاہر ہو جائے تو بلا تک اندیشہ بھی ہو کہ لوگ اگر کسی نے بھی انکار نہ کیا تو عام مسلمان گمراہ ہو جائیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مشرک خلق قرآن کا فقرہ مامون کے زمانے میں پیدا اور بعض علماء لوگوں مولیٰ بات کہہ کر جھوٹ سمجھنے، بعضوں نے تنبیہ کے طور پر مامون کی موافقت میں جواب دیا یا تو مجھے بھی خیال ہوا کہ گول مول بات کہہ کر جھوٹ جاؤں کہ دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں سے ایک سے باہر واد قلم لے کر کھڑے ہیں کہ احمد بن حنبل جو کچہ کہیں گے اُسی پر اعتقاد رکھیں گے تو میں نے غور کر دیا کہ حق کو صاف صاف کہنا کہ آیت اگر ایسی میں مبتلا نہ ہو چاہے میر کچہ ہی مشرک ہو مگر میں جب بدعت اور منکر پر صاف صاف نیکی کر دے گا کوئی نہ ہو اس وقت صاحب حق کو اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا چاہیے حق



بعبروھا الی قولہ وما قالہم اللہ عزوجل لہ منہ انکرامہ اذہم اعلم۔

فتنہ میں فوج پر بیکار کیا ہوا کہ جب بدعت و فکریہ پر غور کرنے والا کوئی نہ ہو اس وقت اپنے کو ضرور میں لڑائی کی بدعت پر انکار کرنا چاہئے بلکہ بعض مفسرین میں وجہ ہے بلکہ حکومت سے اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ میں یہ تحریر اگرچہ ایک قانون حکمت کے خلاف تھی مگر دوسرے قانون حکمت کے موافق تھی۔ حدیث میں ہے اعظم الجہاد کلمۃ حق۔ عند سلطان جاشر۔ بڑا صداقت بات کہ دنیا ہے قلم پر شاہ کے سامنے۔ اس کو بڑا جادو اس کا سامنے کیا گیا ہے کہ اس میں جان کا فطرہ غالب ہے چنانچہ بہ کثرت ملحق ایسے گمراہ ہیں جنہوں نے سلاطین کے سامنے امر بالمعروف اور نہی منکر کیا اور جان دے دی کہ کداس میں اُنت کو بدعت اور نہی منکر سے بچانے کا فائدہ تھا گو غلبہ کو فتنہ نہ پہنچا ہو۔ جان کو لڑائی میں ڈالنا وہاں مٹتا ہے جہاں کوئی فتنہ مٹتا نہ ہونہ مقابل کو کوئی فتنہ پہنچے تو بے فائدہ جان کیوں دی۔

(۲۷۱) ایمان کے ساتھ فتنہ مٹھ نہیں ہوتا یہاں سے معلوم ہو کہ ایمان

دینا بلکہ فتنہ سے ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس شخص کو سخت آزمائش پیش آیا کہ قتل کیا گیا پھر زندہ کیا گیا مگر اس سے اس کی قوت ایمان (کم نہ ہوئی بلکہ) زیادہ ہوئی کیونکہ پہلے تو اس کو ردیال کے جھوٹا ہونے کا علم یقین تھا اب میں یقین ہو گیا اور میں یقین علم یقین سے اعلیٰ ہے۔ جیسا حضرت ابراہیم سے جب کیا گیا دلہ تو صبر (کیا تم کو اس کا یقین نہیں کہ شر قتلے مردوں کو زندہ کر دیتے) تو عرض کیا مل و نکرت لعلہ من قلی کہ یقین کیوں نہ ہوتا کیونکہ میں ایمان قلب چاہتا ہوں (یعنی علم یقین سے ترقی کہ جسے میں یقین چاہتا ہوں) اور وہ مشاہدہ ہی سے ہو گا، اسی لیے وہ درجہ نعمت کے مستحق ہوئے اس میں ایک دوسری حدیث کی بھی تائید ہے جس میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی پر فتنے کے بعد دیکر سے آتے دہتے ہیں جس پر وہ بیہوش ہو گئے۔ اس میں زیادہ واضح

پیدا کر دیتے ہیں اور جس دل میں بیہوش نہ ہوئے اس میں مفید (چک) ہو) نشان پیدا کر دیتے ہیں جو ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ دل صاف (آئینہ کی طرح) ہو جاتا ہے پھر اس کو کوئی فتنہ اس کے بعد نہیں دیتا۔ چنانچہ یہ شخص رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتا ہوا (اور رسول کے سامنے میں مجاہد بن کھنکھ قویس کو قتل سے بھی کو ضرور نہ پہنچا بلکہ ایمان میں ترقی ہی ہوئی اور دجال کی حالت سے واضح ہو جائے گا کہ اس کے خوارق عادت عموماً اس کی تکذیب کریں گے کیونکہ وہ اپنے آدمیوں سے کہے گا بتلائی گریں اس میں کو قتل کر کے پھر زندہ کر دو کیا پھر میں میرے خلیفہ شک کرو گے؟ (اس کا یہ سوال ہی بلند تاسہ ہے کہ وہ دعوے خدا فی میں جھوٹا ہو گا) اگر اس کا دعوے خدا فی سچا ہوتا تو لوگوں کے دلوں کو اپنی تصدیق پر عموماً مل کر دیتا کیونکہ قلوب تو اللہ قلم کے قبضہ میں ہیں (وہ جس طرح چاہیں اُن کو پھیر سکتے ہیں) پس دجال کا لوگوں سے اپنی تصدیق طلب کرنا خود اس کی کمزوری پر ولایت کر تلب ہے اور خدا قلم کے حق میں کمزوری محال ہے) پھر بڑی کمزوری یہ ہو گی کہ وہ دوبارہ اس شخص کے قتل کا دعوے کرے گا مگر قادر نہ ہو گا اپنا سامنے کر رہ جائے گا۔ قولہ وذیہ دلیل محض ان الفتنۃ لا تضرہم بلحاظ ان الی قولہ وهذا فی حق اللہ وحبہ محال۔

فت۔ حضرت شارد نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علم یقین سے عین یقین کی طرف ترقی کے لیے اعیان موقی کی کیفیت دیکھنا چاہی اس میں کلام ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ بدون مشاہدہ حق سے عین یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ و مشاہدہ سے پہلے ابراہیم کو عین یقین کا دہرہ حاصل نہ تھا مگر حضرت شارد کی مراد عین یقین سے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں تو یہ مقدمہ مسلم ہے مگر اس کو علم یقین کے مقابل میں لانا درست نہیں کہ اس سے معنی اصطلاحی کا شائبہ ہو تاسہ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت تیسرا ابراہیم علیہ السلام عین یقین و عین یقین دونوں کا سایہ تھے جب ابراہیم کا یقین کو یہ دونوں درجے حاصل ہوئے ہیں تو انبیاء کا کسی

ایک سے غامی ہوں کیونکہ فکر ہے اُن کو دینی اور نبوت کے ساتھ ہی عین ایضاً یعنی مطلق  
حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بدون مشاہدہ کیفیت کے دل کو ایک کیفیت  
پر قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ بہن نقشے بناتا رہتا ہے جیسے ہر کوئی میں کامل ہے کہ دنیا میں  
خاندانہ کو جو ہے مگر جب تک مشاہدہ نہ کر لیا جائے وہیں کو ایک صورت پر  
قرار نہیں ہوتا بلکہ مختلف صورتیں وہیں آتی رہتی ہیں کہ کبھی ایسا ہے یا ایسا ہے،  
دیکھنے کے بعد ایک صورت پر قرار ہو جاتا ہے کہ میں ایسا ہے اس کا نام اطمینان  
ہے اور ذرا اس کو یقین ایضاً کہہ سکتے ہیں اصطلاحاً نہیں۔ اسی کو حضرت ابراہیم نے  
طلب کیا تھا اور یہ مقاصد میں سے نہیں بدون اس کے ہی ایمان اور یقین کامل حاصل  
ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم کو بدون دیکھے خاندانہ کے وجود کا پورا یقین ہے۔ حضرت  
ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی طلب اس لیے کی کہ اُن سے ایمان دہی میں فرود  
نے منظرہ کیا تھا اُن کو خیال ہو کہ شاید پھر کوئی اس باب میں منظرہ کرنے لگے تو  
میں اُس کی کیفیت کا مشاہدہ کر لوں تاکہ مشاہدہ کے بعد قوت کے ساتھ گفتگو کر  
سکوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب مشاہدہ کے کلام میں وہ قوت اور شوکت  
ہوتی ہے جو صاحب مشاہدہ کے کلام میں نہیں ہوتی جس سے بچ کر لیا ہے۔  
وہ جس قوت اور شوکت کے ساتھ مسائل میں گفتگو کر سکتا ہے کہ نہ کہنے والا  
نہیں کر سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

پس ہر شخص کو دنیا میں طلب اطمینان کی اعانت نہیں نہ ضرورت غالباً  
ہیما خوف والرماد اطمینان تو آخرت ہی میں حاصل ہوگا ہاں طلب یقین لازم ہے۔  
اور اُس کا ہر درجہ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جہنہ پنجہ اولیا کا میں اُس سے کامیاب  
ہیں کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے لا تکتشف المقام ما ادرت یقیناً مگر پردہ  
اٹھ جائے جب بھی میرے پیش میں زیادتی نہ ہوگی تو اطمینان کی کیفیت ضرور  
پیدا ہوگی لیکن الحبس کا لغایہ۔ سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہی ہے  
مگر اُس کا نام اطمینان ہے۔ اولیاء کو یقین کامل بدون اس کے بھی حاصل ہوتا

ہے اور انبیاء علیہم السلام اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں (سعادتہ من  
مستیری حکیم الامتہ نور اللہ مرقعہ دہدہ من حکیم)۔

۱۔ یہ جو کامیاب ہے کہ قوت سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کی ایک وجہ تو ظاہر  
ہے کہ کئی محنت ہر حال میں برتی ہے خواہ اُس کی وجہ سے کئی ہی تکلیف پہنچے اور کئی  
عقبت ہی کا نام ایمان ہے واذا ذمنا اموالنا شہداً۔ جس نے عشق کو دیکھا  
ہے وہ جانتا ہے کہ تکلیف و محنت سے عشق کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے

۲۔ ساز و مشق کو کچھ سلامت  
خوش را سوائی کو کسے سلامت

عاشق کا ذائقہ یہ ہوتا ہے کہ  
نہ شود نصیب دشمن کہ شود بد کہ تیغ  
مرد در دستاں سلامت کہ تو خنجر آزمانی  
ہاں بلا سے جان نکلے تو گھر نکلے نہ آہ  
ہو شیارے دل کہ وہ صبر آنا ہو بیکو ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے قیامت کی علامات تفصیل  
کے ساتھ بیان فرمادی ہیں۔ جب یوں کے سامنے وہ نقشے آتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ  
صلی علیہ وسلم نے دی ہے تو اُس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے وہ ان کو دیکھ کر  
بے ساختہ پکار اٹھتا ہے فقد صدق رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔ بے شک  
ہمارے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ جس وقت میں نے اپنے رسالہ الوظہ اور دہی فی  
ذکر المسیح والہدی میں یہ حدیث لکھی ہے دیدنوا القلحہ والتمجادۃ کا قیام  
کے قریب قلم اور تجارت بہت پھیل جائے گی۔ یعنی کھنے پرنے کا رواج زیادہ  
ہوگا۔ تجارتیں ترقی کریں گی۔ تو میں نہیں بیان کر سکتا ہوں کہ کبھی کبھی کیفیت  
ظاہری ہوئی۔ واقعی حضورؐ نے سچ فرمایا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آجکل ہر قوم کو ترقی  
تعمیم اور ترقی تجارت کی کس قدر فکر ہے۔ گاؤں گاؤں میں اسکول کھولے جا

پہلے گا مگر بدون کسی ظاہری سبب کے اس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اب اس پروردگار  
 اس کے پیروں پر حق کو مان لینا لازم تھا کیونکہ اس کے دعوے اور دلیل کو باطل  
 کرنے والی چیز کلمہ تھا سب کے سامنے جس کی کوئی وجہ اس کے پاس نہ ہوگا۔  
 مگر بات یہ ہے کہ دلائل اور مواضع سعادت کے ساتھ ہی نئی فتح دیتے ہیں اور نئے  
 اور استغاثات شقاوت کے ساتھ ہی مہر پہناتے ہیں۔ ہم اللہ عزوجل مالک عرشین  
 حکیم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شقاوت اور بکری اور بکری اور بکری اور بکری سے  
 دونوں جہاں پہنچائیں اور اپنے فضل سے داری کی سعادت سے سرفراز فرمائیں۔  
 اللہ کے سوا کوئی رب نہیں۔ وحی اللہ عزوجل۔ قہ وہ فیہ دلیل علی انہما

قدرة الله عزوجل الخ قوله محمد وآلہ

۴۔ یہی وہ مقام ہے جس نے عارفین کو بڑا رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس  
 کی تقدیر میں کیا ہے گو ظاہر حال سے انہما کا پڑ چل جانا ہے مگر قطعی فیصلہ مرنے سے  
 پہلے نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں یہ

غافل مکر مکر مکر مراد مراد در دست غفلت باد یہ پیا بریدہ اند  
 نوید ہم رہا کش کہ زندان باغوش ناگاہ یکدش خوش بختی زیدہ اند

۵۔ گدش کند فرشتہ بر پا کئی ما

گدندہ زندہ یوزنا پا کئی ما

ایمان چو سلامت چو لب غور برسم

احسن بریں پستی و چالا کئی ما

ہر شخص کو حسن خاند کا اہتمام کرنا اور اس کے لیے دل سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

وَدَعَا اللَّهَ وَابْنَهُ حَسَنَ الْهَامِ عَجَبَةً اَسْمَىٰ وَآلَهُ اَصْحَابَهُ اَكْبَرُ اَعْلَىٰ اَبَدَ

قَاتِلِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَنْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

سب سے ہیں سلطنتوں کی دنیا بخت پر قائم ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود  
 اس قدر ترقی تعلیم کے علم تاہم ہے اور جن ترقی پر ہے۔ علامت قیامت میں حضورؐ نے  
 یہ بھی فرمایا ہے یَقْبَعُ الْعَمْدُ وَيَكْشُرُ الْبَهْلُ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ وَيَنْفَعُ الْاَسْقَلُ۔ علم  
 سمٹ جائے گا اور جہل غلب ہوگا اور گروہ برائیوں کو بڑی زیادہ ہوگی۔ سو اتنی اس  
 زمانے میں کھینچنے کی قوت ترقی ہے مگر علم کو تنزل ہے کیونکہ کھینچنے پر تنے کا دروازہ زیادہ  
 محکم دنیا اور مادی منفعت کے لیے ہے نہ خدا کی یاد سب سے واقف ہونے کے  
 لیے نہیں اور ایسے کھینچنے پر تنے کا نام علم نہیں بلکہ صراحت جہل ہے اس کی جس قدر ترقی ہوگی  
 جہل ہی بڑھتا جائے گا

کلمہ کرہ بخت نہ دنیا بخت مست

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کلمہ کو کتنی ترقی ہو رہی ہے اسی قدر دنیا میں فساد اور  
 غلامی بڑھ رہی ہے۔ یہ فساد کرنے والے ان چرچہ جہل نہیں بلکہ تعلیم یافتہ  
 مگر بکری ہیں وہی کسانوں مزدوروں کو سبزا باغ دکھا کر دنیا میں فساد پھیلا رہے  
 ہیں۔ ان وقت کو دیکھ کر مومن کا بیان پختہ ہوتا اور تصدیق رسول میں برابر  
 ترقی ہوتی ہے کہ وہ حق حضور ﷺ و سلم نے جو کچھ فرمایا تھا دیا ہو ہو پورا  
 اور پاس ہے۔

اِنَّهُمْ صَالِحٌ وَصَلَهُ وَدَعَا عَلَىٰ هَذَا اَللّٰهُمَّ لَكِنْ لَيْسَ اَعْمَلُ صَالِحَةٍ و

اَرْكَ تَسْلِيحُهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

حدیث میں قدرت اخی کا بھی بیان ہے کہ جس کے  
 لیے گمراہی مقدر ہو چکی ہے اسے اس کو جہنم اور  
 نصیحتیں کچھ بھی نفع نہیں دیتیں۔ دیکھو وہاں دعوے کرے گا کہ میرے خدا ہونے  
 کی دلیل یہ ہے کہ میں اس شخص کو مکر چیر زندہ کر دوں گا۔ سو ایک دفعہ وہ ایسا  
 کر دے گا پھر رجب وہ شخص زندہ ہو کر کے گا کہ اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ  
 بعیرت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ تو وہاں کذاب ہے) وہ دوبارہ اسے قتل کرنا

## حدیث

## حراست مکہ والمدينة من الدجال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو کیا کا کوئی شہر ایسا ہوتا جس میں دجال نہ پہنچے مگر اور مدینہ کے کہ اس کے واسطوں میں سے کوئی راستہ ایسا نہ ہو گا جس پر فرشتے باندھے ہوئے ان کی صفات دکھاتے ہوں۔ پھر مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ آئے گا تو ہر کافر اور منافق (مدینہ سے بھاگ کر) دجال کی طرف چلا گئے گا۔

شرح حدیث کا یہی مفہوم یہ ہے کہ دجال زمین کے تمام بلاد میں پہنچے گا مگر نہ اور شہر مدینہ کے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ایک تو یہ کہ اس میں دجال کے ظہور کی تحقیق ہے کہ وہ ظاہر ہو گا۔ اور تمام فوٹے زمین کا دورہ کرے گا۔ مگر مدینہ کے پاس بھی پہنچے گا مگر فرشتے قلم لکھا صفت باندھے ہوئے ان دونوں مقدس شہروں کی حفاظت کرتے ہوں گے اس لیے اندر نہ پہنچ سکے گا مدینہ کو تین بار زلزلہ آئے گا۔ کافر و منافق اس زلزلہ کو دجال کا تعارف سمجھیں گے اور اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس لیے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ مدینہ کی ایسی مثال ہے جیسے بجلی کی جس طرح اس میں سوسے چاندی کا نیل پہل نکل جاتا ہے اسی طرح مدینہ نبیوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے۔

(۲۲۳) مکہ اور مدینہ فضیلت میں برابر ہیں مگر فضیلت میں مکہ اور مدینہ دونوں برابر ہیں کیونکہ دجال تمام زمین کو پا ل کر سہ گامزن دو مقدس شہروں میں نہ پہنچ سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اس کی تائید دوسرے دلائل قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر مدینہ میں یہ ضرورت ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور مسجد مبارک ہے اور حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا ہے تو مکہ میں یہ ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا کرامت مکہ میں ہوئی وہاں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے اور وہاں آپ کا قبلہ ہے اور نبوت کے بعد حضورؐ کا قیام مکہ میں ہی مدینہ کے برابر ہی ہوا (جبکہ کچھ زیادہ) مشہور توں یہاں ہے کہ مکہ آپؐ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال قیام فرمایا اور مدینہ میں دس سال یہاں اُنساب رسالت کا مطلق تکمیل اور قرب مدینہ ہے۔ قوله وقاضی هذا الحدیث یحییٰ التسویۃ بینہما فی الفضل انی قوله وخرجهما بالمدینۃ۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مسند تقویٰ کا نہیں مگر صرف یہ اس سے بحث کی ہے اس لیے ترجمہ کر دیا گیا۔ اس باب میں پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ جہنا مکہ میں اچھا اور مدینہ میں اچھا۔ کیونکہ مکہ میں اعمال کا عالم کا ثواب مدینہ سے زیادہ ہے کہ مسجد اہرام کی ایک نازیک دیکھنا دونوں کے برابر ہوتی ہے اور مسجد نبویؐ میں ایک نماز یکساں ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ پس زندگی مکہ کی افضل ہے اور جب قرب امت کا احساس ہونے لگے اس وقت مدینہ پہنچنا مانا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

عند فقہائے اہل سنت میں اتفاق کیا ہے کہ مکہ ایک اور اُن کے مقدس مدینہ کو مکہ سے افضل قرار دے ہیں۔ امام شافعی اور اُن کے مقلدین مکہ کو دوسرے افضل کہتے ہیں مگر اس پر صحابہ اتفاق ہے کہ جو زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم المکان ہے قبر شریف میں سے کہے ہوئے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے اور اہل بیت علیہ السلام نے قوس کو حرمین و کربلا سے بھی افضل کیا ہے کہ گذشتہ صفحہ ص ۵۲۷ ح ۱۳۔

دوسری عرق عادت پہلی حدیث میں مذکور تھی ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ ایک یہ کہ وہ زمین میں داخل ہو کر اسی وقت تک رہے گا۔ ایک یہ کہ وہ بھی جائے گا۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ دونوں کے ساتھ ہو جائے گا۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ جنت اور دوزخ کا نوبہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اُن کی جنت میں داخل ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا اور جو اُس کے دوزخ میں داخل ہوگا وہ جنت میں ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ کسی کے گنا کو میرا گنا مان لے وہ انکار کرے گا تو اس شخص کا مال دجال کے ساتھ ہونے کا۔ اب وہ شخص بھی اپنے مال کی وجہ سے دجال کا پیرو ہو جائے گا۔ غرض دجال کے کفر کا اور اس کی وجہ سے لوگوں کے کافر ہونے کا بڑا سبب یہ خوارقِ عادت ہیں جن سے گئے جو اس امین کو دینے جا رہے تھے۔ اس کے ظہور سے پہلے سات سال ایسے گزریں تھے جن میں نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نازل ہوگا نہ زمین سے کوئی دانہ اُگے گا نہ گرجاؤں کا وقت امامِ ہدی علیہ السلام موجود ہوں گی جن کی برکت سے مسلمان بچنے کے لئے رہیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے دُکھ اور اندویشِ خدا کا کام آئے گا۔ اُن کے نفوسِ تجسیم سے بڑے بڑے شتم کئے جائیں گے۔ ایک دم گرجا پڑیں گے۔ دجال کے پاس تو شعبہ رہی ہوں گے۔ حضرت امام کے پاس اللہ تعالیٰ کی فرست سے بڑی بڑی کتابیں ہوں گی جن سے مسلمانوں کے دل مطمئن اور مضبوط ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر فرعون کے ساتھ ایک کوئی اور پھر نہر کے ساتھ تریاق بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔

جائے گا۔ چنانچہ اس وقت گرجاؤں کی صفحہ موجود ہیں۔ گرجاؤں کے ذریعے اوقاتِ نماز کا پتہ چلتا ہے گا اور اسے ایام کی گنت بھی سہی گئی جس سے رمضان کا نام معلوم ہوگا اُس میں نذرہ بھی لگائی کے نذرہ سے لگے لیا جائے گا۔ پانی یہ ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو ایام کی شمار بڑے اہتمام سے کرنا ہوگی اور ہر پندرہ برس دن کا شمار کرنا ایسی صفحہ کا علم بعد کے لیے اور دنیا کا علم کا علم ہے۔ پتہ ہوگا اور ان کے پاس وقت، شفا کے مسلمانوں کو علم اوقات کا کوئی اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ نکال دیں۔ دماغِ علمائے عجز ہیں۔ ۵۲۰۔

مہم استعلاج حکمہ الامموت ہاندینۃ لبقولہ ادک قال۔ جس سے یہ ہوئے کہ مدینہ میں اُس کو موت آئے گا اُس کو ایسا کرنا چاہیے؟

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے دو لوگ ہوں گے جو بیت اللہ (قبرستانِ مدینہ) میں مدفون ہیں۔ پھر آپؐ کے دونوں کا انتظار فرمائیں گے اور ان سب کو ساتھ لے کر میرا بہ عرشِ قرین لائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے وہ آپؐ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ تہجدۃ فہ سیلت واجعل حقہ بیلد و سلم علیہ وسلم۔ آمین۔

(۲۲۴) دجال کو خوارقِ بہت دینے جائیں گے پس خوارقِ کو عطا

قبول نہ سمجھا جائے جب تک اتراحِ مُنت نہ ہو کہ اس میں اور

دجال کو خوارقِ عادت بہت دی جائیں گی جن میں سے ایک تو یہی ہے کہ وہ تمام دسے زمین کا دورہ کرے گا تاکہ دعویٰ الوہیت کے بعد اُس کا قیام زمین میں صحت پائیں دن ہوگا اس سے زیادہ نہیں اللہ ان ایام میں پہلے دن سال بھر کے برابر ہوگا اور دوسرا مہینہ کے برابر اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور چوتھا ایک سال و لوں کے برابر ہونے پڑے ہوں گے۔ حضراتِ معارف سے تندرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان لیے دونوں میں سے کبھی ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ نمازوں کے لیے وقت کا اعجاز کر دیتا۔

۵۲۰۔ برائے حضرت محمدؐ کی گرجاؤں کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انھوں نے ان پانچوں شوقِ دینی پریشاںوں کا علم۔ ریاضتِ نسک کی طرف دی پریشانی کا صلہ دریافت کیا پھر یہ بھی پتہ چلا کہ وقت کا اندازہ کیونکر کریں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب دونوں نہ مل سکیں تو علم کے اندازہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس وقت کوئی صورت پائی پیدا ہو جائے گی جس سے اندازہ کرنا آسان ہو۔ (الحقیر)



طلب کرو۔ نمازیں، تلاوت قرآن میں، ذکر، شریعت۔ اگر ان میں وقت پاؤ (تقریر) ورنہ جان لو کہ روزانہ بند ہے (پس ایمان اور اعمال سالہ کی یہ برکت تو مطلوب ہیں۔ کرامت و خوارق عادت مطلوب نہیں، اسی طرح اور جو حقوق (شرعیہ) ہیں (وہ ان کا بہتم کرتے ہیں) ان ہی سے ان کا حال درست ہوتا ہے۔

قوله وفيه عطف كثره فان يصح هذا المذهب من حق العادۃ الى قوله وفيه اصلاح حاله۔

فت۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عین چیزوں میں رقت طلب کی طلب کا حکم دیا ہے مگر آج کل بعض مدعیان تعزوت صالح اور قرآن میں رقت طلب کی تلاش کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اہل صالح کو ناز اور تلاوت قرآن اور ذکر ان میں رقت حاصل نہیں ہوتی اور جس کو ان سے رقت حاصل نہ ہو اس پر روزانہ بند ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بزرگان دین نے جو صالح مناسبہ وہ آجکل کا صالح عامیوں کے ساتھ نہیں تھا اور جیسا بھی تھا بطور غذا کے نہ مٹا بلکہ دوا کے طور پر تھا۔ جب کسی پر تعین طاری ہوتا تھا اس وقت بطور علاج کے اس کو استعمال کرتے تھے۔ مگر آجکل لوگوں نے سد کو غذا بنالیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناز اور تلاوت و ذکر میں ان کو رقت و ملاحت نصیب نہیں ہوتی جو حدیث کے موافق محدود کی علامت ہے۔

فت۔ آج کل پنجاب میں ایک اور مدعی پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مال اکبر پیدا ہو چکا ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا قادیانی بھی دجالوں میں سے ایک تھا مگر وہ مال اکبر نہ تھا۔ اس میں وہ مال اکبر کی علامات موجود نہیں۔ بڑی علامت تو یہ ہے کہ اس کا طور زیادہ مدعی علیہ السلام میں ہو گا اور اب تک حضرت امام کاظم رضی اللہ عنہ کی علامت وہ ہیں جو حق تعالیٰ اس مقام میں مذکور ہیں مگر وہ پنجاب کے مٹا گئے ان خوارق میں عجیب ہے کہ کئی باتیں ان کی ہیں اور بعض کے راولپور کو بے وقوف بتایا ہے مگر اس کو ان شعور نہیں کہ قرآن

ناک طالب حق نہیں ہے محفوظ رہیں اور جو نبی گروہ ہوتا چاہے اس کا کوئی علاج نہیں (اسی لیے، بل عین ان خوارق عادت پر نظر نہیں فرماتے جو ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا ہے) اور اگر وہ مکتبی ہی زیادہ ہوں (چونکہ خوارق عادت دجال سے بھی ظاہر ہوں گی تو ان پر نہ کرنا اور ان کو مقبولیت کی علامت قرار دینا غلطی ہے) جب تک ان خوارق کے ساتھ کمال (و بناہ مست) اور تقویٰ اور محبت حق موجود نہ ہو بعض بزرگان دین تو ان خوارق سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کو اس سے صاف کیا جائے۔ چنانچہ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آگیا جس سے پار ہونا بدوین شمشکی کے دشوار تھا ان کے پاس کچھ نہیں جو کشتی والے کا کامیہ دے دیتے یہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کروں دشمنان کی نظر دریا پر پڑی کہ اس کے دونوں کنارے اس قدر قریب ہو گئے ہیں کہ ایک ہی قدم کا صلہ لگ گیا ہے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا خداوند اگر یہ کرامت ہے تو اس کو آخرت کے لیے میرے واسطے ذخیرہ (کے طور پر منظور) کر لیجئے اور اگر سفید صاف مودہ کی طرف سے (کوئی شہدہ) ہے تو اس کو مجھ سے واپس کر دیجئے۔ دریا فوراً جیسا تھا دوبا ہی ہو گیا اور بزرگ نے اپنے بزرگوں میں سے ایک پھر کشتی والے کو دیا جس کے بعد (گرایہ کر کے) پار ہو گئے۔

بزرگوں سے اس قسم کی حکایات بہت ہیں (جن سے معلوم ہوئے کہ وہ خوارق عادت سے خوش نہ ہوتے تھے بلکہ ڈرتے تھے) پس ان کو توہینہ اعمال اور ایمان کی تحقیر و تحیل کا بہتم تھا اور ان ہی کی برکات کی طلب تھی۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہیں وہ تک اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال میں، اخلاص (کا بہتم) کر کے حکمت کے چٹے اس کے دل سے زبان پر ظاہر ہوئے گئے ہیں (یعنی اولیٰ اندس کی برکت سے دل میں معلوم حکمت کا اظہار ہو کر ہے پھر اس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلنے لگی تھیں۔ یہ حدیث صوفیاء کی پندرہویں کی اصل ہے) نیز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رقت (قلب) کو تین چیزوں میں

حدیث کے کچھنے والے وہی گتے جزمائے نزول وہی میں موجود یا نہی کے قریب تھے۔  
جس شخص کو نص حدیث و احادیث اور احادیث قرآن کی ہوا بھی نہ ملے گی ہونے قرآن وحدیث  
سے کافی توفیق ہو جس کو فہم قرآن وحدیث کا دعویٰ ہوا نہ نہیں۔ اگر اس طرح  
حدیثوں میں سے کئی یا دو میں کی جائیں گی اور راویانہ حدیث کو بے وقوف بتایا  
جائے گا تو ایسا شخص خود مرد جانوں میں سے ایک وہاں ہوگا۔

یہاں یہ کہنا کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں تو قیامت کی علامات کا تفسیر عقل میں  
آنا ضروری نہیں۔ صرف حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ قیامت کی کیفیت عقل میں نہیں  
سمجھ سکتے تو اس کی علامات کا عقل میں آنا کیا ضروری ہے؟ اور اب تو سائنس نے بہت سی  
بعد از قیاس باتوں کو قریب کر دیا ہے۔ سیکس کی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ یونیورس  
کے ذریعے لہندہ کی تقریر ہندوستان میں مٹی جا سکتی ہے۔ آج کل سب کچھ ہے  
ہیں۔ میں انتظار کرو انتظار، شدہ عفریہ وہ وقت بھی آجائے گا جب علامات قیامت  
سب کی سب تفسیر عقلوں سے قریب ہو جائیں گی۔ اس مدعی نے ایک کمال تو یہ کیا  
ہے کہ کھور ممدی کا تو قرار کیا ہے مگر نزول کیا علیہ السلام سے انکار ہے حالانکہ اس  
میں بعض ایسے تو گزرتے ہیں جنہوں نے کھور ممدی سے انکار کیا ہے اور حدیث ابن  
ماجرہ ممدی انا یعنی کی وجہ سے ممدی اور سید کا مصداق یعنی علیہ السلام ہی کو  
قرار دیا ہے مگر ایسا کوئی نہیں جو اس نے نزول کیا سے انکار کیا ہو۔

امت مسلمہ کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ ممدی اور یعنی علیہ السلام الگ الگ دو  
شخص ہیں اور حدیث ابن ماجرہ کو ضعیف کہتا ہے جو حدیث صحیحہ تھوڑی تھوڑی کر  
سکتی۔ یعنی علیہ السلام زمانہ ممدی میں آسمان سے نازل ہوئے گئے اور وہاں اب کو  
اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ اس وقت چونکہ وہاں کا مقابلہ ہو گا جس کے پاس  
خواری عات بہت کچھ ہوں گے اس لیے یعنی علیہ السلام سے بھی بہت خواری عات  
خواہر ہوں گے۔ میں یہ شبہ لکھ رہا ہوں کہ یعنی علیہ السلام سے ایسے معجزات پائی جوت  
کے دل سے میں تو ظاہر نہیں بلکہ اب زمانہ مہدویت میں کون ظاہر ہوں گے؟ جواب

دائجہ کہ اس وقت وہاں کبر کا مقابلہ ہو گا جس کے برابر اہل باطن میں کوئی بھی صاحب  
خوار نہیں ہوا۔ ایک مشہور یہ کہ ہے کہ جب یعنی علیہ السلام کے سانس سے سارے  
کا فریاد ہو جائے تو وہ نجد دین کے لیے تین و صد کس کی کریں گے؟ جواب یہ  
ہے کہ یہ خاصیت ان کے سانس میں لشکر وہاں سے مقابلے کے وقت ہوگی کہ اس کے  
ساتھ پوری دل کا فریاد ہو جائے اور کون ہے اس کے پاس میدان جنگ میں پھرنے کیلئے  
گیس وغیرہ بھی ہوں ان کے گیس کا جواب یعنی علیہ السلام کا سانس دے گا۔ ان کا گیس  
تو دوست دشمن سب ہی کو ہلاک کر دے گا۔ ہو گا محمدی علیہ السلام کا سانس صرف کافروں  
کو ہلاک کر دے گا۔ مسلمانوں کو وقت وفرمت بخئے گا۔ اس طرح وہاں کے قتل ایک بہت  
سے کافر ہلاک اور بہت سے فرار ہو جائیں گے اور میدان شعلہ فساد کے ہاتھ رہے گا، تو  
اس کے بعد یعنی علیہ السلام کے سانس سے کفار ہلاک نہ ہوں گے۔ چنانچہ خروج باجوع و  
ماجوع کے وقت یعنی علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو ملے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔  
اگر یعنی علیہ السلام کے سانس میں یہ خاصیت دہی ہوتی تو ان کو کوہ طور پر جانے کا  
حکم کیوں ہوتا؟ بلکہ یہ حکم دیا جائے کہ اپنے سانس سے باجوع و ماجوع کو بھی ہلاک کر  
دیں۔ اس سے معلوم ہو کہ ان کے سانس میں یہ خاصیت صرف اسی ایک میدان میں  
ہوگی جہاں وہاں سے مقابلہ ہو گا۔ اسی طرح اس نے اور بھی شہادت لکھنے میں  
کاشف و مضیق قلب اور تلبات ایان ہے جس کو نہ کہ قدرت پر پورا یا اس ہے وہ ہے  
شہادت میں کہ کئی خوب لکھ لو۔

بیان  
(۷۲۵) حرمت مکان سے ایمان ہی کے ساتھ نفع ہوتا ہے معلوم  
ہوگا کہ مکان کی حرمت ایمان کے ساتھ ہی فتنہ دہی ہے کہ کوہ نزول اللہ صلی علیہ وسلم  
فرماتے ہیں کہ وہاں کی طرف (مذینہ سے) ہر کافر مذہب ساقی نکل کر لے ہو گا جس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ اس وقت مذہب میں کفار اور منافق بھی ہوں گے حالانکہ اس وقت وہاں  
نفاق ظاہر نہیں۔ نہ مذہب میں کوئی کافر مقیم ہے نہ وہاں جا سکتا ہے تو اس وقت عالم



ہیں (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لطف کے ساتھ ہماری دستگیری فرمائیں) ہمیں وحی ملی  
 علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی دے رہے ہیں)۔

فت - حق بات کو چھپا پھینس جاسکتا ہے نہ زمانے میں حدیث کے شروہ پر اللہ تعالیٰ  
 اس اہمیت میں معذرت پیدا فرماتے ہیں جو حدیث کی اہمیت کو مسلمانوں کے سامنے  
 واضح کر دیتے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں اور اہل قلوب کو عزت دے دیتے کہ  
 اس حدیث کے مجدد حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ علیہ  
 تھے۔ میں مسلمانوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تائیدات و مواظبہ و رسائل کا مطالعہ  
 کرنا اور حق و باطل کو ان کے ارشادات سے معلوم کرنا چاہیے۔

حضرت کے وہ خدمات ابھی تک زندہ ہیں جن کے سامنے حضرت اقدس نے ایک  
 دو بار میں بلکہ بار بار فرمایا ہے کہ مشرک گاندھی اس زمانے کا دجال ہے اسی لیے  
 حضرت کو کانگریس سے نفرت تھی اور اس میں شرکت سے مسلمانوں کو منع کرتے  
 تھے۔ اب بعض متعصبوں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو شرکت کانگریس کے لیے  
 حضرت کو ناراض کیا ہو گا تو ہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ خوفی پیش کرتے ہیں جو  
 دیر تقدیر رحمت نسبت کہ ہندو اسی میں کلام ہے) حلفانہ کا لکھا ہوا ہے جب کہ  
 کانگریس میں گاندھی کا وجود بھی نہ تھا ان کو کیا حاکم ہوتا۔ اور حضرت حکیم الامت نے  
 شرکت کانگریس سے اس وقت منع فرمایا ہے جب مشرک گاندھی کا نام کانگریس  
 اور کانگریس کا نام گاندھی ہو گیا اور وہ مشرک گاندھی سے ہمانہ گاندھی بن گیا تھا۔  
 اہل عقل سیاست و ان فبقہ نے تجربہ کے بعد حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے  
 موافق عمل انھوں نے دیکھ لیا کہ واقعی یہ شخص دجال ہے جس کا ظاہر صالح عمل اور باطن  
 شوم اسلام ہے۔ دل کی دشمنی بھی نہیں مانتی کہ جس نے بھی ظاہر ہو جی جاتی ہے۔  
 قد بدت العفاد من افراھم وما تحفہ صدورھما اکبر قد  
 بینا لکھ۔ لایات ان کنھہ تعقلون ۵

زیادہ افسوس اُن علیٰ دیر ہے جواب تک کانگریس کا دم چلے بنے ہوئے

اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ کیونکہ کوئی زمانہ بھی دجالوں سے خالی نہیں ہوتا۔  
 (حدیث میں ہے کہ میرے اور دجال کے درمیان کچھ اور ستر دجال ہوں گے ہمیں  
 ہر شخص کو اپنی حالت میں نظر کرنا چاہیے۔ مبادا وہ دجال کے متبعین میرے سے ہو یا  
 خود ہی دجالوں میں سے ایک دجال ہو۔

معیار امتحان کتاب و سنت کی میزان ہے بشرطیکہ تفسیر سلف صالح کے  
 اور اس کی پہلی کانک ایک ہی معیار ہے کہ اپنے کو کتاب و سنت کی  
 موافق ہو میزان سے تول کر دیکھا رہے اور کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح  
 کے موافق کرتا رہے (سمان انرا کیا بات فرمائی ہے جس نے ہر دلی و فریب کا  
 ذمہ بند کر دیا کو کچھ معین لوگ اپنی حالت کو کتاب و سنت کے موافق تو کلام کر سکتے ہیں مگر  
 کتاب و سنت کی تفسیر اپنی سامنے سے کر سکتے ہیں اس طرح اپنے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں  
 اور مخلوق کو بھی۔ اگر کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کر کے اپنی حالت کو  
 اس کے موافق نہ پاسے اور چہرہ مبارک گاندھی (ہم تو یہ شخص مستند ہے اور اس کو  
 پتہ بھی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے مستند و جہد من  
 حیث لا یعلمون۔ ہم اُن کو ابستہ ابستہ پکڑیں گے کہ اُن کو خبر ہی نہ ہو گی۔  
 اسی معنی کی طرف نزول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔  
 حاسبا قبل ان یتھابوا۔ اپنا کام سمجھو خود کرتے رہو اس سے پہلے کہ قیامت  
 میں تم سے حساب لیا جائے گا اور (ہر وقت) اسباب اور علف کو اپنے اوپر لازم کیجے  
 کیونکہ بخدا معاملہ منکب ہے اور آج ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں بھلائی کے  
 نشان بدل گئے اور راستہ مختلف ہو گئے ہیں۔ بھلائی کی طرف بلائے دالے اور چلنے  
 والے کم ہیں زیادہ شر کی طرف بلائے والے اور شر کے راستہ پر چلنے والے

باب ہشت و ہفتم

حدیث

## من استطاع منكم الباعة فليتزوج

عبداللہ (رحمہ اللہ) روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن (ایک دن) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا جو تم میں سے بھری کے نان و نفقہ کا متحمل ہو اُس کو نکاح کرنا چاہیے کہ وہ نگاہ کو زیادہ محفوظ کرنا اور شرمگاہ کو زیادہ پاک دامن بنا دیتا ہے اور جس کا متحمل نہ ہو سکے وہ روزہ کو اپنے اوپر لازم کر لے کہ وہ ماہہ شہوت کو کم کرنے والا ہے۔

تھکا ہوا مرد بڑھ چکا ہے کہ اس میں نکاح کا امر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً کلیتہً زوج فرمایا ہے جو امر کا مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ ماہہ شہوت کو کم کر دیتا ہے۔ اسی لیے دوسری روایت میں روزہ سے کا حکم جو انہوں کے ساتھ مضموم ہے کیونکہ بوجہ ان میں یہ ماہہ خود ہی کم ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے اس کے تقاضے کو دیکھ کر سکتے ہیں۔ جو ان آدمی اُس کے تقاضے کو آسانی سے دینے میں کر سکتا تو اُس کو روزہ کا حکم دیا گیا۔ اگرچہ وہ بہت کرے تو بدن روزہ کے بھی یہ تقاضا دینے ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضا للہ صریحاً احسن للنظر فرمایا ہے کہ روزہ نگاہ اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ کرنا ہے یعنی حفاظت کا ایک درجہ بغیر اُس کے بھی قدرت میں رہتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کو ہر حالت میں نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا شرفا امر ہے خواہ اُس میں اتنی ہی زیادہ

اور مسخاؤں کو اُس کے ساتھ وابستہ رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں حالانکہ کلمہ گھڑی کی اسلام دشمنی اب بالکل عیاں ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کلمہ گھڑی میں اُس نے اپنی دشمنی کا ایسا خرمیں مظاہرہ کیا ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو ان نام نہاد علماء کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے اور حضرت علیہ السلام قدس سرہ کے ارشاد و گروہی کو متعلیٰ راہ بنا کر اس دجال سے اور اس کی جماعت سے دور ہی رہنا چاہیئے۔

دورِ اوجان سس نہ ملنے میں مرزا غلام احمد قادیانی تھا جو بہت سال پہلے گزرا مگر اُس کی جماعت باقی ہے مسلمانوں کو اس جماعت سے بھی دور رہنا اور اُس کے دہل و فریب سے بچتے رہنا چاہیئے۔

ۛ

شہوت ہو، کیونکہ انہیں نچی کر لین اور شر نگاہ کو حرام سے بچانا قدرت سے باہر کی دقت بھی نہیں اگرچہ چون کو اس میں بڑا بھادہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ دین میں مضبوط نہ ہو اس قدرت کو کام میں نہیں لاسکتا مگر بھادہ اور شفقت لازم آنے سے قدرت سے خارج ہوں نہ نہیں آتا یہ اور بات ہے کہ اسباب سہولت پر عمل کرنے کے بعد زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ سیلے جو مخلوق کو روزے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے اس دن کے کاغذ خالصہ نہیں رہتا (ھذللہما ھذا ذکرہ اللہ ۳۵۳ شہ دہ غا)

(۷۲۶) انسان اسباب سے کام لینے کا مامور ہے ہوا کو اندر لایا جانے سے کام لینے کا مامور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرارت و شہوت و دغ کرنے کے لیے سبب سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے کہ شادی کر کے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو روزہ رکھے۔ اسی طرح جو بھی نفع اور ضرر ہو انسان کو اس کے دغ یا تفصیل کے اسباب کو کام میں لانا چاہیے۔ جس طرح بھی شہوت کے موافق اسے قدرت ہو روزہ تو اس صیحت کا دلول تھا لیکن قدری حدیث اس کے معارض دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں جو ان میں اور مجھے اپنے اوپر تائید میں مبتلا ہونے کا شرط ہے اور جو روزے سے شادی کرنے کی قدرت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے تو انہوں نے کئی مرتبہ ایسی بات کو دہرایا تیسری دفعہ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کو پیش آنے والا ہے کلمہ قدرت پر اس کو کھل کر خشک ہو چکا ہے سبب چاہے اسی پر کھنکھو یا (پریشانی) بڑھائے نہ ہو۔

یہاں حضور نے ترک اسباب اور رضا برتقا کا حکم فرمایا اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اس میں اس حالت کے نزول کی تدبیر اور اسباب زوال میں کوشش کرنے کا حکم ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابوہریرہ صحابہ معتمدین سے تھے جن کو اکثر فاقی کو بت پیش آتی تھی اور حضرت ابوہریرہ جو کچھ کی شدت

سے بے ہوش ہی ہو جاتے تھے پھر بھی ان کی حرارت شہوت کم نہ ہوتی تھی۔ اس لیے ان کو روزے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ توکل اور رضا برتقا کی تعلیم دی گئی جو سب کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک تدبیر نہ ہو تو حکم کرنے کا حکم ہے اور جب تدبیر نہ ہو جائے اس وقت قدرت پر راضی رہنے کا حکم ہے پس تعارض نہ رہا چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اؤنی کو کھلا چھوڑ کر اللہ کے لئے بوجھ و سرگرداں باندھ کر توکل کروں فرمایا اعتقاد توکل اس کو باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر باندھنے کے بعد یہی عمل جاری جائے (اور تلاش سے نہ ملے) تو اب تقدیر پر راضی ہو ورنہ حضور نے اس حدیث میں توکل میں شریعت بیان فرمایا ہے اور ابوہریرہ کے واقعہ میں حکم حقیقت بیان فرمایا ہے حتیٰ تسلیم و رضا۔

پس انسان کو چاہیے کہ اسباب شرعیہ میں اپنی کسی کوشش پوری کرے جس کے اختیار کرنے پر عادت النبیوں ہی جاری ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوتا یا ضرر دغ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسباب پر نظر نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ ان ہی سے نجات ہوگی۔ بلکہ قضاء الہی کے سامنے گردن جھکا دے اور سمجھے کہ نہایت معنی فضل سے ہوگی اس کے عمل سے نہ ہوگی۔ جیسا ابراہیم علیہ السلام نے اولیٰ زواریان کی تحقیق میں پوری کوشش صرف کی (اپنی قوم کی کٹ جتنی کا پوری طرح جواب دیا) مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ (ساتھ ساتھ) یہ بھی فرمایا (وکلما اخافت ما قشر کونہ) الخ ان یشاء و جب شیشا و سبب دغ کل شئی عذنا۔ ہمیں کیا سارے ان مجبور و معبود سے اصلاحیں دوتا (میرے لکچہ نہیں بگاڑ سکتے) ہاں میرا پروردگار ہی کچھ چاہے (وفاور بات ہے) میرا رب ہر چیز کو اپنی وسعت علم سے محیط ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام مشیت پر بھروسہ کرنے والے تھے اسباب پر نظر کرنے والے نہ تھے اسی طرح ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پاڈا کی چوٹی پر کھڑے تھے کہ شیطان ملعون آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا اے عیسیٰ! اتنا اقول یہ ہے کہ جو کچھ اللہ شائے نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی سامنے آئے گا تقدیر کے غفلت کچھ نہیں ہو سکتا تو اپنے کو اس پاڈا

جنا، اللہ کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے جو چاہی کر ہی اُس سے باز نہیں کرنے والا کوئی نہیں اور اس سے انسان کا مجبور نہیں ہوتا بلکہ نہیں آیا۔ کیونکہ اس کو اپنی قدرت کا علم نہیں۔ اس کو جن اعمال کا سکھت کیا گیا ہے وہ اُس کی قدرت سے ماہر نہیں۔ جن اعمال سے اُس کا خاتمہ اچھا ہو سکتا ہے وہ بھی قدرت میں ہیں اور جن سے خاتمہ بُرا ہوتا ہے وہ بھی قدرت میں ہیں۔ اگر کسی کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے وہ اپنے قصد و اختیار سے ایسے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے جن کو خاتمہ شراب کو سننے میں داخل ہے جیسے جو عین باحوالہ دول وقت کے مقابلہ میں اس عزم سے بددعا کرنے کا قصد کیا جس میں وہ ہرگز مجبور نہ تھا اس کے انجام کو جاننا تھا اسی لیے بار بار اپنی قوم کی درخواست کو رد کرتا بار بار اپنا فریب دینے کے رکھنے سے اس پر آمادہ ہوا جس کا نتیجہ بد سامنے آگیا کہ اس عزم کے ساتھ ایمان کی سبب ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک اسی طرح ایلیس نے تعدد سجدہ آدم سے انکار کیا، اور اپنے نکار کی نفی دہر بھی بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ وہ ٹھیک سے بتائے گئے ہیں میں آگ سے بتایا گیا، میں اور اسی انکار کے نتیجہ سے بھی وہ وقت تھا مگر تکرار و غرور سے جان بوجھ کر شقاوت کو اپنے لیے لیا۔ چنانچہ کسی نے اُس کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ۵

در لوح بدلوشت کہ ملعون شود بکے

بر دم گمان بھر کس و بر خود گمان بود

آدم ز خاک بود و من از نور پاک او

گفتم منم بخیزد و او خود میگفت بود

پھر شخص اپنے عمل کو موجب نجات سمجھے گا وہ یقیناً اپنے کو نیک سمجھے گا اور یہ نری گمراہی ہے کیونکہ وہ اپنا تزکیہ کرتا ہے (اپنی حالت کو اچھا سمجھتا ہے) اور حق قائلے فرماتے ہیں فلا تزکوا انفسکم۔ ہوا اہلہ بمن اتقی۔ اپنی تعریف خود مت کرو۔ واللہ قائلے اپنی خوب جانتے ہیں کہ حقیقی کون ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ و سلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذمے کسی کا تزکیہ نہ کرو (یعنی یہ نہ

کی جوفی سے گراؤ) بقول قرآن میں ہے وہی مسکنے اُسے گا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انا کو تو غلاموں کے امتحان کا حق ہے مگر غلام کو اُن کا امتحان کا حق نہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا آپ لوگ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ قائلے اپنی مدد دیتا ہے وہی مدد کو بند کرتا ہے پھر آپ کی اس تدبیر اور محنت سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں بات تو یہی ہے جو لوگ کہتے ہیں۔ یہ فرما کر پھر اپنے شغل میں لگ گئے و طلب یہ تھا کہ ہماری تدبیر اور عمل کے بعد بھی وہی ملے گا جو مقصد میں ہے مگر جب تک تدبیر سے فلاح کی امید ہو تدبیر کرنا چاہیے کہ عادات اللہ ہی ہے کہ اسباب اور تدبیر کے پردہ میں تقدیر کو نظر نہ کرنا چاہیے۔ جب تدبیر نہ ہو جائے اس وقت تسلیم و رضا کے ساتھ تقدیر پر رونا قائم ہونا چاہیے۔

ایماہ علیہم السلام اور سالت صالحین رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے جو اس سے باہر نہ آوے۔ راستہ سے ہٹ گئی جب وہ یہ سمجھے گا کہ میرا عمل سبب بکارت ہے تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تعجب (الہی) کو پا بند کر رہا ہے (جسے معتزلہ کا قول ہے کہ تنگ عمل پر ثواب دینا اور گناہوں پر سزا دینا خدا تعالیٰ پر لازم ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو متعبد اور پا بند کرنا چاہتے ہیں) اور یہ (مصریح) مگر ان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی کو اس کا عمل بہت پسند نہ پہنچے گا۔ صحابہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! اور نہ آپ کو؟ فرمایا مجھے بھی نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم مجھے دُعا میں لے کر حق تعالیٰ سے فرماتے ہیں من یصل اللہ فلا حد عک لہ جس کو اللہ شکر ادا کر دے اُس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہیں کہ کسی (نیک) عمل کو سننے والے کا خاتمہ شقاوت پر ہو اور وہ گمراہوں میں داخل ہو تو اُس کے خلاف ہر کسے قدرت ہے۔ جیسے ظہر بن ابی حور و غیرہ (کا شمشیر

۵۴۴ حضرت ابن ہریرہ اور قاضی و بیہمی رحمہ اللہ سے کہہ چکے ہیں کہ جو شخص اپنے غلام کو یا غلام کو اپنا غلام سمجھے اور اس کو غلامی پر لے کر جائے تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے۔ اُن کا حکم یہی ہے کہ اگر ایک دین میں جبکہ یقیناً یہ کہہ کر ناپاکی تو ہم ظلم نہ کریں گے۔ نعوذ باللہ من ذلک، اسی پر یہ کہہ کر دینا جائز ہے۔

مکو کہ شخص اللہ کے نزدیک نبیوں اور مرقد ہے، تم کو اس کی کیا خبر۔ ان جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے ان کا تزکیہ کر سکتے ہو) اس حدیث کا بیان بیان یہ ہے کہ ایسے شخص کا انتقال ہو گیا تو صحابہ نے اس کی تعزیت کی (کہ اسے نماز بخیر و نعت مبارک ہو، بخیر و کفرا کا قرب مبارک ہو۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے کسی کا تزکیہ نہ کر دو) پھر فرمایا ان یوں کو (کہ میرا مکان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مقام قرب عطا فرمایا ہوگا۔ میرے خیال میں تو شہادت سے کا مایاب ہوا ہے شہاد) اور یہ حدیث اس حدیث کے معارض میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان یستأمنون بواحد منہم سجدہ فشهد وہ بالیہا۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کو گناہ دہتا ہے تو اس کے متعلق مومن ہونے کی شہادت دو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت تمہارے سامنے ہے اس کی شہادت دو۔ رہا باطن اور انکسار کا حال تو اس کو تم کی جانو؟ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ جب جس کو چاہیں گے اپنے فعل سے اچھا کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے اپنے فعل سے بڑبڑ دیاں گے۔ حق تعالیٰ نے اپنے مومن کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے وما ادری ما یفعل فی وہ بلکہ تم مجھے کیا خبر کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اور تمہارے ساتھ کیا؟ ایت میں معاملہ آخرت مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا آخرت میں کاسب ہونا یقینی ہے جس کا علم خود انبیاء کو بھی مقین کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مرد مذہبی معاملہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں مجھے غلبہ ہوگا یا تم کو اور مجھے غلبہ ہوگا تو جلدی ہوگا یا دیر میں۔ درکنہ میں دہتے ہوئے ہوگا یا جاہر مبارک ہوگا وغیرہ وغیرہ)۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسلطنہما یفعل۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے افعال کے متعلق کوئی بات نہیں کر سکتے وہ ان میں۔ اس آیت کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور بڑے بڑے اعمال والے افعال سے اس آیت کے عین سے بہت ہو گئے۔ میں بھارت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں ہر وقت ہے مل یا شریعت مل پر داریں

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسلطنہما یفعل۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے افعال کے متعلق کوئی بات نہیں کر سکتے وہ ان میں۔ اس آیت کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور بڑے بڑے اعمال والے افعال سے اس آیت کے عین سے بہت ہو گئے۔ میں بھارت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں ہر وقت ہے مل یا شریعت مل پر داریں

اس تقریر سے دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں اور کوئی تعارض باقی نہ رہا مطلب یہ ہے کہ اسباب سے کام لیتا جائے نہ گمان پر مبرور نہ دیکھا جائے۔ اعمال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر نذر نہ کرے جس سے ان اعمال کی توفیق ہوئی اور اساتہ ساتھ شکیلیت کے دفع اور نعمت کے تمام و کمال ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف التماس و دعا و استعاذ بھی کر رہے ہیں اور تقدیر الہی کے سامنے گردن تسلیم کرنے سے غیر ہو یا شریعت میں ہر حال (سب پر راضی ہے) لیکن یہاں تسلیم و رضا میں ایک امتیاز



بندہ کے لیے پسند میں کرتا بندہ بھی اُس کو اپنے لیے پسند میں کر سکتا۔

قرلہ وقت حد ادا ملے لی، اہل المراء ما حور بعلم المسباب الی قرلہ

نظارہ رضا العبد لخصہ۔

**ف۔** یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی بہتیں بہت کر دی ہیں۔ وہ اعتقاد تقدیر کی وجہ سے تدبیر سے کام لیتے اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام سنا اعتقاد تقدیر کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ اب جو لوگ تدبیر کو چھوڑتے ہیں اپنی جمالت کی وجہ سے چھوڑتے ہیں اسلام کی تعلیم میں مسئلہ تقدیر پر سب سے زیادہ چست اعتقاد حضرت صاحب کا تھا۔ پھر کیا کسی نے اُن کے برابر بلند بخت کوئی قہر دیکھی ہے یا اُن سے بڑھ کر ہزاروں عقلم کوں جماعت بھی دیکھی گئی ہے؟ بقیدہ تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت تدبیر کا رد نہ ہو، اسباب و کماز ہو جائیں تو شان پریشانی سے بڑا حس نہ ہو یہ سمجھ کر تسلی کر لے کہ تقدیر ہی قہار کی حرا کا لایا بی کے میدان و مغرور میں بظاہر ہو بلکہ اس کا بار بار کو اللہ تعالیٰ سے فضل و کرم کا نتیجہ سمجھئے۔ انہی کی حالت میں اعتدال یوں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

**ف۔** یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کریں گے؟ اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیار کی ہے جہن میں اور وعدہ کر لینے سے اُن قہر متطلب نہیں ہو گئی۔ اگر وہ کسی نیک کو مذاب کرنا چاہے یا بد کو بخشنا چاہے تو کسی حال میں کہ اللہ تعالیٰ سے باز پرس کر سکتے۔ یہی شان قدرت ہے جس کے سامنے جملہ انبیاء و اولیاء کی گزینہ ٹھکی ہوئی ہیں گو اُن کو اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کو بلا وجہ عذاب نہ کریں گے کیونکہ کسی نے اُن کو مجبور بھی نہیں کیا نہ کر سکتا ہے۔ یہی حقیقت ہے اس مسئلہ کی جس کو اسکا کذب کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عنوان اچھا نہیں مگر مسنون یا نکل میچ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بھروسہ پابند ہو گا لازم آئے گا جو شان الوہیت کے، نافی اور لایسٹل حوالہ فعل کے

نہ کی ضرورت ہے زدہ یہ کہ کو نیت میں توجیر و ضرورتوں سے راضی رہے اور ضرورت میں نیک اعمال سے خوش اور مگن ہونے سے بغیر ہونا چاہیے کہ کو کچھ بول اور فعلیہ نہ ملے و لکھ نہ ملے ہیں الموصوفت قسرا حصانہ و قسوا لا سیانہ۔ مومن کو اپنی نیکیوں سے خوش ہوتی ہے اور مگن ہونے سے دلچ ہوتا ہے (محرر رہے لیٹے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کون ہون پر مجبور نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے اردو و اختیار سے لگا رہا ہے اور جس سے بلا ارادہ کسی کی تدبیرستی سے یا اپنی قبول چرک سے لگا رہا ہے وہ سماعت ہے لہذا غلطی دفع عن الحق الحفظ و التمسک ان وعدا استمرک حوالہ (پہلے میں) و زیات میں) ہمیشہ وقت و قدر کے سامنے گردن ٹھکے لگاتے جو بھگت پیش آئے اُس پر سختی پرست ہے اور جس حالت میں اللہ تعالیٰ شہزادیں اُس کے سوا کا غالب نہیں ہوتا وہ اُس کو بدلنا چاہتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ہی اُس کو بدل دیں۔

یہ کون سی سے کھانے پر چھو کا کہتے یہ وجہ کیسے پایا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس منہ پر پہنچایا میں نے اُس سے منتقل ہونا پسند نہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس سے رائے منتقل کر دیا۔ اسی حقیقت پر نظر کر کے کا برہا۔ نے دے کا یاب ہو گئے اور قطع حاصل کر سنے والے خود مند ہو گئے پھر (یہ صاحب فرماتے ہیں) ہمیشہ اپنی حالت کا اعتقاد رکھے (اُس پر نظر کرنا ہے کہ اگر کسی سیت یا بدعت میں اس کو جتکا کر دیا گیا ہو تو اُس سے راضی نہ ہو کیونکہ مومن کی ملاطبت یہ ہے کہ اُس کو گناہ یا بدعت سے خوشی نہ ہو اُس وقت اس کو اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنا چاہیے اور اس سے استغاثہ کرنا چاہیے جس پر چل رہا ہے اور پوری کوشش کے ساتھ اس سے غلامی پانے کی تدبیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ولا یوحی لعلہم لا یفلتوا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتے (اور ہر معصیت و مخالفت کفر ہی کی شارب ہے اُس کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے) اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ

خلاف ہے۔ اسی شان ہے نیازی نے اچھے اچھوں کے بچے پانی کر دیئے ہیں جہاں جہد  
عظمت شان کثیف ہوئی ہے اسی قدر ناز و تکرار رہتا ہے۔  
مغربان مایشا بود میرانی

(۲۶۸) سوال سے پہلے ہی مسئلہ بتلا دینا واجب ہے بچوں کا علم پر  
واجب ہے کہ سوال سے پہلے ہی تعلیم کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں  
کو ان کے سوال سے پہلے ہی بتلا دیا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے معارض اعرابی  
کی مشورہ حدیث سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طلب سے پہلے تعلیم  
عین دینی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مخاطب کی حالت میں نظر کیا جائے۔ اگر یہ معلوم  
ہو کہ وہ بات نہ مانے گا یا اس وقت تو مان لے گا پھر چھوڑے گا یا بھول جائے گا  
اس کی تعلیم لازم نہیں جب تک وہ خود سوال نہ کرے جیسا حضور نے اعرابی کے ساتھ  
کیا اور اگر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے کہا جائے گا قبول کرے گا اس کو سوال سے پہلے  
ہی تعلیم کر دی جائے۔ جیسا اس حدیث میں مذکور ہے۔ قوله وفيه دليل على ان  
العامة يجب عليهم ان يعلموا قبل السوال اني قوله كما فعل النبي صلى الله  
عليه وسلم في هذا الحديث۔

فت۔ یہ تو صحیح ہے کہ تعلیم کا قبل از سوال واجب ہونا یا نہ ہونا مخاطب کی حالت  
اور وقت و مقام پر موقوف ہے مگر یہ دعویٰ مشکل ہے کہ حضور نے اعرابی کو قبل از سوال  
اس پہلے تعلیم نہیں دی کہ اس کے قبول نہ کر لے یا چھوڑ دے کا اشارہ تھا کیونکہ اعرابی  
صحابی تھا اور صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ حضور کی بات کو قبول نہ کریں یا سن کر  
چھوڑ دیں حال انصاف بہ کلام حد و دل۔ ظاہر ہے کہ جب اس نے نماز خود  
شروع کر دی تو تعلیم کا یہ وقت نہ تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ شخص بدوین سوال کے عمل  
شروع کرتا ہے وہ اس کا طریقہ جانتا ہے مگر حضور کی نماز کو رد کیجئے وہ جب  
اس نے دونوں بعد ایں ارکان کے نماز پڑھی جو حضور نے اس کا انتظار کیا کہ نماز سے فارغ

ہو کر مجلس میں آئے تو تعلیم کی جائے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ دونوں بعد ایں ارکان  
کے نماز ناقص رہتی ہے۔ چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور سلام کیا تو آپ نے فرمایا۔ وجع  
ماضی لحد تعلیم۔ واپس جاؤ نماز پھر پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ حضور نے اس  
موضوع اشارہ پر اکتفا کیا تاکہ وہ خود سمجھے کہ میں نے کیا غلطی کی؟ جب دو تین دفعہ نماز کا  
اعادہ کر کے بھی وہ اپنی غلطی کو نہ سمجھا تو اس نے دریافت کیا کہ تجھے بتلایا جائے۔  
اُس وقت آپ نے تفصیل سے بتلا کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہیے اس واقعہ میں  
اجمالی تعلیم تو اس کے سوال سے پہلے ہی کر دی گئی تھی تفصیلی تعلیم طلب کے بعد ہوئی کیونکہ  
اجمال کے بعد تفصیل زیادہ فوثر ہوتی ہے۔ تعلیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اولیٰ اجمالی تعلیم ہو  
پھر تفصیلی تاکہ اجمال سے مخاطب خود سمجھنے کی کوشش کرے۔

چونکہ نماز یا سبیل ہے جرات دن میں پانچ دفعہ فرض ہے اس کے طریقے سے  
ناواقف ہو یا معمولی بات نہیں بہت سخت بات تھی اس لیے پہلی بار تفصیل کی حاجت  
نہیں سمجھی بلکہ اجمال پر اکتفا کیا گیا کہ ایسے عمل کی کتابی کو ردی اشارہ سے انسان  
سمجھ سکتا ہے جب تین دفعہ کے اشارہ سے بھی وہ نہ سمجھا اُس وقت تفصیل کے  
ساتھ تعلیم دی گئی اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کی ہم شرح کر رہے  
ہیں وہ نماز کے برابر غیر اذوق نہیں۔ نہ ہر شخص کو اس کی حاجت اسی لیے اس کو  
پہلی ہی بار تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ ہذا ماخذہم واللہ اعلم  
صحاہ و تعلق۔

(۲۶۹) انسان کو اپنے تمام افعال پر نظر کر کے ان اعمال کو اختیار  
کرنا چاہیے جن کو قرب میں زیادہ دخل ہو کہ اپنے تمام افعال میں  
نظر کر کے اس عمل کی طرف بہت کرنا چاہیے جس کو قربت میں زیادہ دخل ہو۔  
اولیٰ کو چھوڑ دینا چاہیے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجاء اور کو اولیٰ شکار

کا حکم دیا ہے۔

قوله وذلک علی خلاف ان المرأعہ من بیہر علی کل اقلہ ما ہا قریب  
المدیہ الی قولہ وانی صریح بالصوم۔

فت۔ ایک عالم نے خوب فرمایا کہ مجھے اس معاملہ میں کوئی عمل ایسا نہیں میں پر  
دل کر رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے کیونکہ مجھ میں انخلاص  
کے کم ہونے یا نہ ہونے کا شبہ اور نہ ہی میں اس کا احتمال رہتا ہے۔ پس نکاح ہی ایک  
ایسا عمل ہے جس کے بعد اولاد نصیب ہو جائے تو دل کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے  
یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ اسی لئے محققین مخوفیہ کو نکاح کا  
ہمیشہ اہتمام دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا یہ سب سے  
بہتر اور سب سے کم نقصان کا سلسلہ پیدا کرنا زیادہ ہوا اور اولاد مسلمان اور سچی مسلمان ہو  
اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان خود بھی خاں روزہ وغیرہ کی پابندی کریں اور  
اپنی اولاد کو بھی پابند بنائیں۔

فت۔ بخیر سے بہتری میں یہ نیت تو بڑے درجے کے لوگوں کا حق ہے کہ اگر  
یہ نیت نہ ہو بلکہ قناعت و شہوت ہی کی نیت ہو پھر بھی معرفت تو ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ  
اس میں انسان کو اپنے مجرم کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اپنے مجرم کے مشاہدہ سے بھی معرفت  
بڑھتی ہے (قوله سیدہ حکیم لکاحہ فواللہ عارف)۔

فت۔ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو بدون نکاح کے نیا دھن مبتلا  
ہونے کا اندیشہ ہو اس پر نکاح واجب ہے جبکہ نان و نفقہ کی قدرت ہو اور جس  
کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کو فوائد میں مشغول ہونا  
افضل ہے یا نکاح کرنا افضل ہے؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے  
کہ اس کی وجہ سے نوازل طاعت میں کمی ہو جائے اور شافعیہ کے نزدیک فوائد  
طاعت میں مشغول ہونا نکاح سے افضل ہے مگر یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے یہاں صحیح  
شائع کی تقریر سے ظاہر ہے۔

کا حکم دیا ہے جو ثواب و قرب میں روزہ سے بڑھا ہوا ہے۔ پہلے روزہ کا حکم نہیں دیا  
جب تک بخیر کی نان و نفقہ کی طاقت محفوظ نہ ہو کیونکہ نکاح میں بڑا ثواب ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من نکح تناسلا یا حیا بکھ الامم بدیم  
النفیحة۔ نکاح کرنا نسل کو بڑھانا اس قیامت کے دن تمہاری (کثرت سے) دوسری  
امتوں پر فخر کروں گا کہ میری امت سب سے زیادہ ہے (اگر نکاح اس نیت سے  
ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بڑھے گی اور آپ خوش ہوں گے) قیامت کی  
فضیلت میں کیا شبہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دعا یتہم ففوتہم  
اسلام میں دہائی نہیں کہ حدوتوں سے ملگ رہا جائے۔ اگر حدوتوں سے الگ رہے  
(اور نکاح ذکر سے) میں فضیلت ہوتی تو شریعت اسلام میں اس کا ضرور حکم ہوتا۔  
کیونکہ محمد اویان صحابہ میں اسلام ہی سب سے بہتر دین ہے (جب اسلام میں  
رہبانیت نہیں تو معلوم ہوا کہ نکاح ہی افضل ہے)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ میں حدوتوں سے نکاح کرنا ہونا  
منا کہ مجھ ان کی حاجت نہیں اور ان سے ہم بہتر ہی ہونا جو حالانکہ مجھے ان کی  
شہوت میں۔ انھوں نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین! پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟  
فرمایا۔ معنی اس امیر پر کہ شاید اللہ تمہارے میری پشت سے کوئی بچہ پیدا کرے جس  
سے قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری امتوں پر فخر کریں اور جب اس  
نیت سے بہتری کی جائے گی تو وہ شہوت میں پیدا ہو جائے گی پس یہ بہتری کو تو  
ہے مگر وہ شہوت چھوڑ دے جو کہ انسانی اور دھانی ہوگی (یہ سوال کیونکہ نکاح کو کثرت  
اعمال و تسبیح پر فضیلت ہے اس لیے حضور نے اس کو پہلے بیان کیا اور روزہ پر  
مقدم فرمایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کسی کام کا مکلف ہے جس سے بڑے قدرت  
ہو اور تکمیل کر سکے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو نکاح پر قادر نہ  
ہوں روزہ کا حکم دیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کی تدبیر کرے اور جس طرح بھی ہو اس  
کی کوشش کرے کیونکہ نکاح افضل ہے مگر آپ نے اس محدث میں صرف روزہ

(۲۳۰) اعمال مستحبہ کی فضیلت نفس عمل کی جست سے نہیں بلکہ عامل

کی جست ہے یہاں سے معلوم ہو کہ اعمال مستحبہ کی فضیلت (نفس) عمل پر نظر کر کے نہیں بلکہ عامل کی جست سے ہوتی ہے۔ دیکھو جو کس نیکو کی قدرت نہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا امر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اسی عمل کا امر فرماتے ہیں جو اُس کے حق میں زیادہ موجب قرب ہو اور اس شخص کے حق میں روزہ کا افضل ہونا بالکل ظاہر ہے جس کا کوئی انکاری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب وہ افلاس کی وجہ سے نیکو کی قدرت نہیں دیکھا تو روزہ اُس کے مقصود میں مبین ہو گا۔ روزہ ہی کچھ خرچ بھی نہیں اور مادہ شہوت اس سے کم ہو جاتا ہے اب وہ سب کو خاطر کے ساتھ دوس (شہوات) سے نہایت پاک دل سے آخرت کے کاموں میں مشغول ہو گا پوری طرح اللہ تعالیٰ کے طرف متوجہ ہو گا اور یہی مطلوب ہے اور اگر اُس کو (اس حالت میں) نیکو کا حکم کیا جائے تو پریشانی میں پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو سکتا کیونکہ وہ کما سے اور دوسرے چیز سے مشغول ہو گا۔ کما سے مشغول ہے اور افلاس کی حالت میں دوسرے چیز سے کما سے نہ کرنا انسان کا نہیں) تو دوس کی کثرت ہوگی اُس کا دل دنیا کے بھیر میں اٹھ جائے گا اور آخرت کی تدبیر سے کما ہو جائے گا۔

کسی عمل کو افضل و مفضل اُس وقت کہا جائے گا جب

دونوں پر تقدیر ہو ورنہ جس پر تقدیر ہو وہی افضل ہے

غرض شارع علیہ السلام نے جن اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں افضل اور مفضل کو اُس وقت دیکھا جائے گا جب دونوں پر تقدیر ہو اور اگر کسی عمل پر تقدیر نہ ہو تو جس پر جس کو قدرت ہے اُس کے حق میں وہی افضل ہو گا چنانچہ ہر شخص نیکو

پر قادر نہ ہو اُس کے لیے روزہ افضل ہے اور جو نیکو پر قادر ہو (روزہ پر قادر نہ ہو) اُس کے لیے نیکو افضل ہے (اور جو دونوں پر قادر ہو اُس کے حق میں نیکو افضل ہے) اسی طرح تمام اعمال میں غور کرنا چاہیے خواہ وہ نیکی اعمال ہوں یا خدو اور اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو تمام اعمال ایسا نہیں کوئی عمل بھی دنیاوی نظر سے اُسے کام اگر اس میں ریت اچھی ہو۔ بیش بریں ریت کہ وہ خالص دنیا کمانے کا مشغل ہو گا تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو شخص صاحب عیال ہے یا بچہ ہے۔ اگر بچہ ہے اور ریت پرے کا مشغل معاش سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مدد لے گا تو اُس میں بھی بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من ہلت تقیا ما ہن طلب الفضل باحت مفضل وال۔ جو شخص حال روزی کمانے کی وجہ سے رات کو ٹھکا ماندہ رہے وہ بٹھا بٹھا رات گزارے گا۔ اب سوچو کہ شب قدر کا منتظر سال بھر مضرت کی امید پر تو کیا جاتا ہے اور وہ اس شخص کو طلب حد کے مشغل سے مائل ہو جاتی ہے تو قیامت میں اسے آخرت کا جزا دینا کا کام نہ ہو گا کیونکہ جس کام سے مضرت حاصل ہو وہ آخرت کا کام ہے) اگر اگر صاحب عیال ہے تو اس کو تو بھڑا آدمی سے بھی زیادہ مصلحت (اور ثواب) ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گنہوں میں معین گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ اس کے مبرا کہیں نہیں کہ بال بچوں کے لیے مشقت برداشت کی جائے (فرمان اور ابو نعیم سے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے ابن حبیب المذهب ولما لا یکنہا العلة ولا العود والجمد یکنہا المعیشت۔ طلب المعیشت۔ گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے ان کا کفارہ طلب معاش کی فکر سے ہوتا ہے بشرطیکہ طلب معاش شریعت کے موافق (یا کم از کم قریب سے) ہو۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سے رہے ہیں کہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے نہ عقیقہ اللہ سے نہ کسی اور عمل سے (بجز فکر معاش کے) کیونکہ آپ نے نفی اور استثنا دیکھا ساتھ ساتھ فرمایا ہے (جو صبر کے لیے ہے جن

اُن کا ہم حقوق کے ساتھ تھا اور روح و قلب اللہ کے ساتھ اور اُس کی تمام قربت و دہی  
نیت حق اور نیت کی درستی اور نیت پر حاکم بنا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اور دوسرے  
لوگ ثواب وغیرہ میں برابر ہی ہوتے مگر صریح نیت نے دونوں میں نزہی آسمان کا  
فرق کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، انما الاعمال بالنية والنسب والنسب  
امن ما ذلک، پس اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اور شخص کو وہی عذاب ہے جو اُس  
کی نیت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے یہ حضرت حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا  
مصدق بن گئے، وقری الجبال عسجبا جامدة دھب تصروا الصعاب  
صنع الله الذلک، اتقوا کل شیئ۔ اور تم رقیامت میں پہاڑوں کو دیکھ کر یہ گمان  
کر دے گے کہ وہ پہاڑ جبرجہ ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے۔ یہ  
کارنامے اُس خدا کا ہیں نے ہر چیز کو اپنی طرح بنایا ہے۔

اسی طرح عالمی شخص اور بزرگوں کو دیکھ کر یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ گمان  
بائیں کرتے ہوئے اور اندرونی و بیرونی معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان  
کرتا ہے کہ وہ بہترین اُس کے ساتھ ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں بلکہ موت اُن کا ہم اُس کے  
ساتھ ہے اور قلب و روح حکومت کی میر میں مشغول ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ  
وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور دل لگی کرتے ہوئے بہت مقامات سے ملے کہ  
یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے مقرر فرمایا ہے۔ مگر یہ بات اہل ہمت اور  
مہذب نہیں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے حالات میں بہتہ ہو چکے ہیں جس نے اُن کی  
فعل و فہم کے پردے اٹھا دیے ہیں۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو سمجھتے ہیں جو  
اللہ تعالیٰ اُن سے کہنا چاہتے ہیں پھر اُس کی تعمیل پر سبقت کرتے ہیں۔ یہی ہیں  
جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث (باطنی) سے بڑھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کئی چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
جارا حق ابصر وحا طیف۔ آپ کی نگاہ نہ (مقصود سے) مائل ہوتی نہ حد سے  
گھٹے بڑھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام عین و حکم انام ظہن

سے بجز متقی کے اور سب کی نفی ہو رہی ہے (یعنی سب اُن کی نگاہ سے بے نظر ہیں جو حضرت  
شارع نے وادیت کئے ہیں۔ مگر طہرانی اور الانیم کے الفاظ میں قیامت تصریح ہے  
کہ اُن کا کفارہ نہ ملتا ہے نہ دوزخ سے نہ جہنم سے) تو اب (خوش) کہ اب  
کام آخرت ہی کے لیے ہو گئے دنیا کے لیے نہ رہے جبکہ اُن شروک کی رعایت کی جائے  
جن کا اُدھر کہ ہوا (کہ اعمال و نیویہ شریعت کے موافق یا غائر ہوں اور ان میں نیت  
میچ ہو کہ دنیا کا کام اس لیے کیا جائے کہ اس سے دین میں مدد ملتی ہے) اس حقیقت  
پر نظر کے اور نیت کو درست کر کے ہی ہو فی اکرم بزرگ کے درجہ کو پہنچ گئے اور  
وہ مردوں سے ممتاز ہو گئے۔ بڑے درجات اور فضیلت میں سبقت لے گئے، اگرچہ  
ذہن ہر شے اور دوسرے لوگ، اعمال میں ہر برنظر آتے ہیں مگر اُن کی ہر حرکت اللہ  
کے لیے اور اللہ کے (حکم) کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جو بات بھی زبان سے  
نکلے ہیں قرب الہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جن پر  
ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اُن کے وہ قیامت اس پر شاہد ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شدت قوت کے وجہ سے لوگوں کو استعمال کی  
ضرورت ہوتی تو اُن کے پاس ایک دوست کا پیغام آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر  
خاص وسیلے سے دعا کریں شاید مخلوق پر رحمت ہو جائے پیغام لانے والے نے دیکھا  
کہ یہ حضرت اپنے نیویہ کا رد بار میں مشغول ہیں رات کو گھر آتے ہیں اور دن کو کاروبار  
میں لگ جاتے ہیں اس کو خوب ہوا کہ جو شخص نیویہ کا رد بار میں مشغول ہے وہ اس بات  
کمال کہ اُس سے بارش کے لیے دعا کرائی جاسکے یہ شخص بڑھ دن اُن کے پاس رہا۔  
پھر فرشتے کا ارادہ کیا تو پیغام کا جواب دینا چاہا۔ فرمایا میرے دوست سے کہ دنیا کی اگر  
تم کو یہ معلوم ہو کہ میری کوئی سائنس بھی اللہ (کی یاد) کے بغیر نکلا ہے تو میں اُسی وقت اپنے  
کو جان سے مار ڈالوں گا۔

اللہ کے ساتھ اُن کا معاملہ یہ تھا مگر اہم لوگ اُن کی حالت دیکھ کر یہ گمان کرتے تھے کہ  
پس دنیا میں ہنمک ہیں حالانکہ وہ دنیا سے الگ تھے دلی دنیا کے خیالات سے فارغ تھا۔

ہم شہ قلعے کے فاضل و احسان کے واسطے سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو  
ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم نہ فرمائیں اور جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے  
ہمیں بھی عطا فرمائیں آمین۔ وقف خطہ امین بن العقیصۃ فی الاصل و ما تفر  
من جہت ہذا انست جہنہ عاملہا لی قولہ وان یمن علیہا  
من بہ علیہ۔

**ف۔** یہ تحقیق آپ زہد سے لکھنے کے قابل ہے کہ کسی عمل کو انفعول یا مغضول اس  
وقت کہا جائے کہ جب دونوں پر تقدس ہو ورنہ جس پر تقدس ہو وہی افضل ہے۔  
بہت لوگ اہل سکوت میں سے اس کو نہیں جانتے اور پریشان ہوتے ہیں یا بدگمانی میں  
بٹکتا ہوتے ہیں بلکہ اپنے کو شکیں کی طرح متزلزل تارک اسباب بناتا چاہتے ہیں اور  
یراں کی تقدس سے باہر ہے تو پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے نہیں باطنی دولت نصیب  
نہ ہوتی وہ اسی کو باطنی دولت سمجھتے ہیں کہ ترک اسباب کر کے بیٹھ جائے یا شکر کے  
اصحاب میں جس کو تارک اسباب نہیں دیکھتے اس سے بدگمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے  
کہ تعجب نیت کے ساتھ اعمال دنیویہ مہاجر دین ہو جاتے ہیں جس کو وہ دنیا میں  
مشغول دیکھتے ہیں کیا حجب ہے اُس نیت سے کہ درست کر کے ان اعمال دنیویہ کو  
دین بنالیا ہو اور اس کا تجزیہ پاس رہ کر ہی ہو سکتا ہے ورنہ کہ نہیں ہو سکتا۔  
پس جب تک پاس رہ کر کسی کا طالب دنیا ہونا محقق نہ ہو بدگمانی جائز نہیں۔

**ف۔** یہ حدیث اہل حرف و اہل اسباب کے لیے بڑی شدت ہے کہ نہ جن  
کے نہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے جو سکتا ہے نہ حج سے نہ روزے سے  
اُن کا کفارہ طلب محاش کی تکلیف ہی سے ہوتا ہے بشرطیکہ حرث اور شغل معاش  
شریعت کے موافق ہو۔

**ف۔** ہر حالت اور ہر زمانہ میں حضور حق سے کامیاب ہونے کا طریقہ کثرت ذکر  
قلبی اور شغل پاس انگاش ہے۔ اس شغل میں دماغ کے بعد ہوتے ہوئے بھی غفلت  
سے ذکر ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ اس کا شغل متعین نہ ہو اور خود بھی پابند ذکر ہو۔ ورنہ غفلت

(نہنگ) جس سے میری آنکھیں کو قوتی میں گھردلی بیدار رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نہیں ہی بگ نامل نہ ہوتے تھے اور حبیب اللہ قلعے آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرماتے جن  
پر مطلع فرمایا ہے (یعنی حکومت و جنگ و طہر) تو آپ کو یہ چیزیں (اللہ تعالیٰ سے)  
فرض نہ کرنے پائیں نہ اواب عیوبیت (و نہنگ) سے ہٹا سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے آپ سے مزاج بھی فرماتے ان کا دل سلاتے  
درونی فرماتے اُن کے ساتھ دل کر اُن کے کاموں میں حصہ بھی لیتے تھے مگر آپ کا باطن  
سیر ملکوت میں مشغول ہوتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتے۔ ان جو رگوں نے جن کا  
ذکر ابھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت سے جو احسن یا عفا مگر حضور کے مقام  
خاص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی رہیں۔ تہاج کی برکت سے اس مقام کی تہلی اور فیض  
کا درد اُن پر ہوتا ہے، چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک  
دفتر مراجع میں اُن کی روح مقدم قرب قوسیں تک پہنچ گئی تو ایک آواز سنائی دی کہ  
اس مقام پر کچھ بڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو پہنچا یا گیا تھا جہاں تمہاری  
روح کو پہنچا یا گیا ہے اور زبان حال پکار رہی تھی کہ تائید اور تنوع میں دبی فرق ہے  
جو اتنا ہی کی وجہ سے تائید اور تنوع میں ملو اگر تہا ہے رکنا تہا عرفہ روح و قلب  
کے ذریعہ اس مقدم کی سر کر سکتا ہے وہاں قرار نہیں پاسکتا اور نسبتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
علیہ وسلم اپنی ذات سے اُس مقام پر پہنچے اور آپ کو درون و شہادت حاصل ہوا  
اسی کے مشابہ یہ واقعہ ہے کہ ایک دفتر ابراہیم بن ادوم رحمہ اللہ میر سجد میں سورہ  
تھے اور اُن کا ایک مرد کو کھڑا ہو کر دعا پڑھا یا ایک بزرگ نے جو اُن کا جود تھے  
و شیعہ ان کو سجد سے باہر دیکھا کہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے سجد میں چلو تاکہ اس  
لغز کی دلی میں دو کسہ ڈالیں۔ دوسرے نے کہہ دیا اُس نے اُس نے والے کا سانس  
جلانے لگتا ہے۔ دیکھو اُس نے اس لغز کی کی پرواہ نہیں کی بلکہ حضرت ابراہیم کے  
سانس کے نفوذ سے سجد میں نہ آسکا کہ وہ اس کو کچھ تک دے گا۔ اس کا سبب اس  
کے سوا کیا تھا کہ یہ حالت ہر حالت اور ہر وقت میں حضور انبی سے کامیاب ہوتے ہیں۔

مشق ہی مشق ہوگی ذکر حقیق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۳۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ فقر (بد) کا سبب قرب ثبوت جو شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ نگاہ کو پست کرنے والے ہے اور غلبہ ہے کہ نکاح سے قرب ثبوت بھی معتدل ہو جاتی ہے۔ اسی سے نگاہ پست ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ورنہ العین الغض والغریض یصدق ذلک او یکذبہ انکھ کا نازنا نظر ہے۔ ورنہ نگاہ اس کی تعریف کر دیتی ہے یا نکذبہ یعنی اگر نظر کا شرف ہے تو وہ زمانیں شمار ہے ورنہ نہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مقدمات زمانہ کے ہیں مگر اس کے بعد فرج سے زمانہ ہو گیا تو یہ مقدمات واقعی زمانہ کے مقدمات تھے اور اگر غرضت سے زمانہ ہو گیا بلکہ خوف خدا سے چکا گیا تو یہ مقدمات بھی صاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ صاف صرف غیب خدا ہو کوئی حتمی مانع نہ ہو۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگاہ کا پست کن آیات قرآنی سے ماور ہے تو جو شخص اس کی حفاظت پر قادر نہ ہو اس کو وہ اسباب اختیار کرنے جائیں جن سے یہ قدرت حاصل ہو جائے۔ اس جگہ ایک سوال ہے کہ یہ نگاہ کی حفاظت ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے (نگاہ یادزدہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے مگر یہ دو اعلیٰ درجہ کے درجے ہیں مثلاً کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو کسی کو بھی بددیکھ سگے یا شہادت حق کا غلبہ ہو یا سخت تکلیف نفس کو دی جائے تو اس سے بھی نگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اہم مسئلہ انور کا ہے غفلت ہے کہ جب ان کے دل میں فحش کا فطرہ آتا وہ اپنے آپ کو ایک لکڑی سے مارتے تھے۔ بعض دفعہ یک دن میں کئی کئی ٹکڑیاں اپنے اوپر توڑ ڈالتے تھے۔ اس کے سوا اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طریقے ہم کو بتلا دیے جب سب سے اعلیٰ اور آسان ہیں تو حدیث میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تہذیب ہے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں) ہم نے

اس بات پر اس لیے تنبیہ کر دی کہ شاید کوئی شخص ان دو طریقوں سے عاجز ہو یا دونوں پر عمل کر کے بھی اس کو حفاظت نگاہ میں کامیابی نہ ہو تو وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے حدیث پر عمل کر لیا پھر بھی نگاہ محفوظ نہیں ہوئی تو میرے ذمہ اس سے زیادہ یہ کھنسیں اب وہ اپنے نفس کو تڑا چھوڑ دے (اور یہ تاویل کرے کہ نگاہ کی حفاظت میری قدرت سے باہر ہے میں اس کا مکلف نہیں رہا) یہ ہرگز جائز نہیں اور اگر کسی کو ان دو طریقوں سے کامیابی نہ ہو یا ان دونوں پر عمل نہ کر سکے کہ نگاہ پر قدرت ہو نہ روزہ کی حالت ہو تو وہ اور طریقوں سے نفس کا علاج کرے اس کو نہیں اور اگر روزہ نہ چھوڑے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکیم الہی کے بہانا کا سامنا کرنا چاہیے وہ اس کا ماور ہے اور شان کے طور پر دو طریقے بتا دیتے یہ مطلب نہیں کہ جو ان دونوں پر قادر نہ ہو یا ان سے کامیابی نہ ہو تو وہ حکم الہی کا مکلف نہیں رہا)۔ قولہ ونبہ دلیل علیٰ ان اللہ واجب لمفسر علیٰ قیۃ شوقہ لایحیا علی قیۃ ونبہا عذابہ علیہ وسلم تنبیہ علی التنبیہ فی توفیقہ ما یوحہ الیہ۔

**ف**۔ سبحان اللہ! بڑی قیمتی تحقیق ہے اور ذرا ہی پر تو علم طور پر بھی سمجھتے ہیں کہ حفاظت نگاہ ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے مگر ان سے کامیابی نہ ہو تو انسان معذور ہے۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بعض دفعہ یہ علاقہ تجویز فرمایا ہے کہ ہر نگاہ ہر دیکھ نفس کو مانی یا نہ سنزادی جائے اور نفس سے کہہ دیا جائے کہ جب فقرہ کا درجابہ کرے گا یہی سنزادی جائے گی۔ بدنی نزاع یہ ہے کہ ہر نظر بد کے بعد یہیں رکعت نفل پڑھے جائیں اور مالی سنزاد یہ ہے کہ آٹھ آٹھ یا ایکسٹا پیہ یا چھٹی مقدار سے نفس پر گرائی ہو موصد کر دیا جائے جب ہر نگاہ بد پر نفس کو یہ سنزاد کیجانی چھوڑ دینا درست ہو جائے گا۔

(۲۳۲) لہذا اور نکاح اس معنی کا علاج بھی ہے اور فی نفسہ خاصیت بھی ہے جو جنس نہیں کو اس پر قدرت ہو کہ طاعت کے ذریعہ علاج کر سکے یہ سب

## باب ہشت و ششم

## حدیث

## توقیت السحور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (دفعۃً) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری کی تھی آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے (راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ اذان اور سواری کے درمیان کتنے وقفے) تھا فرمایا تو یہی س آیت پڑھنے کے (یعنی تھوڑا سا چارٹھ)۔

**شرح** ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ سواری آخر وقت میں کھانا سنت ہے کہ چونکہ سید رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کے ساتھ سواری کیا اور فجر کے طلوع ہونے سے قبل پڑھا، آیت پڑھنے کے وقت پڑھا جس کی مقدار چار یا پانچ منٹ ہے۔ اور ان میں تو ثابت ہوا کہ حضور نے بالکل صبح کے قریب سواری کی تھی حضور کے اذان کی حکمت یہ تھی کہ آپ جو سنت پر آسانی کرنا چاہتے تھے چنانچہ نہ سواری کھانا بھی سنت پر نصف ہی تھا اگر آپ سواری نہ دیتے تو اہل فضل آپ کی اتباع میں بھی سواری نہ کھاتے اور بعض کو اس سے شفقت لاحق ہوتی کہ چونکہ ہر شخص بدن خیز کے روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر حضور کا صبح کے قریب سواری کھانا یہ طریقہ طبع ہے کیونکہ رات کے درمیان نہ سواری کھانے سے امت کو ایک دوسری پریشانی داتا وہ کہ عادت کھانے کے بعد نیند کا غالب ہونا ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے بعد یہ رو دینا آسان نہیں اور کھانا کھاتے ہی سو رہنا بدن کے لیے مضر ہے۔ ہذا

اچھا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے داود اس زمانہ کے بلصدقہ وادفعوا ابدا بالصدقہ اپنے پیادوں کا علاج صدقہ سے کرو یا کو صدقہ سے ٹالو یہ بھی کچھ لینا چاہیے کہ حفاظت کا حکم ان ہی دو اعتناء کے ساتھ خاص نہیں (نگاہ اور شرمگاہ) بلکہ تمام اعتناء کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔  
لنسمع وانبصر والاعزاء کل اولیٰ کل عنہ مسئلہ کا کہان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام نے ان دو پر اس لیے تنبیہ فرمادی ہے کہ جس کے یہ دو عضو محفوظ اور مستقیم ہو جائے یا تو غالب ہے کہ بغیر اعتناء بھی محفوظ ہو جائے ہیں اور جس کے یہ دو عضو محفوظ نہ ہوں اُس کے بغیر اعتناء کا محفوظ ہونا ممکن نہیں۔

قوله وفيه فائدة اخرى انه دواء وهو في نفسه قربة الى قوله فذا يمكن استقامة باقي الجوارح۔







بڑی خوبی ہے۔ دوسرے اس وقت بحری کمانے سے دو گونہ روکنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ شجرات کے وقت معدود غذائے ہر پر جوگا۔ کھانے کا تعاون کے بحری حشر میں جوگا جبکہ افطار کا وقت قریب جوگا کیونکہ شجرات کا انتظار آسان ہے دشواری نہیں۔ یہ شخص ان پر عبادت میں خود ناپ سے رہا کایا پ جوگا۔ کھانے پینے کے دوست اور استسنا اور تنہا سے کھانا جوگا۔ بھلائے اُس کے جو بحری میں کھانا یا راست کے درمیان میں کھاتا ہے۔ وہ دوں بحر شفت اور بحر بد نفس میں ششوں رہتا ہے۔ کیونکہ کھانا کو جس کا صدمہ خفاں ہوتا ہے اور دوسرے دلی کو کھانے کی خواہش بار بار سنا رہا ہے اور شیطاں کو دوستوں نے کامی زیادہ کو ترجیح دیتا ہے اور بعض پر مغز افطار ناپ رہتا ہے۔ جب پہنچی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ مغز دلی طراز کو کھانے کا کھانے نہیں جوتا تو اُس کو رمضان میں روزہ افطار کرنے کی کوشش آجاتی ہے (غرض بحری کمانے سے روزہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے دور جو بدستے ہیں) اور یہ حقیقت کی عزت دلی اللہ عزوجل علیہ وسلم نے اپنے اس اثر کو میں فرماتا ہے ۔

من دعی منکم امرأۃ تعجبه  
فلایب اهلہ فادعی الذی معها  
مثل الذی معها، وکذا قال۔

نیکو، یعنی عورت کو دیکھ کر شہوت کو جھٹس ہوتا ہے جو اس کو دل میں لٹکے  
دوسرے ذاتی ہے۔ اب اگر ماہر بی بی کے پاس چلا جائے تو وہ جوش فرو بردہ ہو جائے  
گا اگرچہ وہ اپنی عفت حسن و جمال میں اس کی عیوی سے زیادہ ہی ہو پھر بھی بیوی  
بہتر ہے کہ بہت شخص میں وہ ایک نادر ہے گا جو پہلے تھا اور عورتوں جو بہتے ٹامس  
کو ناسانی سے دھک کرے گا۔

اسی طرح صبح کے قریب سحری کھانے سے اُس کو غذ کی زیادہ خواہش دن بھر نہ ہوگی اور بخیرحالی ہوگی تو اُس کو آسانی سے دفع کر سکے گا اور اگر سحری نہ کھائے گا

تو آپ نے غلن کو مژدہ سے قشبحہ دی ہے اگرچہ وہ بیدار ہی ہو۔ کیونکہ اس کا وقت الشہوت کے غالی ہمارا ہے اس الال بر باد ہو رہا ہے اور کف کو پتہ بھی نہیں یہاں تک کہ جب غم شرم ہو جائے گی اس وقت چھوٹے گا اور کھٹے گا اور جی فی لدلی اصل حالہ قیامت کا نکلا۔ مجھے تو دنیا میں واپس کر دو تاکہ میں کچھ نیک کام کروں تو جواب دیا جائے گا کہ اگر نہیں اور شخصی رست کے پہلے حصہ میں مژدہ دت کی وجہ سے سوتا ہے جس سے انسان کو چاند نہیں اس کی نیند عبادت ہے اور ماسر غیر سے اس کا سونا اور نماز پڑھنا اور ذکر کرنا ثواب میں ایک ہی درجہ پر ہے جس پر حضرت معاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ دلیل ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو زہل اور سلاطین و علمائے دین کی تعظیم دینے اور احکام اسلام کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے (دین کی طرف) بھیجا تھا دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے پھر ایک (دین کی) مقام پر جمع ہوئے تو ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ میں تو رات بھر کھڑے بیٹھے اور کہتے ہوئے اور لیٹ کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں بالکل نہیں سوتا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں ثواب کے پہلے حصہ میں سوتا ہوں پچھلے حصہ میں ملکتا ہوں اور سونے میں بھی دیر سا ہی خواب سمجھتا ہوں جیسا مانگتے اور نماز پڑھنے میں سمجھتا ہوں۔

جہد دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ کے سامنے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ بیان کیا۔ جنھوں نے ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ فقیر ہیں یعنی حضرت معاذؓ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم کسی کو زیادہ فقیر اسی وقت فرما سکتے ہیں جبکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند اور زیادہ موجب قرب ہو یہ تو اُس شین کا حکم ہے جو حرمت بشریہ کی وجہ سے ہو جس سے چارہ نہیں اس کے سوا جو شیند ہے وہ عمر کو نقصان پہنچانے والی ہے۔

اب سمجھ میں آگئی ہو گا اس وقت (یعنی طبع کے قریب) سحری کھانے میں بہت



## باب ہشت دہم

## حدیث

## من افطر یوما فی رمضان من غیر عذر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان المبارک میں ایک دن یا عذر اور بدوں عذر کے روزہ نہ رکھے اُس کی قضا زیادہ بھر کے روزہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے۔ حدیث ترمذی میں اس کا یہی قول ہے۔

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ جو شخص رمضان میں عذر یا عذر کے افطار کرے اُس شرمناک کے گناہ کا کفارہ کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ کس کی تلافی سے زیادہ اُس کے روزوں سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے اور ظاہر ہے کہ عمر بھر کا روزہ نو بڑی قضا ہے۔ اس سے بڑھ کر قضا کیا ہوگی جب یہ بھی اس کی سزا کی تلافی نہ کر سکے تو اور کھلا سے کیا فائدہ دیں گے؟ علماء کا کہنا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دکانے چنے سے اگر رمضان کا روزہ نہ رکھ کر کیا جیسے عمار سے نہیں تو اس میں ہر گناہ ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر گناہ نہیں اور یہ حدیث اُن کے قول کی تائید ہے۔ مگر وہ فقہ و کور جب کہتے ہیں اور یہ حدیث اُن کی اس بات کو دکرہ ہی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں نہ بقیہ صیاحہ الدھر کہ ساری عمر کے روزے اُن کی قضا نہیں کر سکتے۔ پھر ایک دن کی قضا سے کیا ہوگا؟ اور امام

ابو جابر پر حضرت غائب بھی تو وہ کسی کام کے وقت کا اندازہ اسی سے بتلے سکتے کہ اتنی بات پڑھنے یا اتنی گفتیں پڑھنے کی مقدار وقت ہو۔

قولہ و تقدیر محمد الزمان تجسس بہ آیت فیہ دلیل علی صحیحہ مدعی یعنی مقلدینہ کہانت او قاتلہ مستغرقہ فی استبدالی قولہ و تنسیج کذا اللہ کان قرازا۔

فت۔ بات تو یہ ہر ہے مگر اس لفظ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر اور اذان میں بقدر یکا کس اور کب کی عبادت کے وقت عمار اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ کر سکتے ہوں تاثر ہے۔ اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علماء ظاہر کو یہ استنباطت و شمار ہیں۔ و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔



راہدہ تھا: ہے کہ وہ معاف ہو جائے گا مگر اس خسارہ کی تکلیف نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام میں جو فضیلت رکھ دی ہے بندہ اس کی بجز اس کے بدلہ میں کتنا ہی کام کرے گا اس کا ثواب کتنا ہی زیادہ ہو وہ خاص فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مثلاً کوئی شخص قربانی کے دن میں قربانی نہ کرے اور ہر روز ہم یا ہر روز دینا دے اس کے بدلہ میں عذر کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب تم کو حاصل نہیں ہوا اگرچہ تم نے ہر روز دینا عذر کر کے میں قربانی کے عوض کا قصہ کیا مگر اس عوض سے قربانی کا ثواب نہ ہو گا، خدا اگر تم ایک دینا دے ایک بکری خرید کر ذبح کر دیتے وہ ہر روز دینا دے عذر سے افسوس ہی کیونکہ وہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے جس کو قربانی کے دن میں انسان کا کوئی عمل بھی قربانی سے افضل نہیں۔ اور تم اپنی سہ سے اس بکری کو فضیلت دینا چاہتے ہو جس کو شارع علیہ السلام نے فضیلت نہیں دی۔ سو یہ معاملہ کتنا سے خیال کے موافق نہیں یا کبھی نہ ہو گا کہ تم اپنی سہ سے شارع کی تلخی نہ ہوئی فضیلت کے مقابل دوسری سہ میں فضیلت ثابت کر کو اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ علیہ مسافر کو سفر میں روزہ کی تفریق دیا کرتے تھے اگرچہ شریف اُس کو انشاء عارضی ہے اور امام مالک بھی اس کو اجازت فرماتے ہیں مگر وہ بھی فرماتے ہیں کہ ایام رمضان کی فضیلت دوسرے ایام میں نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے غائبانہ حدیث پر نظر کر کے ایسا فرمایا ہے اور زیادہ احتیاط کسی میں ہے۔

**ف**۔ یہاں سے اس فقہ کا حال معلوم ہوگا ہوگا جو کہ زمانہ میں ہندوستان میں برپا ہوا تھا کہ بعض علماء سے سلطنت ترکہ کی امداد کے لیے فتویٰ دیا تھا کہ اس سال مسلمانین ہندو قربانی موقوف کر کے اس کی رقم سلطنت ترکہ کو بھیج دیں۔ ان لوگوں نے عذر کو قربانی کا قلم مقدم قرار دیا، مگر ہمارے اکابر نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا کہ اپنی دھن سے کسی عمل کو قربانی کا نامہ مقام نہ کا قطب ہے۔ مگر ہمارے اکابر کے علوم و معارف کے علوم سے موافق ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے لا يزال طغیة من استغنى فلا ین علی الخیر میری امت میں

مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ (اور فدا) واجب ہے انہوں نے اس انظار کو بھی اس سے انظار میں قیاس کیا اور اس میں شارع علیہ السلام نے تصریح کفارہ کو واجب فرمایا ہے تو کفارہ نہ پہنچے میں بدعت اولی کفارہ ہونا چاہیے اور ظاہر ہے شارع علیہ السلام کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کو نہیں پہنچی۔ اگرچہ پہنچی ہو تو ضروری کو اپنا مذہب بناتے یا اس میں کچھ تاخیر فرماتے۔ جب ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں تو غالب گمان یہی ہے کہ ان کو حدیث نہیں پہنچی۔ بالخصوص امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے کہ وہ بہت سی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور عمل متواتر کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کرتے تو اس حدیث کا نفع نہ آتا، نہ بہت زیادہ ضروری تھا کیونکہ یہاں کے مذہب کے معارض اور خلاف ہے (اس غالب ہے کہ حدیث ان کو نہیں پہنچی) اور ظاہر قیاس یہ چاہتا ہے کہ رمضان میں عذر، یا عذر انظار کرنے کا کفارہ نہ ہو۔ جیسے پھر غصہ کا رشتہ جھوٹی قسم کا جو زمانہ مانے کے متعلق تعدا جان لو جو کر کھا کر جائے کفارہ نہیں ہے اور یہ حدیث اس قیاس کی توفیق ہے۔

مگر دلائل کا یہ کہنا کہ عذر اللہ میں معذور کا یہی قول ہے۔ بخلاف یہ کہ ان کے موافق اصحاب کا یہ قول نہیں اگر کسی اور کا قول میں حدیث کے موافق ہوتا تو مادی صرف ان کا نام تھا نہ فقہاء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھی مگر اس کے باوجود ہر بزرگ ابن مسعود کے والد کسی نے عمل نہیں کیا ان کو دوسری حدیث کی ترجیح دینے ہو سکتی تھی جس میں شارع کے ساتھ انظار کرنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے، تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کو بھی پہنچی ہوگی مگر انہوں نے کسی مصلحت سے اس کو روایت نہیں کیا، حالانکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث متروک العمل ہے، کہ کفارہ جس سے بجز ایک ہی عذر کے کسی نے بھی اس کے ظاہر معلوم پر عمل نہیں کیا، اور کفارہ وجہ ہوا اور ممکن ہے کہ یہ نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ایام اور ہر سال ان کی فضیلت کی قدر نہیں کر سکتے۔ زمانہ ہجر کے روزہ سے ان کی فضیلت عورت ہو گئی ہے حال میں ہو سکتی اگرچہ کفارہ

بیک جماعت پیشین پر رہے گی اور غائب رہے گی۔

(۲۳۴) عبادات میں سب افضل تبارع سنت ہے زیادہ مشقت طلب نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں سب سے افضل تبارع ہے زیادہ مشقت طلب نہیں  
نقصیت نہیں۔ دیکھو ہر روزہ رکعت ست مشقت طلب ہے مگر وہ رمضان کے ایک  
روزہ کے معی ہزار ہیں اور وہ تو ایک حدیث میں آیا ہے، افضل، ماحال، حرام  
داشقا۔ کہ اس میں زیادہ افضل وہ ہے جو نفس پر زیادہ شافی ہو۔ یہ اس مقام پر  
ہے جہاں عمل کے ہر پہلو میں ابتداء رحمت موجود ہو جیسے رمضان کے سفر میں روزہ  
رکنا، وراقل کرنا دونوں میں ابتداء سنت ہے مگر روزہ رکعت زیادہ شافی ہے تو یہی  
افضل ہے، وہ جہاں کسی عمل کے ایک پہلو میں ابتداء رحمت ہو دوسرے میں ابتداء نہ ہو تو سنت  
زیادہ ہو وہاں ابتداء ہی افضل ہے۔ جیسے ساری رات جاگ کر نماز پڑھا اور رات کے  
پہلے صبح میں سونا بچے صبح میں اٹھ کر نماز پڑھا۔ یہاں دوسری صورت افضل ہے کیونکہ  
اسی میں ابتداء سنت ہے، پہلی صورت میں تو مشقت زیادہ ہے مگر افضل نہیں کیونکہ  
رکعت، ستر رکعت وغیرہ وسلم سے تمام رات جاگنا ثابت نہیں نہ ہم، اس میں سونپنا ہی  
دلیل ہے تو فرستے ہیں کہ عبادت کی حاجت تو عام کی تعمیل ہے، اور عبادت کی حاجت  
شعوت کے تابع ہے (مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف عبادت کے لیے عبادت کرنا  
ہے کسی کیفیت یا کرامت و کشف یا لذت یا ہمتی کے لیے نہیں کرتا اور عبادت عبادت کے سوا  
دوسری طرف میں بھی عبادت کرتا ہے اس لیے نبی کو نبوت، اور لذت، جو  
ذکر افضل و طیرہ مجتہدین ہے)۔ دیکھو شہادت ہی روزہ میں ہزار نماز ہے ہر ایک  
رکعت ہے (تو عبادت سورت جس کا ابتداء کر کے، اور تہجد پڑھا ہے) پھر اس کے  
بدل میں عبادہ دینا ہے جو نفس پر شافی ہے اور عبادت کو تعمیل حکم رکھا جہنم درج  
کے انہرم پر برا عبادت کرتا ہے کہ عبادت کو پوری طرف سے ناجائز ہے اس کا اور کچھ  
معتبر نہیں۔ قولہ وفیہ میں غلطی ان افضل العبادات ہی تبارع الی قولہ

عمل التزام الادب ف توفیق الاھل الافعیہ۔

ف۔ یہی وہ بات ہے جس کے فقدان سے اہل ترک پریشان ہوتے ہیں۔ بہت  
لوگ اور اسی وقت سے دوسری طرف یا اپنی کیفیت کے طالب ہوتے ہیں جب وہ حاصل  
نہیں ہو تو سب کام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اس محنت سے جاں ہیں، عبادت وہ  
ہے جو مرت میں کام ہے بے کام کرے۔ در کوئی طرف نہ ہو اسی کا نام، غلام ہے۔  
اور صاحب غلام بھی ناکام نہیں ہوتا۔ ان الله لا یضیع اجر الحسنین۔

(۲۳۵) توبہ سے اس گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی جو گناہ اس سے ہو چکا

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقی عبادت (یعنی  
ہے گو وہ معاف ہو جاتا ہے  
تعمیل عبادت ہو اس نقصان کا تلافی نہیں کر سکتا تو معیت سے ہو چکا ہے اگر ہم  
وہ توبہ بھی کر لے۔ اس کی دلیل حضور فرماتے ہیں کہ وہ توبہ ہے وہ عبادہ، اگر ہم  
وہ توبہ کر دے دے، کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر روزہ رکھنے والا توبہ ضرور کرے گا۔  
ہام شافعی فرماتے ہیں کہ اس شخص کے دینے تو ہے، اور ایک دن کا روزہ غرض یہ کہ  
اور ایک دن کا یا عبادت کا روزہ بہت سے بہت عذاب (اور گناہ) کو بخش کر سکتا ہے۔  
لیکن لکھتے ہیں کہ اگر توبہ ہے وہ حاصل نہ ہو لے اور گناہ سے جو نقصان پہنچے  
اس کی تلافی نہ ہو سکتی گی، یا ہن میں توبہ سے لافضل ہو جائے تو وہ بات ہے ورنہ ظاہر  
(کا توفیق) پر وہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ حدیث میں آیا ہے التوبۃ تجب ما قبلها  
توبہ پہلی عبادت کو ختم کر دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ گناہ اور عذاب کو توبہ ختم کر  
دے یہ توبہ اس لیے دے گی تاکہ غلطہ اجتہاد سے، حرام ہو جائے نیز ان گناہوں سے  
جی کا گناہ ہو تو توبہ نہ ہے قطع نہیں کر سکتا، عبادت اولیٰ میں تو نقصان ہی نہیں ہوتا  
اور دوسری صورت میں نقصان ہوتا ہے مگر اس کی تلافی حاصل صاف ہے جو توبہ ہے۔ ان یجتنبوا  
کبار ما شہدوا وہ یحکم حکمہ شیئاً تکبروا والاحسن فیہ لیس فیہ۔

دینی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہ سے جو خیر فوت ہو چکا ہے، اُس کی تلاقی ہو جائے۔  
اسی لیے صحابہ، سعادت (یعنی خودیاد کرام) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کوئی  
کے دوران سے پر غر بھر کر رہے اور ایک ساعت غفلت کر جائے تو اس ایک ساعت  
میں جو خیر اُس سے فوت ہوگئی وہ اس سے مٹ کر کہے جو خیر میری اُس نے حاصل  
کی، کیونکہ ممکن ہے وہ ساعت لغو (البد) (استغناء) کی خاص عبادت، کی ساعت جو  
اور جہاں سے یہ عبادت فوت ہو جائے دوسری اُس کے قافم مقام میں ہو سکتی۔ اگرچہ  
اس کو دوسری ساعت ان کو بھی نصیب ہو جائے، کیونکہ جو ساعت عبادت فوت ہوگئی  
اُس سے تو حشر نہ ملے۔ داوید کا صحت غفلت میں باب ہو گا وہ اُس شخص کی بڑی  
مصیبت ہے جو اپنے کوئی کے دوران سے ہٹ گیا۔ قولہ ذیہ دلیل علی ان  
ما یفیع من الخلفۃ حقیقۃ الخ قولہ من محفل من حلالہ۔

**فصل -** مگر ایک حدیث میں آیا ہے ان شب من اللذنب کمنا کا ذنب لہ  
مٹتا ہے تو یہ کون سے دن ایسے ہیں، اُس کے ساتھ ہوا میں ہیں اور قرآن شریف  
الامین تاب وامن ومن عیلا صالحا وثلث جہد لے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے لیا وہ نیک عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں  
کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ پھر روایت میں تو یہ اور، سلام کا ایک ہی درجہ بتلایا  
گیا ہے کہ جس طرح اسلام سے کفر و ترک سائن کا راز باطل نہ کی ہو جب تک، اسی طرح  
تو یہ سے گناہ کا شر باطل نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ وہ لوگ جو  
پنے کفر و ترک میں مبتلا تھے بعد میں ایمان لائے اُن کو دوسرے درجہ ملتے ہیں، رس  
سے بھی کفر و ترک نہیں کیا۔ چنانچہ بدعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت  
مثنیٰ بن اندیس، صدیق زہیر رضی اللہ عنہم سے داخل ہیں حالانکہ ان حضرات نے کبھی  
وقت بھی کفر و ترک نہیں کیا اور حضرت عمرؓ بعد ترک کے اسلام لائے ہیں۔ اس طرح تو  
سکتا ہے کہ ایک شخص گناہ سے توبہ کر کے اتنے بلند درجہ پہنچ جائے کہ گناہوں سے  
بچنے کے نبیوں نے بھی گناہ سے

دو بار گزرتے گند و پاک نیست  
تو بدایا ہے آنگہ جز پاک نیست

اس میں کیا نہیں ہے یہ بھی فحشہ ایک بڑی نذات ہے۔ کہ انسان سے  
غیر جو گناہ کا ارتکاب پاس نہ ہو مگر یہ لفظ نہیں کہ گناہ سے توبہ کرے نہ اُس  
و پیچھے نہ رہے آگے نہ بڑھ سکے حضرت سلمانؓ میں بعض دن بھی زیارت سے نہ آیا  
اور شرب شراب ارتکاب ہوا ہے مگر توبہ کے بعد وہ اُس مقام پر رہا جہاں کوئی ذل  
اور غث و نضب نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے ضرور ہے کہ انسان اس نقصان کی تلاقی خود  
نہیں کر سکتا جو مصیبت سے اُس کو پہنچ چکا ہے، لیکن توبہ خاص کے بعد نقصان  
تلاقی نہ آدیتے اور ایسے بند مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں اس گناہ سے پہلے نہیں  
پہنچا تھا۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دروغت کے آیام کی برابر دوسرے آیام میں  
ہیں۔ دروغت کے ایک دن کا روزہ یا فطر کے عدا توڑنا اتنا سنگین جرم ہے جتنا  
انسان شرب عسکر کے روزوں سے بھی اُس کی تلاقی نہیں کر سکتا۔ وہاں کہ توبہ کے بعد  
مذرتے اس نقصان کی تلاقی نہ دیتے ہیں؟ یہ حدیث اس سے ساکت ہے  
اور دوسرے نسخہ امید داتی ہیں۔ واللہ اعلم علما حضرت فخر راجی و تا  
عزیز علیہ السلام فی قلبی فی ما شاء والستاد۔



ہوتے ہیں کہ کوئی زیادہ قریب ہے۔ وہ درودِ حکم کی بجاوہی میں لگے رہتے تھے مثلاً یہ حضرت چاشت کی کشیں نہیں پڑتے تھے مگر وہ اس وقت مسلمانوں کی خدمت اور ان کی اصلاح پر غور کرتے ہیں مثلاً وہ رہتے تھے اس کے علاوہ اور بھی صبیحانیاں تیار تو ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۲۲۶) ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت کی جاتی ہے

مولانا علی علیہ السلام پر شخص کو اُس کی حالت کے مناسب وصیت فرما کر دے  
تھے چنانچہ ایک شخص کو اُس کی درخواست کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ وہ دین کی خدمت  
لیا کر دے۔ ایک شخص کو یہ وصیت فرمائی کہ نذاریہ کچھ کر چکا ہو تو وہ میں سے آخری نذاریہ  
لیا کر دے۔ شاید اسی کے بعد ہر نذاریہ صلیت نہ ملے اور وصیت نہ ملے، اور لوگوں کے پاس کچھ  
بھی ہے اُس سے اس پر قطع کر دو (کسی سے کچھ تو قریہ نہ رکھو) اور عبد اللہ بن عمرؓ کے بارہ  
مہینہ فرمایا وہ بہت اچھے آدمی ہے اگر رت کو کھٹا کر لیا، وہ بہت واقعات ہیں دنیا  
میں حضورؐ نے شخص کو اُس کے مناسب جہان وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے  
وصیت کر دی کہ وہ رت کی تو فرمایا غصہ نہ کیا کر دے کسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو اُس  
کی حالت کے مناسب وصیت فرمائی۔ کیونکہ وہ عبارت کے لیے (سبا سے) کام  
چھوڑ کر) کیسہ ہو چکے تھے تو، پھر اُن کو، اسے عمان کی وصیت کی جو وہ دین  
کا بیٹہ سے شمار میں یعنی نذاریہ، صل اور نذرہ اور تنجہ کا اہتمام) مگر اس کا عرصہ  
میں اپنی نہ کم، سر کم دیکھ وصیت فرمائی۔ اگر آپ نے زیادہ کی وصیت فرمائی تو عین  
الائزہ کرتے جیسا اُس وصیت کا اثر نہ کرنا چاہتا۔

چنانچہ ایک دعوت میں ان کا یہ قول وارد ہے کہ مجھے میرے حبیب علیؑ سے علم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ ہیں: شامیں چھوڑنا، گناہوں سے باز رہنا اور مل جاؤں۔ چنانچہ میں ان باتوں کا ذکر فرمایا جو سال بھر رہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کی جاتی وہ اس کا بھی التزام کرتے پھر شاید کسی وقت شفقت ہوئی سب سے حضورؐ پر

7.

## حدیث

وصية النبي ﷺ لأبي هريرة بثلاثة أعمال من البر

جو ہر مذہب و عشق سے مدد ہے فراتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب علیؑ نے دینے  
 زمین کا مومن کی وصیت فرما ہے۔ ہر مین میں تین دفعہ نصیحت کیا اور چار سو تین دو کہتیں پڑھنا  
 دوسرے سے پہلے ذکر عرفی۔

[illegible]



کھینچتا ہے۔ مگر تمام مستحبات و فضائل کا اعادہ دشوَر ہے۔ اس پر عمل کرنے والے کی حالت کے مناسب کسی عمل کو ترجیح دی جاسکتی گی، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک ہی عمل کی وحدیت میں کی بلکہ ہر ایک کے لیے جو عمل تجویز فرماتے تھے۔ جس کی اس میں (تفاوت و اختلاف) نہ ہو اور مطلب یہ ہوتا تھا کہ اعمال مستحبہ اور فضائل میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جاسکے۔ یہ مطلب یہ تھا کہ اس کے سوا اور اعمال مستحبہ کو بالکل نہ دیکھا جائے۔

و مصیبت تو اقل در ہر کہی کرنا چاہیئے اور زیادہ کی ترغیب دینی ہائے  
دہا یہ کہ محنت سے ان اعمال میں اقل درجہ کی وصیت کیوں کر زیادہ کی کہیں نہ  
لی؟ قرآن کی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اگر زیادہ کی وصیت کی جائے تو بدیہہ خدا کہ  
وہ اس کا اعتراف کر لینے (اور کسی وقت شکاری ہمیشہ آتی اس لیے نہ زیادہ تو ان کی  
اہمیت اور قدرت پر مجبور دیا گیا۔ دوسرے جیسے معزز مصلحتیہ و علم کی عادت میں  
تھی کہ تائید تو اقل درجہ کی ہی فرماتے پھر زیادہ کی ترغیب دیا کہستے تھے جہاں ہم  
آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کے ساتھ قیام کرے  
یعنی وفاق دے کہ بعد رکعتوں میں اُن کو چڑھ لیا کرے) تو ہر آیت کافی ہیں پھر  
اس کے بعد زیادہ کی ترغیب نہ اور ہر ایک مقدار کا انگ، انگ، ثوب بیان کیا۔  
یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا کہ جو شخص مہرز آیتیں قیام میں پڑھے اُس کا  
لقب آسمانوں میں مقرر ہوگا (یعنی پڑے خزانے والا) اور رات کے آخر  
تھا ہی حضرت کی بہت فضیلت بتلانا کہ تاکہ لوگ قیام پیل پر ہی اکتفا نہ کریں جو خدا کے  
بعد سے شروع ہو جاتا ہے بلکہ تمہارا کہنا کہ میں کا بہترین وقت سات کا  
پچھلا حصہ ہے اور خود آپ رات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پیر ویا پر وہم  
آجائے تھا (علیہ السلام) ص ۱۱۱ الحی المظللہ الی الی ان شکلت قدما انصر

امام کی حور گوئیوں فرما دیا جو اس کے سپنے زیادہ موجب قرب ہیں اور زیادہ کو ان کی بہت و لذت پر چھوڑ دیا۔ آپ نے تم سے کم درجہ بتلایا بلکہ پاؤں سے سخت فرمایا (کہ اگر شخص کے لیے قرب کا ذریعہ خلعت کیوں ہے؟ سب کے لیے ایک ہی راستہ کیوں نہیں تو بات یہ ہے کہ احمالی صالحین سب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ ایک شخص کے لیے عبادت میں دشواری ہو، مناسب ہو، دوسرے کے لیے عدم کی محبت میں کہ کچھ پڑنا مانا بہتر ہو، سب کے لیے سحر کرنا اور جہاد کرنا اتنی سیے دھرم و دھرم۔

جس کو علم سے مناسبت ہو اُس کے حق میں شغلِ علم ہی بہتر ہے۔ کیونکہ علم نام اعمال سے افضل ہے۔ جب شاعرِ علیہ السلام کے ارشادات سے معلوم ہو چکا ہے تو اُس کے یہ عبادت میں مشغول ہو کر شغلِ علمی کو جوڑ دینا موجبِ نقصان ہے خصوصاً اس زمانے میں تو جس کو علم سے مناسبت اور اجیت حاصل ہو اُس پر علم میں مشغول ہونا واجب ہے۔ کیونکہ اسی اندر صراطِ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دین میں بدعتیں داخل ہونے لگیں دیں صرف ترک ہوتے نہ۔ اُس وقت علماء دین کو مضبوطاً پکڑ لو اور انہیں سے رزق طلب کرو۔

صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم معلم دین سے کیا سروہ ہے؟ فرمایا حلال و حرام دسیان کرنے کی بصیرت تو میں نہ میں علم (شرعی) تمام اعمال سے زیادہ موجب قرب الہی ہے بلکہ ہم کئے ہیں کہ (میں کو علم سے مناسبت ہو اُس پر) اُسی میں مشغول ہوتا رہے۔ دلیل یہی حدیث ہے جو ہم سے بیان کی۔ باب میں شخص میں علم کی اہمیت نہ ہو اُس کو عبادت میں مشغول ہونے کا امر کیا جائے گا کیونکہ امید ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہو کر اپنے کو بھی نفع دے اور دوسرے بھی اُس کی نفع حاصل کرے۔ اسی طرح تمام اعمال میں خود کیا جائے جس شخص کے مناسبت ہو اُسے دوسرے اعمال پر مستقیم کیا جائے۔ نفس مل کی فضیلت کو نہ دیکھ جانے بلکہ عمل کرنے والے کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ ثواب کے کام تو بہت ہیں جس میں عمل کے بھی ثواب کو بخیر و بھلائی طرف

آنا کام کرنا جس پر دوام نہ ہو سکے تغلق کا سبب ہو جاتا ہے اور مشورہ کام بقدرت ہمیشہ ہوتا ہے تو آخر میں اس کی مقدار بہت ہو جاتی ہے۔ قہر و قہر و ہم شرم با قرلہ و بیضا فقد کالہ علیہ اسلام یسے دکل شخص بحسب مایقتضیہ حالہ الی قولہ فی کلک لہ انساب اکثر۔

**ف** تحقیق مشائخ کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو ایک نامی نہیں بلکہ ہر شخص کو اس کے مناسب کام کا بتلاتے ہیں اگر طالب کو شیخ پر اعتماد ہے وہ اس کے بتلاتے ہوئے کام پر دل جمعی سے مدد دے کر مینا اور کچھ دیتا ہے کہ میری کامیابی کا یہی راستہ ہے کہتا ہیں دیکھئے جسے جو مختلف عمل کی طرف دیا چتا تھا کہ یہ کروں یا نہ کروں یا سب کچھ تو کیجئے کروں اس بلجھن سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور معمولی قرب میں دلجمعی کی بڑی ضرورت ہے اور ہر حق میں نتائج شیخ پر اسی لیے زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اس کی تعلیم سے انھیں زور ہو جاتی اور معرفت قلب کی دوست نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ شیخ محقق بقیع سنت ہو ورنہ ابلجھن زور نہ اٹھائی بلکہ پریشانی پڑے گی۔

لا یرمداں درویشی و گرمی است

کار و داناں حیلہ و بے شرمی است

درویشی سے مراد عبادت و نورانیت قلب ہے اور گرمی سے محبت و عشق یہ

دولت دران کامل ہی کے پاس ملتی ہے۔

**ف** حضرت شاعر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جوہرہؓ کے لیے طریق عبادت اور شعار عابدین کو اختیار فرمایا تھا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے لیے طریق علم کو اختیار فرمایا تھا۔ اس کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو سننا اور یاد کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے صحابہ میں کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ ہی حضرت نے یہ بھی بتلادیا کہ علمی شغل وادوں کو کسی قدر عبادت ماننا بھی اہتمام کرنا چاہیے

کی وصیت فرمائی۔ پھر خود آٹھ کنعین پڑھیں۔ ایک روایت میں بارہ رکعت بھی وارد ہے اور فرمایا پڑھنے چاہت کے وقت بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں عال شان عمل تیار کر دیں گے۔ اس فرزانہ انشا۔ آیت پر شفقت اور مہربانی مئی کہ سارا وصیت کے التزام میں مشقت لاحق ہو وہاں بدوین وصیت کے اپنے زیادہ عمل کی ترغیب دیا کرتے اور ثواب بیان کیا کرتے تھے اس کی تائید سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے واعلموا ان عبادا علیک علیہ الصلوٰۃ۔ (اور جان لو کہ تمہارے اعمال میرا سب سے افضل فائز ہے) مطلب یہ ہے کہ اعمالی صراط پر رہے وہاں کو گنہ گری سے یا تخمینہ سے محروم نہ کرو بلکہ میں قدر بھی ہو سکے زیادہ کام کرو۔ زیادہ کی رویت کرو (پہلے صاف کیا جائے کہ یہ تصدیق حدیث کی صحیح نہیں حدیث میں وہ مختصا ہوتا تو یہ معنی بن سکتے تھے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ تم میں وہ قطعاً وارد ہوئے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو احقر نے مین استوین ترجمہ میں دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ کام کئے جاؤ تم سے سب اعمال کا اعطاء ہرگز نہ ہو سکے گا۔ یعنی فرسخ و واجہات کے بعد اعمال مستحبه میں اعتدال سے کام نہ لیا جائے کہ میں کو پہلے نہ ہو سکے کہ میں استقامت ہے۔

اس حدیث میں بتائیں عمل کا مہر نہیں ہے بلکہ استقامت اور عبادت کا مہر ہے)۔ معترضین نے ولما قسمہ بالقرآن اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ (دیان قیامت کا ذکر ہے درخش نواہ سے قیامت میں اپنے کو طاعت کرنے والا نفس مرد ہے اور) قیامت میں ہر شخص ہی اپنے کو طاعت کرے گا۔ خواہ مومن ہو یا کافر کیونکہ کفر کا عذاب دیکھنے والا ہے کو طاعت کرے گا کہ نہیں مومن کیوں نہ ہو؟ اور مومن گنہگار ہیں کی سزا دیکھ کر اپنے کو طاعت کرے گا کہ نہیں نہ دنیا میں یہ اعمال کیوں کئے تھے اور مومن نیکوکار نیک اعمال کا ثواب دیکھ کر اپنے کو طاعت کرے گا کہ نہیں نے زیادہ کام نہیں کیا تاکہ ثواب زیادہ ملتا دیکھ کر زیادہ عمل کرنے کا طریقہ استقامت اور عبادت ہی ہے طاقت سے زیادہ

عرفت فرائض و واجبات و دین پر ہی گفت نہ کرنا چاہئے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلے تھیں۔ درہر مہینہ میں تین روزوں سے وہ یہ کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ دوسرے مراد صرف نماز وتر میں بلکہ تہجد صبح کو پڑھ کر تہجد وتر پڑھ کر صبح و شام کے بھی نہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے پہلے یا پیچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا اطلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ عشاء کے بعد دن بھر کی کشتی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سونا ہوتا تھا۔ اسی لیے حضورؐ نے ان کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔

پس ابلی ہم کو ان دو پنج پر پابندی سے کھ بند ہونا چاہئے کہ اس سے زیادہ کی ان کو فرصت نہیں ملتی و ستر کی اہم ۱۵ اس حدیث میں امام بکارت اور امام بوضیفہؒ کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (مگر اس سے کم ہو سکتے تو حضورؐ ملتے ہیں و ہم اس مقام پر اسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپؐ نے کم سے کم مقدار میں بتلائی۔ مگر اس پر اراکین یہ ہے کہ روزانہ نفل اذان کا تین سے کم ہو سکتا ہے و دریاں تین سے کم نہیں بتلائی ہیں کیا تو اپنا پڑے گا کہ حضورؐ نے وقت کے ساتھ فضیلت پر بھی نغز فرمایا ہے اور چونکہ ایک رکعت نفل کو یاد کرتے ہیں وہ بھی دیکھنا فضیلت کے آثار ہیں)۔

عرفت فرائض و واجبات و دین پر ہی گفت نہ کرنا چاہئے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلے تھیں۔ درہر مہینہ میں تین روزوں سے وہ یہ کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ دوسرے مراد صرف نماز وتر میں بلکہ تہجد صبح کو پڑھ کر تہجد وتر پڑھ کر صبح و شام کے بھی نہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے پہلے یا پیچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا اطلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ عشاء کے بعد دن بھر کی کشتی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سونا ہوتا تھا۔ اسی لیے حضورؐ نے ان کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔

پس ابلی ہم کو ان دو پنج پر پابندی سے کھ بند ہونا چاہئے کہ اس سے زیادہ کی ان کو فرصت نہیں ملتی و ستر کی اہم ۱۵ اس حدیث میں امام بکارت اور امام بوضیفہؒ کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (مگر اس سے کم ہو سکتے تو حضورؐ ملتے ہیں و ہم اس مقام پر اسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپؐ نے کم سے کم مقدار میں بتلائی۔ مگر اس پر اراکین یہ ہے کہ روزانہ نفل اذان کا تین سے کم ہو سکتا ہے و دریاں تین سے کم نہیں بتلائی ہیں کیا تو اپنا پڑے گا کہ حضورؐ نے وقت کے ساتھ فضیلت پر بھی نغز فرمایا ہے اور چونکہ ایک رکعت نفل کو یاد کرتے ہیں وہ بھی دیکھنا فضیلت کے آثار ہیں)۔

(۲۳۷) منقطع الدنیا کو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں قدر ضروری اور قدر

یہی حال اس کا ہے جو بہت بھر کر کھاتا ہے کیونکہ اس کا بدن عبادت میں شہسبی کرتا ہے وہ بیٹ بھر کر آرام کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کی خدا کا حکم دیا جاتا ہے کہ شب بیداری زیادہ کرے تاکہ کھانے کا شغل دور ہو جائے اور عبادت میں نشاط حاصل ہو کیونکہ دل کی حالت یہ ہے کہ ہاتھ پیروں سے جو کام کیا جاتا ہے اسی کا طرہ اس کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور صوفیاء کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دل کی تعمیر کا ہتمام کرتے ہیں جو تو لوگ اسباب میں مشغول ہوتے ہیں ان کو زیادہ عبادت بتلاتے ہیں تاکہ کسب معاملہ کے شغل سے

فیل مستحبات پر قناعت کی اجازت ہے یہاں ایک اور بھی عجیب بات غور کرنا چاہیے وہ یہ کہ ابوہریرہؓ دیکھتے تھے کہ پاس دنیا کا کوئی سامان نہ تھا وہ دنیا کمانے میں مشغول تھے (لیکن اصحاب علم میں شامل تھے) تاکہ مقصد صرف حضورؐ کی عبادت میں رہن آپ کی باتوں کو سنتا اور علم حاصل کرنا تھا تو ان سے تعلیل

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوہ یاس کے ہو

میرے نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

فت جو لوگ مشائخ خدمت میں دنیا کے انکار سے لڑنا ہو کر جا بیٹھتے ہیں اُن کو زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی صحبت شیخ کی برکت ہی سے یہ نسبت اُن کو جلد حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ محبت سے متعصوم و معصوم قلب کے ساتھ صرف یہی ہو کہ تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے۔ کوئی ذریعہ مقصد حصول جاہ و غیرہ نہ ہو نہ ہدفی دنیا یا کسی دنیا کی محبت سے دل کا دخل ہو یا بغاوت کا پسند قدم چہ اگر یہ حاصل نہیں تو صحبت شیخ نافع نہیں۔

(۲۳۸) انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے جو طریقہ پر نہ

ہو وہ دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں ایک اور بات بھی یہ ہے یہ دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو ہم سرور و مشائخ علیہ نے

ہو کر اور فائدہ کو اپنے اختیار سے پسند کیا۔ اسباب (معاش میں اشتغال یا کو ترک کیا رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں رہ چکے کسی وقت آپ سے مجرا نہ ہوتے۔ اشتغال کی وجہ سے ہو کر اور فائدہ پر صابر ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض فیوض ہو کر کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے اور کسی کو اُن کے حال کی خبر نہ ہوتی۔ اس حالت میں اُن کو (ایک گوند) رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے مشابہت حاصل ہوتی۔ کیونکہ حضورؐ نے بھی غنا پر فقر کو ترجیح دی تھی اور آپؐ بعض دفعہ مجوک کی شدت میں اپنے پیٹ پر تین تین پتھر باندھتے تھے تاکہ کمر سیدھی رہے اور کسی کو فائدہ کی

خبر نہ ہو اور فرماتے تھے اَللّٰہُ مَکْرَمٌ فَضْلُهُ وَحُلُّہَا مَہْیُنٌ۔ میں لو! بعض آدمی اپنے نفس کی کراہم کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ کہ قال علیہ السلام (غالباً) مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ فقر و افلاس کے وقت لوگوں سے سوال کر کے سچی ہو کر پیاس بجھ کر نفس کی خواہش کو پورا

عبادت بڑھ جائے اور قلب کا میلان اعمال مالہ کی طرف نہ پڑے ہو جبکہ باطن پیروں سے محبت نہ پڑے ہو جو جائے گی دن کا میلان بھی س کی طرف نہ پڑے ہو گا اور جو شخص مجتہد کے لیے فارغ ہو چکے اُس کو مشغل اسباب سے کچھ نہ ہو گا اور اُس کو زیادہ اعمال کی ضرورت نہیں)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو شیخ کے قریب سوتا ہوا پایا یا اے شخص کھڑ ہو جا کہ عابدین تجھ سے آگے بڑھ گئے۔ اُس نے کہا اے رسول اللہ! مجھے (ایک عالم میں) چھڑ دینے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر رہا ہوں کہ جو سب سے زیادہ اُس کو محبوب ہے۔ پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اُس نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہو چکا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ستارہ تو عابدین سے فرجہ گیا اور یوں اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتی ہے۔ اس میں بھی اس معنوں پر اشارہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ قلب کو راحت دینے کا مطلب یہ ہے کہ زائد کے دل کو اسباب دنیا میں فکر و تدبیر سے راحت ملتی ہے اور جب دل اس سے خالی ہو گا قہر و راحت قلب کی طرف متوجہ ہو کر آباد ہو جائے گا۔ کیونکہ دل کی کسی خیال سے خیال کبھی نہ ہو گا ایک نہ ایک خیال ضرور اُس میں ہو گا زور و دنیا کا یا آخرت کا ایک نہ ہو گا تو دوسرا ضرور ہو گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں کا چاں ساتھ ساتھ ہو مگر یہ نادر ہے۔

قولہ وحید معصی رائق الی قولہ لکن لا ینالہ البعد۔

فت۔ یہاں سے تا آخر تک کو متعصوم و معصوم ہو گیا ہو گا کہ اس حریف کا منہ نہ متعصوم رہے کہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو وہی وہ نسبت موفیاد ہے جس کو غیبت کہہ کر کہا جاتا ہے۔ جہد اذکار و دشنام و نوافل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن مگر یہ مقصد اتنا ہی سخت کے ساتھ حاصل ہو تو نسبت مقبولہ مندرہ ہے بدعت کے ذریعے حاصل ہو تو نسبت غیر مقبولہ مستطرد ہے۔

کرتے ہیں جو بظاہر نفس کا کریم ہے مگر داخلہ میں اس کو ذلیل کرنا ہے، (عزیز چوکر دے،  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم کر رہے تھے۔ روئی حالت کو اختیار  
 کئے ہوئے تھے جو حضور نے اپنے وسیع اختیار کی ۱۰۰ سالے حضور نے حضور نبی  
 کے ساتھ ان کو یہ وصیت کی۔ اور آپ بنا، پر ابھر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 اپنی عین کا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شخص اپنے دوست کے  
 فریضہ پر جاتا ہے۔ میں دیکھ کر کہ کسی سے دوستی کر رہے ہو؟ (اس لیے) ابھر رہے ہو  
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا غلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی  
 (اور محبت) کا دوسرے کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ یہ اشکال نہ کیا کہ ہلے کے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کو اپنا غلیل بنا تو ابوبکر کو بجا کیونکہ ہوا  
 یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ابھر رہے ہو اپنا غلیل بنا یا نہ۔ مگر  
 آپ کے غلیل نہ بنانے سے یہ تو لازم نہیں تھا کہ کسی کو بھی حضور سے غلیل نہ  
 ہو کیونکہ خدمت کے لیے یہ لازم نہیں کہ اپنی اپنی کو غلیل بنائے بلکہ یہی یقین فرمیں  
 سے ہوتا ہے کہ ایک ہی غرض سے ہوتا ہے کہ اپنی اپنی غلط ہو اور جو غرض کو  
 اپنی سے ہے جو خدمت کی غرض ہے جو آپ پر ہیں کہ انسانی اپنے غلیل کے طریقہ  
 پر ہوا اور یہ قرآن حضرت ابوبکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں تو ان کو دوسرے غلط  
 جائز تھا۔

قوله وفيه معفف سمعنا قوله فاعلم له ادعاء قلنا لعل ذلك

فان غلیل کا ترجمہ عام دوسرے دوست کیا جاتا ہے، مگر غلیل وہ ہے جس کی محبت ہو اور غلب  
 میں جا کر ہیں جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا غلیل تو صرف اللہ تعالیٰ سے تھا وہی  
 محبت کا حق غلام راشدین ابی بیت حضرت فاطمہ حضرت حسنین ازواج مطہرات خصوصاً حضرت  
 عائشہ صدیقہ کے ساتھ بہت تھیں یہ سب محبتیں اطراف قلب میں ہیں غلب کے  
 اندر اللہ کے ہو کر نہ تھا۔

عدا لہ اصول حول قلبہ وھو العاجلہ لہ وادعاء

(۲۳۹) زندگی کی لمبی امید میں نہ باندھنا چاہیے نے (عاجلہ مستحب) میں کو  
 چاشت کی دورگت اور ہر مہینہ میں تین روزہ اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی  
 وصیت پر یوں کہنا یا تو چاشت کی دورگت تو اس لیے کہ اس سے کم نہیں اس۔  
 آپ نے اول درجہ پر کتابت کی اور چارہا تین دنوں سے اس لیے کہ میں انوں درجہ  
 ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر سنی دس نیکیوں کے برابر ہوتا ہے اور  
 مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں تو انسان کو چارہا تین دن ہر مہینے تیس دن، رکم، رکم، رکم  
 روزے رکھ لے تاکہ پورے مہینہ کے مہینوں کا قیام مل جائے اور یہ شخص  
 عالم اور ہر قسم کے حکم میں ہو جائے زاد رکا ہر ہے کہ اس سے مراد رمضان کے علاوہ  
 دیگر مہینے ہیں کیونکہ رمضان میں تو پورے مہینہ کے روزے فرض ہیں اور یہاں  
 فرض کی وصیت مقصور نہیں بلکہ فرض واجب و مسکن کے علاوہ چند مستحبات کی  
 وصیت محبوب ہے، رہا سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت اس کی وجہ یہ ہے  
 کہ آپ ان کو اعمال میں بہت سی تاکید فرماتے ہیں مبادا موت آجائے (اور  
 کام نہ ہوئے) کیونکہ اگر وتر کے بغیر سونے تو شاید سونے ہی میں رات کو موت  
 آجائے (مندیغیہ) تو ایک قسم کی موت ہے تو وتر کا ثواب چاہیگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے سونے سے پہلے وتر کی وصیت کی ہے کہ  
 وتر پڑھ نہ ہو جائے مبادا ایک ایک آگے نہ کیے اور وتر کے بعد وتر پڑھا جائے حالانکہ  
 وتر کلمات میں پڑھنا افضل (اور غنیہ کے نزدیک واجب) ہے تو جواب میں کہ جانا  
 گا کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے دفع القدرہ من ثواب ذلک لانیہ  
 حق یعنی یہ خدا کے تین شعبوں سے تمام موقوف ہو تو کیا ہے جن میں سے ایک سونے والا  
 ہے یہاں تک کہ بعد ہو تو اگر زندگی دہ سے دور تھا ہو جائے کچھ گناہ نہ ہو گا اور  
 میرے بعد وتر پڑھنے سے وہی ثواب ہو گا جو رات میں پڑھنے سے ہوتا یا ایک صحت

عہ بشریکہ میں نے جاگے کا اہتمام بھی کیا ہو۔ ۲۴۰ -

بڑا متعجب ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کرے کہ اس کی قدس سے اتنی عبادت باہر ہے اور اگر یہ ممکن اس حقیقت کو ہمیشہ نظر رکھتے ہوں گے پیش نظر ہے تو ان کے پاس بھی دینے ہی اعمال ہوتے جیسے موفیاء کے پاس ہیں، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جس کو ہر سانس پر یہ گمان ہو کہ شاید یہی آخری سانس ہے تو یقیناً اس کو غفلت نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ حال قائم و دائم ہے۔ ان کو حیرت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ بول بول الہی کی وجہ سے دنیا کی تدبیر اور کسب معاش میں مشغول ہیں، ایسا شخص اگر چہ کتنی ہی قوت اور نیکیں والا ہو مگر وہ اپنے سب سے کسی قدر غافل ہو کر اپنے کاموں کی تدبیر کرے گا۔ کیونکہ بول الہی کا نقص نقصان ہے اور حضرات موفیاء کی حالت اس کی حد ہے وہ توجہ کو نہ پاس پتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری لباس ہو جس کو اسے کفر میں جا نہیں۔ جب کوئی نقرہ کھاتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری رزق ہے بڑو دنیا میں ان کے لیے تقدیر کیا گیا ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اگرچہ وہ سب سے زیادہ کمزور ہو۔ غفلت اور سستی اس کے پاس بھی نہیں آسکتی۔ اس لیے ان مومنوں کے بارے میں کہا گیا ہے الوقت سیف۔ وقت ایک حور ہے (جو کثرت کردہ ہوتا ہے اس کا اور خالی نہیں جانا یا تمہارے واسطے وار کرے گا۔ اگر اس کو کوئی چیز گزار دیا یا تمہارے اوپر در کرے گا اگر غفلت یا غفلت میں گزار دیا)۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی ہر ساعت پر نظر رکھو کہ اس وقت تم پر کیا لازم ہے اس کو بھی ناؤ اور وقت کو عمل میں گزارو تاکہ عمل سے پہلے دفعہ موت نہ آجائے یا اگر یہ نہ کیا تو (تو) مائیک کی وجہ سے وقت تم کو کٹا کر دے گا۔ اگر موت نہ بھی آئی کیونکہ یہ وقت پھر آئے گا۔ انہیں انسان کی عمر کا جو دن بھی گزارنا ہے اس کی جگہ دوسرا دن نہیں لے سکتا اور گئے وقت کو واپس بھی نہیں لے سکتا۔ اگر وقت اس حال میں گزارا کہ تم نے اس میں کوئی نیک عمل کر لیا ہے تو کلامیاتی ہے اور اگر نیک عمل سے غافل گزار دیا تو خسارہ۔ یہ اس کی جگہ دوسرا وقت

وہی ہے کہ شاید موت آجائے۔ دوسرا بھی وقت ہو جائے اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضور سے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا اسلحہ موجد نماز دس طرح پڑھو جیسے دنیا کو الوداع کہنے والے پڑھتا ہے۔ آپ نے اس شخص کو قہر میں کر دیا کہ نہ دنیا کی کمی نہ دنیا کو الوداع کہنے والے پڑھتا ہے۔ آپ نے اس شخص کو نفس واپس ہو۔ اس کی حقیقت پر مشہد کرنے کے لیے آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سولہ سے پہلے ذکر کی وصیت فرمائی کہ یہ عید نہ باندھو کہ شیخ ایک زندہ ہو گئے اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کيفت ہجرت۔ تم نے کس حال میں ہجرت کی؟ انہوں نے کہا اصحبت حوثن حفا۔ کہہ دینے سے پہلے کس کی طرح بھیجے۔ حضور نے فرمایا ہجرت کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو قبائے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (دہانہ کر دو) کہا ہاں رسول اللہؐ نہیں اسے حال میں ہجرت کی ہے کہ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا ہے شاید دوسرا قدم نہ اٹھ سکوں اور موت آجائے۔ ورنہ گویا ناقہ مست میرے سامنے ٹھہری ہے۔ ہر آنہ تو اس کے تانہ خالی کی طرف پھٹکا جا رہا ہے جتنی جلت میں رات کر رہے ہیں دوزخ دوزخ میں عذاب دینے جا رہے ہیں حضور نے فرمایا حثیف لطف اللہ تم کو یہ عزم مذکور ہو۔ قولہ لکن اجمع۔ بحمد الہی قولہ حثیف لطف اللہ۔

(۲۴۰) موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں ان کا ہر وقت عبادت میں گزارنا ہے انہی عبادت کے معنی اور مقناہ پر نظر کر کے حضرات موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں رہا بلکہ ان کی ہر جہت ہمیشہ قسم قسم کی عبادت میں مشغول رہ کر ختم ہوتی ہیں کیونکہ ان کو (عمل کے) وقت ہو جانے اور موت آجائے گا نہ شہد لگا رہتا ہے اس لیے وہ اعمال کی طرف سبقت کرتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید میں ہی آخری عمل ہو اس لیے جب دوسرے ان کی عبادت کو دیکھتے ہیں ان کو

نہیں۔ مکتا۔ حق اور سکین وہ ہے جو اپنے اوقات کو اورد فردا میں گزارتا ہے کہ کمال کام کر دے گا اور نہیں تو کمال کر دے گا اور اس مثال میں کے ساتھ بھی اپنے کو صاحب لذت سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ رمز امر، خارہ میں ہے۔ کیا جس دن دنیا وہ بچل کتا ہی کی تلافی کرنا چاہتا ہے اگر اس میں اس پر ہے (میں) دونوں میں بزرگ مل ہوتا تو یہ یاد ہوتا کہ سیالی کا سبب نہ ہوتا؟ اور تھالے سے زہور میں داؤد علیہ السلام پر دھن تالیاں کیسے کر اسے دوزخ تم کو مل دروشت اور افی مل سے نہ دکر۔ (کہ امید ہے کل تک یہ کام ہو جائے)۔ عنقریب ایسا کروں گا۔ نذر دن تک عز دیر ہے کہ لوں گا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اور یہ آخر تمام ہے۔ جو ان کی زبان سے نکلا۔ سے شخص۔ بلکہ کی فکر نہ کر۔ کیونکہ درد سے غار میں یا تو کل کا پانچا یاد پاسے گا۔ اگر پانچا تو اللہ تعالیٰ اُس میں ناندق دے گا اور اگر نہ پانچا تو لیے دن کی فکر سے کیا نادمہ میں کو تم نہیں پاسکتے۔

شارح علیہ السلام کے ارشادات اور ہر گونہ ایک کے اقوال وافعال اس معنی میں بکثرت درج ہیں۔ پس جس کو نذر اور ادکامیان ورتع مطلوب ہو وہ ان احادیث واقوال میں غور کرنا ہے جن کی طرف م نے اشارہ کیا ہے ورنہ پر عمل کرنا ہے اس کے بعد ترقی اور کمال میں اللہ تعالیٰ پر ہر دوسرے کے اُس کی طرف عاجزا و متوجہ رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ مطلوب تک پہنچ جائے گا۔

قولہ لا یمل انہر الی معنی ہذا الاحادیث الی قولہ یصل عند خلق الشاہد اللہ الی المرجوب۔

(۲۳۱) ابی اللہ کی صحبت حاصل ہونے پر فخر کرنا جائز ہے جبکہ بطور شکر کے ہو کتر کے لیے نہ ہو۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ایسا کرے

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اپنے اور ان فضل کے درمیان کوئی رشتہ اور تعلق نہ سمجھتا کہ اس کتاب اور ان کا طوط اس کتاب سے اپنا امت بھی کر لیتا ہے اگرچہ انھوں نے اس کے لیے اس تعلق کا نام نہ لیا ہو کیونکہ بزرگ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو نبیل کمال بنا جسٹو سے اپنی ذات مقدسہ سے تا۔ انسانوں کی خلت کی نفی کر دی۔ (ہو چاہے اوپر یہ حدیث کور چکی کہ اگر نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست بناؤ بزرگ کو)۔ تاہم جس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ (کوئی حدیث نہیں ہے) اور کہ عجیب ہے۔

۱۱۱. المنتبه بالکلام فداح بزرگوں کے ساتھ مشابہت دہل کرنا بھی نادر ہے۔

قولہ وفيه انه يجوز الاغتسال بماء من الميا لم یکن الی قوله فداح۔

فتا۔ شاید کسی کے دل میں اس مقام پر یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث میں تو آیا ہے انہ فضل علیہ السلام حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پھر یہ کیسے کہا گیا کہ مرنے والے کے یہاں اپنے نفس کے لیے کوئی دقت نہیں۔ جس راحت میں نفس کا حق ادا کیا جائے گا وہ تو نفس کا وقت ہو گا جواب یہ ہے کہ نفس کا

## باب ۹۱

## حدیث

### الامیر بترک مالہ یسم علیہ من العید

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے روایات کیا کہ میں اپنے (شکاری) گئے کو چھوڑا، وہ اور بسم اللہ گنا ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ شکار پر درگاہ پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کیا اور مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کس نے شکار کر لیا ہے۔ دایا اس شکار کو حکماً ڈیکھو کہ تم نے اپنے گئے کو بسم اللہ کے ساتھ چھوڑا ہے ورنہ ہر تو بسم اللہ نہیں کیا۔

ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ شکار پر بسم اللہ کن واجب ہے۔ اگر بسم اللہ نہ کی شرح جائے تو شکار کے گلے کی کوئی حرکت میں کیونکہ جب ممان نے حضور سے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں اس شکار کے گلے کی کوئی حرکت ہے یا نہ ہے۔ ان کو اس شکار کے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور کہنے سے منع فرمایا، تو جس پر با یقین بسم اللہ نہیں کیا گئی بلکہ عزرا بسم اللہ کو نہ کیا گیا جو اس کا حرام ہو تا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا۔

فت۔ یہی نام ابو یوسف کا مذہب ہے کہ جس شکار یا جانور پر بسم اللہ ترک کر دی گئی اس کا کھانا جائز نہیں۔ نام شامی سے روایت ہے کہ اس کا کھانا نہ کھینے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بسم اللہ شمس کے دل میں ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے

حق یہ کہ اس نیت سے ادا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حق واجب کیا ہے تو یہ بھی نفس کا رذلت نہ ہو بلکہ حکم الہی کا تعمیل کا وقت ہو تا یوں عبادت ہے کسی طرح بیوی بچوں کا حق بھی اسی نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حق واجب کیا ہے۔ تمہارت اور لذت اور لذت بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ کسب الحدال فریضۃ بعد الفریضۃ، حلالی روزی حاصل کرنا اس فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو نہ کیا یہ رذلت بھی حکم الہی مستعمل میں گنا ہے جو کہ عبادت ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو زوارہ، ارادت سے غفلت کی بنا پر ہوا کہ ہے اگر نہ تھا، مباحات، اپنی نیت و درست رکے تو اس کے ساتھ اذات و ہارت، مشغول ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ہارات، کسی نہ کسی درجے میں دین کے تقویٰ ہوتا ہے۔





## باب ۹۲

## حدیث

## النہی عن الصرف الا یذابید

حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع صرف کو دریافت کیا (بیع صرف جائز نہ ہونے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں) انھوں نے فرمایا اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر گھٹا ہو تو درست ہے۔  
 شہر کا ہر حدیث سے بیع صرف کا ہر اسلام ہوگا کہ بیع ہاتھ در ہاتھ ہو اور نہ بیعت مسلم ہوں جبکہ ادھار ہو چاہے غوثی ہی ہو یا کافر ادھار جو پناہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے اگر بیع صرف میں ایک شخص تم سے اتنی ملت مانگے کہ گھر کے اندر جا کر چیرے بس تو سختی ملت بھی نہ دراز کر لیں بیع ہی میں تبادلہ ہو جانا چاہیئے۔

ف۔ شادی نے یہاں بھی کون سا مستحق صرف کا استنباط نہیں کیا۔ میرے ذیابید میں سے بھی مقصود وہی ہے کہ اسبابِ معاش میں مشغول ہونا خلافِ توکل اور خلافِ ولایت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں سماجی چاندی سونے کا کاروبار کرنے پر تیار اور حضورؐ نے اُن کو منع نہیں کیا اور معاش سے بڑھ کر متوکل اور صاحبِ ولایت کو ہوسکتا ہے؟

اور جب ذیابید پر بسم اللہ نہ لکھی گئی ہو اُس کا حرام ہونا قرآن میں مضمون ہے وکنا نکلا محالہ یذکر اصحاب اللہ علیہ السلام نہ لفسق۔

اور یہ حدیث بھی اُس کی حرمت کو بتا رہی ہے اس لیے اس بات میں حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب قوی ہے۔

ف۔ اس حدیث سے شارع نے کوئی مستحق صرف کا استنباط نہیں کیا میرے خیال میں وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ کیونکہ معاش سے بڑھ کر متوکل کون ہوگا؟ اور اگر معاش نے اسبابِ معاش کو اختیار کیا ہے۔ سب حضرت ابوہریرہؓ کی طرح ہمارے اسباب نہ تھے پس ہر اولیاء اسبابِ معاش کی مستحق ہوں نہ ہر عوامی نہیں ہو سکتا۔



## حدیث

## الحث علی العمل وفضل عمل الید

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس شخص سے بہتر (عملی) نہیں دیکھا جو اپنے ہاتھ کے عمل سے (کہا کر) کھانا پو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے (کہا کر) کھاتے تھے (وہ خوبہ کہ نہ بہت عمدہ بندے تھے جو لڑائی کے وقت لڑی پھرتے ہیں) اور اسی کو بیچ کر اپنی گزرتے تھے (داؤد علیہ السلام غنائی ملکات کے شاہی خزانہ سے کچھ نہ لیتے تھے ورنہ کاسب رعایا پر خرچ ہوتا تھا) مترجم -

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ بہترین غذا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کے مشورہ عمل سے لکھا ہے اور اسی کے ضمن میں کسب پر ترغیب بھی ہے جس کی چند شرحیں ہیں (جو آگے بیان ہوں گی)۔

(۲۴۲) اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت ہے اور اس میں حکمت ہے

اس خیریت (اور بہتری) کے کباراد ہے ؟ اور یہ فضیلت عموماً دکانر کسب کو صاحب یا عموماً کے ساتھ خاص ہے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف داؤد علیہ السلام کی مثال کہیں بیان فرمائی کہ ان کو اللہ تعالیٰ عظیم انعام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے ، جواب یہ ہے کہ اگر بہتری کی علت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے

اور دوسروں کے مستغنی ہونا ہے اور کسب کی وجہ سے کسی پر اس کا بار نہیں ہونا کیونکہ مثل مشہور ہے کہ جس کی طرف تم لو اختیار کیا ہو وہ تمہارا سرور ہے اور جس سے تم مستغنی ہو تم اس کے سرور ہو۔ اگر خیر اللہ کے کا یہ مطلب ہے تو اس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس میں کسب کی ترغیب بھی ہے درست ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ ذریعہ کسب شرعاً جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہو کیونکہ اگر بعض دفعہ ذریعہ کسب تو جائز ہو تا ہے مگر عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے مثلاً سنا کر کیشہ شرعاً جائز ہے مگر عمل کے وقت سنا رخصاں سونے میں کھوٹ ملانے لگے تو اس کا عمل شریعت کے خلاف ہو گا۔ اسی طرح دزدی کے پیشے کو اندر پر پیشے کو مجھ لیا جائے (۲۳)۔

اور اگر خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذریعہ معاش میں کام کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اس کی خیریت ہی ہوتی ہے (کہ دوسروں کی بھی مدد کرتا ہے غریبوں کو جو اس پر مدد کرتے ہیں)۔ ایک حدیث میں ہے من بات ندباً من طلب احسان بان معذولاً لا داصم واللہ داخ حنہ۔ جو شخص کسب حلال سے تھک کر رات گزارے اُس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور صبح کو اس حال میں اُٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ فضیلت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہوگی اور مسلمانوں کو کسب معاش پر ترغیب دینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے موافق کامانے کا ذریعہ اختیار کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا یہ مطلب ہو کہ پیشہ ور کا نذوق بواسطہ اُس کے عمل کے خیر سے آتا ہے۔ یہ بات بھی پیشہ کے ساتھ خاص ہے جو ہاتھ سے کیا جاتا ہے دوسرے اسباب کسب اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی کہ دوسرے انبیاء کی نہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ صفت دروخت اللہ تعالیٰ کے غرضان میں سے ایک خزانہ ہے جس سے صاحب

اس بنا پر مطلقاً سبب منشا کا انکار کرنا باطل برکت ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو جو وہ صفت ہو یا راحت یا تکلیف وغیرہ سبب کی یہ برکت ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اس دنیا کی باریکار ارادہ کیا ہے۔ رحمت اللہ علیہ کا یہی تقاضا ہے کہ لوگ اسباب کے ذریعہ معاش طلب کریں بغیر سبب کے شاندار انداز کی کسی کو روکری نہیں ہے) اسی لیے میرے ایک شیخ جو ہر دو قسم دونوں کے جامع تھے ورس و تدریس سے فارغ ہو کر اپنے باغستانے اپنے باغ میں کلمہ کرتے تھے۔ جو غنہ دفعہ تدریس کے ساتھ عہدہ اور ایضاً ابھی کرتے۔ پھر یہی پاسوارہ سے کام کرنا نہ چھوڑتے اور فراتے تھے کہ دو مردوں نے بواغ تھا ہم نے کھایا ہم پر نہیں ہے تو دوسرے کھائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہو جس وقت ان کا باغ تیار ہو گیا، تعالٰیٰ فرمائے (زمزم اترتی ہے)۔

اب ہم اُن اعتراضات کو بیان کرتے ہیں جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اور اُن کا جواب بھی دیں گے۔ اُن پر کمال گاہ ہے کہ کسب معاش کے ذریعہ لوگوں سے استغناء ہو جاتا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔  
قرآن کی تو یہ آیت ہے رجال لا تملکونہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتا والموکافۃ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو کوئی تجارت اور نذر اللہ کی یاد سے اور نماز کو تم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتے۔

اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی حالت اور اہل بیت کی حالت و مرد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا بلکہ تبارک و تعالیٰ نے اہل بیت کی حالت اور یہی حدیث کی اور حضور نے اہل بیت کو اُن کے حال پر قائم رہنے دیا بلکہ بعض دفعہ ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ قرآن کی آیت کا تو یہ جواب ہے کہ اُن کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ تجارت اور بیع و شمار و شہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اُن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتے وہ بدن سے کسب معاش کرتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ چنانچہ

صند: خرچ کرنا درجہ ہے۔ اس صورت میں حدیث تعلیم صفت کی تفسیر سے یہی ہے کہ یہی صفت ہے اس میں کچھ عاریتیں کیونکہ جس کام کو دنیا و تعلیم اسلام میں سے کسی کی لئے کیا ہو اس میں عاریتیں ہو سکتی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کی علت یہ ہو کہ باغ۔ سے پیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حق واجب نہیں ہوتا۔ دوسرے اسباب معاش میں حق اللہ واجب ہوتا ہے جو ہمیں پورا دیا ہو جائے اور اگر یہ تعذر یا بلا تعدد کھانا ہونے سے رہ جائے تو در سبب معاش میں زکوٰۃ اور دیگر حقوق واجب ہوتے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ وہ ان کو نہ پائیں؟ اور باغ سے جو چیزیں کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے موافق کام کی جائے تو ان میں کوئی حق اللہ یعنی حریزہ پر واجب نہیں ہوتا تو اس میں کوتاہی کا بھی احتمال نہیں) اور جس میں کوتاہی کا احتمال نہ ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں احتمال ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باغ کی صنعت و حرفت میں دوسرے ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔ پھر یہ برکت کبھی جتنی ہوتی ہے کبھی کمزوری۔ برکت جتنی تو یہ ہے کہ کھانے میں مختاری مقدار زیادہ مقدار کے قائم مقام ہو جائے (اور برکت مختاری یہ ہے کہ اس کھانے سے قوت و نشاط دوسرے کھانوں سے زیادہ حاصل ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاش کے لیے کوئی ذریعہ اختیار نہ کرنا صفت ہے اس میں صفت کا اتباع ہے کیونکہ اس میں حکمت (الایہ) کا ایک اشارہ ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غنیمت بنا دیتے تھے تو لوگوں نے اُن کو تائید کیا تو بازار میں تجارت کرتے ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ غنیمت ہونے کے بعد بھی تجارت؟ فرمایا تو کیا نہیں اپنے اہل و عیال کے ذریعہ معاش کو چھوڑ دوں؟ (اس کے بعد اُن کی تنخواہ بیت المال سے مقرر کی گئی تھی، لیکن کے حساب سے اس کو وہی ماہوار کے قریب تھی)۔

کھا فقیر من الاسد۔ کوٹھی سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے جھگڑے ہو۔

اور خود آپ نے مجھ کو اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا اور یہ وہ اچھی  
بسم اللہ قبل من یحبنا الا کما کتب اللہ لنا۔ اللہ کے نام سے کھاتا ہوں کہ وہ  
کہ ہم کو ہر گز کوئی مصیبت نہ آسکتی۔ ہوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے  
واسطے مقدر کی ہے بقول آپ نے (دوسروں کے لیے) آسان اور سہل طریقہ مشروح  
فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واجعل علیکم طیف لدن من حرج۔ اللہ  
نے تمہارے اوپر دین میں اور بھی تسہیل کی ہے اور اپنی حالت (اور سہل) سے اپنی  
قوت کے لیے (جن کے دل تعلق نہ اٹھتے تھے) ہم پر ہونے کے ہیں) اعلیٰ درجہ کا اختیار  
کرنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ مثلاً مجھ کو ہی کے مسئلہ میں دراستے ہیں جس کا نفس  
ضعیف ہو اس کو سخت کا اجتناب کر کے مجھ سے بھاگنا چاہئے اس میں اس پر  
کوئی گناہ نہ ہوگا اور اگر نفس قوی ہو تو اس سے بھاگنا اس کے ساتھ کھائے اور  
اس میں وہ آپ کے حال کا متبع ہوگا۔ چونکہ اہل عہد نے (اور ان کے بعد موقوفہ  
نے) بلند حالت کو اختیار کیا (وہ حضور کی طرح ملک اسباب ہو گئے) اور توکل کا اعلیٰ  
درجے پر لیا تو حضور ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

اوپر لکھا گیا ہے کہ کسب معاش کے لئے ذلک اسباب اختیار کرنے میں ثواب ہے  
اس پر ایک حدیث سے رابطہ پر عرض اور ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے:  
لو انکم فکلتم علی اللہ حق فکلتم لہ ذلک کما یرزق الطیث فعدو  
خدا صاود قروح بظاننا۔ اگر تم اللہ حق سے پر پوری طرح توکل کر سکتے تو کل کو  
حق سے قاصر نہ ملتا تم کو اس طرح روزی دینے میں حق طرح پر مذکور دوزی  
دیتے ہیں کہ وہ کچھ کچھ کھو کے جاتے۔ یہاں ارشاد م کو پٹ بھرے واپس ہوتے  
ہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا۔ اعلیٰ درجہ ترک اسباب ہے اور جب  
اعلیٰ درجہ ہے تو ثواب بھی اس میں زیادہ ہے کیونکہ اعمال میں فضیلت ثواب  
بھی کی قلت و کثرت سے ہے) جو اب یہ کہ دووں میں کچھ تفاوت نہیں قطعاً

اس آیت کے شان نزول میں پہلے کیا گیا ہے کہ صحابہ میں ایک حدیث کی علت تھی کہ  
افان کے وقت گر کر پڑے ہیں ٹوٹی ہوئی اس کو کھانا نہ تھا اور ٹھکان ٹھکان تو پھر چڑے  
میں نہ لگتا بلکہ خود کھڑے ہو جاتا۔ اور عرض ادا کرنے سے چلنا پڑا۔ اسی طرح لوگ مریات  
تھی کہ اگر محض اٹھنا دینا اور نہ لگنا اور نہ لگنا جانی لو اس کو نہ پھر نہ ملتا بلکہ  
ہاتھ سے پیچک دیتے۔ مگر یہ کہنے کے بعد ان میں مشت تو پھر نہ تھا بلکہ قراصل  
بغیرت (فان و غیر) کے لیے کھڑے ہو جاتا، یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی کہ بندہ سے  
درجہ کو مطلوب یہ ہے کہ اس کا دل اسی کے ساتھ وابستہ رہے جس کے پاس  
جائے دانا اور پہنچنے والا ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں کسب معاش وغیرہ میں لگے ہوں۔  
مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ افریقہ میں ایک گھاس کو بونے والا چھوٹوں  
کے لیے گھاس لانا تھا اور وہ اپنے وقت کے بڑے اولیاء میں سے تھا جب کی  
نماز سے فارغ ہو کر دوپہر کے قریب تک یہ کام کرتا۔ پھر دوپہر (جس میں  
گھاس کھرتا) تیار دیتا اور عام میں جا کر غسل کرتا دوسرے پکڑے بیٹا اور جو کچھ  
مزدوری مٹی اس میں سے تھوڑی مقدار اپنے واسطے رکھ کر قراصل عابدین اور بکین  
کو باقی رقم تقسیم کر دیتا۔ خود نہ بھر روزہ رکھتا اور سفر کے وقت اس کیلئے مختار سے  
افغان کرتا جاتا ہے واسطے رکھ لیتی تھی۔ جس میں اسباب خواں رفیعہ تھی اس کو بڑے بڑے بزرگ  
بھی پہنچتے تھے کیونکہ اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بصر کی حالت سے جو اعتراض کیا گیا ہے، تو  
اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے بڑھ کر ہے  
آپ کے نفس کو کوئی کی طرف مائل نہ ہو جاتی تو دوسری کی یہ حالت ہوئی کہ بے حدود  
کی طرح تامل اسباب ہوتا، ہی ہر سترے لیکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ  
(دوسروں کے ساتھ) نری کرتا ہے۔ کیونکہ بعض جگہ اکثر لوگ ضعیف ہیں (وہ حضور کی  
اس حالت کا اجتہاد نہیں کر سکتے) تو ان کے لیے یہ ہے کہ اسباب معاش کو اختیار کرنا  
مشروع کیا (جیسا مجھ کو ہم بارہ میں اور مردوں کو تو آپ نے یہ فرمایا خود بخود)



اور اگر یہ ذریعہ معاش اس نیت سے اختیار کیا ہو کہ اس سے طاعت میں مدد ملے تو اس صورت میں خیر زیادہ ہو جائے گی اور اپنے صدقہ جنتی کی بنا پر اس کے دل میں تواضع و انکسار پیدا ہوگا اور (کبھی کبھار) تو یہاں تو دنیا دار ہوں) بیٹھیں دوسے کچھ سے اٹھ کر جرحہ کئے جیں تو اس کا ثواب بڑھتا رہے گا مگر نہ ہوگا، اور خبر و رول میں یہ خیال نہ آئے ہائے کہ زمین، لوگوں سے افضل ہوں تو اپنے منوں کے ساتھ معاملہ رکھتے اور اس کے علاوہ جو روزی کی ممانعت میں کیا ہے تنہا کئے اور اس کی عبادت میں جہاں کا حکم دیا گیا ہے اسباب معاش کو چھوڑ کر مشغول ہو گئے ہیں ذکر یہ تو پاؤں، جہاں تدبیر کو چھوڑ کر تقدیر پر بھروسہ کر کے ہوئے ہیں۔ دوسروں کے محتاج ہیں ہم دوسروں کے محتاج نہیں بلکہ اپنا بھی خرچ اٹھاتے ہیں، دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اگر ایسا حال دل میں نہ آیا تو یہ بدترین حالت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔  
 فَلَاحِقَ كُوفَةِ الْاِنْفِصَحْ هُوَ الْعِلْمُ بِمَعْنَى اَلْفَقِ رَايَةَ مَرْتَبَةٍ اَلْفَقِ رَايَةَ مَرْتَبَةٍ  
 کرو اور شی خوب جاننا ہے کہ کتنی کون ہے؟ اور میں سے معلوم ہو کہ ہر شخص کے مناسب حال صورت پر نظر کرنا چاہیے (ب) کو ایک لاطینی ذہن کا چاہیے) اس کی کوفتہ مال کئے ہیں اس سے فتنہ زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر لوگوں پر وضعت ہی غالب ہے تو حکم و حکم دینا بھی کر کے مناسب حال ہے۔

قوله وعلما عليه من وجوه منها ما معني هذا الخيرية اقل قوله جاء الحكم من انقلب من الحكم الناس -

فت - والذبت مغزئ سے خود اپنے سے اقل حال کو اختیار فرمایا کہ ترک اسباب کے ساتھ قول کیا۔ یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو صوفیہ تائید کریں اسباب پر اعتراض کیا کرتے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام میں رہبانیت داخل کر دی، حالانکہ اسلام میں رہبانیت نہیں کہیں گناہوں کا ترک اسباب معاش کا نام رہبانیت ہے تو وہ جلد ہی کہہ کر دلوں میں مغلطی ہو جائے وہ کہہ کر سادہ سادہ معاش اختیار فرمایا مگر آپ کا ذریعہ معاش کچھ دقتا ہے اور تعالیٰ پر توکل کرنے کے تو گویا سب سے پہلے

وہ مکتب کو لے جوں کے ان سے پہلے اپنی دولت میں اتنی رقم موجود نہ ہو کہ اس دن کے لیے کافی ہوئی اس طرح اس کی حالت درست ہوگئی اور انصاف سے نجات مل گئی) ایک مدت اسی حال میں گزر گئی تو اس کے بعد کی کوتاہی ہو کر مکتب کی آمدنی تو اس کو کافی نہ ہوتی تھی دھیرے دھیرے خوشی کی کمی سے آئی، باقی انصاف سے دریافت کیا کہ تیری آمدنی کہاں سے آئے گی تو انہوں نے اس سے ساری حقیقت بیان کر دی۔ اس کے بعد یہ فتوحات بند ہوئیں (یہ تو اس کا منہ ہے جس کا توکل قوی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں وہ حدیث وارد ہے) اعلیٰ اللہ تعالیٰ

اور جس کا توکل ضعیف ہو اس کو اسباب معاش کا اختیار کرنا ہی بہتر ہے اس میں مکتب یہ ہے کہ جس کا توکل قوی ہے اس کا ایمان قوی ہے وہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے زندگی پر جھارہتا اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ پر (اور اس کی تقدیر پر) اعتراف نہیں کرتا کسی چیز کی طرف نہ مائل ہے اور جس کا توکل ضعیف ہے اس کا ایمان ضعیف ہے۔ اس کا دل (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے خوش نہیں رہتا گورباں سے کچھ دیکھے اس کا نفس، اور دوسرے نظر رکھتا ہے۔ بعض چیزوں کی تنہا کھی کر سب سے اور کبھی بعض باتوں پر دل میں، اعتراف بھی آتا ہے (گو خدا! انہو وسوسہ ہی کے طور پر ہو) اور یہ عین بلا کھٹ ہے تو اس کے لیے اسباب میں مشغول ہونا ہی رحمت ہے کیونکہ اس کا دل اسباب میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے۔ اگر اس کی مراد کے پورا ہونے میں کچھ نقصان بھی ہو تو اس کو فکر ہوئی ہے کہ کس طرح کام کرے جس سے امید بڑھے نقصان کو اپنی تدبیر کے ذریعے طر مٹا کر سب سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرنا) اس صورت میں اس کے لیے بھلائی کی، میری کا سکتی ہے کہ کوئی کس نے اپنے مولیٰ کے خوف سے اپنے نفس کی تجویز پر مقدم کیا ہے (جبکہ شریعت کی پابندی کے ساتھ اسباب معاش میں کام کر رہا ہے غلاب شریعت سے بچنے کا اہتمام کرنا ہے)

آپ ہی نے، سلام میں رہبانیت کو مدعمل فرمایا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ رہبانیت میں ملکہ شکار نہ کر سکتے، اور اہل وعیال نہ رکھتے کا نام رہبانیت ہے تو عوینا نے یہ طریقہ کب اختیار کیا ہے؟ جس قدر عوینا، تا کریمہ اسباب ہوئے ہیں جب بچہ چھٹا والے تھے۔

دیا یہ عترتیں کو حین، متوکلین دوسرے کے سہارے پر رہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے عوینا کو نہیں دیکھا، مکتا کو دیکھ کر جو کہ جو عترتوں کا جھوٹا دھوسے کرنے والے ہیں تو ایسے مکتا پر جمنا جھٹ کے، خدر ہو جویں۔ علماء میں بھی اور علماء و علماء اور دانشمندان اور اساتذہ میں بھی۔ امراء و مذہب، اور وزراء میں بھی۔ سلاطین و خلفاء میں بھی، اگر ان مکتا کو دیکھ دے کسی جماعت کو بدنام کیا جاسکتا ہے تو کوئی جماعت بھی اچھی نہیں کی جاسکتی اور اس کا تین حفاظ ہوتا نظر ہے۔ جہان نے چھپے عوینا کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حضرت دوسروں کے سہارے پر بیٹھیں ہوئے بلکہ جہاں دوسرا سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں بڑے بڑے پدائوں کو جو شریعت اور طاعت کی کھوٹی پر پڑے نہ آخر میں شکار دیتے اور وہاں کر دیتے ہیں۔ ہزاروں ماگوں و دیویوں کا واپس کر دینا کچھ آسان کام نہیں جو علماء یا روشن لوگ عوینا پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان کے سامنے بڑی بڑی قرینہ پیش کی جائیں تو کسی نہ کسی نا دلید سے خوار قبول کر لیں گو وہ بدیہی شریعت کے خلاف ہیں کیوں نہ ہو ۱۲ مترجم۔

فتہ کہ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جہاں میں صاحب کرامت کے قصد و ارادہ اور تصرف کی صلاحیت نہ ہو یہ رہائی ہے ایک وہ جہاں میں اس کے ارادہ و تصرف کو مدلل ہو وہ روحانی ہے، مگر تصرف دونوں انہی الٰہی کے نہ کرنا چاہئے کہ خلاف قواعد و ضوابط کمال معرفت ہے اور جس کو اس کا وجہ غیب کہنا ہوتا ہے، وہ کرامت میں دخل نہیں، نہ وہ رہائی ہے نہ مدلول بلکہ شیطانی ہے کیونکہ کسی کا طریقہ یہ ہے کہ عمل کی ناقص کے ذریعہ سے جنت کو تاج کیا مانا اور اس سے رو پیہ جنگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنت خوشی سے تابع نہیں ہوتے بلکہ جو دوسرے تابع ہوتے

ہیں اور غیر حق تبار کے حکم کے کسی پر جو قدر کرنا جائز نہیں، پس عاملوں کا اپنے اس عمل کی تسخیر کو حضرت علیان علیہ السلام کی تسخیر پر قیاس کرنا غلط ہے کہ وہاں بنات کو اللہ تعالیٰ نے ان کے تابع کیا تھا تم کو کس نے اہانت دی کہ اس طرح ان کو تابع بناؤ۔ اللہ کا ان یکتوں الجہن کا حق صحت، اللہ ابدین فی جنہ تسخیر ہے کہ داعیوں تسخیر ان کا حق اللہ میں کاف، لہذا دعویٰ میں اور کلمہ حق تعالیٰ القواعد و کلامی، اخذ الخرج منہ انما بعد المستیضات یا نہ لایا خذ من احوال المسلمین و لایمن احوال اهل الذمۃ فانہم ۱۳ مترجم۔

بقیہ اعتراضات کا جواب جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اوپر لکھا گیا ہے کہ صنعت و حرفت کے بہتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ یہ شخصیں یہاں صنعت کے قیاس سے روزی لیتا ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقار و ہموکار انھوں نے آسمان سے ماہرہ (خون) نازل کرنے کی دعا کی تھی اور یہ بلا واسطہ غیب سے روزی تھی اگر یہ صورت افضل نہ ہوتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے لیے کروں دعا کرتے۔ جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا خود نہیں کی بلکہ اپنی قوم کی درخواست پر کی تھی انھوں نے بطور سمجھ و شعور رسول کے واسطے کی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صورت افضل تھی، نیز یہ واقعہ بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم دت کو گھر سے نکلے حضرت علیؑ ہی آپ کے پاس پہلے۔ پھر چاہے کہ اس وقت گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہا جن کو کی وجہ سے نکلا ہوں، میں اور میں بھی جن کو کی وجہ سے در رہے ہیں، دینی اللہ تعالیٰ نے غنیمت فرمایا جس چیز سے تم کو گھر سے نکال دے اس نے مجھے نکالا ہے نہیں ہی مجھ کا ہوں، پھر آپ کے پاس چند صحابہ اور بھی آئے وہ بھی جن کو کی شکایت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ دیکھو اس مجھ کے دوست کے پاس جاؤ اور یہ زمانہ مجھ کو گھر کرنے کا نہ تھا، مومن غنیمت ہو چکا تھا، اور اس سے کو

جلا کر کھانے سے سب شرعیں پوری نہیں کیں۔ اب اگر کسی وقت اس کو کوئی ناگوار صورت پیش آتی ہے اور تھکے پر (ازراہ اہل اہم) حجت نکلتا ہے تو کوٹھڑا جو بطور دوسرے سے ہی ہو) اور بر پڑی خطرناک حالت ہے یا مرد پڑھتی ہوئی تو دیکھ کر میں پڑ جاتا ہے لیکن کوئی اور قلب و عوٹ کچھ گھٹتے ہیں (اور یہی خطرناک حال ہے) پس ایسے لوگوں کے لیے صحت و حرمت ہی افضل ہے کہ اس طریق میں سلامتی افضل ہے۔ جیسا نماز کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ انسان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے سوائے فتن نماز کے کہ وہ مسجد میں، افضل ہے) کیونکہ گھر کی نماز میں زیادہ خیر و کمینہ شے سلامتی زیادہ ہے اور سلامتی کا طریق ہی افضل ہے اگرچہ دوسرے طریق کا فائدہ بڑا ہے۔ مگر اس فائدہ کے ساتھ خطرات بھگدگے ہوسکتے ہیں جن سے بہت کم لوگ بچ کر نکلے ہیں ماسی لیے یعنی جرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سلامتی کے برابر کسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ مقامات عامیہ کے لیے دوسرے حضرات ہیں جو ان ہی کے لیے پیادے گھٹے اور ان ہی کے موافق عمل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء کمالین کے لیے جن کا یاقین اور توکل قوی ہو تو کہ اسباب افضل ہے اور ان تصنیف کے لیے اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے اور بعض دفعہ اولیاء کمالین بھی خطرات سے سلامتی کے لیے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا اکثر شہداء کے حالات سے ظاہر ہے اور چونکہ نبیاء علیہم السلام خطرات سے محفوظ ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نبیاء و انبیاء رک اسباب تھے (مترجم)۔

اوپر کہ گئی ہے کہ صفت و حرمت میں کوئی حق امتیاز نہیں اس لیے وہ دوسرے اسباب مٹا دیے جی میں حق امتیاز ہے افضل ہے کیونکہ احتمال ہے کہ حق امتیاز کے احکام سے کچھ ہی رہ گئی ہو۔ اس پر یہ عقیدہ ماضی ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ دوسرے اسباب مٹا دیے جی کوئی کامیابی کا احتمال نہیں رہتا۔ جیسا ایک تاجر کی حکایت ہے کہ وہ سندھ میں رہا نہجنت کے کرم چارہ تھا کہ نماز قوت گیا یہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ پانی سے اپنا کیا تو ایک شخص نے کہا اگر اس آبادی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تازہ کھجور ہم کو دو ماہی وقت کھجور پر تازہ چل گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھجور رکھ لائے جو سب حضرات نے کئی اور میں نہیں اپنے گھر والوں کے واسطے بھی بلند کیا تب تک کچھ زیادہ نہ گیا۔ (جواب ہے کہ یہ بھی بطور مجزہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا تھا ہمیشہ ہوتا تھا دوسرا جواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے ظاہر ہوگا کہ یہ دونوں حضرات جب باہر لے اور ساتھ ساتھ چلے جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تو (یعنی روایات میں ہے کہ) دونوں کو بھوک لگی تو ان کے پاس (یعنی) بکری کا بچہ آیا جس کا آدھا قطر تو جتنا بچا تھا وہ بڑا حصہ کچا گوشت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جیسا بچا گوشت کھا یا پھر خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے طریق کے مناسب نہیں کیونکہ آپ سب سے کام لیتے ہیں اور میرا طریق تصویر میں ہے (یعنی تارک) سبب ہوں) قرآن کا جائے کھڑا میں جیسے جگہ جلدیے اور کچے گوشت کو بھون کر کھا لے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور خضر علیہ السلام نے جیسا جو کھا یا یہ دو بیت نقل فرماتے ہیں گزری اور عابد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں جو قصہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں حضرات ایک ہی سی پینے اور پستی والوں سے ضیافت کا کھانا طلب کیا انھوں نے ساندھری سے انکار کیا وہاں ایک ویرانہ تھی ہوئی بوسیدہ کھڑی تھی جو گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اس پر ہاتھ پھیر دیا تو سبھا ہو گئی۔ موسیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو پر مزدوری لے سکتے تھے۔ ایسے ہے ہودہ تو جو کھانے کو دیکھ کر گفت سدا کا نماں گزرتھا اور اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ ترک اسباب افضل نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے کیونکہ اول طریق خضر ہے اور دوسرا موسیٰ علیہ السلام اور عابد صلی اللہ علیہ وسلم خضر علیہ السلام سے افضل و علی ہیں تو ان کا طریق بھی افضل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان اہل علم اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں کسی محدث کی افیضت عام نہیں۔ فضیلت تو کسی میں ہے جو شریعت نے مشرور کیا ہے۔ کیونکہ یہ حالت دفعہ دوسری ملازمین و بعضی فوجیات ہیں جو کامل ہوتی ہیں بعض دفعہ دوسرے کھاتے ہیں کہ ان کے شریعت پوری کر دی ہیں



پڑھا یا خود ہی فرمایا کہ میں نے یہ کاروبار اس لیے اختیار کیا کہ اس میں نفس کو دھوکہ دینے کا موقع نہیں ملتا، اگر ایک شخص میں عہدہ ملی ہو اور اس میں عسکر یا خراب تیل چلایا جائے تو سلا ملکہ خراب ہو جاتا ہے۔ بخلات اور چنوس کے گران میں دھوکہ چل جاتا ہے جب میں نے دیکھا کہ درجن کے تیل میں دھوکہ نہیں چل سکتا، اور اس سے مالی میں نقصان ہو جاتا ہے تو میں نے اسی کا کاروبار اختیار کیا، کیونکہ اہل توفیق نفس کے فوہل اور شرارت سے بے فکر نہیں رہتے اگرچہ ان کے نفوس با برکت (لادیکرو) ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (یوسف علیہ السلام کی طرف سے) ارشاد فرمایا ہے: **وَرِئَیْ نَفْسِیْ اِنَّ اَنْفُسَیْ کَیْمٰلَہٗ بِالسَّوۡءِ الْاِمَارَۃِ** وحی اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا کیونکہ نفس تو (اپنی غفلت سے) برائی کا حکم دینے والا ہے، ہاں جس پر میرا اثر ہوگا رحمت نازل فرمائے (وہ اس کی شرارت سے بچا رہتا ہے)۔

ادھر کہ گایا ہے کہ صنعت و حرفت کی لذت میں دیگر ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہے تو اگر یہ بات قیاسی نہیں محض نقلی ہے جس کی علت معلوم نہیں تو بحث کی ضرورت نہیں اور اگر علت یہ ہے کہ اس میں حکمت الہی کا انحصار ہے تو یہاں وہی گفتگو ہے جو اندر گزشتہ کی اور اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر دیا گیا۔

پچھ لگایا ہے کہ، سبب معاش کا اختیار کرنا صنعت (انبیاء) ہے، اس کے اختیار کرنے میں صنعت کا اتنا نہا ہے کہ کیونکہ شریعت نے اسباب معاش، اختیار کرنے ہی کو بتلایا ہے تاکہ کسی کو یہ گنہگار نہ پیداء ہو کہ کسب معاش کے ساتھ عبادت نہیں ہو سکتی۔ شریعت نے اسی قسم کے خیالات کو داخل کرنے کے لیے صنعت و حرفت کو دیکر اسباب معاش کی ترغیب دی ہے اور بتلادیا ہے کہ عابد بننا ترک اسباب پر موقوف نہیں، اگر عابد بننے کے لیے ترک اسباب ضروری ہوتا تو کوئی بھی بھی سبب معاش (اختیار نہ کرتا اور بادشاہی انبیاء علیہم السلام سب سے بڑھ کر عابد ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی علت کو دہر کر کے لیے دائرہ حیدر اسلام کی مثال بیان فرمائی کہ بالاتفاق وہ بہت بڑے عابد تھے ورنہ ان کے عابد ہونے

پٹیں جو بس سے قریب (نظر آ رہی) ہے کہا میں تو دن رو، نہ دھوئوں گا جب تک میرا مال باہر نہ آئے۔ ساتھی نے اس کو بے وقوف بتایا (کہ بھلا عسکر کے اندر سے بھی کہیں مال خود بخود باہر نہ آئے) پھر وہ اس کے ساتھ کچھ دیر تک کھڑے پر بیٹھا رہا کہ دفعہ سہد کی موجودگی ایک نظری باہر چکی دیکھا تو اس پر اس کا نام لکھا پوچھا اسی طرح ایک ایک کر کے اس کا تمام مال باہر آیا سمندر میں کچھ بھی نہ رہا تو ساتھی نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا معاملہ ہے تو تمام مسافروں میں سے مجھے ہی اس کرامت کے ساتھ خاص کیا۔ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی حکم دیا میں اس کو بھالا یا پھر مجھ سے وہ چیز نہ کر سکے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے حالانکہ میں نے مجھے پتے، احکام، بھالنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ (دیگر اسباب معاش میں) ایسی صورت شاذ و نادر ہے اور حکم غالب حال پر مبنی ہو سکتا ہے غالب حال یہی ہے کہ صنعت و حرفت میں کوتاہی کا احتمال نہیں اور دوسرے سبب معاش میں کوتاہی کا احتمال رہتا ہے۔ جیسا بعض اہل صنعت بھی اپنے پیشہ میں خیانت کرتے ہیں جس سے وہ بدترین پیشہ ہو جاتے مگر صنعت و حرفت میں ایسا شاذ و نادر ہے اور اگر کوئی کوٹ عانا بھی ہے تو چھپا نہیں رہتا جیسا دوسرے ذرائع معاش میں چھپا ہوتا ہے کیونکہ عوال میں نہ رکوت واجب ہے اور اس کے سوا دوسرے حقوق بھی ہیں جیسے بیعت میں خیر خواہی واجب ہے، دھوکہ بازی اور غیانت سے امتناع لازم ہے اور بہت سی باتیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں جن کو بہت سے حجاز جانتے بھی نہیں ان پر عمل تو کیا کریں گے۔ اسی لیے صنعت و حرفت ان سے بہتر ہے کہ اس میں ایک ہی احتمال ہے کہ صنعت میں کاریگری کا حق پورا نہ کرے اگر اس کے لئے کو تو اس کا عیب ظاہر ہو جائے گا جو پسند نہ کرے گا وہ کہہ دے گا۔

اسی لیے ایک عالم باعمل زرق کے تیل کا کاروبار کرتے تھے پھر انہوں نے

نور بنا کر ہی تو یہاں ہے بعد کان مکہ خف و محل اللہ صوفیہ حسنہ۔ تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ صاحب رسول کی کیا بات ہے اُن کی وہیں کون کر سکتا ہے؟ اگر رسول اللہ کی دین دے گی جائے گی تو میری کس کی دین دے گی؟ کیا خدا تعالیٰ نے اُن کو لغو بھی بھیجا ہے؟ ہرگز نہیں اُن کو کسی نے بھیجا ہے تاکہ لغو کے سامنے ایک نور ہو جس کے موافق اپنے کو بنائے کی کوشش کریں و ما اسدا صاحب رسول اللہ طایع باذن اللہ اس تقریر کے بعد (نصوص و احادیث میں) کوئی بھی تضاد باقی نہیں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم سب کے لیے عام نہیں بلکہ ہر شخص کی حالت کے مناسب مجہد حکم ہے نکاح ہی کو سب کو نہ ہر شخص کے لیے ترک نکاح مستحب ہے نہ ہر ایک کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے جب تک قدرت نہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مدد اور محبت قلب حاصل نہ ہو اور اس کسی کو جو کسی کے تان و نفقہ اور ضرر پر قدرت نہ ہو اور نکاح سے عبادت میں جماعت قلب حاصل ہو سکتے کی امید ہو بلکہ پریشانی کا خطرہ ہو اس کے لیے نکاح مستحب نہیں بلکہ کثرت سے روزہ رکھنا مستحب ہے تاکہ ثبوت قلوب میں رہے۔

چنانچہ ایک عجمانی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مجھے یہ پسند نہیں کہ سہرے کے دروازے پر میری دکان جو میں میں تجارت کرنے سے جماعت کی ناز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے ایک دینار کا نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرے اس میں حالت کو فقیر سے بہتر نہیں سمجھتا۔ یہی فقہ عالم ہے کہ ہر شخص کو اس کے حال کے مناسب کام بتایا جائے تو ممکن ہے ان عجمانی کو لوگوں سے اعتقاد کرنے میں جو بیت قلب حاصل نہ ہوتی ہو یہ خاص دولت و اختلاط میں قوت ہو جاتی ہو اگرچہ دکان کرنے اور صدقہ کرنے سے (نفع و تمدنی حاصل ہو جائے کیونکہ نفع خاص مقدم ہے جیسے جان بچانا پہلے چنی لازم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں و ما اھلھا کما کنا اھلھا احسب جھیمہ (اور میں نے) ایک جان کو بچایا مگر اُس نے تمام زمین کو زندہ کر دیا) کہ تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کے بچانے

پر تمام اہل کتاب کا نفع ہے اس پر وہ اسباب معاش میں بھی مشغول تھے بادشاہت کے فرائض بھی ادا کر سکتے تھے۔

یہ سب سے ایک ایسی سسٹم پر عمل ہوئی کہ عالم جب احکام بیان کرے تو اپنے قول کو واضح و دل شریعت سے مؤید کرے اگرچہ اس کے علم و معرفت میں کسی کو شک بھی نہ ہو کیونکہ اس سے نفوس راسخین پر بہت زیادہ واضح ہو جاتی اور انہماک کو پہنچ کر حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنعت و حرفت کی تہذیب بیان کر کے داؤد علیہ السلام کی حالت کو نظر رحمت کے پیش فرمایا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام فروغ نہیں ہوئے وہ ہمارا شریعت میں داخل ہیں دیکھ دو! اللہ نے اس کو بڑا احکام بیان فرمایا جو ممکن تیرا نہ تھی بل میں مذکور ہونا کافی نہیں کہ اُن میں تحریف ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی بات کے ٹکڑے ہونے سے، طینات ہو جائے گا کہ اس حکم میں تحریف نہیں ہوئی۔

یہ حدیث ان لوگوں پر چراغ اسباب معاش میں مشغول ہیں جو بت ہے کہ وہ اس میں کسی وجہ سے عبادت چھوڑنے کا سامنا نہ کریں۔ جیسا کہ لوگوں کو کہتے ہوئے دیکھ گیا ہے کہ شغل معاش عبادت سے مانع ہے اور فرقہ کی یہ آیت و فقہ ارجح و سلفا احسن قللث وجعلنا لھما اذ و ذریۃ (ہم نے آپ سے پہلے بھی سب سے دوسروں جیسے ہیں سب کے یہاں بھی بنیں اور بچے و عیال دارانہ پر جماعت ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن عیال دارانہ کے لیے کسی معاش عبادت سے اور کسب میں اتنی ہی رعایت سے مانع ہے۔

یعنی لوگوں کو بیت نصیحت کی جاتی۔ در عبادت کی ترغیب دی جاتی ہے صاف کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم دے بھی بال بچے ہوئے تو ہم سے اس قسم کی باتیں نہ کرنے اور نہ تم دیتے ہوئے جیسے اب ہو دیکھو ہم جیسے ہی ہوتے ہیں ان لوگوں کی جہتیں اس آیت سے ختم ہو جیوں گی (انہما و ہم اسلام) جو سب سے افضل اور سب سے بڑا حکم عبادت ہے عیالہ رہی تھے تو بکسی کو بہانہ نہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو

اور اپنے آپ کو ملک میں نہ لے کر قصد کرد۔ جہاد کے سوا کسی وقت اس کی اجازت نہیں اگر ایسا کر دے گنگار ہو گے (ابتداء جہاد میں یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو پہلے کے لیے تم دشمن کے مقابلے میں سے بڑھ جاؤ یا دوسروں کی پاس بکھانے کے لیے خود پانی نہ پڑے پس دے ہو اور ان کی جان بچاؤ جہا بقیہ میں سے منقول ہے یہی حکم لغف کا ہے کہ پہلے تم اپنے غلہ کے ملکیت کو چھوڑ بیٹے کے چہرہ رکھ کے اگر تیار سے پاس ایک روٹی ہو تو تم پر کسی کا غلہ واجب نہیں۔ اگر دوسریاں ہوں تو اہل و عیال میں سے ایک کا غلہ لازم ہو گا جن میں مقدم وہ ہے جس کا غلہ دغض سے بے ثبات ہے کہ تمہارے اختیار سے ساقط نہیں ہو سکتا یعنی اولاد و پھر زوجہ کا زہم ہو گا پھر چھوٹے عیال زیادہ ہوں اسی ترتیب پر تا کہ مقدم کیا جائے گا اگر ظن انسان کو سب سے پہلے اپنی غرض حاصل کر لیا نظروری ہے۔ اپنی تکمیل و اصلاح کے بعد دوسروں کی فکر جائز ہے نفع لازم نفع متعدی سے مقدم ہے۔

حضرت حکیم دست رحمت علیہ السلام کو ایک بزرگ نے حیات کی حق کو دوسروں کی ضرورت کی حفاظت میں اپنی گھڑی کو ٹھنڈے نہ کر دینا ان کا یہی مطلب تھا کہ اپنی تکمیل کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص غصہ (و حرمت) اور سبباً معاش میں مشغول رہو کر حقیقت طلب حاصل نہ کر سکتا ہو اور یہ خاص حال ہے اس طرح یقیناً نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب نہ ہوگی یہ ہر مطلب ہے کہ تقدیر کے ساتھ نہ کر کے اسباب کا طریقہ اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کے ساتھ مشغول رہے کہ کوئی چیز کو کسے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الہی حاصل کرے میں اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔ اگر تقدیر ہی نہ ہو تو اس وقت اس کے حق میں مشغول معاش کا اختیار نہ کرنا غلط ہو گا۔ یہی نہ دیکھا ہے کہ شیخ عبد الباقی بن محمد کی خدمت میں ایک عابد حاضر ہوا جس کے ہاں وہ عیال بہت تھے جن کے لیے وہ کچھ مشغول معاش بھی کرتا تھا جو اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہ خود بھی کوزہ بخار و مشغول معاش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا میں اس کی ترغیب جن کی وجہ سے مشغول

بھی زیادہ تھی شیخ ابو العباس نے جو علم اور مال دونوں طریقے کے جامع تھے اس سے فرمایا کہ تم مشغول معاش کا اختیار نہ کرنا حرام ہے۔ پس تم علم میں میں مشغول رہو تم و قدر اہل و عیال اور خالق کے نہ رہیں۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ پھر تو اس کی یہ امت ہوئی کہ سینہ میں دو ارب و بیس سو کا اثاثا اس کے گھر میں خرچ ہوتا تھا اور اس وقت ایک قنیز گیسوں کی قیمت دس دینار یا اس سے بھی زیادہ تھی اس کے علاوہ پٹرے و قہر کا اور اہل و عیال کا اور بھی خرچ تھا اسب غیب سے پورا ہوتا اور وہ کسی سے کچھ نہ مانگا۔ علم اور عبادت ہی میں مشغول رہتا تھا۔ یہ فقرہ ماں ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان بزرگ جیسا ہو کہ کس کے لیے کون سا طریق مناسب ہے چنانچہ ایک درویش نے غلام وقت کے سامنے ایک فتویٰ پیش کیا (جس کا مضمون یہ تھا) کیا فرماتے ہیں حضرت غلام دون اس اور ویش کے بارے میں جو ان کے مال کی طرف متوجہ ہے اس پر مشغول معاش کا اختیار کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اخلاقاً برکتہ۔ اللہ۔

تم غلام نے اس کے جواب سے بدلتی کی طرف ایک فقیر نے جواب دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے نور بعیت و عطا فرمایا تھا۔ اس بزرگ نے کہا کہ اگر یہ شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے جس میں کسی وقت نور نہیں آتا تو اس پر مشغول معاش کا اختیار نہ کرنا حرام ہے اور اگر کسی وقت اس میں نور بھی ہوتا ہو تو کب معاش واجب ہے۔

اس جواب کی خوبی میں خود کر دیکھا عجیب جواب ہے اس کی تائید رسول، قدر مصطفیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے ان الله يخلق خلقاً طاب علم رسول الله صلى الله عليه وسلم کے اس ارشاد کو گہو جس میں ایک مارتے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کا فتویٰ ان بزرگ جیسا ہو جن کا گوہر ذکر ہوا۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قوساری مخلوق کے رزق کا ذریعہ ہے چنانچہ رشاد ہے و ما من دابة في الارض الا على الله رزقها۔ زمین میں جسے بھی جاندار میں سب کی رزق ہے۔ اللہ کے دے ہے۔ نیز ارشاد لا تألف دقا غنى فزق و الا فقرا لا تتقوى

دسے نہ ہب: ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھ کو روزی دیتے ہیں اور چھا  
 انہما تقویٰ کا ہے) اور حب، ہر ایم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ  
 جعل هذا البلد امنًا وارضی حلیہ (اسے پروردگار! اس شہر کو پڑاؤ بنادے  
 اور اس کے باشندوں میں جراثیم نہ پھیلے) پر اودا آخرت کے دن پرایان رکھے اس کو  
 ہر قسم کے پھل اور نیکے معرفت فرما۔ توقع قاتلے کے جوہ میں فرمایا وہن کھڑ  
 فامتعہ قلیلًا۔ کہیں تو کافروں کو کھانا کی اقیل خدمت تک راحت و آرام دوں گا  
 پھر ان کو زبردستی جہنم کے عذاب میں داخل کروں گا۔ حب اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں  
 کی روزی کا دفتر یہاں سے قیام کوئی مروت ہے جس کی طالب علم روزی ہکے یلے  
 اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کثرت فرمائی ہے؟ اگر ہم ہمارے افسر کو  
 بتل چکے ہیں کہ لیکن حالت اقتصادی یہ ہے کہ اس کو دوبارہ تفصیل سے بیان کر دیا جائے  
 تو خود: کہ جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے، اپنے لئے لیا اور ہندو کے لیے مقدر فرمایا  
 ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو سبب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کو بندہ سبب ہی سے حاصل  
 کر سکتا ہے اور ایک وہ جو بلا سبب کے حاصل ہوتا ہے جیسے کسانے کوئی بیج بہر  
 کھڑی (یا بدیم کھڑی) یا بیج میں مال زچا ہوا مکان وغیرہ مل گیا۔ پھر ہر کس کی  
 مختلف قسمیں ہیں (بھی کوئی خلق قرابت کی وجہ سے کچھ دیتا ہے کبھی دوستی یا محبت و  
 عقیدت سے دینا دیتا ہے) اور ہم نہیں جانتے کہ کسی کو سبب سے رزق حاصل ہوگا  
 ورنہ کس کو بلا سبب۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اس کو  
 بتل دیا اذا ابتدع الخرف (یعنی بدعتیہ الدین فعلیک جمع انما الدین والطلبوا  
 من الله الهدى قالوا وما هذا الدین قال مع انما الخلق والخالق اہ  
 حب وین میں بدعت و دل ہو جائے دین پر اوقت آجائے گی تو اس وقت  
 دین کے ان بات کو چھوڑے اور روزی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو جو محابن  
 عرف کیا دین کے نشانہ میں کیا؟ فرمایا معل و حرام کی مجلس (جس انکا شرف)

کا تذکرہ ہوتا ہو (حدیث کا معنی یہ ہے کہ رزق کے لیے کسب محاش میں مشغول  
 ہونا تم کو طلب علم سے منہ کر دینا دینا بدعات و جہل کی وجہ سے مٹ جائے گا۔  
 اس وقت علم دین میں مشغول ہو (پڑھتے پڑھاتے رہو) اور اللہ کو رزق  
 دے گا۔ جب وہ عام میں سے شرکاء علم حاصل کیا ہے (یعنی علم دین) آخرت کے  
 اسباب میں مشغول ہے کہ سبب آخرت میں سب سے بڑا وسیلہ علم ہے جبکہ  
 وہ اللہ کے لیے رزق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و احکام سے متعلق ہو اور  
 قاعدہ کے موافق ہو (یہ قاعدہ نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ لکے۔ یہ یاد اس سبب  
 کے رزق کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو نفلات میں سے کسی کا بھی حوالہ نہیں  
 بناتے (بلکہ غریب اس کی محتاج ہوتی ہے) اس سے صاحب ہم کار رزق بہت  
 آسان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ آخرت کا طالب ہو اور قاعدہ کے موافق مشغول علم  
 میں لگا ہو، ہو کہ یہ شخص اپنے تمام اوقات اور فوری عمر کو علم میں مشغول کر  
 دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو طلب رزق اور اسباب محاش کی فکر سے  
 مستغنی کر دیتے ہیں اور اس قسم کی احادیث ہر وقت و مقام کی وجہ سے ہی  
 بعض علماء اور طلباء پریشان نہیں بناتے ان کی عمریں عرصہ میں ہیں نہ وہ دنیا  
 کے لیے نہ آخرت کے لیے۔ ہم اللہ جل جلالہ سے درخواست کرتے ہیں  
 کہ ہم کو اپنی کج عمارت کے اور اس پر عمل کی سعادت تو دینا دے۔ اس  
 کے جو کوئی پروردگار نہ ہیں۔

قوله والما لا عقر ارض علی الوجہ الثالث لذبح الخبیرۃ ذبیہ  
 لکونہ یا نا من العیب بواسطۃ الصنعۃ الی قوله لا ادب سواہ۔

ف۔ کاش ہمارے زمانہ کے علماء و علما! ان احادیث پر ترقی و اعتماد  
 کر سکیں، اپنی نیکیاں مستغنی اور اللہ پر توکل ہو جائیں قرآن کی تمام پریشانیوں کو دیکر  
 جائیں۔ نیچے ملو۔ ہوا ہے کہ تقسیم کنندہ کے بعد سے مدارس ہندوستان کی حالت  
 ناگفتہ بہ ہے آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے حضرت علماء مدارس کو ان احادیث

حق مذکور اور ان کے تعین کے حق میں بھی دیا ہی ہیں۔ کیونکہ ان کے علوم کی بنیاد طلب کیا اور طلب جاہ مجسمہ (رسمی) ان کا اصل مقصد ہے اور اس حالت میں ان کے علم عقلی کے معنی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کو علم حقیقی حاصل نہ ہو وہ شریعت کے مقصد و مطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اب وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور یہی اصل خسارہ ہے۔ اور بڑی بدیشی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے نفع و کرم سے اتباع سنت بلکہ تمام سنتوں کے اتباع کی توفیق دے اور شرارہ سے بچائے۔ ایک اہل سنت و جماعت کے گناہ ہے۔

تعب نہ دیا و تعب اخری جیہا فی الفک لا یجتمعا

دُنیا سے بھی محبت کرے ہو اور آخرت کی محبت بھی چاہتے ہو۔ دو محبوب ایک دلی میں نہیں رہ سکتے۔

ایک ناسی شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

ہم خدا کو بھی دہم دُنیا سے دوں

اس خیال سے کہ دعا و عبادت و جہنم

قوله دعاء هذا الحديث انه لا يصح كذب الله تعالیٰ لا یجتمعا۔

فت۔ آقا علی علیہ السلام کے منہ سے یہ بات پہلے ہو گئی تھی۔ اسی طرح تعویذ کا دوسرے کہنے والے بھی بہت ہیں اور ان میں جو نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عوام پر یہ ہے کہ میں طرح وہ اچھے طبیب اور ڈاکٹر کو ملاؤ گے واسطے کہ میں کو کرسے ہیں، اور ہر دلی کا علاج عین کہتے اسی طرح کہتے عوام اور جوہر کو تھکاتی کرتی۔

سچا عالم وہ ہے جو باطن میں سنت ہو۔ باقی وہ محقق عباد سے علم حاصل کیا ہو۔ جو دنیا کا حریف نہ ہو۔ جو مولود اور عیال کو مکر و دھوکہ نہ دیتا ہو۔ وہ جسے کہتے ہیں دُنیا سے دور اور سچا سچائی وہ ہے جس کی تعلیم اور محبت سے اللہ تعالیٰ کے پیاروں

پروا نہ کرنا اور اپنے دلوں میں غلوں پیدا کرنا چاہیے۔ اگر وہ غافل ہو جائے اور خدمت دینی میں مشغول رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اُن کی امداد فرمائیں گے اور خدایان ہندوستان اُن کو پاکستان کو بھی کھینچا جائے کہ ہندوستان میں اسلام کی بقا کا دار و مدار اس میں ہے۔ اگر یہ دار و مدار سب مسلمانوں کو پہلے سے قیادان مذہب اسلام کے ہتھ میں ہے۔ خدا کا شعور ہے۔ خدا کا سب مسلمانوں کو پہلے سے قیادان مذہب کی خدمت پر توجہ کرنا چاہیے۔ درمیان آخرت میں اُن پر جس کا اندیشہ ہے۔ حکومت پاکستان کو بھی یہ کھینچ لینا چاہیے کہ اکثر دار و مدار ہندوستان کی امداد اسلامی ریاستوں کے وظائف سے ہوتی تھی جو اب دنیا بھر ہو گئی ہیں تو ان وظائف کو حکومت پاکستان جاری کر دے اور دار و مدار کو کھینچے کہ اسے تاکہ اسلام ہندوستان میں قائم نہ ہو۔ فاقہم واللہ یقویٰ هذا۔

۲۴۳) سب مدنی اور عبادت دونوں کے لیے علم دین کا حاصل کرنا ضروری ہے عبادت دونوں کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے بغیر اس کے نہ عبادت درست ہے نہ عبادت جس میں علم کی غفلت ہو وہ عام جتنے کی کوشش کرے اور جس میں اس کی غفلت نہ ہو وہ حکما شریعہ (مطالعہ کتب) اور علماء کی محبت میں رہ کر ان سے دریافت کر کے معلوم کرے اور ان کا اتباع کرے بشرطیکہ وہ علماء واقعی علمداروں بعض دینی ہی دعویٰ نہ ہو کیونکہ دعویٰ سے بہت لوگ تباہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو بھی برباد کیا۔

پیامبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں بہت لوگ جہنم کی طرف بلائے جائیں گے جو ان کی بات ماننے لگیں گے جو کہتے ہیں جو تک دین گئے۔ بعض لوگ علوم میں دل کا دھوکہ دے کر کہتے ہیں حالانکہ وہ علوم اُن کے

باب ۴۴

## حدیث

## البیعان بالخیار مالم یتفرقا

حکیم بن حزم روشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
 بایع مشتری (دو نوں) کو اختیار ہے جب تک وہ متفرق نہ ہوں میں اگر دونوں نے  
 سچائی سے معاملہ کیا اور وسیع دمن کی عمل حالت کو) میں کر دیا تو ان کی بیع روشر اور  
 میں برکت دی جائے گی اور اگر اصل حالت کو چھپایا اور جھوٹ ہو تو بیع کی  
 برکت مٹا دی جائے گی۔

شہرچ ہر حدیث تک۔ یا سے کہ بایع مشتری دونوں کو افتراق سے پہلے اختیار ہے  
 شہرچ برکت چھپائی کے ساتھ ہے۔ خیانت اور جھوٹ سے برکت جاتی رہتی ہے۔  
 یہی افتراق سے یک مڑ ہے؟ بات چیت سے (تفرق ہوتا اور نہ بیاب و قبول ناکر نام  
 یا بدن سے گاہک ہوا، اگر کہ میں بدن جائے تو اختیار نہ ہے گا۔ محسوس دہلے  
 سے پہلے دونوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ بایع کو بایع دیکھے یا کچھ کر دے) کیونکہ نفع  
 افتراقی کتاب اللہ میں دونوں میں استعمال ہوا ہے۔ افتراق بالبدن تو اس آیت میں  
 ہے وان یتفرقا یطعن اللہ کلام من معہ اگر میں بل لی لک ہو جائے تو  
 اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت ازرقی سے فنی کر دے گا اور افتراق بافاقوں  
 اس آیت میں ہے ولا تکلوا کمالہ فی تفرقوا واعتصموا من بعد ما جاہد  
 البینات اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو ایک ایک راستہ پر ہو گئے ورنہ

میں برکتی ہو۔ ولی کو سکون و طینت ہوتا ہو۔ بقدر عزت علم شریعت اسے حاصل  
 ہوا بیع سنت ہو اور کسی حق حق کی خدمت میں حد تک سہا ہو۔ موافق نہ نہ  
 اس کی وہایت کو تسلیم کر سکتے ہوں۔ یعنی وہ موافق جن کو کسی وجہ سے اس کے  
 ساتھ صلہ نہیں ہے اسے سامنے ہوا اور اس کی طرف نہ پارہ ترویج داروں کا جرح ہو  
 دنیا داروں کا جرح نہ پارہ نہ ہو۔

غویب سمجھو کہ محسن کسی مدرسہ کی سند اور دست رمل چلنے سے آدمی عالم میں  
 بن جاتا نہ چند عاجلوں کو ثمر پر کرنے اور شبہ کے دکھانے سے موافق ہو جاتا ہے۔  
 علم اور تقویٰ کی علامت وہ ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ جو اس معیار پر پور نہ آتے  
 اس سے دور رہنا چاہیے۔

والسلام

۴۴

احکام اے کے بعد اختلاف کرنے لگے (یہ فترق جماعتی و عقائدی و عقیدت کا اختلاف تھا چنانچہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اختلاف جو اصل میں علی انیس و سبعین وصفتون اختلف علی ثلث و سبعین فرقہ بخامسین ہتر فرقوں میں متفرق ہوئے اور میری امت ہتر فرقہ میں بٹ جائے گی۔

عبارتیں اختلاف ہے کہ حدیث طبعان یا لفظی یا معنی میں اختلاف ہے یا قول یا فعل؟ علم فنی اور ان کے متبعین پہلے کے کل ہیں اصل بات ان کے متبعین فترق بلا قول کے قائل ہیں (اہام ابوحنیفہ بھی اہم ہدایت کے موافق ہیں اور یہی زیادہ ہی ہر ہے کہ جب عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عثمان کے ہاتھ یک بلحا فروخت کیا جو حضرت عثمانؓ کے گلوں میں تھا (یا ان کی زمین کے پاس تھا) عبداللہ بن عمرؓ جانتے کہ یہ پتہ ہوجائے تو وہ اسی وقت (بکھاپ و بھن کر کے) کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ بھی اسی حدیث کے ایک راوی ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں سے اٹھ کر ایچ کو تکم کرنا چاہا ہے یہ بدعت نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت حدیث میں اختلاف (یا بدعت) نہیں بلکہ منوع ہونے کا ہے۔ اور بیحد و شراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جوئی تھی پھر عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے قول کی طرف رجوع کر دیا۔ مگر جسے ترجیح کیلئے پہلے وہیوں سے تمام ہوجائی ہے جس سے شہدہ جسے کی ضرورت نہیں) اور اہم ہدایت کے فرمایا ہے جب دو حدیثیں مل جائیں تو اولیٰ ہوں اور دونوں برابر ہوں اور امت ہوجائے کہ خلفاء و رشتہ دار میں سے کسی ایک نے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یہ تمہیں کے منوع ہونے کی دلیل ہے اور جب ایک حدیث میں دوسری کا امتناع ہو دوسری غلطیہ دراصل ہے۔ ایک معنی کے ساتھ ہونے کی تصریح کر دی ہو تو دوسری کو دیکھنا ہی لازم ہوا ہے جو خلفاء سے یا کسی ایک غلطیہ سمجھے ہیں۔ بعض علماء زمانہ نے اہم شافعی کی حمایت میں حضرت عثمانؓ کی اس حدیث کا انکار کیا ہے (یعنی اس کو

منوع نہیں مانتا) حالانکہ جس نے اس کو نقل کیا ہے اس کے منوع ہونے پر اتفاق ہے ہمیں کچھ شبہ نہیں اور وہ ابو یوسفؒ و شافعیہ ہیں جو اہل انصاف و تقویٰ کے معتقد ہیں انہوں نے اس حدیث کو یقیناً میں ذکر کیا ہے جو فقہ میں ان کا شمار کرتا ہے۔  
فت۔ اگرچہ یہ سند متون کا نہ تھا مگر لفظ کا معنی نہ در مسئلہ ہے جس میں بڑا اختلاف ہے اور فتن سے بکثرت دلیل نہیں ملے جانے ہیں اس لیے جس نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ علماء کے کام نہ بات ہے۔ ۴۲۲

۴۲۲) مسلمان کی دنیا بھی آخرت کے شیعہ تھی رسول اللہ کو دنیا بھی بغیر آخرت کے نہیں ملنی کو جو کہ کبریا نہتے حاصل ہوتی ہے جو وہ بخت میں ہے جس میں انسان کو شائبہ ہے بیکہ یہ تو ایمان کی کامل تر صفت ہے۔ (وہوں جو حق نہیں جوام) اسی لیے اہل تحقیق دینی تحقیق علماء و محدثین نے فرمایا ہے من صدق و صدق قلوب لا جعالة (جو اپنے ہر قول و فعل میں سچائی کا پابند ہو وہ لامعا ر قریب خداوندی حاصل کرے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کو واضح معنی بیان فرمایا ہے لا ینال ما عند اللہ الا بطاعة اللہ اللہ کے پاس جو چیز ہے (یعنی خیر و برکت) وہ بغیر اللہ کے حاصل کی جا سکتی۔

حدیث سے یہ بھی گناہوں کی شامت دنیا بھی برہاد اور آخرت بھی برہاد معلوم ہو گئی ہوں کی کوست سے دنیا آخرت دونوں کی خیراتی۔ جتنی سے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی مگر وہ زہیب کو چھپ نہیںے اور محبت جو میں گئے تو بیچ کی برکت شادی جائے گی۔  
محبوب ہونا کی مگر وہ ہے اور جب کو چھپا یا غیبت ہے۔ وہ بھی بڑا گناہ ہے حدیث میں ہے من غش جلیس۔ حالانکہ جملہ سے یہ غیبت کی وہ ہم میں سے نہیں اور محبت ہونے لے کے متعلق ایک حدیث اور کچھ مذکور ہے کہ من کی بائیں روئے کے کاسٹے





[illegible]

لما رأيت المقوم قد ساردا وخطوا مشقلا شلوا ولم يعرفوا

جہمت فی نور و ایک لٹری اتھلیٹ !

من يودهم قوة تجذب من حيث سر حيا

وَأَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ الْعَلِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْلُفُ

وہابیوں نے بقول وحد لا یلہ الا ھو کی تفسیر

لَا الضَّعِيفُ بِكَامٍ وَهُوَ خَيْرٌ مَرْتَمٍ وَتَقَوُا

فاحملوا الصعيت، يا أيها الذين آمنوا، فمما أنعم الله عليكم لا يغيركم الله فيه

جب میں نے قوم کو دیکھا کہ (اُسے) بڑھ گئی اور مجھ جیسے بوجھل کو پیچھے چھوڑ گئی اور

تیری کے ساتھ چلی گئی، تو میں نے خوب گریہ و زاری کی کہ شاید ان کے بعد مجھے توبہ نصیب ہو جائے جس میں ہم تک پہنچاؤ سے جہاں وہ پہنچے ہیں، درحقیقت کہ تمہاری ایک ناکہ تیرا کیا کیا اُن کی طرف (میں نے بڑھ جانا) پیچھے نہ رہوں اور میری ناکہ کا پھلنے سے ناگاہ کہ وہ خدا سے میرے لئے بڑا وعدہ کبھی خدا نہ نہیں بھولتا تمہارے دروازہ پر میں کروں مسکین کو کھانا اور سب سے اچھی نگہ کروں گے جسے توں مل کر داور کو بھی کھانا تو تمہارے دروازہ پر ہے تمہاری زندگی کی قسم میں تمہارے بڑا کسی پر تو توجہ نہ کروں گا۔ قولہ اہل بیتقرہذا الجمع الی قولہ لا یغیر کما احدث۔

فت مطلب تو تھا ہے مگر یہ ملو نہ ہو گا کہ یہ شعرا کس بحر میں اپنی اود یہ شعرا ہیں یا نثر  
معتنی مگر درجوں کے اس کا۔ میں اس چیز کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ معنی در مطلب  
کو دیکھنا چاہیئے۔

قافیه اندیشم و دینار من      گویم منداش حزدیدار من

ما مشرق عالم : مترجم

فتنہ مشائخ عربین سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ بھی تجارتِ آخرت میں داخل ہے ہمیں  
مردِ کفر سے اپنے خنس کو بچانے کے لیے کیا جانا ہے۔ دیکھئے جسے کون میں اُٹھ کر اپنی  
جانی دولت یعنی نسبت سے انحراف کرتا ہے۔ وہ اپنی دونوں کو بچائی ہے۔ معا لکرنا واجب

ہے۔ مرد کو اپنے نفس کے عیوب و امراض صاف کرنا چاہیے۔

ما حالي دل را با یاد گرفتیم .  
نخواندن فتن و درد از یاد اید .

اور شیخ کو اگر مزید سے لہجہ نہ ہو اور اس سے فائدہ کی امید نہ ہو تو وہ ان کو کہہ دے کہ تمہارا مقصد میرے لئے ہے، یہاں سے چلے جاؤ اور جہاں چاہو۔ یہ کسی وقت اعتماد نہ ملے تو آج ہی رات ان کے اٹھانے سے منع ہو جاتا ہے۔ جیسے اور دھوکہ دے رہے۔

## حدیث

جواز اخذ الزرع لما یکیفہ من مال زوجہ اذا کان شعیبا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی والدہ ہندو نے بول دیا کہ تم میرے دام سے عرض کرنا کہ ابوسفیان خلیل مرہ ہے تو اگر میں اس کے مال میں سے چھپا کر کچھ سے اس کو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟ فرمایا تم درگاہی اولاد لاتے ہو جو عام عادت کے موافق نہیں کانی جونا ہے۔

شمر بن جہلؓ یہ ہے کہ میں شخص پر کسی کا حق ہوا وہ عروہ دیتا ہو تو اس کی قیمت میں شمرؓ کے ماں سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اس کی تعمیل میں علماء کا اہلکیت ہے کہ جنس حق سے ہی لینا جائز ہے یا غیر جنس سے بھی لے سکتے ہیں اس کو کوئی قبضہ سے معلوم کر لیا جائے۔

(۶۲۶) ضرورت شمرؓ کے موقع پر غیبت جائز ہے حضرت ہندو کس قول سے یہ یوسفیان

نبیل دی ہے معلوم ہوا کہ حکم کے سامنے ضرورت کے وقت (مدعا علیہ کی) غیبت کرنا جائز ہے اولاد حقیقت میں غیبت میں کیونکہ اس سے دوسرے کی نفی میں واجب بری کا قصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت میں اور بیان واقعہ ہو کہ قصہ نہ نہ کہ حاکم و تعد کی تفصیل و حقیقت سے واقف ہو کہ فیصلہ کرے اور حضرت ہندو نے جو کچھ کہنا وہ حقیقت میں غیبت نہیں تھی بلکہ عادت عرب کے موافق ابوسفیان کی

ہندو تھی کیونکہ ان کے یہاں اپنے اہل و عیال کے ساتھ انسان اس بے خبر کرنا تھا کہ اس کو ممانوں کی خاطر قرض کا ہتھم نہ پارہ ہوتا تھا جس سے اہل و عیال کو بھٹک بیٹھا۔ انہی کو یہ ایراسنہ ہے جس کا باطن کا ہر کے صفت تھا (طاس میں مذمت تھی مگر حقیقت میں مذمتی کو وہ ہستہ امان نواز ہیں ممانوں کی خاطر قرض نہیں دیا فرج کر سیتے ہیں کہ کھر داور کو قرض سے پریشانی ہوتی ہے)۔ قولہ طاس ہر اللہ لفظ عجز الفیہ حد لھا کہ انی قولہ فیہ لفظ باطنہا خلاصہ تھا۔

ف۔ علامہ ابن ابی جریرؒ نے عجیب بات کی ہے جو واقعہ میں عجیب ہے کیونکہ باہر کے یہاں ضرورت میں چارہ اوس کا ہونا اور ان میں دوسروں سے ممتاز ہونا ضرورت تھا۔ نجابت، سفادت، فصاحت، شجاعت اور ابوسفیان ضرورت کے تو وہ بھیج کیسے ہو سکتے تھے۔ مگر وہ نبیل ہوتے تو سردار میں بن سکتے تھے۔ پس یقیناً ہندو کا مطلب وہی تھا جو قلم مہر نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی سنت اور ممان پوری کی وجہ سے ممانوں کو بھیج دیتے تھے حضورؐ نے ان کو اجازت دیدی کہ قصہ کے موافق چھپا کر اپنے حقوق وصول کر سکی جو حق سے زیادہ نہیں۔ پس حدیث سے یہ سننا سبقت نہیں ہو سکتا کہ ضرورت کے وقت حاکم کے سامنے مدعی عیال کی غیبت جائز ہے۔ اس کے بعد دوسرے دلائل ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا یحب اللہ الجہل بالسو حوالہ القولی الامین قللہ۔ اللہ تعالیٰ جہل بات کا اعلان پسند نہیں کرتا مگر جو مقوم ہو وہ حاکم کی برائی کر سکتا اور اس کے قلم کا اعلان کر سکتا ہے۔

## حدیث

## النہی عن التصویر

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی صورت (جان دار کی) بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو عذاب دیا ہے۔ پہلے ملک کہ اُس میں رُوح پھونک کر دے، پھر وہ اُس میں کبھی بھی رُوح نہیں پھونک سکتا۔

ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص (جان دار کی) تصویر بنادے گا اُس کو ہمیشہ عذاب ہونا ہے گا اور لاہر و نطفہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر وہ جاندار کی تصویر ہے۔ کیونکہ رُوح پھونکنے کا معاملہ اُسی میں ہو سکتا ہے۔ اور عبداللہ بن عباس (اور عبد اللہ بن عمر سے اس کی تصریح بھی منقول ہے کہ بے جان کی تصویر یا خانہ ہے جیسے وہ شخص اور مکانات وغیرہ کی۔ واللہ اعلم۔

فت۔ فتوٰی نبی بھی تصویر بنانے کے حکم میں ہے۔ بعض علماء دھر و ہندوستان نے اس کو تصویر میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ تصویر بانگہ سے بنائی جاتی ہے اور فتوٰی مکرر کے آمیز سے بیا جا رہا ہے مگر طریق کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ اگر پہلے لہانے میں شرب بانگہ سے بنائی جاتی تھی، اور آج کل شیشی سے شہید کی جلتے مٹی قرعہ نہیں بندے گا۔ کیونکہ حقیقت دونوں جگہ متماثل ہے۔ اسی طرح فوق اور تصویر کو سمجھنا چاہیئے۔

فت۔ ظاہر حدیث معلوم ہوا ہے کہ تصویر بنانے والے کو ہمیشہ عذاب ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان اللہ یخسر ان ینزل فیہ ولیفعل ما دون ذلك لغت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو تو صاف ناکر رہا ہے کہ اُن کے ساتھ دوسرے کو شریک کیا جائے، اور اُس سے بڑا (اور گناہوں) کو بے چارے میں گمراہ کر دیا ہے، اس کے معرکہ میں نہ ہو کہ یہ گناہ شریک دُکڑ سے کہہ دے تو وہ بھی مشیت کے تحت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا ہوتا ہے صاف فرما دیا ہے کہ وہ عید و عید ہی جیسے عید مسلمان کو قتل کرنے کی اور وہ ہے فخر لا یجوز حالہا فہم دفعہ اللہ علیہ کہ اُس کی عزت جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غضب ہے۔ اپنی سُنّت نے اُس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اُس کی منزل تو یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مزاد چاہا جس مگر ہجر میں ارم، مریض کی شفاعت سے یہ وہی جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں نے شفاعت کر لی دھوئیں اور انہوں نے بھی شفاعت کر لی اب ارم، مرا مین کی شفاعت رہ گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو مین (بار) جہنم میں سے بھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالیں گے جن کو قرآن (کے قوت) ہنہ جہنم میں چھوڑ کر رکھا تھا اور قانون قرآن و قسم کے لوگوں کو جہنم میں بھیجیں گے گا۔ ایک تو کفار کو دوسرے ان گنتہ رن کو کہیں گے بارہ میں عدل کا تقاضا ہے کہ اُن کی مغفرت نہ کی جائے تو کفار کی تو مغفرت نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ میں کو یہ لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہیں۔ آیات و احادیث اس کے مستحق کثرت و ارم اور امت کا جناح بھی اس پر منتظر ہو چکا ہے۔ اب دوسری ہی جماعت رہ گئی جن کو رحمت اللہ سے محفل گیا اور خمر خمر و ان سے اُن کو جہنم میں پہنچا دیا گیا یہ ایسی قوم ہے جس سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی قصاص باقی نہیں رہتا۔ عماران بنی جبرہ نے اسی معنی کو شریک میں بیان فرمایا ہے مگر چونکہ مسند نقون کا نہ تھا اس لیے تو میں نے اس کی کیا کہ عام کے کام کی بات ہے۔



باب

## حدیث

## جواز اخذ لاجری علی کتاب اللہ عز وجل

حضرت محمد امجد المہدی بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں پر تم معاوضہ لیتے ہو ان میں سے زیادہ اس کی سختی کتاب اللہ ہے۔  
 شرح: یہ حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ (کی تعلیم) پر اجرت لینا جائز ہے اور وہ سب سے زیادہ ملال ہے۔ اس کے بعد ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ قرآن پڑھایا اس نے اس کو ایک کنہ دیا یہ کنہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محدود کرنا۔ اس شخص نے جس کو یہ دیا گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ راجع بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے یا فرمایا دو ٹکڑے ہیں۔

اس حدیث سے بڑے سر کتاب اللہ کی تعلیم پر معاوضہ لینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لیے اس میں اختلاف ہو گیا۔ بعض تو اس حدیث کی وجہ سے جس کی ہم شرح کر رہے ہیں مطلقاً جواز کے قائل ہو گئے اور بعض نے دوسری حدیث کی وجہ سے مطلقاً نہ نکت کے قائل ہو گئے اور بعض نے دونوں کو جمع کر دیا کہ بعض حالات میں اجازت کے اور بعض حالات میں ممانعت کے قائل ہو گئے ہیں۔ یا امام مالک کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو عمل فرض ہے اس پر اجرت لینا مکمل نہیں اور جو فرض نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے مثلاً کوئی شخص عورت کا نکاح کرنا چاہے تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں بلکہ باغ ہو کر یا کوئی عورت کا نکاح کرنا چاہے کہ اس کے بغیر نہ بیچے نہیں (تو اس کا سکھانا

بھی فرض نکاح ہے) اور فقہائے سنی کچھ اور بھی پڑھنا چاہتے تو اس سے اجرت لینا جائز ہے۔ اسی پر تمام احکام دین کو کچھ لو کہ جو عمل اس وقت طالب کے ذمہ فرض ہو اس پر طلب کو کو اجرت لینا جائز نہیں اور جو اس وقت ہنرمیں اس میں اعتقاد ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے حرام میں دین کا شرعا قائلہ ہے جس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ باوجود (معاذ و فقہاء) ہمیں اس حقیقت کا کچھ متفقہ شکست ہو گیا ہے کیونکہ اجرت تعلیم قرآن کے حوالہ سے قرآن کی تعلیم مسلمانوں میں پھیل جائے گی۔ اگر یہ اجرت جائز نہ ہوتی تو کوئی شاذ و نادر ہی پڑھنا مانگتا۔ یہ لوگ بہت کم ہیں جو بچوں کی تعلیم کی مشقت (روان کی قرابت کی مصیبت) کو بلا معاوضہ برداشت کر سکیں۔ پھر اس کو کچھ خوراک یا ضرورتیں دے پیش ہیں ان سب کو ہانے طاق رکھ کر تعلیم قرآن کی پابندی پر شخص سے نہیں ہو سکتی۔ دیکھو باوجود اجرت لینے اور اس کے علاوہ مزید احسان کے بھی تم کسی کو تعلیم لاحق اور کرتا ہو نہ پاؤ گے۔ ہوا ان کے جو اہل توفیق (اور صاحب دل) ہیں (اب جو تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کو حرام کر دیا ہے) تو ان کو تعلیم دینا اور اس طرح یقیناً قرآن کی اشاعت و اسلام میں بند ہو جاتی۔

فرض شریعت میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو اصول و فروع احکام کے تحت مخرج ہیں مگر کسی منفعت کی وجہ سے ان کو جائز کر دیا گیا ہے تاکہ وہ منفعت اس سے درجہ کم درجہ کی ہے۔ فقہائے کی طرف سے رحمت اور وسعت ہے حاجت علی کھد غلبہ الدین من حرج۔ اور فقہائے نے تباد سے اوپر دین میں ذرا تنگی نہیں کی۔ حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے زیادہ اجرت کے پیروکار ہیں کیونکہ حضور نے یہ حکم اور اس جیسے بہت سے احکام زخو بیان فرمائے ہیں۔ کسی کے پوچھنے پر نہیں۔ فقہائے حضور کو سب سے بہتر جز عطا فرمائے کہ کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اور فقہائے نے قرآن کریم میں اس کی تفسیر بھی فرمائی ہے بعد جادہ رسول من انفسکم عربی علیہم عظیم دین علیہم عظیم دین

## باب ۹۰

## حدیث

## جواز الرقی والجر علیہا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کسی سفر میں گئی اور رکب کے ایک توبلہ کی بستی میں ٹھہری ان سے مہمانی کا حق طلب کیا، انہوں نے مہمانداری سے انکار کیا تو اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی تاکہ وہ اچھا ہو جائے، کسی تدبیر سے نفع نہ ہوا تو ایک نے کہا اے ان لوگوں کے پاس بھی تو مہمانداری بستی میں آکر ہے ہی شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو (جس سے سانپ کا زہر اتر جائے) چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا اسے صاحبو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس دیا ہے ہم نے ہر قسم کی تدبیر کر لی مگر اسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک مہمان نے کہا ہاں بخدا میں جھاڑو لایا ہوں، لیکن جھاڑو تم سے ہم نے مہمانی کا حق طلب کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا اب جب تک تم کچھ مہماندہ نہ دو میں نہیں جھاڑوں کا تہا انہوں نے بکریوں کے ایک گلوہ پر صیغ کی رکہ تم کو یہ گلوہ بکریوں کا دیا جائے گا، وہ مہمان لپٹے اور اس پر دم کرنے اور شکا کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین (صوتہ فاتحہ اخیر تک) پڑھنے لگے، وہ تو دیکھا ہو گیا جیسے وارنٹ کو کرتی سے کھول دیا جائے سبے بیوقوف چلتے پھرتے رہا۔ مہمانی کا ذرہ بھی اثر نہ رہا۔ بستی والوں نے پناہ دے پورا کیا اور جو شراعت ان کے حق نہ کیا تھا یہیں

دھوکہ دیا۔ سبے شک تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول ان کے ہیں جن پر تمہاری پریشانی شافی ہے اور وہ تم پر دینی تمہاری راحت پر عزتیں ہیں انہوں نے بہت مہربان ہمدردی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت عظیمہ کے شکر کی ہم کو توفیق دیں اور اس کو ہم پر کمال کر دیں۔ آمین۔

ف ساس حدیث میں بظاہر تعقوت کا کوئی مسئلہ نہیں مگر بہت سے اہل اللہ قرآن کی تعلیم اور انچوس کی تربیت و تادیب میں مشغول تھے اور انچوس کے والدین ان کی خدمت کرتے تھے یہ ان کا ذریعہ معاش تھا تو غائبانہ شارع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی طلبہ حقیقی کو ترک اسباب دشوار ہو تو وہ قرآن اور حدیث اور علوم دین پڑھنے کا مشغلہ اختیار کرے کہ اس کی بدنی سب سے زیادہ حلال ہے واللہ اعلم۔ اور بلوغت کے پینے تو اس سے بہتر کوئی مشغلہ ہے ہی نہیں۔ خصوصاً اس زمانے میں کہ لوگوں کو علم دین کی طرف توجہ بہت کم ہے مگر علم و طلباء دوسرے مشاغل اختیار کریں گے تو دین کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے، ان کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سلسلہ تعلیم و درس برقرار رہے کہ اسی سے دین کی بقا ہے۔ والسلام

(۲۲۸) نزدیک مقدر کو کوئی نہیں روک سکتا کہ زندگی کدے سے اس طرف بھی اٹاؤ ہے  
 چکا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ تم کو مل کر ہے اگر خواہ روکنے والا ہے یا  
 نہ چاہے۔ دیکھو مہاجر نے جس سستی دلوں سے فیاض قلب کیا اور انہوں نے نظر  
 کیا تو سنا ہے زوردار کو، اوس لیا اس طرف و زندگی جو مقدر حق صواب کے پاس  
 پہنچ کر دیا۔ حدیث سے یہی معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد کرو جو عین حق ہے۔ دیکھو جب  
 سستی دلوں نے اپنی قوت کی بنا پر اس جماعت کو قتل اور کڑو کر میناوت سے نکال  
 کیا تو اللہ کی مدد (سناپ) کے ذریعے کی صحبت میں بہت جلد پہنچ گئی۔ حدیث میں اس پر  
 بھی اشارہ ہے کہ عادت داخلی کا بد سنا ہی غلبہ ہے۔ دیکھو سستی دلوں سے صواب کی  
 حیاض سے انکار کیا جو ان کا حق تھا تو ان کی وہ تمام بد ہر ناکام ہو گئیں جن سے سناپ  
 کے ذریعے کا علاج کیا کرتے اور اچھے ہو جاتے تھے (اے مہاجر کے متعلق عادت  
 اللہ جواب تھی وہ اس نازیبا حرکت کی وجہ سے بدل گئی) یہاں تک کہ انہوں  
 نے وہ حق اور کیا جس کو روک لیا تھا (تو پھر خدا نے یہی کوشاں دے دی) ایک  
 حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے، ۱۵، بعض، اللہ خود  
 اسلحہ صیغہ واضح شدہ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کوئے  
 میں مگر کی کے زمانے میں ان پر دوشس نازل کرتے ہیں اور مری میں مہاجر کا ان  
 کہہ دیتے ہیں کہ باطل کا ایک فقرہ نازل نہیں ہوتا۔ یہ تو ان مالک کے واسطے  
 ہے جو کو مری میں باطل کی ضرورت ہوئی ہے اور جن کو مری اور برسات میں  
 ضرورت ہوئی ہے ان پر جب اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے مگر اور برسات میں  
 بارشیں بند کر کے بارشوں میں برسات کر دیتے ہیں (غرض عادت اللہ کا بد غضب  
 کی نشانی ہے۔ اسی لیے بلی سلوک جب اپنی کسی حالت محمود میں تغیر پاتے ہیں  
 جس کے عادی تھے فوراً مریہ و زاری اور انتہی میں مشغول ہو جاتے و نفس کی پیروی  
 ضرورتوں میں غور کرتے۔ یہاں تک کہ اس کو تباہی کا پتہ نہ لگے جس سے یہ تغیر

سے یعنی نہ لگا کہ اس کو تقسیم کرو۔ مجاہدوں کو کہنے والے نے کہا بھی ایسا نہ کرو پہلے  
 دلوں، اللہ جل شانہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا وعدہ بیان کر پھر کہیں آپ کیا  
 کرتے ہیں راہ اس کو جائز قرار دیا تقسیم کر سکتے ہیں جائز قرار دیا تو اس پر کر دیں گے۔  
 پہنچا پھر ضرورت سے دم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے واقعہ بیان کیا۔ حضور  
 نے فرمایا تمہیں کس نے بتایا کہ عورت یا فاحشہ سے مجاہد ہرگز کیا ہو سکتی ہے۔ پھر  
 فرمایا تم نے شکی کیا اس میں و نہ کو تقسیم کر لو، پنے ساتھ میری جتنی گالو پھر مریہ اللہ  
 ملے اور اللہ و مسلم بنے گئے۔

۱۵، بعض حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مجاہد ہرگز ہر معاملہ لینا مہاجر ہے بشرطیکہ  
 ضرورت اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مجاہدوں کی جائے۔ اب سناں ہے کہ کلام اللہ  
 کے ہوا اللہ کی چیز سے بھی جو مجاہد جائز ہے ۱۵، بعض حدیث۔ تو اس پر دلات  
 نہیں ضرورت کی حدیث میں آتا ہے کہ مولیٰ اسے ملتا ہے و مسلم اس کے علاوہ اور بھی پاکیزہ  
 کلام ہم کیا کرتے ہیں جیسے اللہ اسلافی فی شعلہ الاضواء و اللہ العلیین اللہ  
 اشرف شہادہ و سلسلہ اور اس میں اور بھی دعائیں ہیں۔ کتاب اللہ اور اسلاف اللہ  
 اور پاکیزہ کلام کے سوا دیگر کلام سے مجاہد ہرگز کیا ہو سکتا ہے کہ نہایت کیا آتی ہے نیز ان کتاب  
 کی مجاہد ہرگز سے بھی نہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے علماء نے تو ان کتاب کو غریبوں سے منا  
 کیا ہے جن میں ہرگز ان کا لاغوش ہوتے ہیں جن کے سختی معلوم ہیں۔ ایسے ہی ہر  
 وہ زبان جس کے سختی معلوم ہو جس اس کا تغیر پہنچا ضرورت نہ ہو کہو کہ ممکن ہے اس  
 کے سختی میں شرف کوئی خرابی ہو تو تغیر پہنچنے والا نہ ہو کہ نہ ہو کہ مجاہد ہرگز  
 اور غیبت سے ہر معاملہ لینا نہ شرط کے ساتھ جائز ہے۔ ایک یہ کہ اس شخص  
 سے بات عہدہ اس فن کو حاصل کیا اور اصرار کیا کہ میں دیکھ کر غریب نہ لکھتا ہو۔ دوسرے  
 اس کو خبر بھی ہو کہ اس سے نفع ہوتا ہے۔ غیر سے معاملہ حالت طور سے  
 ملے کیا جائے۔ زکوٰۃ کہہ کر نہ لینا جائے جیسا عام طور سے روایات سے بشرطیکہ  
 کے کلام میں مذکور ہیں ۱۵، مرقم ۱۵۔

زیچہ اس کا اہتمام ہے وہ علماء کا ہر کھرج بحث و مکرر نہیں کرتے ۔

(۲۵۰) محبوب کی توجہ اور نظر لطف سے جذبات میں ایجاب پیدا ہوتا ہے

یہاں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ نبی کی توقیر عائشی کے جذباتِ محبت کو مجرعاتے اور اُس کے دل میں مسرت کی کہیں دوڑا دیتی ہے۔ دیکھو جب اللہ تعالیٰ کے حضور کے اصحاب کی مدح کرتا ہے تو یہ تو فرمائی کہ ان کو حضور کو ہمسی گوئی اور فرمانِ سال میں میرا بھی حصہ لگا لو (علاء کہہ پت جانتے تھے کہ صحابہ خود ہی ایسے موقع پر آپ کو ہدیہ پیش کرتے ہیں مگر انھیں بے حد اندیشہ تھا کہ آپ پر اپنی مسرت و فرحت ظاہر کرنے کے لیے آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرا بھی حصہ لگا دو تاکہ وہ بھی خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر مسرت و طرب کا اظہار کریں۔

قوله وعناشاده وهي عطف الحبيب بهيتم قلب المحب ويعرج له ويلين به وبشفاعة في  
قوله اهلها انه لا يكلمهم بما في قلوبهم ويسيرهم في ربيته بقدرته وتأخير -

(۲۵۱) مونیاسے زیادہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہیے حدیث میں اہل عرفاء اس لیے کہ اس کے بدن کو کما حقہ مل جائے جو فریبی فناء و ہول سے ڈلا ہے اور یہ جہان بھی فناء و ہول سے ڈلا ہے (جس کی یہ بدن پیداوار ہے) تو اس شخص کی ہمت کا کیا حاشا ہونا چاہیے جو عارفانی عالم کے لیے کوشش کر رہا ہو جس کی نصیحت فناء و ہول کی اور اس میں رہنے والا بھی نہ کر دے اور جہاں نہ پڑنا ہوگا (ہمیشہ جوان ہی رہے گا) تو جہاں زیادہ جہشتی و رغبت کی ضرورت ہے وہاں کسی اور کو وری ہوا تو جسے تعجب کی بات ہے اہل قلوب کو آخرت کے لیے دنیا و دوزخ سے زیادہ کام کرنا چاہیے۔ وہ لوگ دنیا سے فانی مرد کے لیے بے زلفت مرتے کھینچے رہتے ہیں۔ طالبان آخرت کو ان سے کم نہ رہنا چاہیے اور جس مرتع اہل

آج ہے تو اس کی تدفین کر دے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے  
 اِنَّ الشَّاهِدَ لَبِيعٍ وَمَكْشُورٍ حَتَّىٰ يُضَاقَ بِمَا يَأْتِيهِ مِنَ الْبُيُوتِ۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو  
 نہیں بدلتا جب تک ضرورت نہ اپنی حالت کو بدلے۔

حدیث میں اشتہار کے لئے ایک بہت بڑی حکمت پر مبنی اشارہ ہے کہ بستی و انوار میں سے غلبہ کسی پر آیا جس کا جوہر سنگین تھا۔ ایک کہ خفایف سے اشارہ کرنے میں مراد بقدر اہل عقائد عرب کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے مراد کے اشارہ پر چلتے ہیں جب وہ اس حرکت میں اصل عقائد غلبہ بھی اُٹھی پر یاد رکھنا کہ سانپ نے کسی کو ڈسنا ہلکا جرم کے موافق کوئی کمی۔ قولہ فیہ اشارۃً الی انہما قدر ملک میں اعراف کی جامعہ حد۔  
ما ملحہ الی قولہ زاد وفاقاً۔

و۔ ان سب فوائد پر موصوفی دگر دم کا محل سمجھنے کی زیادہ ہے ان میں جو مفید اور  
مشائخ ہیں وہ دوسروں کے تراویہ ٹوٹے اور غلطیوں سے بچنے پر غور رکھتے ہیں کیونکہ  
ان کی کوئی تائید کا دوسروں پر اثر نہ پاتا ہے اور غیب سے ان کو زیادہ تسخیر ہوتی ہے  
اسی طرح تقدیر پر اور لغو انہی کے جلد آنے پر ان کو زیادہ بھروسہ ہوتا ہے کہ یہی  
حضرات ہر زمانہ میں صحابہ کے نمونے ہیں۔

(۲۴۹) بزرگوں کو جب حق بات بتلائی جاتی ہے فوراً قبول کر لیتے ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن فضل دین دامن کو جب حق کی ہدایت کی جاتی ہے  
(غور!) اس کو کونوں کر لیتے ہیں عزت نفس (الذات بکبر و نخوت) ان پر غلبہ نہیں کرتی۔ دیکھو  
جہاد پیونک کرنے والے نے جب محابہ سے کہا کہ ابھی تقسیم ذکر و وجہ یکتہ کو اللہ  
مخلص و عید و سلم کی خدمت میں پیش جاؤ۔ سب نے اس کی بات مان لی اور بحث  
نہیں کی۔ قرآنہ و دلیل علی ان اهل الدین والفضل اذا اشدوا الى الحق قلوه  
ان قلوه و لا یحاجوا۔

ف۔ حق بات کو فوراً مان لینا تقویٰ کے مقاصد میں داخل ہے۔ صحیفہ، کتب سے



باب ۹۹

حدیث

## لاحی الا لله ولسوله

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کسی کے لیے نہیں بجز اللہ کے اور اُس کے رسول کے۔

**شرح** ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جی سب کی سب اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ اب رہا یہ کہ جی سے کیا مراد ہے؟ اور وہ بطریق تعجب کے ہے یا بخبر استحباب کے؟ اور کون اس کا زور دار ہے؟ اس کی شرطیں کیا ہیں؟ مومن کو مومن کہنا چاہیے۔ مومن ہو کر جی کے پانچ معنی (معت میں ہیں) ایک تو روک روک کر نہا۔ یعنی اس سے روک روک کر اہل حق کی اجازت دینا یہ تو اسلام کا مقرر کرنا ہے۔ تو جسے اللہ نے روکنے کا حق دیا ہے وہ روک سکتا ہے اور جس کو حق نہیں دیا وہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الملک الا اللہ حکم اور حکومت (حکومت اللہ کے لیے ہے۔ دوسرے معنی عزت اور حکومت ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے ولله العزة وللمؤمنون عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اُن کے رسول کے لیے اور مومن کے لیے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے باکایمان احقرنا ما ہم عزت ایمان کی وجہ سے معزز ہو سکتے ہیں۔ جی کے ایک معنی حفاظت اور بچہ ڈکے ہیں تو جو شخص اپنی حفاظت اور بچہ ڈکے کا طالب ہو اس کو جتنی حفاظت اور بچہ ڈکے اللہ اور رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں ان اللہ اور رسول کے اتباع اور عمل احکام

دینہ اپنے مہر و مال کی خدمت دل و جان سے کرتے اور اُن کی راحت کا ہر کام کرتے ہیں طالبانِ آخرت کو اپنے شائع کے لیے اُن سے زیادہ کرنا چاہیے۔

ایک مشہور بزرگ کولوگور نے کثرتِ عبادہ (وریاضت) پر ملامت کی تو فرمایا مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو کیونکہ میرے سامنے ایک صفت گھاٹی ہے جس سے وہی غم سے پاؤں ہو سکتے ہیں جو دلی ہٹی کروالے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے: باجہ خدا کا بالکل مانا اہل حق و عبادت داعی عقاب۔ بہت اور کوشش سے کام کرو سستی سے نہیں کیونکہ تمہارے سامنے عذاب بھی ہے اور کیا عذاب؟ (جس سے بچنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔) سختی اور غفلت کے ساتھ اُس سے نہیں بچ سکتے۔

قد وثقت الحدیث لاشد لا حول الا قول داعی عقاب۔

فتا۔ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تو تعویذ و سلوک کا پہلا قدم ہے کہ آخرت کو دینا سے مطمئن و مطمئن سمجھو۔ والسلام۔







## حدیث

## من لم یرشک بالله دخل الجنة

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے جبل احد کو دیکھا فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے منان جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس میں سے ایک دینار بھی ہے سوائے اُس دنیا کے جسے قرع (اد کرنے) کے واسطے رکھ چھوڑوں پھر فرمایا زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں مگر وہ جمال کو اس طرف اور اس طرف (خرچ) کرتا رہے ابوشہاب رضی اللہ عنہ نے (اس وقت) اپنے سامنے اور دائیں بائیں اشارہ کیا حضور نے فرمایا: اور اسے لوگ کہیں ہیں زیادہ وہی ہیں جو زیادہ بن کر مال پر سانپ کی طرح جم جاتے ہیں غریبوں کو نہیں دیتے پھر فرمایا: اے ابو ذر! جب تک میں نہ آؤں تم کسی جگہ نہ رہنا اور (یہ فرما کر) آپ کچھ دُور آگے بڑھ گئے میں نے ایک (انہی) آواز کی توجہ سے اس پیچھے کھلا دیا کیا میرے آپ کی بات یاد آگئی کہ تم کسی جگہ نہ رہنا اس لیے نہیں اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا جب آپ واپس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا چیز تھی یہ جو میں نے سنی یا یہ کی آواز تھی جو میں نے سنی (راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا لفظ صحابی نے کہا ہے) فرمایا کیا تم نے بھی (کاہر) سنی؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس

حالی میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک (عدائی) ذکر نہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اُس نے ایسے ویسے (گنہگار) کے کلام کئے ہوں۔ فرمایا ہاں اگرچہ اُس نے کیسے ہی کلام کئے ہوں۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص اسلام پر مرے گا جنت میں پہنچ کر صرح جائے گا اگرچہ اُس نے کیسے ہی کلام کئے ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ جنت میں پہنچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو اسلئے عذاب نہ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور جائے گا اگرچہ عذاب بھی دیا جائے تو جواب یہ ہے کہ ایک حدیث نے اُس کو صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان دو طرح کا ہے ایک وہ جس کا صاحب جہنم میں (اصل) نہ جائے گا۔ دوسرا وہ جس کا صاحب جہنم میں ہویشہ نہیں رہے گا۔

یہ دوسرا ایمان وہ ہے جس کے ساتھ گناہ بھی ہوں اور پہلا ایمان وہ ہے جو احکام کی تعمیل اور انہی سے اجتناب کے ساتھ ہو۔ حدیث اس معنی میں بہت ہیں اور اہل قرینہ گناہوں سے صرف اس لیے ڈرتے ہیں کہ گناہ بگاڑ کر حالت بدل جانے کا اندیشہ رہتا ہے دیکھیں یہ سنا ہو کہ ایمان سلب ہو جائے (کیونکہ گناہ کفر کے قاصد ہیں) جیسے نیک اعمال ایمان کے قاصد ہیں یعنی نیکیوں کا سلسلہ ایمان سے وابستہ ہے اور گناہوں کا رشتہ کفر سے ملا ہوا ہے۔

(۲۵۳) مباح چیزوں پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کے مباح چیزوں پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ پہرے عبادت میں نظر کرنا جائز ہے۔ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کو دیکھا۔ اگر آپ پہلے جہنم کی عبادت پر نظر نہ فرماتے تو یہ دیکھ لگتا کہ جہنم کی کسے عبادت ہے۔ تو قاصد پہاڑ کو دیکھ رہے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دوسروں کی طرح نہیں تھی آپ کی ہر نظر عبادت تھی کیونکہ وہ عبادت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی اور جب اس نیت سے نظر ڈالی جائے تو کتب و سنت کے بیان سے وہ غلطی دہر کی جلد ہے کہ کتاب اللہ

تو کہا جسے کہ اگر حضورؐ نے تین دن سے زیادہ رکھنے کی سعی کی ہے تو ان کی نفی میں کی جرح لوگ  
معافی کا نام کہہ سکتے ہیں وہ اس سے مطلقاً منع کی نفی میں کہہ سکتے ہیں کیونکہ جب کلمہ میں کوئی  
قید ہو تو کلمہ کی طرف راجع ہوتا ہے مگر یہ قید کی طرف۔ علماء بلاغت نے اس کی تصریح کی  
ہے کہ حدیث سے اشارہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم نہ چاہیے نہ زیادہ نہ چاہیے کیونکہ  
حضورؐ نے قرآن ادا کرنے کے لیے ایک دینار دیکھ چھوڑنے کا ذکر فرمایا۔ ایسا لفظ نہیں فرمایا  
جو مکمل و کثیر سبک شامل ہو۔ جب آپؐ نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جو مکمل ہی کو شامل ہے  
اور لفظ عام اختیار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپؐ کا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا (کہ  
قرآن زیادہ نہ کرنا چاہیے) کسی نے کہا ہے (اقل صحت الدین نقص حرا) (اپنے زمر)  
قرآن کم کرو اور زیادہ کرنا (زیادہ قرآن کرو گے تو آزادی میں غلغلہ پڑے گا) اور یہ جو آپؐ  
نے فرمایا کہ زیادہ مال دالنے ہی زیادہ کئی دالے ہیں اس میں چند احتمالات ہیں یا ایک  
یہ کہ ایسے لوگ (حساب و کتاب و عذاب سے) غلامی پانے والے کہ کم ہیں کیونکہ ان کے  
ذمہ حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور (مخوف کی وجہ سے) منکشات (باز پرس و غیرہ)  
زیادہ ہوں گے اسی لیے کہا گیا ہے حدیث احباب و حدیث احباب و حدیث احباب و حدیث احباب  
حساب (میں جتنا کرتا) ہے اور حدیث عذاب (میں گرفتار کرتا) ہے۔ یہ مطلب بھی ہو  
سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نیکیاں کم ہوں گی اگرچہ وہ نیک کلام زیادہ بھی کریں۔  
مطالبات کی کثرت سے نیکیاں کم ہو جائیں گی۔ کیونکہ میل جول اور تین دن میں ناجائز  
باتوں اور منوعات کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے جن کی اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔  
یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو (نیک اعمال کی) توفیق کم ہوئی ہے کیونکہ  
بعض لوگوں کو مال عبادات سے اور عبادت کے راستہ پر چلنے سے مانع ہوا ہے  
اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب معافی مراد ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کے بعد فرمایا مگر  
وہ جو مال کو اس طرف اور اس طرف خرچ کرتا رہے یعنی ہر طرف جہاں جہاں نظر  
آئیے یا فرستے معلوم ہو خرچ کرے تو دینے نہ کرے۔ ایسا نقص البتہ حساب و کتاب  
اور مطلب سے غلامی پانے کا اس کی نیکیاں کم نہ ہوں گی اس کو نیک اعمال کی توفیق

میں ہے اور نہ نظر صرف ملکوت السموات و الارض کی ان لوگوں نے آسمان زمین  
کے عجائبات (نقدت) میں نظر نہیں کی (بجواب اشارہ کے ان کو حید اور صحت ان پر شکست ہو  
جائی) اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے زمین و آسمان کی طرف نظر کا تاثر مطلوب  
ہے) نیز ارشاد ہے ویتخذون فن خلق السموات و الارض ربنا معانفت حفا  
بالا سب خلق اور (عقل نہ لوگ) زمین و آسمان کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں  
اور کہتے ہیں اسے پروردگار! تو نے اس کو کیا دکھائیں بنایا تو اس سے پاک ہے اور حدیث  
میں ہے اللہ اجمل نظر رکھتا ہے۔ اسے اللہ امیری نظر کو (مفید) حیرت بنا۔

دہی یہ بات کہ حضورؐ کی نظر حیرت حاصل کرنے کے لیے سعی کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ  
نے پہلی آمد کو دیکھ کر ایک قاعدہ خرچہ بیان فرمایا (بلکہ قاعدہ اگر یہ نظر حیرت  
کے لیے ہو تو کلام کا رنگ دوسرا ہوتا۔ کیونکہ ہر کلام فکر کا نتیجہ ہے فکر کلام کا  
مقدمہ ہے اور مقدمہ کے مابقی ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے) جب یہاں نتیجہ طراعتی درجہ کا ہے  
تو یقیناً آپؐ کی نظر بھی عقلی درجہ کی تھی حضورؐ نے اس مقام پر جو مقدمہ خرچہ بیان فرمایا  
ہے وہ یہ ہے کہ خیر کی (یعنی مال کی) کتنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے  
اشیاء میں انقلاب ہو سکتا ہے (پہاڑ سونا بن سکتا ہے) آخر سونا چاندی پہاڑ میں ہی تو  
پیدا ہوتا ہے۔ یہی کسی جگہ سونا بن جاتا ہے کسی جگہ چاندی کسی جگہ برقیق و زرد و سفید  
تیسرے یہ کہ قرآن لین مانز ہے اور تین دن یا اس سے کم مدت تک دنیا کا پاس رہنا  
دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں اور جو رقم قرآن ادا کرنے کے لیے رکھی جائے وہ بھی  
دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں چاہے تین دن سے زیادہ عمر تک رہے اور دنیا کو  
اس لیے حاصل کرنا کہ آخرت کے کاموں میں صرف کی جائے دنیا داری میں نہیں غلظت  
حدیث میں زہد کی ہدایت ہے یہ سب فوائد حضورؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوئے  
نہیں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بن جائے اور میرے پاس تین  
دن سے زیادہ اس میں سے ایک دنیا بھی رہے سوا اس دنیا کے جسے قرآن کے  
واسطے دیکھ چھوڑوں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضورؐ نے مال کی کتنا توفیق نہیں کی بلکہ اس کی نفی کی ہے

بھی زیادہ ہوگی، کیونکہ اس کا دل جب مال سے پاک ہوگا اور اعمال خیر سے مال مانع نہیں ہوگا بلکہ اس کی قیمت مانع ہوتی ہے۔

قرآن مجید، لیل علی، جواز النظر فی المباحات الی قولہ ومن اجل هذا احبہ بقولہ علیہ السلام اکرام قال بلال حکذا حکذا۔

(۲۵۴) صحبت کا ادب یہ ہے کہ ساتھی کو اطلاع کئے بغیر جدا نہ ہوئے۔ حدیث معلوم ہوگا کہ صحبت کا ادب یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے بغیر اطلاع کے جدا نہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ کر جدا ہوئے کہ میرے آتے تک اسی جگہ پر رہنا، بغیر اطلاع کے جدا نہیں ہوئے۔

قرآن مجید، دلیل مطلب، من ادب الصعبة ان لا یخلفوا العاصب الی قولہ مکالمۃ حق، آیت ۱۰۔

ف۔ صوفیائے ادب محبت میں اس کی تصریح کرتے ہیں اور یہ مسئلہ آداب معاشرت میں سے ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے ساتھی سے الگ ہو جانا اس کو پریشانی میں ڈالتا ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان کو ایذا نہ پہنچے۔

(۲۵۵) عاشق بدگمان ہو تو کہے اور تم کہہ کی بجائے اور یہ سب بڑی اطاعت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ عاشق بدگمان ہوتا ہے (حق امتیاز و ہنر بدگمانی) دیکھو حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے کہہ دو اگر آگے بڑھ گئے اور انھوں نے (انجمن) آواز نہ کی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (غصہ کا) اندیشہ ہوا اور ہوا کہ فوز، آپ کے پاس پانچویں مگر آپ کا حکم یاد کر کے رک گئے اور اس سے معلوم ہوگا کہ احکام کی بجا آوری سب سے بڑی طاعت ہے کیونکہ اگر ابوذر رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر اپنی جگہ پر جمے رہے کہ حکم کی تعمیل سب سے زیادہ مقدم ہے۔ انھوں نے تعمیل حکم کو اپنے اس جذبہ پر ترجیح دی جو محبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، اگرچہ اجنبی آواز سنتے ہی غصہ کے پاس

پہنچیں، یہ عارضین کا مقام ہے کہ ان کی طاعت بجا آوری حکم کے لیے ہے اپنی خواہش سے نہیں اور جاہل کماہانت اس کے برعکس ہے کہ وہ اپنی خواہش کے موافق طاعات بجا لگائے، اتباع حکم کی پابندی نہیں کرتا۔

قرآن مجید، لیل علی، ان احب بسواد النخل مولی اللہ قولہ والجالل بہندہ ولہ۔

(۲۵۶) بدوں تحقیق حال کے احکام نہ بیان کئے جائیں کہ جہاں تحقیق کی ضرورت ہو وہاں بغیر تحقیق حال کے احکام (شرعیہ) بیان نہ کئے جائیں، اگرچہ واقعہ معلوم بھی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے ان کے اس کئے کے بعد کہ یہ کیا آواز دیتی جن میں سے کئی چھوڑیافت فرمایا، تم نے یہ آواز کی؟ انھوں نے کہا ہاں، اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ یہ آواز میری دل کی تھی وہ مجھ سے یہ کہہ گئے ہیں۔ آپ کا دوبارہ پوچھنا یہاں تک کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابوذر نے آواز کی ہے اس بات کو بتلایا ہے کہ احکام انہی کو اہتمام کرنا چاہیے اور فرقہ راء احکام کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اس وقت جبریل نے جو کچھ کہا تھا وہ احکام انہی میں سے ایک (عظیم الشان) حکم تھا، تو معذرت سے اس کو سرسری طور سے بیان نہیں کیا بلکہ اہتمام اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا۔

قرآن مجید، لیل علی، ان اکرامہم اکرام لا تدکراکم بعدا لثبیت الی قولہ ارشاد الی اکرامہم بعدا لاکرامہ۔

(۲۵۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جس کو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں (فرشتوں کی آواز و غیرہ) سن دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سننے سے روک دیتے ہیں۔ دیکھو سبت احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے درمیان (میں بیٹھے ہوئے) وہی نازل ہوتی تھی پھر فرشتہ چلا جاتا اور صحابہ میں سے کوئی بھی کچھ نہ سنا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو

اسلام کے لیے اس کو نافع بنائیں اور میرے لیے یہ کتاب ذخیرۂ اور قریۂ بہتات بن جائے۔ وعاذہ علی اللہ بعز۔

چاشکی ہوگی اگر برادر مرزا بن مولوی شیر علی صاحب سخاوی سطر کا فکیر ہو اور نہ کروں کیا کچھوں نے بہت محنت و ایجاب نام اور صرف اندر کثیر سے اس کتاب کو طبع کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام دعاؤں کو ان کے لیے قبول فرمائیں اور ان کو جزائے غیر عطا فرمائیں۔  
 مہ نقشبستہ شوشم نہ بجزوت مانتہ تر شوشم  
 نقشہ بیاد کوئی ششم چہ ولایت دچہ مانتہ ششم

تست پانچویں

والحمد لله الذی بعزنا و جلالہ تتمہ الصالحات و صلی اللہ علیہ  
 علی سید الکائنات و اشرف المخلوقات سیدنا محمد و علیہ و  
 اصحابہ و اولیائہ و اولیائہ علیہ السلام الطاهرات و سلمہ  
 تسلیا کثیرا کثیرا

احقر غفر احمد عثمانی تہذیبی

بہر شوال الحکم ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۹ء عیسوی

مقام شہادہ مشرق پاکستان۔

دوسرے اور سنا دی گئی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

قرآن فیہ دلیل علی عظیم قدرتہ العالی قرآن فیہ دلیل علی عظمیٰ شیعہ قدرہ

فت۔ یہ بھی خصوص کا بڑا مسئلہ ہے اگرچہ حکمیں بھی اس کو بیان کرتے ہیں اور یہ مسئلہ عقائد میں داخل ہے مگر اس کا پورا اکتان صرف اور کلم ہی کو نصیب ہے کسی نے یہ نصیحتیں متاویز کم کرتے ہیں اگرچہ بقا پر عمل سے جاہد ہوں کیونکہ وہ قدرت خداوندی سے کسی چیز کو بعید نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یہی ہدایت کی اس دولت سے مستر عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد لله انما ہر روز شنبہ ارشوال الحکم مسیح کو رموز اللہ و سر تریخہ انفس کا دوسرے حصہ قرآن التزلزل کے ساتھ جو دیا ہے حصہ اولیٰ میں نہ کہ میں تمام ہوا۔ مگر اس وقت اس کی کچھ آئینہ دہی کیونکہ ۹ ماہ کی مسلسل عیادت نے مجھے تعین و تکلیف سے دوک دیا تھا۔ رمضان سے پہلے رمضان زیادہ تھا اور یہ آئینہ شہر کا رمضان میں روزہ و تلوذ کی کیرم سے رمضان بڑھ جاسے گا مگر اگر نہ کہ رمضان و اعمال رمضان کی برکت سے صحت پہلے سے اچھی ہو گئی اور شوال میں اس قابل ہو گیا کہ تریخہ دوم پورا کر دوں۔

بہرہ انفس کے حصہ اولیٰ و دوم میں کل سو مرتبہ ہیں اور دیا ہے صفت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بخاری کی تین سو مرتبہ کی شرح کی ہے۔ جزئی مولوی محمد ارباب صاحب کاندھلوی سطر اللہ تعالیٰ سے صحت و مقررہ دار العلوم دیوبند سے معلوم ہوا کہ انہوں نے انفس کے دو حصے اور بھی لکھے ہوں گے ہیں جو ان کے پاس پہنچ گئے ہیں مگر میرے پاس اب تک نہیں پہنچے۔ اگر وہ دو حصے بھی مل گئے اور صحت و طاقت اور ترقی نے یاد کی تو انشاء اللہ ان کا ترجمہ بھی اسی طرز پر ناظرین کے خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ورنہ اسی قدر پر کفایت ہے اور کیا جب یہ کہہ گا اور صاحب دلی بقیہ جلدوں کا ترجمہ اسی طرز پر میرے اچھا کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستبدانہ بنیاد و الزلزل و اصحاب و اہل بیت کلم سے فیض اور نام بخاری رتقہ اللہ علیہ اور یہ ان الیہ جو رتقہ اللہ علیہ کے انفس کے تفسیر کی برکت سے اس خدمت کو قبول فرمائیں اور میرے اور جملہ احباب و اصحاب و برادران